

سلسلہ تصوف نمبر ۱۷۱
اردو ترجمہ شریف

عقائد مجددیہ

المستوفیہ
الضراط السوی ترجمہ عقائد توریشتی

مُصنّفه

جناب مرشد شہاب الدین توریشتی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمہ مرتبہ

علامہ مہاراجہ دران مقبول ایزد سبحان مولانا مولوی اختر محمد خاں صاحب ام پوری حنفی
قادر نقشبندی مجددی خلیفہ مجاز قدوة السالکین بدۃ العارفين مقبول الثقلین
مولانا مولوی احمد حسین خاں صاحب مروہی حید آبادی نقشبندی مجددی ام الفضل حنفی ابلی

اللہم ایلک قلوبی وکل

مہاراجہ مہاراجہ فضل الدین نقشبندی مجددی تاجری جگر تاجری

کوچہ گنجان - بازار شہر میری لاہور

نے بصرف نیکو بامعاورہ اردو ترجمہ کر اگر نہایت صحت کے ساتھ چھپوائی



GRANTAL SUPPORT BY



CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

Masood Faisal Jhandir Library

سلسلہ تصوف نمبر ۱۷۱

اردو ترجمہ کتاب

المعتمد في المعقّد

المسجد

القسط السوي ترجمه عقائد لورپشی

مفتی

جناب علامہ شہاب الدین توربشتی رحمۃ اللہ علیہ ۶۳۰ ہجری

مستخرج من مقتبة

علامہ ہاں فاضل دارالمقبول زیر سبحان مولیٰ اختر محمد خاں صاحب رام پوری حنفی
قادری نقشبندی مجددی خلیفہ مجاز قدوۃ السالکین بدۃ العارفین مقبول ثقلین
مولیٰ مولیٰ احمد حسین خاں صاحب امروہی حیدر آبادی قادری نقشبندی مجددی
دام بغض الخفی والحسلی

چسے بعد حصول حق حقوق ترجمہ از مستہمم

امداد والے کی قومی حکام ملک چننے والے ملک چننے والے کی قومی حکام ملک چننے والے کی قومی حکام

تاجر کتب می، منزل نقشبندیہ، کوچ کنہ یان، بازار کشمیری لاکھو

كَلِمَتِي كَلِمَتِي لَا هُوَ مَلِكٌ يَا هَهُمَا مَلِكٌ مَلِكٌ لِلَّهِ حَتَّى

وعظ و عقائد کی قابل دید کتابیں

اردو ترجمہ کتاب تہذیب کرة العظمین

یہ کتاب سراپا برکت اور رحمت مولانا مولوی محمد جعفر القریشی حنفی المذہب کی تصنیف سے عربی زبان میں تھی۔ اس کا اردو ترجمہ بصرف زر کثیر نہایت محنت سے عام ثنائین کے لئے عموماً اور واعظین کے لئے خصوصاً کرایا گیا ہے۔ جو ہر ایک مسلمان کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے تمام مسائل شرعیہ کو شرح و بسط کے ساتھ اس کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ قیمت ۱۲

مجموعہ خطب خلیق

یہ مجموعہ خطیبوں اور واعظوں کے لئے توازیں مفید ثابت ہو چکا ہے۔ اس میں سال تمام کے خطبے جمعہ، عیدین وغیرہ کے خطبے درج ہیں۔ اس مجموعہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مجموعہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ناظرین ضرور منگو اگر ملاحظہ فرمائیں۔ قابل دید ہے۔ قیمت ۱۵

توضیح العقائد

عقائد اسلام میں ایک یر دست جامع اور دلکش کتاب ہے۔ یہ کتاب بطور سوال و جواب تصنیف ہوئی ہے۔ مصنف حضرت مولانا حاجی شاہ محمد رکن الدین صاحب الوری مصنف کا نام نامی و اسم گرامی ہی اس کتاب کی سراپا تعریف ہے۔ نہایت اعلیٰ چکنے کاغذ پر بڑی صحت اور صفائی سے خوشخط نہایت اعلیٰ طبع کرائی گئی ہے۔ جو شخص اس کتاب کے مسائل اور رکن الدین کے مسائل ذہن نشین کر لیگا۔ گویا وہ ایک پورا پورا عالم بن جائے گا۔ نہایت قابل دید کتاب ہے۔ قیمت صرف ۱۲

امد و ایسی قومی دکان کشمیری بازار لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین و مطالب کتاب انصار السوئی ترجمہ عقائد پوری

مترجمہ
جناب لٹنامووی حسرت محمد خاں صاحب متوطن برمان پور

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ | نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|-----------|--------------------------------------|------|-----------|-----------------------------------|------|
| ۱ | مقدمۃ الکتاب از مترجم | ۱ | ۲۳ | محکمہ اہل اہل کا بیان | ۱۶ |
| ۲ | حمد و ثناء | ۱ | ۲۴ | قدریہ، طرحیہ | ۱۷ |
| ۳ | علم کلام کی تعریف | ۳ | ۲۵ | بخاریہ، بکریہ | ۱۷ |
| ۴ | علم کلام کی تدوین کا سبب | ۴ | ۲۶ | فرقہ اہل اسنت و الجماعت | ۱۸ |
| ۵ | افتراق اُمت کی حدیث | ۵ | ۲۷ | اہل اسنت و الجماعت کی تقسیم | ۱۸ |
| ۶ | فرقائے ضالہ سے مراد کون ہیں | ۶ | ۲۸ | ارکان اربعہ اہل اسنت | ۱۹ |
| ۷ | اختلاف اُمت کی دلچسپ کہانی | ۷ | ۲۹ | صفت اسلام کا جاننا ضروری ہے | ۱۹ |
| ۸ | سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ | ۸ | ۳۰ | رکن اَدل | ۱۹ |
| ۹ | جموئے مدعیان نبوت | ۹ | ۳۱ | رکن دوم | ۲۰ |
| ۱۰ | واقعہ باندہ شہادت عثمان | ۱۰ | ۳۲ | رکن سوم | ۲۰ |
| ۱۱ | اُمت میں ایک ناگفتنی اختلاف کی ابتدا | ۱۱ | ۳۳ | رکن چہارم | ۲۱ |
| ۱۲ | واقعہ جیل | ۱۲ | ۳۴ | اشاعرہ اور ماتریدیہ کی حقیقت | ۲۲ |
| ۱۳ | جنگ جیل کی کیفیت | ۱۳ | ۳۵ | بارہ سنی جن میں مابین ماتریدی اور | ۲۳ |
| ۱۴ | جنگ صفین | ۱۴ | ۳۶ | اشعری کے اختلاف ہے | ۲۳ |
| ۱۵ | گمراہ فرقوں کی ابتدا | ۱۵ | ۳۷ | زمانہ موجودہ کی حالت اور جدید | ۲۴ |
| ۱۶ | خوارج کی تقسیم | ۱۶ | ۳۸ | فرقوں کا احداث | ۲۴ |
| ۱۷ | مقتزلہ کی دوستان | ۱۷ | ۳۹ | فرقائے وہابیہ کے بعض عقائد | ۲۵ |
| ۱۸ | فرقہ سبائیہ | ۱۸ | ۴۰ | ختم نبوت سے انکار | ۲۵ |
| ۱۹ | فرقائے ردافض | ۱۹ | ۴۱ | آنحضرت کے وسعت علم سے انکار | ۲۶ |
| ۲۰ | بخاریہ، باطنیہ، زیدیہ | ۲۰ | ۴۲ | امکان کذب باری تعالیٰ | ۲۸ |
| ۲۱ | امامیہ اور اُس کے فرقے | ۲۱ | ۴۳ | فرقہ مرزائیہ، و۔ فرقہ علینہ | ۲۹ |
| ۲۲ | فرقائے خوارج | ۲۲ | ۴۴ | عینی ہمدی کا فرقہ | ۲۹ |

| صفحہ | مضمون | نمبر شمار | صفحہ | مضمون | نمبر شمار |
|------|---|-----------|------|--|-----------|
| ۸۲ | مبتدعین کی تردید میں ایک مثال۔ | ۶۹ | ۳۰ | فرقہ حیرتیبہ کے عقائد | ۴۳ |
| ۸۳ | قرآن غیر مخلوق اور کلام خدا ہے۔ | ۷۰ | ۳۱ | فرقہ نیچریہ کے عقائد و اطوار | ۴۴ |
| ۸۴ | آٹھویں فصل رویت الہی کا بیان | ۷۱ | ۳۲ | موجودہ تراجم کی حالت | ۴۵ |
| ۸۶ | مرئی کی حقیقت | ۷۲ | ۳۵ | ترجمہ کتاب ہذا کی حقیقت | ۴۶ |
| ۸۷ | رویت الہی کے ثبوت میں قرآنی دلیل | ۷۳ | ۳۶ | عقائد توحیدی کہاں سے دستیاب ہوئی | ۴۷ |
| ۸۸ | ارنی نظر الیک کی تفسیر | ۷۴ | ۳۹ | آغاز ترجمہ کتاب ہذا | ۴۸ |
| ۸۹ | دنیا میں رویت الہی ناممکن ہے | ۷۵ | ۳۹ | حمد | ۴۹ |
| ۸۹ | ابصار و ادراک کے معنی | ۷۶ | ۴۰ | نعت - و سبب تصنیف کتاب | ۵۰ |
| ۹۱ | کیا معراج کی رات آنحضرتؐ فرما کر دیکھا | ۷۷ | | پہلا باب خدا پر ایمان لانے میں اور | ۵۱ |
| ۹۲ | اس مسئلہ میں مسلمانوں کا غلط فہم کیا نہیں | ۷۸ | ۴۳ | اس میں دس فصلیں ہیں۔ | ۵۲ |
| ۹۳ | توہین فصل - قضا و قدر پر ایمان لانے اور ارادت و مشیت کا بیان | ۷۹ | ۴۳ | پہلی فصل - ایمان کے معنی | ۵۳ |
| ۹۳ | خیر و شر خدا کی تقدیر سے ہے۔ | ۸۰ | ۴۵ | دوسری فصل - خالق عالم کی شناخت | ۵۴ |
| ۹۴ | ایک لطیف اشارہ | ۸۱ | " | عوام کا ایمان۔ | ۵۵ |
| ۹۵ | قرآنی دلیلیں | ۸۲ | " | اصحاب علم کا ایمان۔ | ۵۶ |
| ۹۷ | قدریہ کا خلاف اور جبریت کا مذہب | ۸۳ و ۸۴ | ۴۷ | کالموں کا ایمان۔ | ۵۷ |
| ۹۸ | قدریہ کی نسبت مجوس کے ساتھ | ۸۵ | | طریق معرفت خالق عالم۔ | ۵۸ |
| ۱۰۰ | قدریہ کے ایک شبہ کا جواب | ۸۶ | ۵۱ | تیسری فصل - خالق عالم کے قدیم | ۵۹ |
| ۱۰۱ | قضا کے معنی | ۸۷ | | اور بے ہمتا ہونے کے بیان میں | |
| ۱۰۲ | قدریہ کے ایک اور شبہ کی تردید | ۸۸ | ۵۳ | چوتھی فصل - اثبات صفات باری تعالیٰ | ۶۰ |
| ۱۰۳ | قدریہ کیوں غلطی میں ہیں | ۸۹ | ۵۶ | پانچویں فصل - باری تعالیٰ کے سہا | ۶۱ |
| ۱۰۴ | قضا و قدر کے باب میں ایک حدیث | ۹۰ | | و صفات کی معرفت میں | |
| ۱۰۵ | دسویں فصل - کلمہ شہادت کی تشریح اور تنزیہ فی التوحید کا بیان | ۹۱ | ۵۷ | نقشہ نو و نہ نام باری تعالیٰ | ۶۲ |
| ۱۰۶ | کلمہ توحید کی وجہ تسمیہ | ۹۲ | ۶۲ | اللہ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں نہ غیر | ۶۳ |
| ۱۰۷ | پانچ قسم کا شرک | ۹۳ | ۶۳ | صفات الہی میں تضاد و مفارقت نہیں | ۶۴ |
| ۱۰۸ | ایمانیات کی تفصیل | ۹۴ | ۶۵ | اسم کو غیر مسمیٰ کہنے والوں کی تغلیظ | ۶۵ |
| | دوسرا باب فرشتوں - کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے اور موت کے بعد احوال آخرت کی تفصیل کا بیان | ۹۵ | ۶۶ | چھٹی فصل مراتب صفات اور | ۶۶ |
| | | | ۶۷ | اقسام مشکلات و مقابلات کا بیان | ۶۷ |
| | | | ۶۹ | چند آیات و احادیث کی تاویلات | ۶۸ |
| | | | ۸۰ | ساتویں فصل - کلام خدا مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ | ۶۹ |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ | نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|-----------|-----------------------------------|------|-----------|--|------|
| | پہلی فصل لفظ نبوت کے معنی اور | | ۱۲۱ | زن اور یا اور داؤد کا واقعہ جھوٹا ہے | ۱۲۸ |
| ۹۶ | اس کے اثبات میں اور رسالت دے | ۱۱۰ | ۱۲۲ | زن اور یا کا سچا واقعہ | ۱۲۹ |
| | نبوت میں فرق کا بیان - | | ۱۲۳ | نکاح حضرت زینبؓ | ۱۳۰ |
| ۹۷ | لفظ نبوت کی تحقیق - | ۱۱۰ | ۱۲۴ | وجہ نکاح حضرت زینبؓ | ۱۳۱ |
| ۹۸ | عبادت کیوں فرض ہے - | ۱۱۱ | ۱۲۵ | آنحضرت کا زینبؓ کے نکاح حسب زمانہ | |
| ۹۹ | بعثت انبیاء کی ضرورت - | ۱۱۲ | | الہی تھا - | ۱۳۲ |
| ۱۰۰ | اثبات نبوت | ۱۱۳ | ۱۲۶ | منافقین کی زبان درازی | ۱۳۲ |
| ۱۰۱ | سحر و معجزہ کی تحقیق | ۱۱۴ | ۱۲۷ | اس باب میں علماء متاخرین کی غلطی | ۱۳۳ |
| ۱۰۲ | ایک اعتراض کا جواب | ۱۱۴ | ۱۲۸ | آنحضرت کی نزاہت نظر پر ایک سچی نقل | ۱۳۵ |
| ۱۰۳ | دجال کے کذب عوی کی دلیل | ۱۱۵ | ۱۲۹ | ملک الفرائق العلاء والا قصہ | ۱۳۷ |
| ۱۰۴ | دعوت الی الحق میں انبیاء کا اتفاق | ۱۱۶ | ۱۳۰ | یہ قصہ اس طرح جھوٹا ہے - | ۱۳۸ |
| | دوسری فصل - پیغمبروں پر ایمان | | ۱۳۱ | القاء شیطانی کی بحث | ۱۳۹ |
| ۱۰۵ | دلانے اور ان کے ضروری خصائص | ۱۱۶ | | تیسری فصل خاتم الانبیاء اور | |
| | درجات کے بیان میں | | ۱۳۲ | آپ کے معجزات کے بیان میں | ۱۴۰ |
| ۱۰۶ | انبیاء پر ایمان لانے کا طریقہ | ۱۱۶ | ۱۳۳ | معجزات کا بیان | ۱۴۱ |
| ۱۰۷ | انبیاء میں دو خصوصیتیں | ۱۱۷ | ۱۳۴ | قرآن میں سب سے بڑا معجزہ ہے - | ۱۴۳ |
| ۱۰۸ | ایک اعتراض کا جواب | ۱۱۸ | ۱۳۵ | دعویٰ اعجاز | ۱۴۵ |
| ۱۰۹ | باب تائید انبیاء | ۱۱۸ | ۱۳۶ | اعجاز قرآن کی پہلی وجہ | ۱۴۵ |
| ۱۱۰ | انبیاء سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی | ۱۱۹ | ۱۳۷ | دوسری وجہ | ۱۴۵ |
| ۱۱۱ | انبیاء سے صدور ذلت | ۱۲۰ | ۱۳۸ | قرآنی معجزہ کا مقابلہ علیؓ کے معجزات | ۱۴۶ |
| ۱۱۲ | عصمت انبیاء کا ذکر | ۱۲۰ | ۱۳۹ | قرآن میں عورت و محبت دونوں ہیں | ۱۴۷ |
| ۱۱۳ | حضرت آدمؑ کی ذلت | ۱۲۱ | ۱۴۰ | آپ کے حالات خود معجزہ ہیں | ۱۴۸ |
| ۱۱۴ | حضرت ابراہیمؑ کی ذلت | ۱۲۲ | ۱۴۱ | چوتھی فصل آنحضرت کے ایمان | |
| ۱۱۵ | حضرت یوسفؑ کی ذلت | ۱۲۳ | | لانے اور دعوات امور کی شناخت | ۱۵۰ |
| ۱۱۶ | حضرت یوسفؑ کے قصہ کی تکذیب | ۱۲۴ | ۱۴۲ | آنحضرت قوم بن کی طرف بھی مبعوث تھے | ۱۵۱ |
| ۱۱۷ | لولائے برغان ربہ کی بحث | ۱۲۴ | ۱۴۳ | انما سمعنا کتاباً انزل من بعد کی تفسیر | ۱۵۲ |
| ۱۱۸ | برادران یوسفؑ کی نبوت کسی نص | ۱۲۵ | ۱۴۴ | آنحضرت کی رسالت عام تھی | ۱۵۳ |
| | صریح سے ثابت نہیں - | | ۱۴۵ | آنحضرت کا خاتم الانبیاء ہونا - | ۱۵۴ |
| ۱۱۹ | حضرت داؤدؑ کی ذلت | ۱۲۷ | ۱۴۶ | ختم نبوت کے دلائل | ۱۵۵ |
| ۱۲۰ | تسبیح و تسنوں نعت کی بحث | ۱۲۸ | ۱۴۷ | آنحضرت اپنی قوم کے دین پر مبنی تھے | ۱۵۷ |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ | نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|-----------|--|------|-----------|-------------------------------------|------|
| ۱۴۸ | ایک شہر انداس کی تردید | ۱۶۰ | ۱۴۴ | دوسری حجت | ۱۸۵ |
| ۱۴۹ | آنحضرت فاضل ترین انبیاء ہیں | ۱۶۱ | ۱۴۵ | منکرین بعثت کا خیال | ۱۸۶ |
| ۱۵۰ | ان دلائل کا تتمہ | ۱۶۲ | ۱۴۶ | اہل اسلام کی ایک جماعت جو منکرین | ۱۸۸ |
| ۱۵۱ | تفاضل بین الانبیاء | ۱۶۳ | ۱۴۷ | بعثت کی جانب میل رکتی ہے | ۱۸۹ |
| ۱۵۲ | لا تخیرونی علی ابراہیم کے معنی | ۱۶۴ | ۱۴۸ | انسان اسی کا لبد میں اٹھایا جائیگا | ۱۹۰ |
| ۱۵۳ | اول من یتسی کے معنی | ۱۶۵ | ۱۴۹ | نویں فصل آخرت کے احوال میں | ۱۹۱ |
| ۱۵۴ | یونس ابن متی والی حدیث کے معنی | ۱۶۶ | ۱۵۰ | الامن شاء اللہ سے مراد کون ہے | ۱۹۱ |
| ۱۵۵ | آنحضرت سے کبھی حق کو نہیں چھپایا۔ | ۱۶۷ | ۱۵۱ | سوال مذکور | ۱۹۲ |
| ۱۵۶ | تمام انبیاء آپ کی منزلت کے عاجز ہیں | ۱۶۸ | ۱۵۲ | دو ذوں نقوں کی درمیانی مدت میں | ۱۹۳ |
| ۱۵۷ | پانچویں فصل فرشتوں پر ایمان لانے کا بیان | ۱۶۹ | ۱۵۳ | ساہرہ کی تفسیر | ۱۹۴ |
| ۱۵۸ | جنات کے دو گروہ | ۱۷۰ | ۱۵۴ | انقلاب جہاں کی ترتیب | ۱۹۵ |
| ۱۵۹ | فرشتوں پر ایمان لانا | ۱۷۱ | ۱۵۵ | شفاعت خاتم النبیین | ۱۹۶ |
| ۱۶۰ | وجود ملائکہ سے انکار کرنا بے دینی ہے | ۱۷۲ | ۱۵۶ | نامہ اعمال پڑھنے کے بعد محاسبہ ہوگا | ۱۹۷ |
| ۱۶۱ | اقسام فرشتگان | ۱۷۳ | ۱۵۷ | محاسبہ کے معنی و تفصیل | ۲۰۰ |
| ۱۶۲ | پہلی فصل کتب آسمانی پر ایمان لانے کے بیان میں | ۱۷۴ | ۱۵۸ | جنت اور دوزخ میں بعض مومنین اور | ۲۰۱ |
| ۱۶۳ | قرآن پر ایمان لانے کا طریق | ۱۷۵ | ۱۵۹ | بعض کفار کا بے حساب دخل ہوگا | ۲۰۲ |
| ۱۶۴ | بحث ناسخ و منسوخ | ۱۷۶ | ۱۶۰ | وزن اعمال کا بیان | ۲۰۳ |
| ۱۶۵ | موجودہ توریت و انجیل قابل اعتبار نہیں | ۱۷۷ | ۱۶۱ | وزن اعمال اس طرح ہوگا۔ | ۲۰۴ |
| ۱۶۶ | ایک اعتراض کا جواب | ۱۷۸ | ۱۶۲ | صراط کا بیان | ۲۰۵ |
| ۱۶۷ | ساتویں فصل یوم آخرت پر ایمان لانے میں | ۱۷۹ | ۱۶۳ | صراط کے متعلق لطیف بیان | ۲۰۶ |
| ۱۶۸ | یوم آخرت سے مراد کیا ہے | ۱۸۰ | ۱۶۴ | جنت و دوزخ کی تعریف | ۲۰۷ |
| ۱۶۹ | یوم آخر کی تفسیر | ۱۸۱ | ۱۶۵ | دسویں فصل قیامت کی شرطوں | ۲۰۸ |
| ۱۷۰ | جماعت کا استعمال دو معنوں میں | ۱۸۲ | ۱۶۶ | قیامت کے بیان میں | ۲۱۰ |
| ۱۷۱ | آٹھویں فصل موت کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانے میں | ۱۸۳ | ۱۶۷ | قیامت کی علامتیں بہت ہیں | ۲۱۱ |
| ۱۷۲ | دلائل بعثت بعد الموت | ۱۸۴ | ۱۶۸ | ظہور محمدی علیہ السلام | ۲۱۲ |
| ۱۷۳ | پہلی حجت | ۱۸۵ | ۱۶۹ | لاحمدی الایمانی ابن مریم کے معنی | ۲۱۳ |
| | | | ۱۷۰ | اس باب میں اخبار منقولہ کا درجہ | ۲۱۴ |
| | | | ۱۷۱ | حمدی کے باب میں شیعہ کا خیال | ۲۱۵ |
| | | | ۱۷۲ | قیامت کی دس بڑی علامتیں | ۲۱۶ |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ | نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|-----------|--|------|-----------|--|------|
| ۲۰۰ | دجال کا بیان | ۲۱۶ | ۲۲۵ | معاہدہ اہل تشیع اور ان کے جواب | ۲۲۶ |
| ۲۰۱ | دجال کے متعلق احادیث اور ان کا مرتبہ | ۲۱۸ | ۲۲۶ | حضرت ابو بکر کی فدائیت | ۲۲۸ |
| ۲۰۲ | دجال کی صفت میں ایک اشکال | ۲۱۹ | ۲۲۷ | اہل تشیع کا اعتراض اور اس کا جواب | ۲۵۱ |
| ۲۰۳ | ایک اور اشکال | ۲۲۰ | ۲۲۸ | موجبات تفضل ابو بکرؓ | ۲۵۲ |
| ۲۰۴ | حضرت علیؓ کے کارندوں | ۲۲۲ | ۲۲۹ | اہل تشیع کا قول کہ علیؓ ابو بکر کی بدعت سے کارہ تھے اور اس کا جواب | ۲۵۶ |
| ۲۰۵ | خروج یا جوج و ماجوج | ۲۲۵ | ۲۳۰ | وہ احادیث جن سے شیعہ حضرت علیؓ کی خلافت بافضل ثابت کرتے ہیں | ۲۵۸ |
| ۲۰۶ | طاعون کی حقیقت | ۲۲۵ | ۲۳۱ | حدیث غدیر خم کے معنی | ۲۵۹ |
| ۲۰۷ | مغرب سے طلوع آفتاب | ۲۲۵ | ۲۳۲ | جو تہمتیں اس مرتبہ صحابہ اور ان کی توقیر کے بیان میں | ۲۶۴ |
| ۲۰۸ | اُمن وقت کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا | ۲۲۷ | ۲۳۳ | ایک عجیب نزات شیخین کی نصیحت میں | ۲۶۵ |
| ۲۰۹ | ایمان یا اس مقبول نہیں | ۲۲۹ | ۲۳۴ | بعد تیغین کے تہتین کا مرتبہ ہے | ۲۶۶ |
| ۲۱۰ | دائتہ الارض کا ٹکنا | ۲۳۰ | ۲۳۵ | استحقاق خلافت عثمان | ۲۶۷ |
| ۲۱۱ | دخان کا ظاہر ہونا | ۲۳۰ | ۲۳۶ | عشرہ مبشرہ | ۲۶۸ |
| ۲۱۲ | آگ نکلنا | ۲۳۱ | ۲۳۷ | علیؓ کے تمام صحابہ کی تعظیم کرنی چاہئے | ۲۶۹ |
| ۲۱۳ | احادیث خروج نار میں ایک اشکال | ۲۳۱ | ۲۳۸ | علیؓ کی محبت کا نشان درست | ۲۷۰ |
| ۲۱۴ | تیسرا باب - اعتقادی مسائل | ۲۳۲ | ۲۳۹ | خالفین علیؓ پر طعن درست نہیں | ۲۷۱ |
| ۲۱۵ | پہلی فصل وجوب امامت کا بیان | ۲۳۲ | ۲۴۰ | باغی بغی کے سبب دائرہ اسلام | ۲۷۲ |
| ۲۱۶ | وجوب امامت کی بڑی دلیل اجماع صحابہ ہے | ۲۳۷ | ۲۴۱ | غیر باغی نہیں ہوتا | ۲۷۳ |
| ۲۱۷ | دوسری فصل امامت کے شرائط | ۲۳۸ | ۲۴۲ | پانچویں فصل زمانے اسلام کے | ۲۷۴ |
| ۲۱۸ | کتنے لوگوں کے اتفاق سے امامت قائم ہو سکتی ہے | ۲۳۸ | ۲۴۳ | اور اس بیان میں کہ بندہ گناہ سے | ۲۷۵ |
| ۲۱۹ | امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں | ۲۳۹ | ۲۴۴ | کافر نہیں ہوتا اور اس بدعت کے | ۲۷۶ |
| ۲۲۰ | اختلاف مابین علیؓ و ابن عباسؓ | ۲۴۰ | ۲۴۵ | بیان میں جو کفر ہے | ۲۷۷ |
| ۲۲۱ | شیعوں کے قول کا نفاذ و بطلان | ۲۴۲ | ۲۴۶ | فرقہ خوارج | ۲۷۸ |
| ۲۲۲ | فرقہ باطنیہ | ۲۴۲ | ۲۴۷ | صاحب کبیرہ کا فر نہیں ہوتا | ۲۷۹ |
| ۲۲۳ | تیسری فصل اس بیان میں کہ بعد | ۲۴۲ | ۲۴۸ | تکبیر کے اسباب و دواخی | ۲۸۰ |
| ۲۲۴ | حضرت کے ابو بکرؓ خدیفہ برحق تھے | ۲۴۲ | ۲۴۹ | فرقہ نظامیہ | ۲۸۱ |
| ۲۲۵ | مکرر مت ابو بکرؓ کے پیچھے ہٹنا درست نہیں | ۲۴۲ | | | |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ | نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|-----------|--|------|-----------|---|------|
| ۲۴۸ | کلمہ فی النار کی توضیح | ۲۸۰ | ۲۴۱ | تقیہ کے باب میں ایک اعتراض | ۳۰۸ |
| ۲۴۹ | فرمائے زوالہ مغلہ فی النار ہیں | ۲۸۱ | ۲۴۲ | کی تردید | ۳۱۰ |
| ۲۵۰ | چھٹی فصل نماز گزاران امت کو بیان | ۲۸۲ | ۲۴۳ | روح کا بیان | ۳۱۰ |
| ۲۵۱ | صاحب کبیرہ کی تکفیر مذہب خوارج کا ہے | ۲۸۲ | ۲۴۴ | روح حادث ہے | ۳۱۰ |
| ۲۵۲ | صاحب کبیرہ کے اعمال حیطہ نہیں جوتے | ۲۸۴ | ۲۴۵ | مخلوق روح کا لفظ فرمایا | ۳۱۱ |
| ۲۵۳ | مرتد کے باب میں علماء کا اختلاف | ۲۸۵ | ۲۴۶ | روح کے حدوث پر شرعی دلائل | ۳۱۲ |
| ۲۵۴ | ساتویں فصل چند بدعتیوں کے بیان میں مدائن کے جواب کے | ۲۸۷ | ۲۴۷ | روح کے متعلق بعض متکلمین کی باتیں | ۳۱۴ |
| ۲۵۵ | اللہ پر کچھ واجب نہیں | ۲۸۷ | ۲۴۸ | اقوال بزرگان دین کی تاویل | ۳۱۵ |
| ۲۵۶ | مسئلہ تمکین و تقبیح | ۲۸۹ | ۲۴۹ | حقیقت روح | ۳۱۶ |
| ۲۵۷ | سوال منکر و نکیر | ۲۹۰ | ۲۵۰ | روح کے اور احکامات بعد از مرگ | ۳۱۷ |
| ۲۵۸ | جنت اور دوزخ دونوں موجود اور مخلوق ہیں | ۲۹۰ | ۲۵۱ | قائم رہتے ہیں | ۳۱۷ |
| ۲۵۹ | مسئلہ شفاعت | ۲۹۲ | ۲۵۲ | فنا کا حکم باری ہے | ۳۱۷ |
| ۲۶۰ | مسئلہ اثبات کرامت | ۲۹۳ | ۲۵۳ | تنازع کی بحث | ۳۱۸ |
| ۲۶۱ | معدوم شے نہیں ہے | ۲۹۴ | ۲۵۴ | اہل تنازع کی تردید | ۳۱۹ |
| ۲۶۲ | آٹھویں فصل جواز اور اثبات نسخ آیات میں اور بعض مسائل | ۲۹۷ | ۲۵۵ | دوسری فصل - چند ایسے مسائل | ۳۲۱ |
| ۲۶۳ | رد اعتقاد کی تردید | ۲۹۸ | ۲۵۶ | کے بیان میں بن میں باہم اہل حق کو اختلاف ہے | ۳۲۱ |
| ۲۶۴ | جواز نسخ کی دلیل | ۲۹۸ | ۲۵۷ | پہلا مسئلہ ایمان سے کیا مراد ہے | ۳۲۱ |
| ۲۶۵ | یہاں کی حقیقت | ۲۹۹ | ۲۵۸ | اعمال جزو ایمان ہیں یا نہیں | ۳۲۲ |
| ۲۶۶ | روافض کا قول کہ پیغمبر مشرک سے پیدا نہیں ہوتا | ۳۰۰ | ۲۵۹ | خالفین کے ابرادات کی جانچ | ۳۲۳ |
| ۲۶۷ | مشیدہ کے قول کا ایک اور طرح سے ابطال | ۳۰۱ | ۲۶۰ | مصدقہ کا اعتقاد | ۳۲۳ |
| ۲۶۸ | کیا والدین آنحضرت کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے | ۳۰۲ | ۲۶۱ | جمع و تطبیق | ۳۲۴ |
| ۲۶۹ | ابوطالب کا کفر | ۳۰۳ | ۲۶۲ | دوسرا مسئلہ ایمان کے کم و زیادہ ہونے کی بحث میں | ۳۲۵ |
| ۲۷۰ | منہج کی تردید | ۳۰۵ | ۲۶۳ | تیسرا مسئلہ استثنائے | ۳۲۶ |
| ۲۷۱ | تقیہ کی تردید | ۳۰۶ | ۲۶۴ | چوتھا مسئلہ فرشتے افضل ہیں یا بنی آدم | ۳۲۸ |
| | | | ۲۶۵ | منکرین فقہیت بنی آدم کے دلائل اور اس کی تردید | ۳۲۹ |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ | نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|-----------|---|------|-----------|---|------|
| ۲۹۳ | موجبات تفصل نبی آدم | ۳۳۲ | ۳۷۰ | اس کے نبوت میں۔ | ۳۷۰ |
| ۲۹۴ | تنبیہ کی فضیلت | ۳۳۳ | ۳۷۱ | نبی اور رسول کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق | ۳۷۱ |
| ۲۹۵ | غیر محتاط و اعظین | ۳۳۴ | ۳۷۲ | نبوت وہی فضیلت ہے۔ | ۳۷۲ |
| ۲۹۶ | پانچواں مسئلہ حکم انجالی مشرکین | ۳۳۵ | ۳۷۳ | وجوب بعثت کی بحث۔ | ۳۷۳ |
| ۲۹۷ | چھٹا مسئلہ تکلیف بالایطاق کے | ۳۳۸ | ۳۷۴ | نبی اور غیر نبی میں تمیز کا طریقہ۔ | ۳۷۴ |
| ۲۹۸ | بیان میں | ۳۳۹ | ۳۸۱ | فائدہ (۶) معراج رسول اللہ | ۳۸۱ |
| ۲۹۹ | مناجات از ترجمہ | ۳۴۰ | ۳۸۲ | غایہ وسلم کے بیان میں | ۳۸۲ |
| ۳۰۰ | کاملہ کتاب عقائد توراتی از مترجم۔ | ۳۴۱ | ۳۸۳ | فائدہ (۷) معراج امیر و عازت کی بحث میں۔ | ۳۸۳ |
| ۳۰۱ | دیباچہ | ۳۴۲ | ۳۸۴ | مسئلہ سماع | ۳۸۴ |
| ۳۰۲ | تفسیر مطالب و تفسیر آریہ | ۳۴۳ | ۳۸۵ | غنا لہو الحدیث ہے۔ | ۳۸۵ |
| ۳۰۳ | فائدہ (۱) | ۳۴۴ | ۳۸۶ | گناہ بجا نادر میں نفاق پیدا کرتا ہے | ۳۸۶ |
| ۳۰۴ | فائدہ (۲) ایمان کی کچھ اور پرستش | ۳۴۵ | ۳۸۷ | سماع کی حقیقت | ۳۸۷ |
| ۳۰۵ | شاخیں ہیں | ۳۴۶ | ۳۸۸ | مروجہ سماع حرام مطلق ہے | ۳۸۸ |
| ۳۰۶ | فائدہ (۳) خالق عالم کی شناخت | ۳۴۷ | ۳۸۹ | توفیوں کا طریقہ مذکورہ۔ | ۳۸۹ |
| ۳۰۷ | مصنوعات میں فکر کرنے کی فضیلت | ۳۴۸ | ۳۹۰ | فرزانی اعتقادات کی تردید | ۳۹۰ |
| ۳۰۸ | فکر کرنے کی ترکیب | ۳۴۹ | ۳۹۱ | لاحدی الا عیسیٰ ابن مریم کے معنی | ۳۹۱ |
| ۳۰۹ | دلائل النفس | ۳۵۰ | ۳۹۲ | الاکم شہم کی توجہ | ۳۹۲ |
| ۳۱۰ | انسانی ہستی کی ابتدا | ۳۵۱ | ۳۹۳ | حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نازل ہونا | ۳۹۳ |
| ۳۱۱ | روح اور مادہ کی قدامت کا ابطال | ۳۵۲ | ۳۹۴ | اور فرزانی عقیدہ کی تردید | ۳۹۴ |
| ۳۱۲ | بعث بعد الموت | ۳۵۳ | ۳۹۵ | توفی کے معنی | ۳۹۵ |
| ۳۱۳ | روح کی حقیقت سے لوگ آگاہ نہیں۔ | ۳۵۴ | ۳۹۶ | امامت کی بحث | ۳۹۶ |
| ۳۱۴ | دلائل النفس میں ایک وکشی نظم | ۳۵۵ | ۳۹۷ | نصب امام سے غرض | ۳۹۷ |
| ۳۱۵ | فائدہ (۴) قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں ہے۔ | ۳۵۶ | ۳۹۸ | کیا امام کا قریشی ہونا ضرور ہے | ۳۹۸ |
| ۳۱۶ | قرآن کا معجز ہونا۔ | ۳۵۷ | ۳۹۹ | خلافت راشدہ کی مدت | ۳۹۹ |
| ۳۱۷ | دیوہ اجاز قرآن۔ | ۳۵۸ | ۴۰۰ | اہل سنت کا مسلک بارہ اماموں کے باب میں۔ | ۴۰۰ |
| ۳۱۸ | فائدہ (۵) نبوت کی حقیقت | ۳۵۹ | ۴۰۱ | ایک زمانہ میں دو ضعیفوں کا ہونا | ۴۰۱ |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ | نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|-----------|--------------------------------------|------|-----------|-----------------------------------|------|
| ۳۴۰ | شیعوں کے اماموں کے نام | ۴۲۵ | ۳۶۹ | ایمان فرعون غیر مقبول ہے | ۴۵۵ |
| ۳۴۱ | ادبیاہ الشریک کی کرامت کے بیان میں | ۴۲۶ | | ان مسائل کے بیان میں جن سے فرقہ | |
| ۳۴۲ | تین مردانِ خدا کی دلچسپ حکایت | ۴۲۷ | ۳۷۰ | اہلِ اسدنت : الجماعت کی فرقہ کی | ۴۵۷ |
| ۳۴۳ | شہزج راہب کی حکایت | ۴۲۹ | | باطل سے تیز ہوتی ہے۔ | |
| ۳۴۴ | کرامت کی پہلی قسم | ۴۲۹ | ۳۷۱ | ماتق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے | ۴۵۷ |
| ۳۴۵ | واقعات صحابہ سے اثبات کرامت | ۴۳۰ | ۳۷۲ | ماتق کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت | ۴۵۸ |
| ۳۴۶ | دوسری قسم | ۴۳۰ | ۳۷۳ | کن لوگوں کی اقتدا جائز ہے۔ | ۴۵۸ |
| ۳۴۷ | تیسری قسم | ۴۳۱ | | امام میں دس صفتوں کا ہونا ضرور | ۴۵۹ |
| ۳۴۸ | چوتھی و پانچویں قسم | ۴۳۱ | ۳۷۴ | ہے۔ | |
| ۳۴۹ | حضرت عمرؓ کی کرامت | ۴۳۲ | ۳۷۵ | صحابہ کرام کی فضیلت | ۴۵۹ |
| ۳۵۰ | حضرت خالدؓ کی کرامت | ۴۳۳ | ۳۷۶ | تمام صحابہؓ کا عدول ہیں | ۴۶۰ |
| ۳۵۱ | معجزہ سحر اور کرامت میں فرق | ۴۳۴ | | یزید اور اہل قبلہ پر لعنت کی | ۴۶۱ |
| ۳۵۲ | سحر و معجزہ کی حکیمانہ بحث | ۴۳۵ | ۳۷۷ | تحقیق | |
| ۳۵۳ | ایک اور طریقہ سے سحر و معجزہ میں فرق | ۴۳۸ | ۳۷۸ | عشرہ مبشرہ | ۴۶۳ |
| ۳۵۴ | عورتوں سے متعلق کرنے کی حرمت | ۴۳۹ | ۳۷۹ | مزدوں پر مسح کرنا | ۴۶۳ |
| ۳۵۵ | تقیہ کی بحث | ۴۴۰ | ۳۸۰ | دلی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا | ۴۶۴ |
| ۳۵۶ | نہج البلاغۃ سے تقیہ کی تردید | ۴۴۳ | | خدا کے امر و نواہی بندہ عاقل | ۴۶۵ |
| ۳۵۷ | تقیہ کے متعلق ایک افتہ | ۴۴۵ | ۳۸۱ | بالغ پر سے کبھی ساقط نہیں ہوتے | |
| ۳۵۸ | ایمان کی حقیقت اور اس کے اقسام | ۴۴۷ | ۳۸۲ | کلمات کفر | ۴۶۵ |
| ۳۵۹ | ایمان کے وجودات ثلثہ۔ وجود عینی | ۴۴۷ | | ایک عاجز ہر قسم کے کفر سے | |
| ۳۶۰ | ذرا ایمان سے حقائق اشیا پر آگاہی | ۴۴۸ | ۳۸۳ | پاک کرتی ہے۔ | ۴۶۷ |
| ۳۶۱ | وجود ذہنی اور اس کے مراتب | ۴۴۹ | ۳۸۴ | عدم تکفیر اہل قبلہ کے معنی۔ | ۴۶۸ |
| ۳۶۲ | وجود لفظی۔ | ۴۴۹ | ۳۸۵ | کہ ہن کو سچا جانا کفر ہے۔ | ۴۶۸ |
| ۳۶۳ | ایمان میں زیادت و نقصان | ۴۵۰ | ۳۸۶ | مردہ کو ثواب پہنچتا ہے۔ | ۴۶۹ |
| ۳۶۴ | ایمان کے اقسام متعددہ | ۴۵۰ | | | |
| ۳۶۵ | ایمان بالغیب | ۴۵۱ | | | |
| ۳۶۶ | ایمان بالغیب کی فضیلت پر ایک | ۴۵۱ | | | |
| | واقفہ صحیحہ | | | | |
| ۳۶۷ | آنحضرتؐ کا ایک معجزہ | ۴۵۲ | | | |
| ۳۶۸ | ایمان یا اس مقبول نہیں | ۴۵۴ | | | |

تمام شد

فہرست

مجموعہ کتب عربیہ و فارسیہ و ہندیہ و سنسکرتیہ

| نمبر | عربی | فارسی | ہندی | سنسکرت | تفصیل | نمبر |
|------|------|-------|------|--------|---------------|------|
| ۱ | ۱ | ۱ | ۱ | ۱ | خدا یا تیر سے | ۱ |
| ۲ | ۲ | ۲ | ۲ | ۲ | تفرقت | ۲ |
| ۳ | ۳ | ۳ | ۳ | ۳ | میں آسمان کی | ۳ |
| ۴ | ۴ | ۴ | ۴ | ۴ | آپ کا | ۴ |
| ۵ | ۵ | ۵ | ۵ | ۵ | چاند سے | ۵ |
| ۶ | ۶ | ۶ | ۶ | ۶ | ایک طرف | ۶ |
| ۷ | ۷ | ۷ | ۷ | ۷ | دو طرف | ۷ |
| ۸ | ۸ | ۸ | ۸ | ۸ | دو طرف سے | ۸ |
| ۹ | ۹ | ۹ | ۹ | ۹ | ایک | ۹ |
| ۱۰ | ۱۰ | ۱۰ | ۱۰ | ۱۰ | الانتم | ۱۰ |
| ۱۱ | ۱۱ | ۱۱ | ۱۱ | ۱۱ | سفر | ۱۱ |
| ۱۲ | ۱۲ | ۱۲ | ۱۲ | ۱۲ | دول | ۱۲ |
| ۱۳ | ۱۳ | ۱۳ | ۱۳ | ۱۳ | اسی | ۱۳ |
| ۱۴ | ۱۴ | ۱۴ | ۱۴ | ۱۴ | ساتھ | ۱۴ |
| ۱۵ | ۱۵ | ۱۵ | ۱۵ | ۱۵ | غلام | ۱۵ |
| ۱۶ | ۱۶ | ۱۶ | ۱۶ | ۱۶ | ازارت | ۱۶ |
| ۱۷ | ۱۷ | ۱۷ | ۱۷ | ۱۷ | گروہ | ۱۷ |
| ۱۸ | ۱۸ | ۱۸ | ۱۸ | ۱۸ | سیاہ | ۱۸ |

| نقطہ | صفحہ | صحیح | خطا | صفحہ | صحیح | خطا |
|-------------------|------|------|-----|-----------------------|------|-----|
| قلم | ۲۵ | ۱۲ | ۲۵ | دو عالم | ۲۵ | ۱۲ |
| صفحہ ۲۴ | ۲۶ | ۱۲ | ۲۶ | صفحہ ۲۰۲ | ۲۶ | ۱۲ |
| فرقے | ۲۷ | ۱۲ | ۲۷ | مرنے | ۲۷ | ۱۲ |
| مرزائی | ۲۸ | ۱۲ | ۲۸ | مرزاٹ | ۲۸ | ۱۲ |
| جزوی | ۲۹ | ۱۱ | ۲۹ | جزئی | ۲۹ | ۱۱ |
| ہونا اُن کا | ۳۰ | ۱۱ | ۳۰ | ہونا اُن کا نقد العین | ۳۰ | ۱۱ |
| نہ علیہ العین | ۳۱ | ۱۵ | ۳۱ | دیکھ سطر میں خالی ہے | ۳۱ | ۱۵ |
| صفحہ | ۳۲ | ۱۶ | ۳۲ | صفحہ ۲۰۳ | ۳۲ | ۱۶ |
| رہتمتات | ۳۳ | ۲۰ | ۳۳ | من تمسات | ۳۳ | ۲۰ |
| پچھ | ۳۴ | ۶ | ۳۴ | کیا پچھ | ۳۴ | ۶ |
| افسانہ | ۳۵ | ۱ | ۳۵ | افساد | ۳۵ | ۱ |
| کے ایسے | ۳۶ | ۱۴ | ۳۶ | کے تراجم ایسے | ۳۶ | ۱۴ |
| کئے | ۳۷ | ۱ | ۳۷ | کے | ۳۷ | ۱ |
| الْمُحْتَمِلُ | ۳۸ | ۲ | ۳۸ | المُحْتَمِلُ | ۳۸ | ۲ |
| فِي الْمَحْتَمِلِ | ۳۹ | ۵ | ۳۹ | فِي الْمَحْتَمِلِ | ۳۹ | ۵ |
| بیں | ۴۰ | ۶ | ۴۰ | بیش | ۴۰ | ۶ |
| ودائی | ۴۱ | ۷ | ۴۱ | دامی | ۴۱ | ۷ |
| لاق | ۴۲ | ۱۸ | ۴۲ | لاق | ۴۲ | ۱۸ |
| فصل | ۴۳ | ۱۵ | ۴۳ | فاضل | ۴۳ | ۱۵ |
| مل سکتا | ۴۴ | ۱۲ | ۴۴ | مل سکتا ہے | ۴۴ | ۱۲ |
| مَحْدُودٌ لَكَ | ۴۵ | ۳ | ۴۵ | مَحْدُودٌ لَكَ | ۴۵ | ۳ |
| یاد | ۴۶ | ۱۳ | ۴۶ | یاد میں | ۴۶ | ۱۳ |
| سی کریم | ۴۷ | ۱۸ | ۴۷ | نبی کریم | ۴۷ | ۱۸ |
| کی | ۴۸ | ۲۱ | ۴۸ | اسی | ۴۸ | ۲۱ |
| زناہ | ۴۹ | ۱۱ | ۴۹ | زندہ | ۴۹ | ۱۱ |
| صفحہ ۲۲۲ | ۵۰ | ۱۲ | ۵۰ | صفحہ ۲۲۲ | ۵۰ | ۱۲ |

| غلط | صحیح | صفحہ | صفحہ | غلط | صحیح | صفحہ | صفحہ |
|--------------|--------------|------|------|------------|-----------|------|------|
| مآئبایتہ | مالہ تہایتہ | ۸۱ | ۲۰ | چیز و لڑکی | چیز دل کو | ۱۰۸ | ۵ |
| ابطال کے | ابطال کیلئے | ۸۲ | ۱۵ | اثبات | اثبات | ۷ | ۶ |
| یکم | یکم | ۸۳ | ۲۰ | چلوں | چلوں | ۲۵ | ۲۵ |
| کرے | کرتی | ۸۴ | ۱۲ | وہ بڑی ہے | بڑی وہ ہے | ۱۱۱ | ۵ |
| ناظرۃ | ناظرۃ | ۸۵ | ۲۰ | عقل میں | عقل میں | ۶ | ۲۶ |
| اعترا | اعتبار | ۸۶ | ۲۲ | منفی ۳۷۰ | منفی ۳۷۰ | ۶ | ۲۵ |
| ہیں | ہو | ۸۳ | ۹ | مکمل صحت | مکمل صحت | ۱۱۳ | ۷ |
| شریک | شریک بننے | ۸۴ | ۷ | اجیا | اجیا | ۱۱۴ | ۲۳ |
| مناسبت | مناسبت | ۸۸ | ۲۳ | مترود | مترود | ۱۱۶ | ۱۰ |
| نہر | نہر | ۹۹ | ۲۰ | اگر غیری | اگر غیری | ۱۱۸ | ۱۵ |
| وہ کہ | وہ کہ | ۹۰ | ۲۵ | الہام ملک | الہام ملک | ۷ | ۲۱ |
| کو | کی | ۱۰۰ | ۷ | زلزلت | زلزلت | ۱۱۹ | ۱۶ |
| سب | سب کچھ | ۱۰۳ | ۸ | بہ نفس | بہ نفس | ۷ | ۶۰ |
| بائیں | بائیں | ۱۰۴ | ۱۳ | زلزلت | زلزلت | ۱۲۱ | ۹ |
| اٹل | اٹل | ۷ | ۱۳ | زلزلت | زلزلت | ۷ | ۱۰ |
| ہولاء | ہولاء | ۷ | ۷ | ماخوذ | ماخوذ | ۱۲۲ | ۱۲ |
| شعبۃ | شعبۃ | ۱۰۵ | ۷ | زلزلت | زلزلت | ۷ | ۱۱۱۵ |
| ہذا | خدا | ۷ | ۱۸ | زلزلت | زلزلت | ۱۲۳ | ۱۵ |
| وامتاز الیوم | وامتاز الیوم | ۷ | ۱۹ | تو یہی | تو یہی | ۷ | ۲۱ |
| ایہا | ایہا | ۷ | ۷ | زلزلت | زلزلت | ۱۲۳ | ۱۲ |
| شام | شام | ۷ | ۲۰ | اقدام | اقدام | ۱۲۵ | ۷ |
| طریق | طریق | ۱۱۶ | ۲۰ | زلزلت | زلزلت | ۷ | ۱۸ |
| کہ کی | کہ شرک کی | ۱۰۷ | ۶۵ | مہینہ | مہینہ | ۷ | ۱۵ |
| لعلطل | تعطیل | ۷ | ۷ | الغافیہ | الغافیہ | ۱۲۷ | ۱۵ |
| فی البدیہ | فی البدیہ | ۷ | ۲۱ | زلزلت | زلزلت | ۷ | ۱۶ |
| شبہ و نظر | شبہ و نظیر | ۱۰۸ | ۷ | اخفی | اخفی | ۷ | ۱۳ |

| صفحہ | صفحہ | تصحیح | غلط | صفحہ | صفحہ | تصحیح | غلط |
|------|------|------------------|----------------|------|------|----------------|---------------|
| ۲ | ۲۰۵ | طالع | خارج | ۱ | ۱۷۲ | فصیحت | فصیحت |
| ۲۲ | ۲۰۶ | لعبید | لعبد | ۱ | ۱۷۵ | منزلہ بختی | منزلہ بختی |
| ۶۵ | ۲۰۷ | وَأَنَّ مِنْكُمْ | إِنَّ مِنْكُمْ | ۱۲ | ۱۷۹ | فی الصلۃ | فی الصلۃ |
| ۱۸ | ۲۰۸ | لعل | لیر | ۵ | ۱۸۰ | لیر | لیر |
| ۲۱۱ | ۲۰۸ | تکملہ ص ۳۸۸ | تکملہ ص ۳۸۸ | ۱۳ | " | مرستہ | مرستہ |
| " | " | بیان میں | بیان | ۶ | ۱۸۱ | اور اس کے ایام | اور ایام |
| ۹ | ۲۱۲ | عاشیہ ۴۱۰ | عاشیہ () | ۱۳ | ۱۸۳ | کروے گا | کروے گا |
| آخر | " | تکملہ ص ۴۱۰ | تکملہ ص ۴۱۰ | ۱۵ | ۱۸۵ | ابتداء | ابتداء |
| ۱۰ | ۲۱۴ | خوارق عادات | خوارق و عادات | ۱۷ | " | جب یہ امر | جب یہ امر |
| ۱۹ | " | اہل تشیع | اہل تشیع | " | " | مخلقة و غیر | مخلقة و غیر |
| ۳ | ۲۱۵ | التفات | التفات | ۱۰ | ۱۸۶ | مخلقة | مخلقة |
| ۴ | " | خرافات | خرافات | ۱۲ | " | لترسلنوا | لترسلنوا |
| ۱۵ | " | خوارق عادات | خوارق و عادات | ۱۲ | " | علیہا | علیہا |
| ۱۷ | ۲۱۹ | تناقض | تناقض | ۹ | ۱۸۷ | عرب | عرب |
| ۱۸ | ۲۲۱ | مرتبہ | مرتبہ | ۱۲ | ۱۸۷ | اَنِّ | اَنِّ |
| ۱۲ | ۲۲۲ | وعلیہ | علیہ | ۱۸ | " | نہ ہرگز | نہ ہرگز |
| ۸ | ۲۲۳ | عزیز | عزیز | ۲۲ | " | قائل ہیں | قائل ہیں |
| ۱۱ | ۲۲۵ | مستحسن | مستحسن | ۲ | ۱۸۹ | بعث | بعث |
| ۷ | ۲۲۶ | معمود | معمود | ۷ | ۱۹۲ | بیرہ | بیرہ |
| ۲۴ | " | وَأَقْوَن | وَأَقْوَن | ۱۳ | ۱۹۷ | شہر | شہر |
| ۲ | ۲۲۷ | ساعت | ساعت | " | " | مصابیح کا کیا | مصابیح کا کیا |
| ۲۵ | ۲۲۹ | کا | کو | ۱ | ۱۹۹ | باعث | باعث |
| ۹ | ۲۳۰ | کے لئے | کو | ۸ | ۲۰۱ | نہیں | نہیں |
| ۸ | ۲۳۱ | تناقض | تناقض | ۲۳ | ۲۰۱ | مستعجلوں | مستعجلوں |
| ۱۳ | ۲۳۳ | تصحیح | تصحیح | ۱۵ | ۲۰۲ | گرافی | گرافی |
| " | " | اصحوا | اصحوا | ۱۸ | ۲۰۲ | رہی | رہی |

| غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر |
|-------------|----------------|------|-----|--------------|------------------|------|-----|
| خروج | فروج | ۲۳۵ | ۵ | مشارقت | مشارکت | ۲۶۵ | ۵ |
| نسب | نصب | ۲۳۶ | ۱۰ | راج | راج | ۲۶۸ | ۱۶ |
| متعبد | متعبد | ۲۳۷ | ۱۱ | تاکہ یہ حضرت | تاکہ یہ حضرت | ۲۶۹ | ۴ |
| منسوب | منسوب | ۲۳۸ | ۱۲ | دور کار | دور کار | ۲۷۰ | ۱۱ |
| اقدام | واقدا | ۲۳۹ | ۱۶ | عرسنا | عرسنا | ۲۷۱ | ۲۲ |
| کے | ہے کے | ۲۴۰ | ۲۵ | ان | ان | ۲۷۲ | ۲۳ |
| امیر متکبر | ومتکبر امیر | ۲۴۱ | ۱ | انفقم | انفقم | ۲۷۳ | ۲۴ |
| تکملہ | تکملہ | ۲۴۲ | ۱۸ | ذلات | ذلات | ۲۷۴ | ۱۴ |
| بجائے کہ | بجائے کہ | ۲۴۳ | ۱۰ | کہ میں طلحہ | کہ طلحہ | ۲۷۵ | ۱۵ |
| بجوبی | بجوبی | ۲۴۴ | ۲۰ | من غل علی | من غل اخوانا علی | ۲۷۶ | ۱۴ |
| استعیاب | استعیاب | ۲۴۵ | ۲ | لے | کے | ۲۷۷ | ۲ |
| ہوتا | نہ ہوتا | ۲۴۶ | ۶ | کیا | کہا | ۲۷۸ | ۵ |
| اصلہ | اصح | ۲۴۷ | ۹ | ان کے | اور ان کے | ۲۷۹ | ۱۵ |
| ہلال | حلال | ۲۴۸ | ۲۱ | زبان | زبان | ۲۸۰ | ۱۲ |
| تفضل | تفضل | ۲۴۹ | ۱۹ | سبب | سبب | ۲۸۱ | ۸ |
| مشاہد | مشاہد | ۲۵۰ | ۱۶ | فرقہ | فرقہ | ۲۸۲ | ۲۲ |
| علمی | علمی | ۲۵۱ | ۲ | باست | باست پر | ۲۸۳ | ۱۱ |
| امانت | امامت | ۲۵۲ | ۱۱ | نصیریہ | نصیریہ | ۲۸۴ | ۱۰ |
| احصار | احصار | ۲۵۳ | ۱ | غلاط | غلاط | ۲۸۵ | ۱۳ |
| طیب | طیب | ۲۵۴ | ۲۴ | سعی و یمن | سعی و یمن | ۲۸۶ | ۱۶ |
| شخص کی | شخص پر | ۲۵۵ | ۴ | یہ نہیں | یہ ہیں | ۲۸۷ | ۱۹ |
| مولاء | موالات | ۲۵۶ | ۱۱ | کہ کلمہ | کہ کلمہ | ۲۸۸ | ۲۰ |
| اس کے | اس کے کہ | ۲۵۷ | ۱۲ | مستجابتہ | مستجابتہ | ۲۸۹ | ۱۹ |
| کہ لوگوں نے | کہ ان لوگوں نے | ۲۵۸ | ۲۲ | دعوۃ | دعوۃ | ۲۹۰ | ۱۱ |
| چاہتے | چاہتے ہیں | ۲۵۹ | ۲۵ | واجبات | واجبات | ۲۹۱ | ۵ |
| اور کرنا | اور تکبر کرنا | ۲۶۰ | ۲۴ | تناقض | تناقض | ۲۹۲ | ۴ |

| صفحہ | صفحہ | فصل | فصل | صفحہ | صفحہ | فصل | فصل |
|------|------|------------------|---------------|------|------|--------------------|--------------------|
| ۱ | ۳۰۷ | آن سے | آن میں سے | ۱۷ | ۲۹۱ | بَنَفْسِ بَنَفْسِ | بَنَفْسِ بَنَفْسِ |
| ۱۱ | ۳۱۰ | انصرار | انصرار | ۱۸ | ۲۹۲ | نَفْسِ | نَفْسِ |
| ۵ | ۳۱۱ | آن کا | آن کا | ۹ | ۲۹۳ | جائزہ | جائزہ |
| ۹ | ۳۱۲ | ادحینا الیک | ادحینا | آخر | ۲۹۴ | دیکھو ص ۲۹۴ | دیکھو ص ۲۹۴ |
| ۱۸ | ۳۱۳ | طولیوں | بیلیوں | ۱۰ | ۲۹۵ | حصر می | حصر می |
| ۲۴ | ۳۱۴ | معرفت مال ہوتی | معرفت ہوتی | آخر | ۲۹۶ | تکملہ ص ۲۹۶ | تکملہ ص ۲۹۶ |
| ۱۲ | ۳۱۵ | کو جو غلبہ | کو غلبہ | ۸ | ۲۹۷ | الحصر می | الحصر می |
| ۱۳ | ۳۱۶ | احتمال بکنا ہو | احتمال یہ کتا | ۱۹ | ۲۹۸ | احصار | احصار |
| ۲۰ | ۳۱۷ | لیعمم یہ | لیعمم | ۵ | ۲۹۹ | بعض | بعض |
| ۲۱ | ۳۱۸ | درجہ النقی | درجہ النقی | ۱۱ | ۳۰۰ | شِدًّا مَّا تُورَا | شِدًّا مَّا تُورَا |
| ۱۶ | ۳۱۹ | نقص | نقص | ۳ | ۳۰۱ | صحت | صحت |
| ۱۸ | ۳۲۰ | اس حال پر | اس حال | ۲۳ | ۳۰۲ | شرک سے | شرک سے |
| ۴ | ۳۲۱ | مقیقت روح کا | مقیقت کا | ۵ | ۳۰۳ | پیغامبر کا | پیغامبر کا |
| ۱۲ | ۳۲۲ | قالبوں | قالبوں | ۸ | ۳۰۴ | بے سامان کے | بے سامان کے |
| ۱ | ۳۲۳ | استدلالات | استدلالات | ۱۴ | ۳۰۵ | دوسرے پر | دوسرے پر |
| ۹ | ۳۲۴ | بحث | بحث | ۲۱ | ۳۰۶ | اُس نے | اُس نے |
| ۲۳ | ۳۲۵ | اللہ نے ایک | اللہ ایک | ۴ | ۳۰۷ | بلکہ دوسرے | بلکہ دوسرے |
| ۲۴ | ۳۲۶ | وہ اُس | وہ اُس | آخر | ۳۲۷ | مراد بقا سے | مراد بقا سے |
| ۵ | ۳۲۸ | د یومین | د یومین | ۹ | ۳۲۹ | وہ لوگ ہیں | وہ لوگ ہیں |
| ۱۳ | ۳۲۹ | اُن کی پہلی دلیل | دوسری دلیل | ۱۶ | ۳۳۰ | نصاری سے | نصاری سے |
| ۱۷ | ۳۳۰ | نماز کو اور دین | نماز کو | ۲۱ | ۳۳۱ | لفی غنای ص ۳۳۱ | لفی غنای ص ۳۳۱ |
| ۱۷ | ۳۳۱ | زکوٰۃ کو | زکوٰۃ کو | ۱۰ | ۳۳۲ | قبشرۃ | قبشرۃ |
| ۲۲ | ۳۳۲ | طرف سے | طرف سے | ۱۰ | ۳۳۳ | واہی | واہی |
| ۹ | ۳۳۳ | مالا بیان | مالا بیان | آخر | ۳۳۴ | تفویض | تفویض |
| ۱۳ | ۳۳۴ | مصدق | مصدق | آخر | ۳۳۵ | تکملہ ص ۳۳۵ | تکملہ ص ۳۳۵ |
| ۱۳ | ۳۳۵ | مصدق | مصدق | آخر | ۳۳۶ | دیکھو ص ۳۳۶ | دیکھو ص ۳۳۶ |

| صفحہ | صفحہ | تصحیح | تصحیح | صفحہ | صفحہ | تصحیح | تصحیح |
|------|------|-------------|-------------|------|------|-------------|-------------|
| ۳۲۵ | ۳۲۵ | تفریق | تفریق | ۳ | ۳۲۵ | تفریق | تفریق |
| ۵ | ۳۲۵ | تجبول | تجبول | ۸ | ۵ | تجبول | تجبول |
| ۲۵ | ۳۲۸ | تصدیق اقرار | تصدیق اقرار | ۲۵ | ۵ | تصدیق اقرار | تصدیق اقرار |
| ۵ | ۳۲۶ | بعض میں کم | بعض میں کم | ۵ | ۳۲۶ | بعض میں کم | بعض میں کم |
| ۵ | ۳۵۰ | اصوب | اصوب | ۵ | ۳۵۰ | اصوب | اصوب |
| ۱۱ | ۳۵۶ | استثنا کرے | استثنا کرے | ۱۱ | ۳۵۶ | استثنا کرے | استثنا کرے |
| ۱۸ | ۳۵۷ | داخل کرنا | داخل کرنا | ۱۸ | ۳۵۷ | داخل کرنا | داخل کرنا |
| ۳ | ۳۲۷ | وسلم کی | وسلم کی | ۳ | ۳۲۷ | وسلم کی | وسلم کی |
| ۲۲ | ۳۲۸ | خاتمہ ایمان | خاتمہ ایمان | ۲۲ | ۳۲۸ | خاتمہ ایمان | خاتمہ ایمان |
| ۵ | ۳۲۸ | افضل ہیں | افضل ہیں | ۵ | ۳۲۸ | افضل ہیں | افضل ہیں |
| ۵ | ۳۲۸ | افضل ہیں | افضل ہیں | ۵ | ۳۲۸ | افضل ہیں | افضل ہیں |
| ۵ | ۳۲۸ | مضیب | مضیب | ۵ | ۳۲۸ | مضیب | مضیب |
| ۲۰ | ۳۵۸ | گتیں | گتیں | ۲۰ | ۳۵۸ | گتیں | گتیں |
| ۲۵ | ۳۵۹ | اور اس | اور اس | ۲۵ | ۳۵۹ | اور اس | اور اس |
| ۱۱ | ۳۲۲ | ترویج | ترویج | ۱۱ | ۳۲۲ | ترویج | ترویج |
| ۵ | ۳۲۳ | اصنافیات | اصنافیات | ۵ | ۳۲۳ | اصنافیات | اصنافیات |
| ۲۰ | ۳۲۴ | لا اجل | لا اجل | ۲۰ | ۳۲۴ | لا اجل | لا اجل |
| ۳ | ۳۲۵ | قبول کرے | قبول کرے | ۳ | ۳۲۵ | قبول کرے | قبول کرے |
| ۴ | ۳۲۸ | اس سے مزاج | اس سے مزاج | ۴ | ۳۲۸ | اس سے مزاج | اس سے مزاج |
| ۲۳ | ۳۲۸ | مبتلا | مبتلا | ۲۳ | ۳۲۸ | مبتلا | مبتلا |
| ۹ | ۳۲۷ | اور | اور | ۹ | ۳۲۷ | اور | اور |
| ۲۰ | ۳۲۷ | ان کے | ان کے | ۲۰ | ۳۲۷ | ان کے | ان کے |
| ۱۶ | ۳۲۸ | اندر | اندر | ۱۶ | ۳۲۸ | اندر | اندر |

| نمبر | صفحہ | نمبر | صفحہ | نمبر | صفحہ | نمبر | صفحہ |
|------|------|------|------|------------|------------|------|------|
| ۱ | ۲۹۷ | ۱ | ۲۹۷ | شاعر | شاعر | ۱ | ۲۹۷ |
| ۲ | ۲۹۸ | ۲ | ۲۹۸ | لیبیہ | لیبیہ | ۲ | ۲۹۸ |
| ۳ | ۲۹۹ | ۳ | ۲۹۹ | سحر ہما | سحر ہما | ۳ | ۲۹۹ |
| ۴ | ۳۰۰ | ۴ | ۳۰۰ | عرب | عرب | ۴ | ۳۰۰ |
| ۵ | ۳۰۱ | ۵ | ۳۰۱ | فترت | فترت | ۵ | ۳۰۱ |
| ۶ | ۳۰۲ | ۶ | ۳۰۲ | صفہ | صفہ | ۶ | ۳۰۲ |
| ۷ | ۳۰۳ | ۷ | ۳۰۳ | از کیس امت | از کیس امت | ۷ | ۳۰۳ |
| ۸ | ۳۰۴ | ۸ | ۳۰۴ | انتقاء | انتقاء | ۸ | ۳۰۴ |
| ۹ | ۳۰۵ | ۹ | ۳۰۵ | اوردہ | اوردہ | ۹ | ۳۰۵ |
| ۱۰ | ۳۰۶ | ۱۰ | ۳۰۶ | محبوبی | محبوبی | ۱۰ | ۳۰۶ |
| ۱۱ | ۳۰۷ | ۱۱ | ۳۰۷ | بدرت اللہ | بدرت اللہ | ۱۱ | ۳۰۷ |
| ۱۲ | ۳۰۸ | ۱۲ | ۳۰۸ | مخترقات | مخترقات | ۱۲ | ۳۰۸ |
| ۱۳ | ۳۰۹ | ۱۳ | ۳۰۹ | قید لکھنؤ | قید لکھنؤ | ۱۳ | ۳۰۹ |
| ۱۴ | ۳۱۰ | ۱۴ | ۳۱۰ | آیہ | آیہ | ۱۴ | ۳۱۰ |
| ۱۵ | ۳۱۱ | ۱۵ | ۳۱۱ | منطق | منطق | ۱۵ | ۳۱۱ |
| ۱۶ | ۳۱۲ | ۱۶ | ۳۱۲ | کرتہ | کرتہ | ۱۶ | ۳۱۲ |
| ۱۷ | ۳۱۳ | ۱۷ | ۳۱۳ | الثائب | الثائب | ۱۷ | ۳۱۳ |
| ۱۸ | ۳۱۴ | ۱۸ | ۳۱۴ | من الخیر | من الخیر | ۱۸ | ۳۱۴ |
| ۱۹ | ۳۱۵ | ۱۹ | ۳۱۵ | عفی | عفی | ۱۹ | ۳۱۵ |
| ۲۰ | ۳۱۶ | ۲۰ | ۳۱۶ | جہا قرآن | جہا قرآن | ۲۰ | ۳۱۶ |
| ۲۱ | ۳۱۷ | ۲۱ | ۳۱۷ | جسد | جسد | ۲۱ | ۳۱۷ |
| ۲۲ | ۳۱۸ | ۲۲ | ۳۱۸ | صغر | صغر | ۲۲ | ۳۱۸ |
| ۲۳ | ۳۱۹ | ۲۳ | ۳۱۹ | عمر | عمر | ۲۳ | ۳۱۹ |
| ۲۴ | ۳۲۰ | ۲۴ | ۳۲۰ | آئینہ | آئینہ | ۲۴ | ۳۲۰ |

| نقطہ | صحیح | غلط | صحیح | غلط | نقطہ |
|----------|----------|----------------|------|-----|------|
| عبدالہ | عبدالہ | کسی کسی چیز | ۱ | ۴۵ | ۱۱ |
| محول ہیں | محول ہیں | کہ فرزند چاہتا | ۱۴ | ۰ | ۲ |
| محول پر | محول پر | چاہتے | ۱۸ | ۰ | ۳ |
| نواذر | نواذر | | ۵ | ۳۶۶ | |

نوٹ

دانش ہو کہ یہ مونی مانی قاشیوں کی صورت ہے۔ ورنہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو بعض غلطیاں اور بھی نظر آئیں گی۔ انہوں نے نسخ کی غفلت یا کاتب کی غلطی سے ایسا ہوا۔ قارئین سے استدعا ہے کہ کتاب کو بغور ملاحظہ فرما کر اصلاح ان غلطیوں کو سنسٹش کریں۔ ہم بھی طبع ثانی میں اس کا پورا اہتمام کریں گے۔
انشاء اللہ تعالیٰ :-

ضمیمہ

الضوابط السوی الثوریۃ عقائد توپشتی

از مترجم عفی عنہ

رسالہ المنعقد فی المعتقد جس کا ہم نے اردو ترجمہ کیا ہے۔ ان کتب عقاید میں سے ہے۔ جو آج تک مدار علیہ علماء احناف رہیں۔ علم کلام کی کتابوں میں اکثر وہی مسائل ہوتے ہیں۔ جو ذات و صفات باری تعالیٰ اور رسالت و نبوت تیز معانی آخرت سے متعلق ہیں۔ ان کتابوں میں زیادہ تر آیات و احادیث اور اقوال و دلائل معتبرہ اصحاب طواہر سے مستند کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں انہیں مسائل و عقائد کا درست یرو اور دلیل و فریب اغیار سے محفوظ رکھنا مد نظر ہوتا ہے۔ عقائد اہل السنت والجماعہ ان عقیدوں کا نام ہے۔ جو ائمہ اربعہ اور ان کے تابعین کے معمول و مامول رہے ہیں۔ پس انہیں عقیدہ کی تعبیر اور ان کے مبالغین کے معتقادات کی تردید غایت مامول ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے فرقہ نامہ مقالہ کا تذکرہ ان کے عقاید پر تبصرہ اور نقد و تردید ان کا بطلان یا دلائل و استدلالی ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ عقائد توپشتی میں ان تمام امور است کا بقدر مناسب وقت و جہ طریقہ پر بیان آگیا ہے۔ اور جدید متروکوں کے لحاظ سے ضروری باتوں کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ نمبر میں اس وسعت کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ کہ ایک پختہ شیخ انہیں دیکھ کر اطمینان کلی حاصل کر سکتا ہے۔ اور ان کے دیکھنے اور سمجھنے پر اکتفا کر کے دایم فریب میں نہیں آسکتا۔ والتوفیق

مِنْ اَشْهُوَ تَعَالَى ۝

مختصرہ نامہ میں ہم نے فقہائے متعلقیت کی نسبت سے فرقوں کو رفع
کر دیا۔ کہ تمام فرقوں کے نام عام نام دیا تھا۔ مگر وہ فرقوں کو ادا نہیں دے سکتے
تاکہ ان کے حالات سے ہم سے واسطہ افتاح کیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے
کہ ان پر وہ فرقوں میں سے پہلے فرقہ کے حالات تو اس درجہ پر وہ غلط ہیں
جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ان کے فقہاء کی کتابیں اس تک غیر
کی نظر سے مشید ہیں۔ اور کتب کا ان میں اس درجہ خوب ہے کہ غیر
سامنے اپنے ذہن کے کسی نام کا نام نہیں بھی گناہ اور غلط فہمی یقین کرتے
ہیں۔ یہ حال ہے تو آپ جانتے ہیں۔ اس فرقہ کے عقائد و حالات کی
تفقیض کی چیزیں کیا کہ سنت کا بنی بنی ہوئی۔ مگر اس فرقہ یعنی
عوفیہ اماموں کی فرقہ تو کو ہندوستان میں ان محدثوں کی کچھ نہیں۔ اور
پیشہ و قصد بلکہ دیانت تک میں ان کے دین کو یوں کی ڈال دیا ہے
بھرتی ہیں۔ اور گراہی ملحق الشریعہ یا عتق ہوتی ہیں۔ تاہم یہ کہ یہ سب
کتاب سے دور چلا پڑتی ہے۔ اس لئے ان سے تفریق کرنا غیر موثر ہے
سمجھا گیا ۝

اب یہ کہ یہ کتاب چھپنے کے لئے پہنچی جانے لگی۔ اور حضرت مرثی
و خرونی مولائی و علی بی قبلہ مولانا خواجہ احمد علی صاحب قادیان
نقشبندی مجددی۔ لارڈ وال شہسوار اقامتہ طالعہ فی التصدف الشار فی تبرک
و تہمتا اس کتاب کے بعض مضامین ملاحظہ فرماتے۔ اور فرستت مضامین بہ
بسیار دقیق تذکرہ الی تو حضرت مولانا سے باسرا فرمایا کہ ان پر وہ فرقوں
کے حالات متفق نہیں ہر حال اس کتاب میں جو کچھ چاہتیں۔ انہیں ہر حال
فیوزی الاذیہ ہے۔ ان پر وہ فرقہ اس کے مذکور بالا میں سے عوفیہ
کے عقائد و ایمان رو یہ تو ایک مختصر و سالہ نادان کو فی نام ہیں
تا کہ کہ غلطی سے اس اسلام پر وہی چیز کی طرف سے شائع کر دے۔ جو
پے خود ایک عیب کی چیز ہوئے۔ اور اپنے فرقہ کے خیراتی حالات مشید کے
عنوان سے بیان بڑھا دے۔ اس سے کہ ان میں ان حالات سے پہلے
سے ثابت نظر نہ ہوئے۔ کہ یہ کہ ان کے لئے یہ مضمون بالکل اچھا ہے

اور یہاں سے ان ہونگا جس میں کئی زیادہ تر حصہ آپ کا ہے اور کچھ حصہ ہے اور کچھ

فرقہ یا طنبیہ

ہے

سب سے پہلے نام کے اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ فرقہ یا طنبیہ وہ فرقہ
مختص ہے کہ وہ یا سب سے زیادہ کسی فرقہ یا سب سے کم کسی فرقہ اور اس کی تفصیل
تقریباً یہ ہے کہ اس زمانہ میں کہ طنبیہ یا طنبیہ اس کا یہ ہے کہ اس کی تفصیل
تفصیل کے لئے اس میں ہے کہ اگر ہم اس فرقہ کے بعد یہ فرقہ کہہ سکتے
ہے اور ان اسلام کہ تاہم کہیں۔ لہذا اس میں ہے کہ اس فرقہ کو بیان ہوتا ہے
کہ نامنا سب سے زیادہ

واضح ہو کہ فرقہ یا طنبیہ یہ ہے کہ اس کے نام سے شہید ہو گیا ہے کہ ایک فرقہ
ہے جس میں اس کی بہت سی شاخیں ہیں۔ مثلاً قرآن، پادری، حاکم، پادری
وغیرہ وغیرہ جو اس ایک فرقہ سے کل کر ملتے ہیں۔ اس کے ناموں کے اس سے
موسوم ہو گئے ہیں۔ اور یہ ہم اس قدر ملتے ہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ
کی تکفیر کرنے سے بھی نہیں بچتا۔ لیکن چونکہ ہمارے اس ملک میں دوستانہ ہیں ان
مذکورہ فرقوں کے مابین برائے نام بھی نظر نہیں آتے بلکہ کتابوں میں کہیں کہیں
ان کے تذکرہ آجاتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے کو چھوڑ کر فرقہ یا طنبیہ کی باقی دو شاخوں
اور مستطویہ کا بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک شاخ کن اور مالہ وغیرہ ہیں ان فرقوں
کے ایک اکثریت پائے جاتے ہیں۔ عام طور پر ان دونوں فرقوں کا پیشہ تجارت ہے
اور اس فرقہ میں دوسرے تمام پیشہ افراد سے ممتاز ہیں۔ یہ دونوں فرقے مصر کے
بنو قاضی ہیں۔ یہ طنبیہ المستندہ کہ ایک فرقہ انبیاء اور مشق العقائد سے پہلے ہیں
ان کو عقائد امامت یا ہم مختلف ہو گیا۔ تفصیل اس میں ہے کہ ایک فرقہ طنبیہ مذکور
در بارہ مصر میں طنبیہ طنبیہ کہیں کہیں۔ اور ان کا یہاں زیادہ تر ان پیشہ کھڑے
ان کے یہاں ہے۔ ہو اگر یہ طنبیہ طنبیہ کہیں کہیں۔ تفصیل اس میں ہے کہ ایک فرقہ
کہیں کہیں۔ اور ان کا یہاں ہے۔ طنبیہ طنبیہ کہیں کہیں۔ تفصیل اس میں ہے کہ ایک فرقہ
اشاہ کہیں کہیں۔ طنبیہ طنبیہ کہیں کہیں۔ تفصیل اس میں ہے کہ ایک فرقہ
تقریباً یہ ہے کہ ان میں سے ایک فرقہ کہیں کہیں۔ اور ان کا یہاں ہے۔ طنبیہ طنبیہ کہیں کہیں۔
ان کا یہاں ہے۔ طنبیہ طنبیہ کہیں کہیں۔ اور ان کا یہاں ہے۔ طنبیہ طنبیہ کہیں کہیں۔

کہ ہم کو ان کی طرف سے بھی ہے چنانچہ ایک قسم کی باہمی فہم کے حصول پر آمادہ
 ہوئے تو ان کا توں بھی نہ ہو اور ان کے مستقبل کا بھی کوئی اندازہ
 نہیں ہو سکتا۔ وہ ان کی حیاتیات میں اس کی ایک آہستہ آہستہ تبدیلی پر متنبہ ہوئی اور
 مستقبل کی زندگی پر توجہ دلانے لگے۔ اور اس میں وہ فہم کے حصول کے
 لئے اپنے اپنے کمال کے اوتار کے لئے اپنے اپنے طریقے پر آمادہ ہوئے۔ اور ان میں
 سے کئی تہ میں بھی ہر قسم کی تعلیم ہو گئی۔ ایسا کہ کوئی ایک کو دوسرے سے تعلیم ہی
 نہیں دے گا۔

ناروی تزاریا کو نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیار مست کمال کی نسل ہے
 امام لئے پیر کے۔ ہر ایک نے ہر ایک کی فرقہ تزاریا کے ہو جو یہ نام ہیں۔ ان کے
 ماننے والے خود کمال کے ہیں۔ لاکھوں ہندوستان میں اس فرقہ کے ہندوستان اور
 پیران ہندوستان میں موجود ہیں۔ اب سے چند سال پہلے ان کے ہندو سرید
 کے ہندوائی نام ہوئے تھے اب ان کے حکم سے ان کے نام مسلمان ہو گئے۔
 یہ لوگ خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں۔ اور یہ نسبت حضرت اسماعیل ابن جعفر صادق
 کی طرف ہے۔ اس فرقہ کی تعلیم بڑی تیز و مستقیم ہے۔ آغا خاں موصوف سے
 ان کو گہرا اتفاق ہے۔ وہ انہیں امام معصوم مانتے ہیں۔ ہر بات میں موصوف اپنا
 نسب حضرت علی ابن ابی طالب کے لگاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔
 اور بتاتے ہیں کہ اس فرقہ کے لوگ امام معصوم کے وجود ہونے کی شرعی عبادت کی
 چند اہم صورتیں سمجھتے۔ انصار و خیرات و دکن کے بعض شیعہ و امامیہ اور اہل
 تسنن بھی ہندوؤں کو اپنا مرید کہتے ہیں۔ ایسے مرید خود کو دھرمی کہتے ہیں۔ ان
 کے نام دیاس و دھام اور عزیز و شریف بالکل ہندوانہ طریق پر ہے۔ لیکن ان
 کے بعض روٹن خیال انہیں اب درپردہ نماز روزہ بھی کرتے ہیں۔ اہل اسلام کا
 متفقہ فیصلہ ہے کہ انہیں پیر و مرید کی خواہ پڑائیش کی جانب سے ہو یا باقی
 شیعہ و سنیوں کی طرف سے آخرت میں تو کیا دنیا میں بھی مسلمانوں کو کوئی
 فائدہ نہ ملے گا۔ ان میں ہر قسم اصلاح کی ضرورت ہے۔ ورنہ پیر و مرید
 دونوں کے لئے باعث فساد و تباہی و آخرت ہے۔ اَحْسَا ذَا الذَّنْبِ عَنْ

ذالک :

مستطوی فرقہ کے لوگ بھی دھماکی لاکھ سے کچھ زیادہ ہندوستان وغیرہ میں

پاتے جاتے ہیں۔ ان کا طرز میں شریعت آفاقیوں اور فروعیوں میں اختلاف ہے۔
 یہ اپنی قوم کے مبادیوں میں قوم میں بیا و شادی نہیں کرتے۔ مسلمانوں میں یہ ایک خاص روزہ
 قبل روزہ و رمضان میں رکھتے ہیں۔ اسی طرح عیدوں کے ہیں۔ بلکہ ان کے ہر ایک عید میں
 اسی طرح شریعت اور فروعی ہوتا ہے۔ تاہم ان لوگ ان کو اہل وہی کہتے ہیں۔ گویا کہ اکثر
 اماموں کے دوسرے ان سے عیدوں میں فرق ہوتا ہے اور اہل وہی میں فرق ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت
 میں ایسا نہیں ہے۔ ان کے ہاں حضرت امام جعفر صادق سے ایک حدیث مروی ہے۔
 جس کے رو سے انہوں نے عیدوں کے دنوں کی کوئی تعریف سے پہلے عید انہیں
 دن کے ہوتے ہیں۔ اور بعض میں دن کے پہلے عیدوں میں دن کے ہوتے ہیں۔
 اماموں سے ان کے عیدوں کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ لوگ حضرت علی ابن ابی طالب سے شریعت کو دینا چاہتے ہیں اور اس بات
 کا درجہ امامت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے حضرت شیعہ اماموں میں ان کا تعداد
 حضرت امام حسن ابن علی ابن ابی طالب سے امامت سے پہلے کرتے ہیں اور امام حسن
 یعنی علی سے پہلے کہتے ہیں۔ شیعہ اماموں میں ان کا شمار نہیں ہے۔ ان کی نسبت
 سے وہ اثنا عشری کہلاتے ہیں۔ اور ان کے ہاں ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 مستور کہتے ہیں۔ اور امامیہ یار ہوئے۔ امام جعفر صادق سے بھی کہ مستور کہتے ہیں۔ پھر
 مستور یہ یہ اتفاق نہیں رکھتے کہ ان کے اماموں میں امام ابی طالب سے پہلے ہیں۔ بلکہ وہ
 کہتے ہیں کہ علی سے پہلے تو ان کی وراثت سے پہلے اماموں کے ہوتے ہیں۔ لیکن امامیہ
 کے سب مستور کہتے ہیں۔ پھر آخر زمانہ میں ان کی وراثت سے پہلے اماموں کے ہوتے ہیں۔
 ظاہر ہوا کہ ان کی نسبت ان کا اعتقاد ہے کہ امام ابی طالب سے پہلے امامت
 ابو صاحبہ و امامیت و امامت ہوا۔ ان کے پیروں میں اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔
 کہ تمام القیام میں وراثت کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔
 بھی نبوت و رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔
 تو اس کا کچھ جواب نہیں ہے۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔
 اختلاف ہے۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔
 مستور کہتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔
 میں ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔
 ان میں سے پہلے اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔ اماموں کے ہوتے ہیں۔

یوہرول کی طرح تجارت پیشہ ہیں۔ ان کی زیادہ تعداد احمد آباد اور راندھیر میں
 ہے۔ یہ فرقہ بڑا دیندار اور پابند شریعت اسلام ہے۔ اس فرقہ کے اکثر
 لوگ بڑے قیامی اور نیکو دل ہوتے ہیں۔ ان کی مسجدیں نہایت عالیشان اور
 آراستہ و پیراستہ ہیں خصوصاً راندھیر کی مسجد اپنا جواب نہیں دیتی۔ حضرت
 استاذی مولانا قلمشور حسین صاحب رانم پوری مدظلہ ایک عرصہ تک راندھیر
 کے مدرسہ میں تدریس رہ چکے ہیں۔

اس فرقہ کے مشہور ہونے کی وجہ محاسن یوہرول کی زمانی یہ بیان کی جاتی ہے
 کہ فرقہ مستعلاویہ کے ایک اہل علم و فراخی بغیر ان تحصیل علم میں بھیجے گئے۔
 حتیٰ کہ انہوں نے مین میں رہ کر علم میں نہایت کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد
 ہندوستان کے داعی نے جن کی اجازت سے صاحب موصوفت واپس آئے۔ اور
 ان کو واپس آنے سے روک لیا۔ چنانچہ صاحب موصوفت واپس آئے۔ اور
 داعی وقت سے ملاقی ہوئے۔ اتفاق سے ان کے دوستوں نے داعی سے دریافت کیا کہ
 کیا اثناء راہ میں تم نے کسی جگہ نماز کی امامت کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ
 راندھیر میں بیٹھے بلاد و قریات میں میرا قیام ہوا۔ میں نے وہاں امامت کی۔
 داعی نے ان کو حیرت و شگفتہ کیا کہ تم نے جتنی نمازیں پڑھیں رضا بغیر
 پڑھائی ہیں۔ وہ سب نامید ہیں۔ جاؤ اور میں ایک ہمارے جہاں نماز پڑھائی ہے
 وہاں کے لوگوں کو تم سے اہل کبر۔ اور خود اپنی تمام کاروائیوں کو چھوڑ
 کر وہ لا جعفر صاحب سے ملے جواب دیا کہ شریعت اسلام میں تو کسی ایسی نماز
 کے اعادہ کا حکم نہیں ہے۔ اور نہ امامت نماز کے لئے رضا و اجازت کی شرط
 ہے۔ یہ بات سن کر داعی صاحب قیصر و غلبہ میں آئے۔ اور لا صاحب
 موصوفت کا گیسو سے بھونک دیا۔ لا صاحب موصوفت کو داعی کو یہ حرکت نہایت
 نا پسند ہوئی۔ اور ان کے درمیان میں اختلاف کی قرانی آیت کا راجہ کر کے ان کے
 پروردگار کو منی المذمت دے گئے۔ اور اپنی عیادت تقریر و تبلیغ سے توجہ
 یاد اللہ یا علی اور چروں کو سنی امامت پر کر دیا۔ چنانچہ یہ یوہرہ پھر بھی
 رہے۔ اور ان کے قریب سنی ہو گیا۔ چنانچہ اب تک یہ سب سنی اور دین کے
 نہایت پابند ہیں۔

سینا کی وجہ سے ان کے داعی بھی سنی ہو گئے۔ اب ان کے

عز و عورت سے انحال حیدر آباد کن ہیں سب سے۔ اکبر علی حیدری الملقب بٹو اب
حیدر آباد جنگ اسے فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگ کچھ زیادہ نہیں
پکے۔ ان کی وضع قطع اور طرز ماڈرن اور دھڑلے کی طرح ہے۔ اور
امارت و عقائد میں بھی کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ اور اسے دعوت میں اختلاف
ہے۔ کہ داؤدی بوہر سے داؤد ابن قطیب شاہ کو داعی مانتے ہیں۔ اور سیستانی
بوہر سے سیستانی کو ۛ

داؤدی بوہروں کی مقبول تعداد ہے۔ ان میں بہت سی
شخصوں کے نام شریعت کی پابندی میں ہیں۔ ان کا مرکز دعوت شہر تہ ہے
مگر آج کل اس کے داعی بیٹھے ہیں زیادہ بدستور ہیں۔ یہ بڑے خوش اخلاق اور
قیامت دہان ہیں۔ ہر قوم کے لوگ ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے
رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مذہب کو اور اپنے مذہب کی کتابوں کو نہایت
انتہام سے اختیار مستحکم و مستحکم رکھتے ہیں۔ مذہبی معاملات میں لڑائی جھگڑا
اور بحث و مباحثہ نہیں کرتے۔ نہایت امن پسند قوم ہے۔ مگر بعض کم علم
ملاؤں میں مذہبی تعصب و عداوت سے زیادہ ہے۔ کچھ عرصہ سے داؤدی بوہروں
میں بھی باہم اختلاف ہو گیا ہے۔ بوہروں کی ایک مقبول تعداد موجودہ ملا
صاحب کو داعی مطلق نہیں کہتی۔ ان کا قول ہے کہ دعوت کا سلسلہ ملا بد الدین
پر ختم ہو گیا۔ یعنی انہوں نے اپنے انتقال کے وقت کسی کی دعوت پر کسی قسم
نص نہیں کیا۔ ان کے بعد ملا محمد الدین جو داعی ہوئے۔ وہ حقیقت میں
داعی منصوب نہیں تھے۔ بلکہ قوم کے سردار یا منتظم داعی کی حیثیت سے
قوم کے مذہبی معاملات کی نیابت کرتے تھے۔ اور پھر ان کے بعد
نہیں داعی اور موجودہ ملا طاہر سلیم الدین صاحب تک جتنے داعی ہوئے۔
وہ بھی سلسلہ دار کی حیثیت سے مستحکم و مستحکم رہے۔ لیکن موجودہ
ملا صاحب کے ذاتی متبعین میں ان کی تعداد ان سے بہت زیادہ ہے۔ وہ کہتے
ہیں کہ موجودہ ملا صاحب داعی مطلق ہیں۔ ان کتابوں کے حوالہ سے کہتے
ہیں کہ وہ سلسلہ قیامت تک نہیں منقطع ہوئے والا نہیں۔ ان کے
مذہب پر ائمہ دین داعی مطلق ہیں۔ ان داعی صاحب کی طرف سے تمام
قریات و امصار میں داعیین مقرر ہیں۔ جو نیا بنا ملا صاحب دعوت کی طرف

سے احکام شرعیہ جاری کرتے۔ زکوٰۃ وصول فرماتے۔ اور عبادات و معاملات میں اہل قریہ کی رہبری کرتے ہیں۔ اس قوم کا نظام قابل تعریف ہے۔ جس کا اعتراف رسالوں۔ اخباروں۔ تقریروں۔ تحریروں اور جلسوں وغیرہ میں ہماری قوم کے بڑے بڑے علماء مثلاً مولانا حبیب الرحمن صاحب شروانی صدر الصلہ و امور مذہبی (سورت کی ایجوکیشنل کانفرنس میں) کر چکے ہیں۔ دعوت باطنیہ کی تاسیس ایک جماعت سے متعلق ہے۔ جن کا پیشوا امام جعفر الصادق کا ایک اہوازی غلام میموں ابن دیصان تھا۔ جو قذاح کے لقب سے مشہور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس دعوت کے پھیلانے میں سب سے زیادہ عبداللہ ابن میموں قذاح فوجہ لیا۔ جس نے خود کو اسماعیل کی نسل سے منسوب کیا۔ اور اپنی جماعت لے کر تیرواں پر حملہ کر دیا۔ پھر مصر میں داخل ہوا۔ اور وہاں شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ تمام خلفاء بنو فاطمہ کے زمانہ میں ہی شہر فرقہ باطنیہ کا مرکز دعوت رہا۔ اور وہ اپنے عقائد کی تبلیغ یہیں سے اطراف ممالک میں کرتے رہے۔ یہ شہر ۱۲۶۳ھ میں تعمیر ہوا ہے۔

علامہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق میں لکھا ہے۔ کہ فرقہ باطنیہ اسلامی فرقوں سے خارج ہے۔ پھر ان کے عقاید بیان کر کے اپنے اس قول کی توثیق کی ہے۔ لیکن ہے کہ فرقہ باطنیہ کی بعض شاخوں مثلاً صباہیہ وغیرہ کے عقائد ایسے ہی ہوں۔ لیکن جن دو فرقوں کا حال اوپر لکھا ہے۔ ان کے ظاہر افعال و اعمال تو ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ انہیں فرقہ ملے قذاح از اسلام محسوب کیا جائے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال۔

ذیل میں ہم فرقہ باطنیہ کے آئمہ کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ جس سے قارئین کرام کو بصیرت حاصل ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فرقہ باطنیہ کہاں سے فرقہ امامیہ سے جدا ہوا۔ اور یہ کہ نزار کہاں سے الگ ہوئے۔

مولانا علی ابن ابی طالب امام و خلیفہ اول بہ اعتقاد شیعہ و امامیہ۔

و وہی محض بہ اعتقاد فرقہ باطنیہ۔

مولانا الحسن ابن علی رضا امام اول فرقہ باطنیہ و امام دوم فرقہ شیعہ

امامیہ، (۳) مولانا الحسین ابن علی۔ (۴) مولانا زین العابدین ابن
الحسین۔ (۵) مولانا باقر ابن زین العابدین۔ (۶) مولانا جعفر الصادق
ابن الباقر۔ (۷) حضرت موسیٰ کاظم ابن جعفر صادق۔ (۸) حضرت
علی رضا ابن موسیٰ کاظم۔ (۹) حضرت علی نقی ابن علی رضا۔
(۱۰) حضرت علی نقی ابن علی نقی۔ (۱۱) حضرت حسن عسکری۔
(۱۲) حضرت محمد باقر المنتظر۔

مذکورہ بالا بارہ اسلامی شیعہ بیان امامیہ کے بارہ امام ہیں لیکن فرقہ
باطنیہ کے لوگ ان میں سے پہلے چھ اماموں کو نہیں مانتے۔ بلکہ وہ امام جعفر
صادق کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ حضرت اسماعیل کو امام مانتے ہیں۔
ان کا سلسلہ اس طرح ہے :-

(۱) حضرت اسماعیل ابن جعفر صادق۔ (۲) محمد بن اسماعیل
اسماعیل۔ (۳) عبد اللہ ابن محمد۔ (۴) احمد ابن عبد اللہ۔
(۵) حسین ابن احمد۔ (۶) عبد اللہ امام مہدی۔ (۷) محمد بن عبد اللہ
القاسم۔ (۸) اسماعیل منصور۔ (۹) محمد بن المفسر۔ (۱۰) نزار
العزیز۔ (۱۱) الحسین الجاکر۔ (۱۲) علی الطاہر۔ (۱۳) المستنصر
المستنصر۔ (۱۴) احمد المستنصر۔ (۱۵) المنصور۔ (۱۶) الطہر
مستور۔ (۱۷) قائم القیامت۔

یہ سترہوی فرقہ کے ۲۱ امام ہیں۔ قائم القیامت کو صرف امام نہیں
مانتے بلکہ انہیں تمام عیب الذیوت والرسالت سے پاک مانتے ہیں۔
تزاری فرقہ قبیلہ المستنصر تک ان کے ساتھ چلتا ہے۔ ان کے بعد وہ
تزاری پسر المستنصر کو امام مانتا ہے۔

کتاب کے متعلق حضرت امام باقی عجلتہ الفانی کی رائے

از مکتوبات امام باقی عجلتہ الفانی دفتر اول سنہ ۱۱۰۲ھ

اربابِ علم پر پہلے نصیحت ضروری ہے کہ علمائے اہل سنت و جماعت
 تشریف لے کر ان کے عوائق پہلے ہٹا دیں کہ وہ درست کریں۔ کیونکہ عاقبت کی
 نجات ان ہی پر گوارا کی ہے۔ عطا اللہ ان کی تالیف اور ہر وقت سے اور فرقہ ناجیبی
 ہیں۔ اور ان کے تالیف اور ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت علیہ السلام
 اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں۔ اور ان علوم
 سے جو کتابت سنت سے حاصل ہوئے ہیں۔ وہی صحیح ہیں۔ جو ان پر گوارا کے کتابت
 سنت سے خارج ہیں اور سبکے ہیں۔ کیونکہ ہر پرستی اور گمراہی اپنے فاسد عقائد کو
 اپنے خیال قاصر میں کتابت سنت ہی سے ساختہ کرتا ہے۔ پس ان کے مفہوم معانی میں سے
 ہر معنی پر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ اور ان عقائد فقہ کی درستی کے لئے امام اہل ثور
 ایشیائی کے ساتھ ساتھ اس کے آسان قسم ہے۔ اپنی مجلس شریف میں اس کا
 ذکر کرتے رہا کہیں۔ لیکن یہاں مذکورہ پر ذکر استدلال پر مشتمل ہے۔ اور اس میں طول و
 خط بحث ہے۔ اس لئے کوئی ایسا رسالہ جو صرف مسائل ہی کو شامل ہو۔ بہتر اور
 مناسب ہے۔ اسی اثنا میں فقیر کے دل میں خیال گذرا کہ اس بارہ میں ایک ایسا
 رسالہ لکھ کر جو اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ہو۔ اگر ہو سکا تو جلد ہی
 لکھ کر خدمت میں بھیجا جائے گا۔

(مکتوبہ ۱۹۳ مکتوبات شریف)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ لکھنا

اللہ ہم تیری حمد کرتے ہیں۔ اور تیری نعمتوں سے بے منتہا کے شکر میں مشغول
روز و رات رہتے ہیں۔ کہ تو نے محض اپنے کرم عظیم اور لطفِ بے شمار سے ہمیں
اپنی طاعت و عبادت پر مامور فرمایا۔ جیسا کہ تیرا مطلق واجب التوکل و تکیہ
خَلَقْتَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ وَإِنَّكَ شَهِيدٌ لِّعَمَلِهِمْ۔ خدا یا تیرے
اسان ہے نہایت اور جو دے قیاس کے منتہا شناس اور سپاس گزار ہیں۔ کہ
تو نے ہمیں بیانِ اسلام کی توفیق عطا فرما کر کفر و شرک کی آلودگیوں سے دور
رکھا۔ تو نے اپنے حبیبِ محبوب اور رسولِ مقبول حضرت محمد رسول اللہ علیہ
علیہ آہ وسلم کا وہ دین پاک اور اسودِ حسنہ ہم کو مرحمت فرمایا جو افتخارِ ہوا و
تقریبِ نصاریٰ سے بھرپور اور صراطِ مستقیم اعتدال کا رہنما ہے۔ اس میں نہ دین
موسویٰ کی طرح ربحِ مال کی زکوٰۃ اور قتلِ نفسِ توبہ کا کفارہ مقرر ہے۔ اور نہ اس کو
آئینِ ملتِ عیسوی کی طرح تحلیلِ شرب و خمر اور اکلِ لحمِ خنزیر سے منع و کار ہے۔
بلکہ اس اخلاط و تعریض سے پاک اور ہر ایک نقص و خط سے بے بالکسہ۔ الہ العالمین
ہم تیرے ان انعامات سے بے پایاں اور الطافِ نمایاں کی حمد سراہی کئے بغیر
نہیں رہ سکتے کہ تو نے فرقہ ہائے ضالہ مذکور فی الحدیث سید المرسلین تشریف
آئینی شالی شفاء و شفاء و سببِ بین الخ سے ہمیں امر و نہی مقرر فرما کر سوادِ عظیم
اہل سنت و الجماعت میں پیدا اور اسی پر قائم رکھا۔ اس فرقہ حقہ منجیہ میں نہ توحید
کی طرح یہ مسمیہ ہے کہ بندہ مثلِ جبرائیل و میکائیل اختیار ہے۔ اس میں صرف اتنا

کسب کی کچھ بھی صلاحیت نہیں۔ اور نہ وہ قدر یہ کی مانند اس بات کا معتقد ہے کہ
بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ بلکہ اس کا اعتقاد ہے کہ بندہ میں کسب کی قدرت
ہے۔ اور خالق افعال خدا کے عزوجل ہے۔ وہ مثل خواجہ کے نہ تو جناب علیؑ اور صہبائے
رسولؐ سے عداوت اور تبرک کرتا ہے۔ اور نہ مانند دافن کے اصحاب رسولؐ سے
پسند و محبت کی آوازیں کستتا ہے۔ نہ امام شیخین کا قائل محبت ختین اور مسیح علیہ
السلام کا مستند ہے۔ اور اس کی زبان سب شتم اصحاب رسولؐ سے وائے خیر کے
کنوٹ ہے۔ وہ خدا کے لئے تشبیہ و تعطیل و تحسین کا قائل نہیں۔ اور نہ فلاسفہ کا سفہ
کی طرح عقل جزوی پر مبنی اور مستبد ہے۔ پروردگار ہم تیری اس بے بہا نعمت کا کیونکر
شکر ادا کریں کہ تو نے رحمت عالم اکرم نبی آدم حضرت محمد رسول اللہ کو ہمارا ہادی مودی
و آقا بنایا۔ اور ان کی شان الایم کہیں تو خطاب یا المؤمنین دُرُوتِ الرَّحِيمِ
فرمایا ادرکین و ما ارجئناک اِلَّا دَحْرَةَ الْعَالَمِینَ سے اُن کی قدر و منزلت
کو آدم و نوح و ابراہیم سے بڑھایا فَصَلَّیْکَ اللَّهُ وَسَلَّمَ عَلَیْکَ وَاٰلِہٖ
وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اقابعد اکتا ہے بندہ گنہگار بے بضاعت متراپا نادانی و جہالت اجرت
رب العرش محمد الحق قادری نقشبندی مجددی رام پوری متوطن برلمان پورا بن علامہ
زبان قاضی دوران حلقہ تعلیم و انعام و قدوہ آفتاب مواری فیض محمد خاں علیہ السلام
رحمۃ اللہ المتان کہ جب میں تحریر و تسوید ترجمہ کتاب بے مقبول ہر شیخ و شاگرد
اعنی المعتبر فی المعتقد مشہور بقائد طور پستی مصنفہ حضرت شیخ شہاب
الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بفضل خدا و طفیل روح پاک سید الانبیاء علیہ السلام الہ التیمہ
والثناء سے فارغ ہوا تو خاطر قارئین گذرا کہ جس طرح تبصرۃ الناظرین آخر کتاب میں
ایک تکرار منیدہ لگا دیا ہے اسی طرح بغرض تعمیم قائدہ اول کتاب میں ایک مختصر و غیر
مقتصر کتاب بھی بڑا دوں تاکہ ترجمہ دیکھنے والوں کو حصول مطلب میں وقت نہ ہو
اور کتاب نہ خوف طالبان حق کے۔ بلکہ ہر طرح موجب برکت ہو۔ لہذا اس غرض
میں کو پسینہ نظر رکھ کر اس مقدمہ کو اس فن شریف (علم کلام) کی کتب معتبرہ
سے اخذ کیا ہے بعنوان ایضاً عن تحریر میں لایا۔ و مَا تَوْفِیْقُ إِلَّا بِإِذْنِ

الْعَلَى الْعَظِيمِ

بانا چاہئے کہ علم کلام وہ علم ہے جس میں ذات و صفات باری تعالیٰ اور عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ اسی کو علم عقائد بھی کہتے ہیں۔ حضرت امام عظیم ابو حنیفہ النعمان ابن الثابت الکوفی التابعی رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ میں خیرا نے اس فن کی تدوین ترتیب کی جانب توجہ میداں فرمائی۔ اور اس منصف خاص میں مثل اور فنون علوم مشنقی کے اپنے تمام معاصرین سے سبقت لے گئے۔ اس فن کی مدح و ذم میں علماء سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ جن کو ملا علی القاری الہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح فقہ الکبیر میں نہایت خوبی سے منسبط کیا ہے۔ علامہ ابن سب قول کا یہ ہے کہ ایسا کتاب کا مبیہ میں اگر اصول دین سے تبادر اور اس میں محض عقل جزئی کی متابعت ہو تو علم کلام کے مذہب ہوئے ہیں کسی کی جانب سے غافل اور الکلام فی کذا کذا کی طرف مائل رہتا ہے۔ اور اگر مسائل کلامیہ اعتقادیہ کی بحث میں کتاب سنت اجماع ائمت کے دلائل و استنباط سے کام لیا جائے۔ اور اقوال معقولہ فلاسفہ و حکماء سے قطع نظر کی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ علم کلام نہایت مفید و مفیض علم ہے۔ کیونکہ معرفت ان اعتقادیات کی جو اس علم میں بیان ہوتے ہیں۔ ہر ایک انسان مکلف پر واجبات شرعی سے ہے۔ اور یہی ایک حد درجہ ادیان و ملل باطلہ کی تردید دین حق کی تائید اور فرقہ گانہ سالہ کی فریب سے اور دھوکہ بازی سے مسنون مامون رہنے کا ہے۔ پس نظریہ ہر دو مقاصد مذکورہ علمائے کرام نے اس علم میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اور خدا کا شک ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت کے لئے موجب حصول سعادت و نجات ہیں۔ اگر علمائے اعلام اس کی تدوین کی جانب توجہ تام نہ فرماتے۔ تو اندیشہ تھا کہ قصر اہل سنت کی بنا بہت جلد متزلزل ہو جاتی۔ اس لئے کہ بعد خیر القرون کے بے شمار عقائد باطلہ اور فرقہ گانہ مختلفہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور ان کی خاص غرض یہ تھی کہ فرقہ ناجیہ ملت حقہ تنفیہ اہل سنت کو ناجیہ مستحقہ و ناجیہ اور اس طرح اسلام کے عالیشان محل کو بیخ و بنیاد سے اکھڑ ڈالیں۔ پس نبیذون لیلطو شوا نور اللہ یا فواہم و اللہ متحرک نور و لو کسر کا

علم کلام کی تاریخ

الخصم کون چاہتے ہیں کہ خدا کے عاصی اور نافرمانوں کو اپنی پھونکوں
سے بچا دیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر اکتفا والا ہے اپنے نوز کا۔ اگرچہ شرک کر نیوالے
برا سمجھیں۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ علم کلام کی تالیف کا سبب فقر ہے
خالد کا نزع اور ظاہر ہونا ہے ورنہ متکلمین اسلام کو کیا ضرورت تھی کہ مسائل
کلامیہ کو موجودہ صورت میں کتابوں میں مرتب و رد کرنے چنانچہ صحابہ کرام کے
کلام مستفود میں کلام و بحث کا مطلق وجود نہ تھا۔ اور اس کا یہی سبب تھا کہ شکوہ
یہود سے بعض اٹھانے والے موجود تھے۔ ہر شخص اپنے شکیک و شبہات کو کسی
مقام پر پہنچا کر رفع و دفع کر لیتا۔ اور تحقیق حق کے بعد اس کی پوری تسکین ہو جاتی
تھی اور بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں کثرت سے باہم اس درجہ کی مخالفت بھی نہ تھی۔
جس سے ایک دوسرے کی تفصیل و تکفیر لازم آتی۔ اور اگر اچانک کسی سے خلاف
و کھٹائی جاتا تو فوراً اس کو تعزیر و تادیب کر دی جاتی۔ یہ اور اس کے سوا دوسرے
سردہ کی بواعث ایسے تھے جس سے ان نزرگوں کو نہ تو اس علم کے جمع کرنے
کی ضرورت ہوئی اور نہ مجاہدات ظاہری و باطنی سے انہیں اتنی مہلت ملی کہ وہ
اس طرف عنان توجہ نہعطاف فرماتے۔ اگرچہ انہیں معلوم تھا کہ حسب زمانہ ہوس
مذہبی و علمی و علمی و علمی کے عنقریب امت مرتبہ و تفرقوں میں بٹ جائیگی۔ ان میں
بیکس ہی قسم کا جیہ ہو گا۔ باقی سب تاریکیوں کے فضا میں متقابلین میں ہی رہیں گے۔
بیکس ہی میں رہیں گے۔ لیکن انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضور نبی علیہ السلام
و سلم نے فرقہ ناجیہ کی علامت بیان فرمادی ہے کہ وہ حضرت سالت ماب علیہ السلام
علیہ السلام اور صحابہ کرام بنی اللہ عنہم کے رستہ پر چلنے والے اور امور دینیہ
میں ہمیں کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ لہذا ان کو اس جانب سے قبل وقوع و قہ
اور سنوچ سانچہ کے کچھ اندیشہ و تردد نہ تھا۔ اب جب کہ صادق و صدوق علیہ السلام
علیہ السلام کی حدیث کے موافق ملت اسلامیہ شیرازہ بکھرنے لگا۔ اور جامعہ اسلام فرقہ
فرقہ ہونے لگی۔ تو علما کو ضرورت پڑی کہ اہل سنت کے عقائد و حقائق کو کتابی صورت
میں جمع کر دیا جائے۔ اور عقائد باطلہ سے تعریف نہ کیا جائے۔ پھر اس کے بعد

علم کلام کی تالیف کا سبب

آئے والے علما کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے باطل خیالات اور عقائد نہ مخرقا
کی بات کے ساتھ تردید بھی کر دی جائے۔ اور جس پیمانہ سے انہوں نے ناپا ہے۔
اس پیمانہ سے انہیں بھی ناپ کر دیا جائے۔

گنہگار از گنہگار پر و تدبیر و تدبیر
از مکارات عمل عن مثل مشو

افتراقِ امت کی حدیث مختلف طریقوں پر مروی ہے مگر مطلب
ربک ایک ہے۔ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لِيَا بَنِي سُلَيْمٍ أُمِّيَّتِي مَا
أَقَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَ بَنُو إِسْرَائِيلَ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَ
سَبْعِينَ مِلَّةً وَاسْتَمَرَّتْ أُمِّيَّتِي عَلَى ثَلَاثَةٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً
كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنَ الْمِلَّةِ
الْوَحِيدَةِ الَّتِي مُتَّفَقٌ عَلَيْهَا أَنَا عَلَيْكَ وَاصْطَبَايَ رَدَاهُ فِي الْفَرْقِ
بَيْنَ الْفَرْقِ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا قریب
ای میری امت پر وہ واقعہ آیا ہے۔ جو بنی اسرائیل پر گذرا۔ بنی اسرائیل کے
بہتر فرقے تھے۔ اور میری امت کے تہتر فرقے ہونے والے ہیں۔ وہ رب رب زح
ہیں۔ مگر ایک فرقہ صحابہ نے غرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہے جو دو رخ
میں نہیں جائیگا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔
بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ یہود کے اکثر فرقے ہوتے۔ اور نصاریٰ کے
بہتر اور میری امت کے تہتر فرقے ہونگے۔

بعض علما کہتے ہیں کہ اہلِ دیانات چار فرقے ہیں۔ مجوس۔ یہود۔ نصاریٰ
اور اہلِ اسلام پس مجوس کے تہتر۔ یہود کے اکثر اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوتے
اور اہلِ اسلام کے تہتر فرقے ہوتے ہیں۔ ان میں سب غریبی ہونے والے ہیں
اور فرقہ ناجبہ صرف ایک ہی ہے بعض جماعت صرف رسول خدا اور جاگیرام کے
قدم بقدم چلنے والی ہے۔

یہ خلفائے راشدین مروی ہے کہ انہوں نے افتراقِ امت کا ذکر کیا کہ

فرقہ نماں سے مراد کون کون ہیں۔

وہ فرقہ فتنہ ہو جائے گی۔ اور پھر کہا کہ اُن میں فرقہ ناجیہ ایک ہی ہو گا۔ اور سوانح را
سے مروی ہے کہ آپ نے قدریہ کی مذمت کی اور فرمایا کہ وہ اس امت کے مجتہدین
اور نیز آپ سے فرقہ مرجیہ کی مذمت مروی ہے۔ اور نیز مروی ہے کہ آپ نے اربعین
یعنی خوارج کی مذمت فرمائی۔ اور نیز احادیث کثیرہ سے دافض کی مذمت ثابت ہے
و یکھو صد اعق محرقہ تو ان تمام مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ میں
فرقہ نامے مذمومہ تاریہ سے مراد فقہائے کرام رضی اللہ عنہم کے فرقے نہیں ہیں
کیونکہ ان کا اختلاف باہمی صرف فروعی مسائل تک محدود ہے۔ اور اصول دین میں
وہ سب کے سب متفق ہیں۔ اس لئے کہ حلال و حرام وغیرہ فروعی مسائل کی بابت
جو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے اختلاف ہے۔ وہ دو حال سے ایک یہ کہ علما
کا ایک گروہ کہتا ہے کہ فروع فقہ میں تمام مجتہدین مصیب ہیں۔ اور سب کی سائے
راجع بصواب ہے۔ دوسرے یہ کہ جماعت علما کی فرقہ نامے فقہ میں صرف ایک ہی فرقہ
کو مصیب کہتی ہے۔ باقی کو مخطی لیکن اس خطا کے سبب اُن کی تفصیل نہیں کرتی۔ تو
معلوم ہوا کہ مراد فرقہ نامے مذمومہ فی الحقیقت سے اہل ہوا و عناللت کے فرقے ہیں
جنہوں نے فرقہ ناجیہ کی ابواب عدل و توحید یا وعد و عیب یا قدر و استطاعت یا تقدیر خیر
شر یا یا بدایت ضلالت یا ایرادت و مشیت یا باب ویت و ادراک یا باب صفات
اسمائے الہی یا باب تعدیل و تنجیز یا ابواب نبوت و شرو یا باب خلافت امامت یا
شعر و نشر وغیرہ میں جس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے۔ مخالفت کی اور اس کے
متقابل اپنی بدعتوں اور اہوا کو لوگوں میں پھیلایا۔ ان مخالفین فرقوں کی بڑی قسمیں ہیں
قدریہ۔ خوارج۔ روافض۔ بخاریہ۔ کرامیہ۔ مرجیہ۔ جہمیہ مجسمہ اور مشبہہ وغیرہ پھر
ان میں سے ہر ایک فرقہ کی شاخیں پھیلیں جو سب ل کر ہتھ پوتی ہیں۔ بلکہ اس کے
بھی زیادہ یہ تمام فرقے اہل ان کے یہ جتنے آخر وقت میں حادث ہونگے۔ فرقہ نامے
باطلہ میں حائل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ابواب مذکورہ میں ان فرقوں کا اختلاف فروعی
اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ اختلاف اصول دین کا اختلاف ہے۔

فروعی اختلاف تو ابتدائے اسلام سے ہوتا آیا ہے۔ اور وہ امت کے

لئے رحمت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ اختلفوا فی الدین رحمة اللہ علیہ

امت کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات
 ایک تمام مسلمان ایک ہی طریقہ کے پابن اور منہاج واحد کے پیرو تھے۔ آنحضرت کا
 انتقال فرمانا تھا کہ اختلاف شروع ہوا۔ پہلے آپ کی وفات کے معاملہ میں وگروہ ہو گئے
 ایک سبب محبت اور وقور محویت اور جلال قدرت اور تقرب حق کے جو آپ کو حاصل
 تھا۔ آپ کی مدح مہمات کا قائل ہو گیا۔ اور کہا کہ آنحضرت مرے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ
 نے آپ کو مثل عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے آسمان پر اٹھانا چاہا ہے۔ حضرت ابو بکر
 صدیقؓ کو جب خبر پہنچی تو آنحضرت کے سر ٹانے آئے۔ اور چہرہ انور سے چادر اٹھا کر
 یہ آیت تلاوت فرمائی۔ **إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُ مَلِيَّةٌ تُوْن**۔ یعنی بے شک اسے
 نبی تم وفات پانے والے ہو۔ اور بیشک وہ سب وفات پانے والے ہیں۔ اس آیت
 کے سننے سے لوگوں کے ہوش بجا ہوئے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ **مَنْ كَانَ**
يَعْبُدُنَا حُبًّا فَإِنَّهُ عَابِدٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مَاتَ وَمَرَدُّ كَانِ يَعْبُدُ رَبَّ
مُحَمَّدًا فَإِنَّهُ عَابِدٌ لِّمُحَمَّدٍ۔ (رواہ ابن ابی شیبہ) جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا۔
 تو محمدؐ کو مر گئے اور جو محمدؐ کے پروردگار کی عبادت کرتا تھا۔ تو بے شک زندہ ہے
 کبھی نہیں مرے گا۔

غرض یہ اختلاف سے دفع ہوا اور ابو بکرؓ کی بات سب کے دل پر ایسی مؤثر
 ثابت ہوئی کہ تمام میں اپنے خیر سے تائب ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کے دفن کرنے کے باب میں اختلاف ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ آپ کو مکہ
 میں دفن کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہیں آپ کے مولد اور مبعوث اور قبلا اور موضع نسل ہے
 اور وہیں آپ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور اہل مدینہ چاہتے تھے
 کہ آپ مدینہ میں دفن کئے جائیں کہ یہ آپ کا دار ہجرت اور دار انصار ہے۔ بعض
 کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کو بیت المقدس میں دفن کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ وہاں آپ کے
 جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہ اختلاف یہی بڑھتا
 جاتا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ حدیث پڑھی **إِنَّا نَدْفِنُكَ حَيْثُ**
يُقْبَضُ تُوْن (رواہ فی مشکوٰۃ) یعنی انبیاء اسی جگہ دفن کئے جاتے ہیں۔ جہاں ان کی
 روح قبض ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث پر عمل کیا گیا۔ اور آنحضرتؐ کو مدینہ میں

اختلاف امت کی دلچسپی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جسے مدینہ منیہ آیا گیا کہ یہاں اپنے وفات پائی تھی ۔
اس کے بعد امامت کے متعلق اختلاف ہوا۔ انصار کہتے تھے کہ حضرت
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہئے۔ اور مسلمانوں
کی بیعت کے لئے سعد بن عبادہ بنسریٰ کو تجویز کرتے تھے۔ اور قریش کہتے تھے کہ
امامت کا مستحق قریش کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ انصار یہ بھی کہتے تھے کہ ایک امیر
ہم میں ہو۔ اور ایک قریش میں سے۔ اس وقت بھی حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ سے
ایک ایسی حدیث روایت کی جس کے آپ کے ساتھ چند جلیل القدر صحابہ بھی تھے
سناتھا۔ اَلَا نَحْمَدُ مِنْ قُرَيْشٍ (رواہ البخاری) یعنی امامت قریش سے ہوگی۔
سب نے اس حدیث پر تسلیم کر لیا۔ اور بعد امدان نظر و بحث و مباحثہ حضرت ابو بکرؓ
سے بیعت کر لی۔ لیکن یہ اختلاف ابھی تک باقی ہے کہ امامت غیر قریش میں کیونکر
نابالغ ہے۔ اور قریش ہی میں مخصوص کیوں ہے۔ چنانچہ ضرار اور خوارج غیر قریش میں
بھی امامت کو بائز کرتے تھے۔ حدیث مذکورہ کے باب میں تفصیلی بحث کے لئے
دیکھو صفحہ ۳۱۲ عقائد قریشی بعد ازاں زمین فک اور توریت ترکہ انبیاء کے باب میں
اختلاف ہوا۔ حتیٰ کہ ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ سے یہ حدیث سنائی۔ اَلَا نَبِیَّاءَ کَا
یُؤْتِ شُونَ (رواہ الترمذی) انبیاء اپنے ترکات کا وارث نہیں سمجھئے۔ ان کا ترکہ
عام مسلمانوں کے لئے صدقہ ہے۔ پھر زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق اختلاف

تفصیلی عقائد قریشی

اس باب میں ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بنی نضیر نے بنی مضر کے خلاف فتنہ مچا دیا۔ انصار بھی
لئے عبادہ بنسریٰ کو بھیجے۔ تو ان دونوں کے درمیان سے ہر شخص اپنے مفاخر اور مناقب بیان کرنے لگا جب خبر
صحابہ کو پہنچی تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور ابی بکرؓ نے ان دونوں کے خلاف فتنہ مچا دیا۔ اور ان کے
ساتھ دوڑنے لگے۔ وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ انصار مخالفت کے لئے سعد بن عبادہ کو بھیج کر رہے ہیں اور وہاں
کسی طرح امن نہیں رہتا۔ تاہم ابوبکرؓ انصار کہتے ہیں کہ اچھا ایک امیر ہم میں سے ہو۔ اور ایک تم میں سے۔ انہوں نے
عہدِ امت پر رفق و عنایت سے مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔ اے مرد انصار تم نے تیرا ابراہیم سے سنا ہے کہ اپنے
فرمایا۔ اَلَا نَحْمَدُ مِنْ قُرَيْشٍ بشر ابن سعد انصاری نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے یہ حدیث آنحضرتؐ
سے سنی ہے حضرت ابو بکرؓ نے اس کی حق گوئی کی مدح کی اور بعد بڑی رحمت کے پہلے حضرت فاروق رضی اللہ
عنه نے ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر ابوبکرؓ نے اس کے بعد تمام فاطمہ بنی نضیر سے بیعت کر
کئے کہ پہلے بشر ابن سعد انصاری نے بیعت کی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عباد بن بشر نے پہلے بیعت کی غرض
پہلے رزقہ یہ ہوا اور پھر رزقہ عام بیعت واقع ہوئی ۔ ۱۲

ہوا کہ ان سے قتال کرنا چاہئے یا نہیں۔ چنانچہ ان سے جدال قتال کرنے کے
وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر اتفاق ہوا۔ اس کے بعد
صحابہ کرام علیہم السلام کے قتال میں مشغول ہو گئے۔ یہ ایک شخص تھا جو اسلام میں داخل
ہو کر پھر مرتد ہو گیا۔ اور نبوت کا دعویٰ کر رکھا۔ جب مسلمان اس کے قتال ہلاک
کے درپے ہوئے۔ تو وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور مدت تک اس کا دارہ پھرتا
رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پھر مدینہ میں آکر مشرف
باسلام ہوا۔ اور شیراز سے ابن قاص کے ساتھ حربہ دسمیہ میں پیداواں حرب
تھاؤ میں شریک ہوا۔ اور نہادند کی لڑائی میں شہید ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ
عنہم۔

پھر مسلمان مسیلمۃ الکذاب کے قتال میں مشغول ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام
اس پر فخر غالب کیا۔ اس طرح سجاح عورت پر جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور
نیز اسود ابن زبایعسی مدعی نبوت پر خدا نے اہل اسلام کو فتح کا ملہ عطا فرمایا۔
اس کے بعد مسلمان بالاتفاق تمام مرتدوں کے قتل و ہلاک پر مجاب ہوئے۔ اور
خدا کا شکر ہے کہ تمام مرتد طعمہ تیغ بے دریغ شکر اسلام کے ہوئے۔ اس سے فارغ
ہو کر مسلمانوں نے غیر مسلم اقوام سے بڑی بڑی لڑائیاں کیں۔ اور روم۔ شام اور

اسلامی اقدار الیامی اور سجاح و جارت ثعلبی اور امیہ و قس بنی ان چاروں نے برائی نبوت کا دعویٰ کیا تھا
پہلے تینوں شخصوں کی بابت یہ جیسی ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قائم
ہوا۔ مگر اسود کی نسبت مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک مسیحی قبیلہ الحارثیہ میں سے
تھا۔ دین میں نبوت کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آخر ایام جات میں کیا۔ اور آپ ہی کے سامنے
غیر نامی ایک مسلمان کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی ہلاکت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے
زمانہ میں ہوئی۔ مگر اسدی نے پہلے تو مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ پھر جب ہریمت دوسنے لگی تو ملک شام کو
بھاگ گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیان لا کر حرب تھاؤ میں قاتل ہوا۔ وہ شہادت
ہوا۔

مسیلمۃ الکذاب حشی قاتل مسیحی شہید حضرت امیر حمزہ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ یہ سب باتیں اس وقت کے
چار سو پانچ لے کر موصول کی طرف بھاگ گئی۔ اور حضرت امیر - اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔
مگر مشرف بیان ہوئی۔ ۱۲ منہ۔

عجم غیر ہماک عظیمہ کو فتح کیا۔ اس وقت تک مسلمان کلمہ واحدہ پر جمع تھے۔ اور
 ان میں اصول دین کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ یہ جزئی اختلاف جو ادب پر بیان ہوا
 اور اس کے سوا جو فروع فقہ کے متعلق اختلاف رہا۔ یہ سب حقائق حق کی غرض سے
 تھا۔ اس میں کسی قسم کا شائبہ نفس اور ریا کا نہ تھا۔ اور نہ مخالفت اس غرض سے
 تھی کہ اس سے دوسرے کی تفصیل یا تفسیق مقصود ہو حضرت ابوبکرؓ و حضرت
 عمرؓ کے زمانہ خلافت اور نیز حضرت عثمانؓ کے خلافت کے پہلے چھ سال تک
 یہی حال رہا۔ اس کے بعد ایک ناگفتنی اختلاف مسلمانوں میں واقع ہوا وہ یہ کہ بعض
 جزئی اختلاف رائے کی وجہ سے ظالموں نے حضرت عثمانؓ و انصار بنی اللہؓ کو
 قتل کر ڈالا۔ ان کے شہید ہونے کے دوسرے روز حضرت علیؓ شہید ہوئے۔ اہل کرم اللہ
 وجہہ کرسی خلافت پر متمکن ہوئے۔ لیکن چونکہ یہ خلافت استخلاف اور تہا

لہ کتب تاریخ میں ہے کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام میں اپنے قرابت داروں کی بڑے بڑے عیال
 دے رکھے تھے۔ اور انعامات بھی ان پر زیادہ کیا کرتے۔ اس سے بعض صحابی منع بھی کیا کرتے۔ تو اس کی
 کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اکثر صحابہؓ کہ آپ کا یہ سلوک بڑا معلوم ہوتا۔ اسی حالت میں آپؓ نے بعد اللہ ابن
 ابی سہج کو مصر کا خلیفہ کر دیا۔ باوجودیکہ اس نے مصر میں پرہیزگارہ بننے سے منع بھی
 کیا کہ اس کو معزول کر دیا جائے۔ مگر آپؓ نے نہ مانا۔ آخر جب جناب علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اس کے عزل
 کی بابت بہت کچھ اسراء کیا۔ تو آپؓ نے حسب ہوا بدیدھا پڑا محمد ابن ابی بکرؓ کو مصر کی گورنری کا فرمان
 دے کر مصریوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ لیکن مروان نے جس کو حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے مزاج میں بڑا دخل
 تھا۔ یہ خیال چلی کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک مسلمان عبداللہؓ کو اس کے نام لکھا کہ تم
 اپنے عہد پر قائم رہنا۔ اور محمد ابن ابی بکرؓ اور ان کے ہمراہیوں کو مجھ سے اور قتل کر دینا۔ یہ فرمان مہر
 خلافت سے مزین عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے قلام کے ہاتھ عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے ادب پر سوار کر کے
 بھیج گیا۔ جس کو محمد ابن ابی بکرؓ کے لشکریوں نے رستہ میں پکڑ لیا۔ پھر تو لوگوں کو آپؓ کی طرف سے بڑی
 بدگمانی ہوئی۔ اور بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں آکر حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے مکان پر غارت
 کر دیا۔ اور باوجود سخت رد و تمام کے مکان میں ٹھس کر محمد ابن ابی بکرؓ کے دو ہمراہیوں نے آپؓ کو شہید
 کر دیا۔ **وَاتَّاهِدُوا بِاللَّيْلِ رَاجِعُونَ**

آپؓ کی شہادت کا۔ اتنے بڑا افسوس ناک ثابت ہوا۔ آپؓ شہید ہونے میں ذوی الحجہ کی گیارہویں
 تاریخ شہید کئے گئے۔ اور ہفتہ کی شرب کو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
 اجمعین

اور شور مچی کے ذریعے عمل میں نہیں آئی۔ اور چونکہ فتنہ عثمان کے باب میں اہل اسلام کے دگر وہ ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ کی خلافت میں عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ پہلی بات یہ سامنے لائی گئی کہ قاتلان عثمان سے قصاص لیا جائے۔ اور حبیب قصاص سے اغراض کیا گیا۔ تو اہل اسلام کا ایک بڑا گروہ علیؑ کا مخالف ہو گیا۔ اور علیؑ اور اصحابِ میل کی شان میں اپنی رائے سے مختلف چہ میگوئیاں کرتا رہا۔ بعض نے اس جنگ میں علیؑ اور اُن کے اعوان انصار کو مصیب اور ان کے مخالفین کو مغلی سمجھا۔ اور بعض نے عائشہؓ اور اُس کے ہمراہیوں کو حق پر جانا۔ لیکن اہل اسلام میں بھی ایک ایسا گروہ عدالتِ پشروہ بھی موجود تھا۔ جو اس جنگ کو اجتہادی جنگ کہتا۔ اور فریقین کی غلطی کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ اس قسم کی لڑائیوں سے دین اسلام کو کوئی تعلق نہیں۔ ایسی لڑائیاں ہمیشہ متقدم قوم میں ہوا کرتی ہیں۔ اور اُس کے نتائج سچائے معترض ہونے کے بصیر النظر اور عاقبت بین اصحاب کے حق میں مفید ہی ثابت ہوا کرتے ہیں۔ یہ فرقہ تھا جو ہمیشہ افراط و تفریط اور بلا وجہ وجہ مسلمانوں کی تفصیل و تفسیق سے محتنب ہوتا تھا۔ اب بھی یہ فرقہ تاجیہ اسی حالت و شان اور وقار و تمکین کے ساتھ اپنی اسی رائے پر قائم و ثابت ہے۔ اور گزشتہ واقعات صحابہ کو اجتہادی خطا سے تعبیر کرتا۔ اور افراط و تفریط سے بچا ہوا صراطِ مستقیم پر چلتا ہے۔ اسی فرقہ کا نام فرقہ تاجیہ اہل سنت و الجماعت ہے۔

واقعہ حبشہ کو کچھ بہت دن نہیں گزرے تھے کہ فیرازہ اسلام کے ہتھیار

سے تین اسلام میں آیا ہے۔ لیکن اصل بات یہ کہ حضرت حبشہ کی خلافت پر پہلے ہی اسلام قائم ہو چکا تھا۔ اور اہل اسلام نے با اتفاق حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد خلافت کو صرف عثمانؓ و علیؓ کے دونوں شاخوں میں بانٹ دیا تھا۔ اب حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے حق میں خلافت باقی رہی چنانچہ اسٹیج پر اُترنے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا لیکن شام عراق اور مصر کے قبیلوں نے اُن کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ ۱۲۔ منہ ۵۔

۱۳۔ عربی میں حبشہ کہتے ہیں اور حبشہ کہتے ہیں۔ یہ لڑائی حبشہ میں ہوئی تھی۔ وجہ اُس کی یہ تھی کہ طلحہ و زبیر اور اکثر شام مصر کے لوگ چاہتے تھے کہ عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اور حضرت علیؑ کو یہ ہمارا مال دیتے تھے کہ عام شورش سے نبرد ہو جانے پر قصاص کی جانب سے جو زیادہ ضرر پہنچے گا۔ اس بات پر لوگوں نے یہ حاشیہ چھوڑ دیا۔ (قبیلہ بنو امیہ)

امت میں گھٹیا افتخار کی بنا

واقعہ حبشہ

جنگِ حبشہ کی کیفیت

کے لئے معاویہ علی رضی اللہ عنہ کی رڑائی یعنی جنگ صفین پیش آئی۔ ان میں دونوں طرف سے ہزاروں صحابیوں کا قتل و خون ہوا۔ کاش یہ سرخروش مسلمان مخالفین اسلام کے مقابلہ میں لائے جاتے کہ اپنی جہلی دلاوری اور فطری جنگ جونی سے تمام دنیا کفایت و شکرین کو آستانہ اسلام پر جھک دیتے۔ افسوس اتنے مسلمانوں کا خون فریقین کی ذاتی اغراض کے کام میں لایا گیا۔ یہ وہی جنگ ہے جس میں خباب علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مولیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی جانب سے عمرو ابن العاص کی حکمت مقرر کئے گئے۔ اور یہی رڑائی ہے جس میں عمرو ابن العاص کی جو دت طبع نے قرآن شریف کو نیزوں پر چڑھا کر پہلے تو علی رضی اللہ عنہ کے طرفداروں کو صلح پر آمادہ کرایا۔ اور پھر سوائے اشعری جیسے بزرگ کو اپنے موافق کر لیا۔ اور فیصلہ معاویہ کے حق میں دے دیا۔ اس حکم کے بانی مسلمانوں کا باہم ایسا اختلاف عظیم ہوا جو ابھی تک باقی ہے۔ اور خواجہ کی جماعت اسی وقت سے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سے علیحدہ ہو کر خارجی کہلائی۔ اور اسی وقت ایک جانب عیسائی پیدا ہو گئی۔ جو علی رضی اللہ عنہ و معاویہ دونوں سے الگ ہو کر طرفین کے امیر و اور شرکاء جنگ کو برا کہنے لگی۔ بعض کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کا مخالف فرقہ ناجسی کہلا رہا ہے۔ اور علی رضی اللہ عنہ و معاویہ دونوں کا مخالف فرقہ خارجی (فرقہ اہل سنت یہاں بھی اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) کہ آپس میں بد عزتی پیدا ہوئی۔ طلحہ و زبیر امدان کے ہمراہی کئے پہنچے حضرت عائشہؓ یہاں پہلے ہی تشریف فرما تھیں۔ ان کو لے کر بصرہ پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بصرہ کو روانہ ہوئے۔ اور وہاں دونوں لشکروں کی بدلت درائی ہو گئی۔ دونوں طرف سے ہزاروں قتل و شہید ہوئے۔ یہ رڑائی ۵۱ عادی آخر ست۔ مہری کو واقع ہوئی۔ اس رڑائی میں طلحہ و زبیر کے ساتھیوں کی تعداد تین ہزار اور اہل علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ ۱۲

۱۳۔ عقیقہ ایک مقام ہے جہاں یہ رڑائی ذوی الحجہ ۳۳ھ سے شروع ہو کر آٹھ محرم ۳۴ھ تک جاری رہی۔ پھر معاویہ کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ محرم کا تہرہ منہ مہری۔ ۱۴۔ کہ یہ پھر فریقین رڑائی شروع ہوئی۔ غرض کل ایک سو سبیل دن تک جاری رہی۔ اس جنگ میں معاویہ کی فوج بڑی ہو چکی تھی کہ اتنے میں عمرو ابن العاص نے یہ تدبیر سوچی کہ قرآن کو نیزوں پر چڑھا کر پاشا کیا کہ کہ تم اپنے کے ذریعہ ہم پر غلبہ کر کے قتل و جود میں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا یا بھی کہ یہ دشمن کا فریب ہے۔ اور میدان جنگ اکتھیں آچکا ہے۔ مگر لشکریوں نے نہیں مانا۔ آخر کار معاویہ کے مقابلہ میں عمرو ابن العاص کی حکمت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہی طرح نہایت اٹھانی پڑی۔ بعض لوگ علی رضی اللہ عنہ کے اور بعض علی رضی اللہ عنہ و معاویہ اور طرفین کے مخالف ہو گئے۔ ۱۵۔ منہ

۱۳۔ عقیقہ

مادستقرہ وسنت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کام میں لایا۔ اور اس جنگ کو بھی
معاویہ کی غلطی کے اعتراف کے ساتھ ان کی خطائے اجتہادی پر محمول کیا۔ اور ان کے
کی چوٹ سے کہہ دیا

حق در آنجا بدست جید بود
جنگ با او خطائے منکر بود

مگر انہیں لڑائیوں کو فرقہ ہائے عمالہ کے پیدا ہونے کی بنا سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اسی
وقت سے اسلام کے مختلف فرقے مختلف ناموں سے موسوم ہونے لگے۔ علیؑ کے
طرفداروں نے اپنا نام شیعہ یا ان علی رکھ لیا۔ اور ان کے مخالفین خوارج کہلائے۔
پھر متاخرین صحابہؓ کے وقت میں قدریہ پیدا ہوئے۔ جو قدر و استطاعت میں
خلافت کرنے لگے۔ اور حنیف معبد حسنی اور عبیدان دمشقی اور جہد ابن رہم سے
ظاہر ہوا۔ متاخرین صحابہؓ نے ان سے اپنی بریت ظاہر کی۔ چنانچہ عبید اللہ ابن عمرؓ
اور جابر ابن عبد اللہ اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ اور انس ابن مالکؓ اور عبد اللہ ابن
ابی اوفیٰ اور عقبہ ابن عامر حسنی ان بزرگ صحابیوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے قدریہ
سے تبرک کیا۔ اور جنہوں نے اپنے خلافت کو وعیت کر دی کہ قدریہ پر سلام نہ کریں
ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں۔ اور ان کے مریمین کی عبادت کو نہ چاہیں۔

خوارج کا فرقہ بڑھتے بڑھتے بیشتر فرقوں میں بٹ گیا۔ ایک فرقہ دوسرے
کی تکفیر کرنے لگا۔ پھر حسن بصریؒ کے زمانہ میں قدر کے باب میں اسل ابن عطاء کا خلافت
ہوا۔ حسن بصریؒ نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا۔ اور کہہ دیا اَعْتَنَ لَ عَنَّا وَهَمْ
اَلْکَ ہو گیا۔ پس فرقہ معتزلہ کہلا یا۔ اس کا قول ہے کہ ناسق گناہ گار نہ مومن ہے
اور نہ کافر۔ بلکہ ان دونوں منزلتوں کے درمیان ایک تیسری منزلت رکھتا ہے
معتزلہ کا قصہ بڑا دلکش ہے۔ جو تلا سعد الدینؒ نے شرح عقائد میں لکھا
ہے۔ فرماتے ہیں کہ معتزلہ فرقہ پہلا فرقہ ہے جس نے ظاہر سنت اور جماعت
صحابہؓ کے خلاف باب عقائد میں قواعد ایجاد کئے اس واسطے کہ اسل ابن عطاء
جو معتزلہ کا رئیس ہے۔ اس قرار کے سبب کہ فرنگ بکیرہ نہ مومن ہے اور نہ
کافر بلکہ اس کی منزلت کفر و ایمان کے درمیان ہے۔ مجلس حسن بصریؒ سے علیحدہ

گمراہ فرقوں کی ابتدا

خوارج کی تسمیہ

معتزلہ کی دو منزلتیں

کر دیا گیا۔ اور اسی اعتزال کے سبب اس فتنہ کا نام معتزلہ ہو گیا۔ مگر وہ خود کو اچھا
العدل والتوحید کہتے ہیں۔ کیونکہ مطیع کو ثواب دینا اور عاصی کو عذاب الٹا دہ
لوگ خدا پر واجب تجویز کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے صفات تدبیرہ کی نفی جائز
رکھتے ہیں۔ اس فتنہ نے علم کلام میں بڑا تو غل کیا۔ اور فلاسفہ کے دلائل کا سہارا
پکڑ کر انہوں نے مذہبی احکام کو ترتیب دیا۔ اسی طرح معتزلہ کا مذہب لوگوں
میں خوب شائع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک در شیخ ابو الحسن اشعری رحمہ نے اپنے
استاد ابی علی الجبائی معتزلی سے سوال کیا کہ آپ ائمہ میں کی بابت کیا کہتے ہیں۔
جن میں سے ایک مطیع مرا۔ دوسرا عاصی اور تیسرا صغیر جواب دیا۔ پہلا جنت
میں ثواب پائے گا۔ دوسرا دوزخ میں عذاب اٹھائے گا۔ اور تیسرے کو نہ ثواب
ملے گا۔ اور نہ عذاب۔ اشعری نے کہا۔ اگر صغیر خدا سے کہے۔ اٹھی تو نے مجھے
چھوٹی عمر میں کیوں اٹھا لیا۔ اور مجھے باقی کیوں نہ رکھا۔ کہ میں بڑا ہو کر تیری
اطاعت کرتا۔ اور جنت میں داخل ہوتا۔ تو خدا کیا جواب دے گا۔ جبائی نے کہا
خدا فرما بیٹے گا۔ تیرے حق میں یہی بہتر تھا کہ صغیر سنی میں مر جائے۔ کیونکہ اگر تو بڑا
ہوتا تو مجھے معلوم تھا کہ تو گناہ کرتا۔ اور دوزخ میں داخل ہوتا۔ اشعری نے
کہا۔ اگر دوسرا یعنی عاصی خدا سے کہے۔ اٹھی تو نے مجھے چھوٹی عمر میں کیوں نہیں
اٹھا لیا کہ میں گناہ نہ کرتا۔ اور آج دوزخ میں داخل نہ ہوتا۔ تو کیا جواب دے گا۔
جبائی اس سوال سے حیران ہو گیا۔ اور اشعری نے اُس کا مذہب چھوڑ دیا۔ پھر
حسن اشعری رح اور اُس کے تابعین معتزلہ کی تردید کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور
سنت و جماعت کے عقائد کو پُر زور دلائل سے ثابت کرنے لگے۔ اس مناسبت سے
ان کا نام اہل السنۃ و الجماعت ہوا۔

فرقہ ہائے روافض میں سے صرف سائبہ ایک ایسا فرقہ ہے جس نے
جناب علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اپنی بدعت و اہمیت کو ظاہر کیا۔ اور
علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کر دیا کہ ”اے علی رضی اللہ عنہ ہی اگر یعنی معبود ہو“ جناب علی رضی اللہ عنہ
اس تہذیب فرقہ کے اکثر لوگوں کو جو مانتے تھے۔ جلا دیا۔ اور ابن سبأ باطل الدین
کی طاعت بھاگ گیا۔ اور وہاں جا کر اعتقاد الوہیت علی رضی اللہ عنہ کی اشاعت کی۔ یہ

فرقہ گروہ

فرقہ بسید اس کے کہ وہ علیؑ کی الوہیت کا قائل ہے۔ فرقہ اُمت اسلام سے خارج ہے۔ پھر علیؑ کے زمانہ کے بعد رد افض کے چار فرقے ہو گئے۔ زید یہ امامیہ کیسانیہ اور غلاط۔ پھر ان میں سے بھی ہر ایک فرقہ کے چند فرقے ہو گئے۔ جو سب کے سب باہم ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان میں غلاط کے تمام فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ رہے زید یہ و امامیہ تو ان میں معدومے چند فرقے فرمائے اُمت میں داخل ہیں۔ باقی خارج از اسلام۔

نخاریہ فرقہ کے لوگ نواحی سے میں پھیل گئے۔ پھر فرقہ بکریہ کا خلاف ظاہر ہوا۔ اخت عبد الواحد بن یاز کی جانب سے۔ پھر ضرار ابن عمرؑ کی طرف سے فرقہ ضراریہ کی ابتدا ہوئی۔ اور جہم ابن صفوان کی طرف سے حمبیہ کا خلاف حادث ہوا۔ اور جہم بکر و ضرار سب کا ظہور زمانہ قاسم بن عطا میں واقع ہوا اور باطنیہ کی دعوت خلیفہ مامون الرشید کے وقت سے ظاہر ہوئی۔ اور یہ ظہور دعوت حمران و قریط اور عبد اللہ بن مسمون القدارح کی جانب سے واقع میں آیا۔

فرقہ باطنیہ فرمائے اسلام سے نہیں ہے۔ بلکہ مجوس کے فرقوں سے ہے۔ چنانچہ ان کے عقائد فاسد سے ظاہر ہے۔ پھر محمد بن طاہر ابن عبد اللہ ابن طاہر کے زمانہ میں فرقہ کرامیہ جس کا خلاف ظاہر ہوا۔

فرقہ زید یہ کے تین فرقے تھے۔ جارودیتہ، سلیمانہ، اتبریہ۔ یہ تینوں فرقے زید ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ رضی اللہ عنہم کے قائل ہیں۔ ان فرقوں کا صورت ہشام ابن عبد الملک کے زمانہ میں ہوا۔ کیسانیہ کے کئی فرقے ہیں۔ جو دنیوی مقصد میں محدود ہیں۔ ایک ہے کہ شایان الحنفیہ کو حی لایوت خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہی مہدی منتظر ہیں۔ آخر زمانہ میں عود کریں گے۔ دوسرے

یہ قول عام القائل در بغدادی حضرت علیؑ کا ہے۔ لیکن حقیقت میں بعض باطنیہ فرقوں کا عمل ایسا کہ وہ فرقے ہمارے میں شمار نہیں کیے جاسکتے۔ نہ کہ نام باطنیہ فرستے۔ چنانچہ ہم نے اس کی تشریح عنیم میں کر دی ہے۔ جو سب سے زیادہ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کے فرقے ہیں۔ یا تو اوجہ احمدیہ یا صوفیہ یا ہندی یا بدی

آخر ہی اخیر کتاب میں لکھا گیا ہے ۱۲

یہ کہ اُن کی امامت کے قائل ہیں۔ اور اُن کی موت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کی موت کے بعد امامت کا غیر میں منتقل ہونا تجویز کرتے ہیں۔

امامیہ کے پندرہ فرقے ہیں۔ محدثہ۔ یاقریہ، نادسیہ، شمیٹلیہ، حمارہ۔ ایسا
موسیویہ۔ قطعیہ۔ اثنا عشریہ۔ ہشامیہ۔ جو ہشام ابن الحکم کے توابعین یا ہشام ابن
سالم جو البقی کے تابعین سے ہے۔ یونسیہ یونس قمی کے تابعین سے شیطانہ
شیطان الطاق کے اتباع سے۔ اور کاملیہ ابی کمال کے اتباع سے۔ اور یہ سچا
فرقہ علی بن ابی تمام صحابہؓ کے باب میں سب سے زیادہ فحش اور سخت باتیں کرتا ہے
پس یہ سب مل کر روافض کے طینت و فرقہ چھٹے ہیں زیدیہ کے اور دو کیسانہ
پندرہ امامیہ کے۔ یہ غلاۃ جو آئمہ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور عمرات شرعی
کو مباح جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے کو اسلام سے فسوب کرتے ہیں۔ جیسے بیانہ
خطابیہ، منصوبہ، حلوبہ، مغیرہ، جناحیہ اور مثل ان کے جو اعتقاد و افراٹیں
ان کے ہم نوا ہیں۔

خوارج اپنے کثرت اختلاف کی وجہ سے بہت سی نرقوں میں بٹ گئے۔
اُن کے نام یہ ہیں۔ محکمہ اولیٰ از ارقعہ۔ نجات صفریہ۔ عماردہ۔ پھر اجارہ کے

۱۔ فیقر شیطانی کا گروہ ہے۔ جامع مسجد کوفہ کے طاق میں ہا کرتا تھا۔ اُس کے پیرو اس کو مومن
الطاق کہتے تھے۔ اہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا نام شیطان الطاق رکھا
ہے ۱۲ منہ

۵۲ محکمہ اولیٰ فرقہ کے لوگ وہ لوگ ہیں۔ جو جبل یسفین کے واقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفدار تھے۔ ان کے علاوہ ہونے اور خروج کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جانب سے ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کیا تو خوارج نے کہا کہ ایسا کرنے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن سے خلافت کا طبق نکال دیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے کو حلقہ اسلام سے خارج کر دیا۔ کہہ کر حکم مقرر کرنا ان کے واسطے ہرگز درست نہ تھا۔ قرآن میں اِنَّ الْمُسْلِمَیْنَ اَشِدُّوْا لِحُدُوْدِہِمْ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کے خلاف کیا غرض ایسی بے بنیاد باتیں بنا کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور ایک بڑا شارت مہرور میں فراہم کر لیا۔ ناچار حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا تلوع و تمیع ضروری جانا۔ اور مردان میں سے ایک کو ایک سخت جنگ واقع ہوئی۔ جس میں خوارج کو ہزیمت ہوئی۔ پھر اسی طرح ان کا گردہ بڑھا گیا۔ اور ان میں بھی باہم اختلاف اور ایک دوسرے کی تکفیر ہونے لگی۔ حتیٰ کہ یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے جیسے فرسوں میں مبتلیا۔ ہمارے ہندوستان میں یہ لوگ قریباً ماضی ہیں۔ مگر مستند دشمن وغیرہ مالک عراق وغیرہ میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ۲۰ منہ

بھی بہت سے فرقے ہیں۔ جیسے خازمیہ۔ شعیبہ۔ معلولہ۔ مجولہ۔ حارثیہ۔ یزیدیہ۔ یہ سچا فرقہ اسلامی فرقوں سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا قائل ہے کہ شریعت آخر زمانہ میں منسوخ ہو جائیگی۔ اور اس کا ناسخ ایک نبی ہوگا جو عجم سے مبعوث ہوگا۔ اسی طرح فرقہ اباروہ میں سے میمونہ فرقہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لئے کہ وہ مثل مجوس نواسیوں اور یونانیوں کے نکاح کو مباح جانتا ہے۔

تدریہ جو حق سے اعتزال رکھتے ہیں۔ ان کی بھی بیس ٹولیاں ہوتی ہیں۔ ہر ایک ٹولی اپنے سوا باقی سب ٹولیوں کو کافر کہتی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ واصلیہ۔ عمریہ۔ ہذلیہ۔ نظامیہ۔ اموریہ۔ حمیریہ۔ شامیہ۔ باحظیہ۔ حایطیہ۔ حاربیہ۔ خیانیہ۔ سخامیہ۔ موکیہ۔ کجیہ۔ جانیہ۔ بھشیمیہ۔ چایونا شمش ابن الجبائی سے منسوب ہے۔ وغیرہم۔ ان میں سے دو فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ جن کے نام حاربیہ و حایطیہ ہیں۔

مرجہ کی تین صنف ہیں۔ ایک صنف ایمان اور قدر میں ارجح کا قائل ہے۔ جیسے کہ قدریہ۔ اسی سبب یہ صنف قدریہ میں معدود ہے۔ دوسرا صنف ایمان میں ارجح کا قائل ہے۔ اور اعمال و کسب میں ہم ابن صفوان کے قول کی جانب میل رکھتا ہے۔ تو یہ صنف جمہیہ اور مرجہ دونوں میں شامل ہے۔ تیسرا صنف مطلق ارجح کا قائل ہے۔ قدر و ایمان کے ساتھ متعین نہیں کرتا۔ اس کے پانچ فرقے ہیں۔ یونانیہ۔ غسانیہ۔ یونانیہ۔ تومنیہ۔ اور مرلیہ۔

بخاریہ کے فرقے بیس ہیں۔ جو ان تک سے اور اس کے نو اسی میں منتشر ہیں۔ مگر ان کا مرجع صرف تین فرقوں میں محدود ہے۔ پرغونیہ۔ زعفرانیہ اور سندیہ۔

کبریہ اور ضراریہ کے اعتقاد کے اعتبار سے یہ دونوں اصل میں ایک فرقہ ہیں۔ ان کے نو بعین بھی زیادہ ہیں۔ اور جمہیہ کا بھی ایک فرقہ ہے۔ اور کرایہ کے خراسان میں تین فرقے ہیں۔ حقانیہ۔ طریقیہ۔ اور اسحاقیہ۔ یا پھر ایک فرقہ کے لئے ب۔ کے معنی تاخیر کے ہیں۔ مرجہ اس لئے کہے ہیں کہ یہ فرقہ ایمان میں تاخیر کر دیا کرتا ہے۔ یعنی دنیا میں خود کو مومن کہتا ہے۔ نہ کا قریہ۔

فرقہ کے خواج

مرجہ

بخاریہ

کبریہ

کی تکفیر نہیں کرتے۔ تو ہم نے اُن کو اپنے ہی فرقہ میں شمار کیا ہے۔
یہ سب مل کر بہتر فرقہ لے ہوتے ہیں۔ (قطع نظر اُن کے بے شمار شاخوں کے
اور قطع نظر اس سے کہ آخر زمانہ تک کتنے اور فرقہ پیدا ہونگے) تہتہ و اہل سنت
والجماعت کا ہے۔ اور اگرچہ اُس کے دو فرقہ ہیں۔ فریق الرائے اور فریق الحدیث
لیکن وہ اصول دین میں اتفاق رکھتے۔ اور اہل الحدیث کو نہیں خریدتے ہیں۔
چنانچہ امام الاستاذ ابو منصور عبد القادر بغدادی الفریق بین الفرق
میں فرماتے ہیں۔ وَفَقَّاهُ هَذَيْنِ الْفَرِيقَيْنِ وَقَوَّاهُمَا وَحَدَّثُوهُمَا
وَمَتَكَلَّمُوا أَهْلَ الْحَدِيثِ مِنْهُمْ كُلَّهُمْ مُتَّفِقُونَ عَلَى مَقَالَةٍ
وَاحِدَةٍ۔ یعنی اور اُن دونوں محترم فرقوں کے فقہاء قراء اور محدث اور متکلمین
اہل حدیث سب کے سب حسب ذیل اصول دین میں ایک ہی مقالہ پر متفق ہیں۔
اور وہ اصول دین یہ ہیں۔ توحید و صفات صانع اور اُس کا عدل و حکمت و اسماء
و صفات الہی اور ایاد اب نبوت و امامت اور احکام عقبی اور تمام اصول دین کے
اُن کا اختلاف فروع احکامیہ میں سے صرف حلال و حرام میں ہے۔ اور وہ
بھی ایسا نہیں کہ اُس سے کسی کی تفصیل و تفسیق لازم آتی ہو۔ اور یہی فرقہ ناجیہ
مذکور فی الحدیث ہے۔ اور یہ سب توحید صانع عالم کے اقرار پر اور اُس کی ذات
و صفات کے قدیم و ازل ہونے پر اور جواز رویت الہی پر بدول تشبیہ و تعطیل کے
مجتہد ہیں۔ اور کتب الہی اور اُس کے رسولوں اور شریعت اسلامیہ کے ہمیشہ قائم
و باقی رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔ اور قرآن کے مباحات کو مباح اور اُس کے محرمات
کو حرام سمجھتے ہیں۔ معہ قیود اُن باتوں کے جو سنت نبوی سے بطریق صحت
پہنچی ہیں۔ اور حشر و نشر اور سوال نکیر بن فی القبر اور اقرار و حوض و میزان وغیرہ
امور عقبی پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ پس جو شخص اس قسم کے اقرار پر جس کو ہم نے
ذکر کیا۔ آخر تک قائم رہا۔ اور اُس میں کسی قسم کی بدعت کو داخل نہ کیا۔ تو وہ فرقہ

مذکور عقائد میں تمام فرقہ لے مارا کو مدان کی شاخوں کے چھ فرقوں میں حصہ کیا ہے۔ جبریت، قدریت
اور غیر۔ اور ہر ایک فرقہ کے بارہ بارہ گروہ ہوئے
اس طرح بہتر فرقہ ہو گئے ۱۲ +

ناجیہ سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُس کا خاتمہ اس اقرار و تصدیق پر کرے جمہور اُمت نبوی اس جگہ میں داخل ہے۔ اور اُسی کو سواذ اعظم کہا گیا ہے۔ اس میں اصحاب مالک و شافعی و امام ابو حنیفہ اور اوزاعی اور ثوری اور اہل ظاہر سب داخل ہیں۔ لہذا مَا اخذْنَا مِنْ الْفِرَقِ بَيْنَ الْفِرَقِ الْعَرَبِي الْمَطْبُوعَةِ فِي الْمَذْهَبِ الْمَصْرِيَّةِ لِمَا مَدَّ اِلَيْهِمْ اَبُو مَنْصُور عَبْد الْقَاهِر بَعْدَادِي مَعَ الْفَوَائِدِ الزَّوَادِ مِنْ الْمُتَرْجِمِ عَفَاءِ اللّٰهِ عَنْهُ وَعَنْ وَالِدَيْهِ اِمَامِ غَزَالِي رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نَ تَمَامِ اعْتِقَادِيَاتِ اَهْلِ السُّنَنِ كَوَارِثَانِ اَرْبَعَةٍ فِي تَقْسِيمِ كَرَكَةِ پھر ہر رکن کی دس دس قسمیں کی ہیں۔ جو سب ل کر چالیس ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بعد تحقیق کامل و تدقیق شامل کے یہ امر تصدیق کو پہنچ گیا ہے۔ کہ صرف کَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا پڑھنا کچھ حاصل و محصول نہیں رکھتا۔ اُس کے ساتھ تفصیلی اعتقاد بھی رکھنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ خالق عالم موجود ہے۔ اُس کو ہدایت نہیں۔ اور نہایت بھی نہیں۔ وہ جو ہر یعنی متخیر و مکان نہیں۔ جسمیت سے پاک ہے۔ یعنی اجساد اے لایتمیزی اور ہیولی و صورت کی ترکیب اُس پر عائد نہیں ہے۔ وہ غرض نہیں کسی جہت میں محصور نہیں۔ وہ عرش پرستوی ہے۔ اور ستوا کے معنی قہر و استیلا کے ہیں۔ نہ ممکن و استقرار کے وہ موتیوں کو دارالقرین لعیون الا بصار و کھائی دے گا۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یگانہ و یکتا ہے۔ یہ

ارکان اہل السنۃ

رکن اول

اے چنانچہ کفایہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۱۵ میں الا ان یقر بالاسلام و هو یعقل کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اقرار بالاسلام سے مراد صفت اسلام کا اقرار ہے۔ اور صفت اسلام جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے یہ ہے کہ اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور روزِ آخرت پر اور موت کے بعد اٹھنے پر ایمان لائے۔ اور یہی وہی کی تشریح یعنی اندازہ کرنے پر ایمان لائے۔ اس حدیث میں یہ تعریف ایمان کی آئی ہے۔ مگر جس حالت میں ایمان و اسلام کے ایک ہی معنی ہوں تو اسلام کی تعریف بھی ہو سکتی ہے اور یہ بات دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ محض کَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللّٰهُ کے پڑھنے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ صفت اسلام سے واقف نہ ہو جائے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے بونٹ کی خرید کی اور اُس سے اسلام کی صفت دریافت کی تو اگر وہ صفت اسلام سے واقف نہیں ہے۔ تو وہ دوسرے نہیں شمار کی جائے گی۔

صفت اسلام کا جاننا ضروری ہے

پہلے رکن کی دس قسمیں ہوتی ہیں۔ وہ حجتی ہے۔ اس طرح کہ اُس کی حیات پر زوال جائز نہیں۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ عظیم ہے۔ کوئی شے اُس کے احاطہ علم سے باہر نہیں رہ سکتی ہے۔ اُس کے ارادہ سے کوئی چیز کسی طرح تخلّف نہیں رکھتی۔ وسیع و بصیر ہے۔ کہ تمام مسموعات و مبصرات بے توسط جارحہ و آلہ کے اُس پر منکشف ہیں۔ مقمّم ہے ایسے کلام کے ساتھ جو حروف و صورت سے مستغنی ہے۔ اُس کا کلام اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ کسی چیز میں خلق کلام کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اُسے کبیم کہتے ہیں۔ جیسا معتزلہ کا گمان ہے۔ اُس کا علم تمام کلیات و جزئیات کے متعلق قدیم ہے۔ اگرچہ تعلقات جزئیہ بحسب جزئیات حادثہ کے حادث ہوتے ہیں۔ اُس کی تمام صفات ذاتیہ قدیم ہیں۔ اس کی صفات اس کی ذات سے قائم ہیں۔ پس وہ عالم بہ علم حجتیہ حیات اور قادر بہ قدرت ہے۔ یہ دوسرے رکن کی دس قسمیں ہوتی ہیں :

افعال عباد جو مخلوق سے صادر ہوتے ہیں۔ اُن کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اُس کا تصرف و خلق افعال عباد میں بندوں سے صدور افعال برسیل اکتساب کا مانع نہیں ہے۔ یقیناً سے جانتا چاہئے کہ خلق افعال میں بندوں کی شرکت نہیں ہے۔ بلکہ وہ شخص قدرت حق سے پیدا ہوتے ہیں۔ خلق عالم حق سبحانہ و تعالیٰ پر واجب نہیں ہے۔ بعثت رسل جائز ہے۔ نہ اُس پر واجب جیسا کہ معتزلہ و حکماء کی خیال ہے۔ تکلیف مالا یطاق حق سبحانہ و تعالیٰ سے جائز ہے۔ اگرچہ واقعہ نہیں ہوتی۔ مآثریدہ اس کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر بے جرم سابق تمام خلائق کو عذاب کرے۔ یا بے عمل متقدم کے دار نعیم میں ثواب عطا کرے۔ تو اُس کو ریب ہے۔ اور وہ اُس میں کریم و عادل ہے۔ خلاف مآثریدہ کے۔ وہ کہتے ہیں کہ مومن کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا اور کافر کا جنت میں اخل ہونا عقلاً و سمعاً ناجائز ہے۔ اشعری عقلاً جائز کہتے ہیں۔ اگرچہ شرع اُس کے خلاف وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بندوں کی عبود و صلح واجب نہیں ہے۔ وہ مختار ہے۔ جو کچھ چاہے اپنے بندوں کے حق میں کرے۔ اُس کا فعل حسن ہے۔ اور بعض وہ باتیں جو بندوں کے نزدیک مکروہ ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک بندوں کے

حق میں ہی بہتر ہوں۔ اور بعض چیزیں جو ہمیں پسند اور بھلی معلوم ہوتی ہیں۔
 لیکن یہ کہ ہمارے حق میں ہی پسند ہوں معتزلہ کہتے ہیں کہ اس طرح خدا
 پر واجب ہے۔ ان کا قول قابل التفات نہیں۔ خدا کی معرفت اور طاعت
 واجب ہے۔ یہ بجا شریع نہ بجا عقل اور یہی مذہب ہے۔ ابو منصور مازنی
 کا۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
 تمام پیغمبروں سے افضل اور خاتم الانبیاء فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کی بعثت سے تمام ادیان سابقہ منسوخ ہو گئے۔ اب قیامت تک
 آپ ہی کا دین رائج ہے گا۔ اور حق اسی دین میں مضمون ہے۔ جو شخص اس کے
 سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے تو خدا کے یہاں کبھی مقبول نہ ہوگا۔ یہ
 تیسرے رنگ کی دس قسمیں ہوتی ہیں۔

حشر یعنی مرنے کے بعد قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کا اعتقاد کرنا چاہیے
 کہ وہ حق ہے۔ قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا حق ہے۔ قبر کا عذاب کفار اور بعض
 گناہ گار مومنوں کے لئے حق ہے۔ چنانچہ احادیث و تفسیر اس باب میں وارد
 ہیں۔ میرا ان حق ہے اور وہ ایک ترادوس ہے جس میں مومنوں اور کفار کے
 نامائے اعمال وزن کئے جائیں گے۔ اور میزان اعمال کا حساب اور کتاب سنت
 و سیات کا ہر ایک کے تقدیر میں یا ناجی ہے۔ شرائط حق ہے۔ اور وہ ایسے ہیں
 ہونگا۔ جس پر تمام بندوں کو گزارنا ضرور ہے۔ مومنین اس پر گذر کر بہشت میں
 پہنچیں گے۔ اور کفار اور بعض عصاة مومنین کٹ کر دوزخ میں گرے گے۔ کافر ہمیشہ
 دوزخ میں رہیں گے۔ اور گناہ گار ان اُمت بہ قدر گناہ اس میں عذاب پا کر نجات
 پائیں گے اور پھر ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہئے۔
 کہ بہشت و دوزخ بالفعل موجود معد ہیں۔ نہ کہ اس کے بعد موجود ہونگے جس طرح
 معتزلہ گمان کرتے ہیں۔ یہ یقین جانا چاہئے۔ کہ امام برحق و خلیفہ مطلق بعد محمد
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 ہیں۔ اُن کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے
 بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے بعد حضرت عبداللہ

الغالب مطلوب کل طالب فی این ای طالب نفسی اللہ متہ۔ یہ بھی اعتقاد رکھتے کہ فضیلت بہ ترتیب امامت ہے۔ نیز اعتقاد رکھتے کہ شرط امامت کی بعد اسلام کے بلوغ و ذکوریت اور دماغ و کفایت بر قدر حاجت و نسب قریش ہے۔ وہ یہ اختلاف کما سیاتی۔ اعتقاد رکھنا چاہتے کہ عند الضرورت امامت فائزہ اشروط کی صحت ہے۔ قَالَ الْأَمَامُ الْغَزَالِيُّ بَعْدَ نَحْوِ الرَّاهِلِ أَرْكَانَ تَحْقِيقَهَا بِالْأَسْلَافِ وَالْبِرُّ هَانِ هَذِهِ الْأَرْبَعَةُ الْحَاوِيَةُ الْأَعْمُولِ الْأَرْبَعِينَ فِي تَوَاعِدِ الْعُقَائِدِ مِنْ اعْتِقَادِهَا كَانِ مَوَافِقًا لِأَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمَبَانِي الرُّسُلِ أَهْلُ الْبِدْعَةِ وَالضَّلَالَةِ وَاللَّهْ وَلِي الْهُدَايَةِ۔ ترجمہ امام غزالیؒ ان اصول و ارکان کے ارقام اور ان کے دلائل و برہان کی تحقیق کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ چار ارکان ہیں۔ جو چالیس اصول کو حاوی ہیں۔ پس یہ عقائد سلامیہ ہیں۔ جو شیعہ اہل ان کی اعتقاد رکھتے گار۔ وہ موافق اہل سنت و جماعت کے اور حق گرفت گروہ اہل بدعت و مضالمت کے ہو گار۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت کرنے والا ہے۔

امام الصابیونی ہدایہ ہیں اور علامہ نسفی عمدہ ہیں لکھتے ہیں کہ جن بارہ مسئلوں میں ما بین شیخ ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی اختلاف ہے

سنت فروع اعتقاد میں۔ ہے کہ مسائل اعتقاد میں اہل سنت کے دو گروہ ہیں۔ شاعرہ اور ماتریدیہ اشاعرہ و نسب یہ ابوالحسن اشعری جو چار واسطہ سے فرزند ابوی اشعری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور تردید جو اعتقاد میں پیروی ابو منصور ماتریدی کی کرتے ہیں۔ جو تین واسطہ سے شاگرد امام محمد ابن حسن شیبانی کے ہیں۔ جو مصاحب خاص حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تھے۔ چونکہ ان ہر دو بزرگوں نے مسائل اعتقاد میں بڑی تحقیق و تدقیق کی ہے۔ اس واسطے مذہب اہل سنت والجماعت انہی میں تصور ہو گیا ہے۔ اور محدثین جو زمانہ مجتہدین تک حلیث پر عامل تھے۔ بلاشبہ اس بات میں اخل ہیں۔ اس لئے کہ حدیث مَا أَنَا عَلَيْهِ أَصْحَابِي ان پر بطور اونی صادق ہے۔ اور بعد ظہور ابوالحسن اشعری اور ابو منصور تردید کے اصحاب ائمہ ثلاثہ نے اپنا نام اشعریہ قرار دیا۔ اور اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے کو ماتریدی کہنے لگے۔ اور حقیقت میں دونوں گروہ کا مسلک وہی ہے۔ جو صحابہ تابعین اور مجتہدین سے ثابت و مقرر ہے۔ صرف بارہ مسئلوں میں ان کے درمیان خلافت ہے۔ چنانچہ بیان ہوا۔

اشاعرہ اور ماتریدی کی حقیقت

وہ مسئلے یہ ہیں۔ اول یہ کہ ماتریدہ کیوں کو خدا تعالیٰ کی صفت ازل کہتے ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اشعری کہتے ہیں کہ تکوین صفت ذات ہے۔ غیر قائم بذاتہ تعالیٰ اور کہتے ہیں کہ تکوین صفات فعلی سے ہے نہ صفا ذاتی سے اور ان کا قول ہے کہ صفات ذاتی وہ ہیں جو قائم بذات حق ہوں۔ اور صفات فعلی سب کی سب حادث ہیں۔ دوم یہ کہ ماتریدہ کہتے ہیں کلام اللہ مسموع نہیں ہے۔ جو کچھ مسموع ہوتا ہے۔ وہ کلام اللہ پر دال ہے۔ اشعری کہتے ہیں کہ کلام اللہ مسموع ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے واسطہ صوت و صرف کے کلام الہی کو سنا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ قرأت قاری کے وقت دو چیزیں مسموع ہوتی ہیں۔ صوت قاری و کلام الہی۔ قاضی ابوبکر باقلانی فرماتے ہیں کہ کلام اللہ بحسب عادات جاریہ غیر مسموع ہے۔ لیکن جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے واسطہ صرف و صوت کے اپنا کلام سنانے۔ سوم یہ کہ ماتریدہ کہتے ہیں کہ صانع عالم ازل سے موجود بصفۃ حکمت ہے۔ مراد حکمت سے خواہ علم ہو۔ خواہ احکام۔ اور اشعریہ کا قول ہے کہ اگر مراد حکمت سے علم ہے۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی صفت ازل قائم بذات حق تعالیٰ ہوگی۔ اور مراد احکام ہو تو یہ صفت حادث ہوگی۔ قبیل تکوین سے۔ کیونکہ صفات فعلی تمامہ حادث ہیں۔ چہارم یہ کہ ماتریدہ حق تعالیٰ کو مرید زارادہ کنندہ (جمع کائنات کہتے ہیں۔ چہرگ و عرضا طاعت و معصیت مگر یہ کہ طاعت اُس کی مشیت اور ارادہ اور قضا اور قدر اور رضا اور محبت اور اُس کے امر سے واقع ہوتی ہیں۔ اور معصیت اور اُس کی مشیت اور ارادہ اور اُس کی قضا و نکر کے ساتھ ظہور پکڑتی ہے۔ نہ اُس کی رضا و محبت اور اُس کے امر سے۔ اشعری کہتے ہیں کہ خدا کی رضا و محبت جمع کائنات کو شامل ہے۔ چنانچہ اُس کی ارادہ شامل بحیث کائنات ہے۔ یہ بات شرح عقائد و مواقف و مقاصد وغیرہ کتب عقائد کے خلاف ہے۔ اور اسباب میں قول ماتریدہ کا مقبول ہے۔ اور واضح ہو کہ اشعری کا یہ قول صرف امام شافعی و نسفی نے نقل کیا ہے۔ دوسری کتابوں سے ثابت ہے کہ اس بارہ میں ان ہر دو بزرگ کا کوئی خلاف منقول نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہ بارہ مسائل جن میں ماہین اشعری و ماتریدہ اختلاف ہے

پتھم ما تریدی کہتے ہیں کہ تکلیف بالایطاق عطا کیا نہیں۔ مان نہیں لیا
 یطاق یا تریدی کہتے ہیں کہ وہ توں کو یا تریدی کہتے ہیں۔ ششم خدا پر ایمان لانا
 بالایطاق دونوں کے نزدیک فرض ہے۔ مگر ما تریدی کہتے ہیں کہ عقل ایک ایسا
 آئہ ہے جس سے کتب یا کی برائی اور بھلائی پہچانی جاتی ہے۔ اور اسی سے جو ب
 ایمان اور شکر منعم معلوم ہوتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حقیقت میں شکر و شکر اور جو ب
 ایمان خدا تعالیٰ ہے۔ لیکن بہرہ عقل جس طرح کہ ہمارا علم اور جو ب خدا
 تعالیٰ ہے۔ مگر بہرہ عقل علیہ السلام اسی واسطے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا
 قول ہے کہ عقل کے پاس حاصل خالق کے یا ب میں کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لئے
 کہ وہ زمین آسمان کی مخلوقات اور عجائبات کو دیکھتا ہے۔ اور اگر خدا رسول
 کو مبعوث بھی نہ کرتا۔ تو عقل کے ذریعہ خدا کی معرفت مخلوق پر واجب ہوتی
 اشعری کہتے ہیں کہ اگر بعد از مشیاء کی برائی بھلائی عقل کے ذریعہ معلوم ہوتی
 ہے۔ لیکن کوئی چیز عقل کی وجہ سے واجب اور حرام نہیں ہوتی۔ تو اس سے
 ثابت ہوا کہ اشعری کے نزدیک عقل باعث تکلیف نہیں ہے۔ بلکہ سماع
 اور نقل مدار تکلیف ہے۔

پتھم ما تریدی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سید شقی ہو جائے۔ اور شقی سعید
 اشعری کہتے ہیں کہ مساوات و شقاوت کا اعتبار عاقبت اور خاتمہ پر ہے۔ موجودہ حالت
 میں کسی کی شقاوت و سعادت پر قطع حکم نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی بناء ایمان
 میں دخول ہفتہ نام عدم دخول استثناء پر ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے ایمان پر ختم کیا
 اور تمام من حقا کہا تو وہ سعید ہے۔ اور اگر اس سے ارتداد واقع ہوا۔
 تو شقی ہے۔ امد اشعری چونکہ آثار من انشاء اللہ کے متعلق ہیں۔ اس
 لئے ان کے نزدیک ارتداد و شقاوت کا خاتمہ پر ہے۔ اسلیئے اگر کوئی
 شخص و اس سعید نہیں کہ سکتا۔ حاصل ہو سکے کہ اس یا ب میں ان دونوں میں
 نزاع لفظ ہے۔ اس مسئلہ کے حقا اس معنی کی اعتبار ہے کہ میں اپنے ایمان
 میں شک نہیں رکھتا۔ نہ کسی کے نزدیک ہے۔ اور انشاء اللہ اس معنی کے لحاظ
 سے کہ مجھے اپنا خاتمہ کا معلوم نہیں۔ وہ توں کے نزدیک پتھم ما تریدی

کہتے ہیں کہ کفر سے درگزر کرنا عقلاً جائز نہیں۔ اشعری کہتے ہیں۔ عقلاً جائز ہے۔
نہم ماتریدی کہتے ہیں کہ مومن کا ہمیشہ دو رخ ہیں ہنہ۔ اور کافروں کا جرئت میں دخل
ہونا عقلاً و سماً جائز نہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ عقلاً جائز ہے۔ اگرچہ شرح اس کے
خلاف ارادے ہیں۔

دہم بعض ماتریدی کہتے ہیں کہ از روئے مصداق خارجی کے اسم و اسمی احد
ہے۔ کذا فی شرح المواقف اور بعض اشعری کہتے ہیں۔ اسم و اسمی اور اسمیہ کے
غیر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسم کی تین قسمیں ہیں۔ بعض عین اسمی ہیں بعض
غیر اسمی۔ اور بعض نہ عین اسمی ہیں نہ غیر اسمی۔ اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ
تسمیہ غیر اسمی ہے۔ وَ هِيَ مَا قَامَتْ بِهِ الْمَتَّحِي كَذَا فِي الْمَدَائِسَةِ
الْكَلَامِ۔

یازدہم ماتریدی کہتے ہیں کہ نبوت میں کوئی شرط ہے۔ دعوت رسول
نہیں ہو سکتی۔ اشعری کہتے ہیں کہ نبوت کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ہے اور دعوت
ہونا رسالت کے منافی نہیں ہے۔

دوازدہم ماتریدی کہتے ہیں کہ بندہ کے فعل کو کسب کہتے ہیں نہ خلق
اللہ تعالیٰ کے فعل کو خلق کہتے ہیں نہ کہ رب اور اسم فعل دونوں کو شامل حادثی سے
اور فاعل بھی حقیقتاً دونوں کے لئے بولتے ہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ مراد فعل سے
ایجاد حق ہے۔ لیکن بندہ کے کسب کو مجازاً فعل کہتے ہیں۔ اہل اہانت اجماعت
کے دونوں گروہ ماتریدی و اشاعرہ کے یہ عقائد ہیں۔ جن کو مولانا فتح محمد بریلوی
پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف کتابوں سے ب عبارت فارسی نقل کیا ہے اور جس کا
ترجمہ جزئی حذف و ازویاد کے بعد ہم نے اس مقدمہ میں لکھ دیا۔ ہر ایک مسلمان
مرد و زن کو لازم ہے کہ ان مختصر عقائد کو حفظ کر لیں تاکہ ان کے ایمان و اعتقاد
میں کوئی فعل واقع نہ ہو۔ اور خدا کی جناب میں بھی ان کا ایمان لانا مقبول ہو۔
یہی اس پر تفصیلی بحث تو اس کو عقائد توحیدی کے اس ترجمہ میں دیکھ سکتے ہیں
اور اس طرح ایک سچے اور مقبول مومن کی مانند رہ سکتے ہیں۔

زمانہ اپنا رنگ بدلتا جاتا ہے۔ اور دیوی معاطات میں تنبیہ کے ساتھ

زمانہ موجودہ کی حالت اور جدید فرقوں کی احداث

دینی عقائد و اعتبارات میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ مگر ایک بات بڑی نوس
 تاکہ جس کو ذکر کئے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے یعنی یہ بات تمام علمائے
 اسلام کے نزدیک مسلم اور مانی ہوئی ہے کہ دنیا علوم و فنون میں جیسی جیسی ترقی
 کرتی جائے گی۔ ویسے ویسے دین اسلام بھی بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔
 اور دنیا میں یہی مذہب یا ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی عقائد کی ارتقاء کے
 ساتھ خود میں ترقی کرنے کی صلاحیت اور مادہ رکھتا ہے۔ اس کے اصول و عقائد
 ہی ایسے ہیں جن کو کوئی بڑے سے بڑا انسان خلاف عقل نہیں کہہ سکتا۔ اب
 ہم ایسا ہی ہوتا رہا۔ کہ جن نیک طینت اور ذی عقل اصحاب کے سامنے
 دین اسلام کو پیش کیا گیا۔ انہوں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔ اور بطریق خاطر
 اہل سنت و جماعت ہو گئے۔ لیکن فردن اخیرہ میں بعض لوگ ایسے بھی عادی
 ہوئے۔ جو اسلام کے عقائد حق پر محض اپنی محدود اور جزئی عقل کے بل بوتے
 پر تبصرہ کرنے لگے۔ اس قسم کے لوگ ہمارے اس زمانہ میں خصوصاً بلاد و مہار
 ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں۔ اور اپنی تعداد میں ترقی کرتے جاتے ہیں
 خوف ہے کہ اگر ان کے عقائد باطلہ کی تردید کی جانب توجہ نہ کی گئی۔ تو یہ
 چند تواریاں جو اس وقت ناقابل التفاسیر بھی جاتی ہیں۔ کہیں خوفناک صورت
 اختیار نہ کر لیں۔ پس ہم یہاں سے ہیں کہ فرقہ ہائے ضالہ کے بیانات کے سلسلہ میں ان
 کے حالات و عقائد سے بھی برادران اسلام کو وقف کر دیں۔ تاکہ وہ اپنے ایمان
 نہ ہونے کی درست برد سے بچا سکیں۔ اور ان کے وہی خیالات و خیال پر غلط
 انداز نظر بھی نہ ڈالیں۔

فرقہ ہائے ضالہ کے بعض عقائد

فرقہ ہائے ضالہ زمانہ مابعد سے پہلا فرقہ و ہابیون کا ہے۔ جو اپنے
 کو اہل بیت کہتے ہیں۔ اور مسائل شرعیہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی امام معین کی تقلید
 نہیں کرتا۔ مگر اہ فرقوں میں اس کے محسوب ہونے کے کئی سبب ہیں۔ ایک یہ اس
 فرقہ کے اکثر لوگ اپنی زبان و رازی سے تقلید امام کو شرک اور بے حیائی کہتے
 ہیں۔ اور تقلید فی الدین کو باعنی وغیرہ بڑے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام
 کتب اسلامیہ اہل سنت و جماعت سے ثابت ہے کہ دین حقہ آئمہ اربعہ یعنی امام عظم

ابو حنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام مالک رحمہ اور احمد بن حنبل رحمہ کی تقلید میں محصور
ہے۔ کیونکہ ان کے مسائل دستخطات مدون و مرتب ہیں۔ اور بعد و دوسو برس
کے تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہو گئے ہیں کہ من بعدہ یبلغ دسرا جتہ
الاجتہاد واجب الیہ۔ التقلید یعنی جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا۔
اس پر تقلید کسی امام کی مسائل شرعیہ میں واجب ہے یہی سبب تھا کہ بڑے
بڑے علماء و فضلاء اسلام نے بجز تقلید کے کوئی چارہ کار نہیں دیکھا۔ جیسے
امام غزالی فخر الدین رازی امام محی الدین ابن عربی وغیرہم اور تمام ادیباء کاہلین
مثل غوث اعظم شاہ جیلان اور ابو الحسن شاذلی و ابو بکر شبلی۔ اور خواجہ محمد الدین
حسن سہری نعم الجمیری اور خواجہ بہاء الدین وغیرہم اور تمام محدثین مثلاً صاحب
مشکوٰۃ و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و امام بخاری وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم
رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اب اگر بقول و نابیین کے تقلید کو شرک سمجھا جائے تو
یہ ایران کے سوائے تمام بزرگان دین و سلاطین و اولیاء و علماء مشرک قرار پاتے
ہیں۔ انما ذما اللہ من ذالک

دوسرا سبب یہ کہ اس فرقہ کے لوگ کئی طریق سے مرتبہ عالیہ شان رفیعہ
فرد و عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفتیش کرتے اور
اس میں عیب نکالتے ہیں۔

پہلا طریق کہتے ہیں کہ سب قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر ختم نہیں آتی۔ ہاں نبوت تشریفاتی ختم ہو گئی ہے۔ تو آپ کے بعد نبی کا آنا جائز
ہے۔ لیکن صاحب شرع نبی کا آنا ممکن نہیں۔ ان کا قول ہے کہ خاتم النبیین
میں الف لام مستقراتی نہیں۔ بلکہ تبیین کے لئے ہے۔ حالانکہ فتاویٰ تہم
اور الاشباہ والنظائر وغیرہ کتب لایبہ سے ثابت ہے انما المرسلون
یعرف ان محمدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
انشر الانبیاء فلیس جمیعہ کما فی القرآن یعنی جو
شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے نبی نہ جانے۔ وہ مسلمان نہیں
کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخر الانبیاء جانتا ضروریات دین

مذہب اہل حق

مذہب اہل حق

سے ہے +

دوسرا طریق وہابی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت علم اور اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرما کر تمام اگلے پچھلے سرا و حالات کا کائنہ و آیتہ ظاہر فرما دئے مطلق قائل و معتقد نہیں بلکہ ان میں کا ایک ہیڑا تو یہاں تک یا وہ سرائی کرتا ہے کہ "شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کے وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام خصوص کو رد کر کے ایک شرکت ثابت کی جاتی ہے۔" اس مرید پطیس کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ جب فخر عالم کی وسعت علم کے قائل ہونے سے اُس کے نزدیک شرک ثابت ہوتا ہے۔ تو وہی شرک شیطان کے لئے وسعت علم ماننے سے بھی ثابت ہوتا ہے +

افسوس! جس موبہوم شرک سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس سے بدترین شرک میں شوبہ گر پڑا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب پاک علیہ السلام کے علم و شان میں نقص و عیب نکالنے والوں کو اسی طرح رسوا کرتا ہے۔ خدا تو اپنے محبوب کی شان میں فرماتا ہے۔ **وَعَدَمًا مَّا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ خَدَانِي لِي حَبِيبِي تَحْمُ كُو وَهُ** کچھ بتا دیا جو تم نہیں جانتے تھے اور فرماتا ہے۔ **عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظَاهِرُ عَالِي غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ** یعنی خدا غیب کا جاننے والا ہے۔ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ اور یہ آنکھوں کا اندھا آنحضرت سے علم غیب کی نفی کرتا ہے۔ اور اُس کو شیطان و ملک الموت کے حق میں ثابت کرتا ہے +

ان وہابیوں نے صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں غیر نقص نکالنے پر بس نہیں کیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ پر امکان کذب اور اُس سے وقوع کذب کا افترا باندھا۔ چنانچہ اُن کی ایک کتاب میں ہے کہ "خدا تعالیٰ کہ جھوٹا جاننے والا فاسق و فاجر تو کجا گمراہ بھی نہیں ہوتا۔ تعالیٰ اللہ حق **ذَالِكُمْ عَلُوا كَيْبَرًا**"

دوسرا فرقہ مرزا یوں کا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود اور

میں ہی منتظر مانتا ہے۔ اور مرزا کے ٹکڑے کڑب کے پیچھے نماز پڑھنے کو قطعی حرام
 کہتا ہے۔ ہم اس فرقہ کی پوری تکذیب ترویج کتاب ہذا کے مکمل نسخہ کے ساتھ
 کر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیتا چاہئے۔ یہاں صرف حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ
 علیہ کے اس قول کے لکھنے پر بس کرتے ہیں۔ مَنْ إِذَّعَى الْوَحْيَ إِلَى اللَّهِ أَوْ
 النَّبِيِّ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ فَهُوَ كَافِرٌ یعنی جو شخص اپنی طرفہ
 آنے یا اپنے نبی ہونے یا اسی قسم کا اور دعویٰ کرے۔ پس وہ کافر ہے۔
 اس واسطے کہ احادیث و اجماع امت سے بتواتر یہ بات ثابت ہے کہ
 کہ آنحضرت پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا
 اور چونکہ وحی غیر انبیاء پر نہیں آتی۔ پس زید کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس طرف وحی
 آتی ہے غلط ہے۔ اور وہ اپنے اس دعویٰ کے سیدھا ثبوت ہوا ہے۔

ہمارے اس زمانہ میں اس قسم کا بیہودہ دعویٰ کرنے والے کا صرف یہی
 علاج ہے کہ علماء اُس کے مکائد کو ظاہر اور اُس کے عقائد کو باطل اور اُس کے
 مفاسد کو حقی الامکان رد کریں۔ اور عوام مسلمانوں کو لازم ہے کہ اُس کے
 مخالطات و مخالطات سے دور بھاگیں۔ اور ان بے دینوں کی باتیں سننے
 سے اپنے کانوں کو پرہیز کریں۔ واللہ ولی الہدایۃ۔

کئی سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ ہم نے عربی اخبار البیان مکتوب میں پڑھا
 تھا کہ ایک شخص سچائی خاں نامی پورب کا رہنے والا نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور
 اور اپنے معتقدین کو یہ کلمہ تنقین کہتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ
 اس کے بعد سے کسی اخبار میں اس جھوٹے مدعی نبوت اور اُس کے منتر
 مردودہ کی کوئی خبر نہیں ملی۔ بہر نوع ہم نے اس کا نام فرقہ عینیہ رکھا ہے۔
 مسلمانوں کو اس کے مکائد سے بھی بچنا چاہئے۔

ہمارے اس زمانہ میں ایک شخص فریقہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اور وہ اپنے
 کو ہمدی آخر الزمان کہتا ہے۔ اخبارات میں اس کا نام حبشی ہمدی رکھا گیا ہے
 کہتے ہیں کہ بڑے بڑے کرشمے اور شعبے سے بتلاتا ہے۔ خدا اہل اسلام کو اس
 کے منتر سے محفوظ رکھے جس طرح اس سے قبل کے چند مرد و جمہ سے ہوا ہے۔

کے شر و فساد سے اس وقت کے سامانوں کو محفوظ رکھا۔
 وہی میں ایک شخص مرزا حیرت نامی جس کو امرا و مرزا بھی کہتے ہیں اور
 وہ اخبار کرزن گزٹ کا ایڈیٹر ہے۔ اس بات کا قائل ہوا کہ حضرت امام حسین
 علیہ السلام شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ قسطنطنیہ جا کر اپنی موت سے فرار ہوئے۔
 وہ کہتا ہے کہ ان کی شہادت کی کوئی معتبر شہادت کسی بھی سنی اور شیعہ کی
 کتاب میں نہیں ملتی۔ امام موصوف کی شہادت کے باب میں جتنی احادیث
 وارد ہیں۔ وہ ان سب کی تکذیب تصنیف کرتا ہے۔ اور ایک موقوفہ علیہ
 جو بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ثابت شہادت میں مروی
 ہے۔ اُس کو قائل احتجاج نہیں سمجھتا۔ حالانکہ ان کا انکار شہادت خلاف
 اجماع اُمت ہے۔ علمائے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے امام موصوف
 کی شہادت کا انکار نہیں کیا۔ اور یہ بات بالاتفاق علماء ثابت ہے کہ اجماع
 اُمت کا منکر کافر ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میرا دوسرا سنی اہل سنت کی
 طرف نہیں ہے۔ اور نہ میں اُن سے کوئی بحث کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ صرف
 شیعوں سے شہادت امام کے متعلق سوال کرتا ہوں کہ وہ جس شہادت کے
 بھروسہ اعمال صالحہ کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اور جس خون کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے
 ہیں۔ پہلے اُس شہادت کو تو ثابت کریں۔ لہذا بعض کا تو یہ خیال ہوا کہ مرزائی
 نہ کرے سنیوں کو کوئی بحث نہ کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ کفر ظالم دینا چاہیے

شادم کہ از قیباں دامن کشاں برائی
 گوشت خاک ماہم پر باد رفتہ باد

لیکن محققین کا قول ہے کہ ہم کسی منکر اور کذاب اجماع کا یہ مندر بار
 کہیں نہیں سن سکتے۔ بنا برآں اُن کے خیال و استدلال میں یہ پوری تردید کرنے
 لگے۔ گو اُنہوں نے اس تردید کو اپنی ہرٹ دھڑکی سے نہیں مانا۔ ہم کہتے ہیں کہ
 اس کی تردید کی ضرورت ہی کیا تھی۔ علامہ رکیب اور اس فتوٰی بحث میں تطبیع اذنی
 کرتے ہیں۔ ایک معمولی یاد گو اور کم سود شخص کی بیہودہ سرائی سے ہمیں کیا

نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہیں ثبوت شہادت کے لئے کسی حدیث کی تلازمہ شش
تفتیش کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس جمیع سلف نے مخالف کی دلیل کافی
ہے۔

پس اُر وہ جمیع اُمّت کو نہیں مانتا۔ تو اُس پر دہی حکم لگا دینا کافی ہے
جو اجماع کے مخالف پر لکایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے زخرفات
اور ہر کس تا کس کے دعاوی باطلہ پر کان نہ دھریں۔ ہم نے اس کے فرقہ کا نام
حیرتہ رکھا ہے۔ اُس نے علقہ ربانی نام کی ایک مجلس بھی قائم کی ہے جس میں داخل
ہونے کے بعد انسان کو ان تمام بدعات کا معتقد ہونا پڑتا ہے جو مرزا کی ایجاد
اور خود تراش ہیں۔

چھٹا فرقہ نیچری لوگوں کا ہے۔ اور اس سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں
جو زمانہ سابق میں دہر پہ کھلتے تھے۔ اور جن کا قول خداوند عالم نے اس طرح نقل
کیا ہے۔ مَا يَهْدِيكُمْ إِلَّا إِلَهُنَّ وَمَا لَهُنَّ بِمَبْعُوثِينَ (جاثیہ) ہم کو زندہ
ہی ہلاک کرتا ہے۔ اور ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ لوگ دہر کو بھی اپنا
حی و میت اور خالق سمجھتے تھے۔ اور بعض کہتے تھے کہ مادہ و روح بھی دو عمل
چیزیں ہیں۔ ان کو کتابھی نہیں۔ یہ دونوں بذات خود قائم اور غیر قانی ہیں۔ انہیں
کے اتصال سے جو انہیں کے خستہ بار سے واقع ہوتا ہے۔ ہر چیز بنتی ہے وغیرہ
وغیرہ بکا نیچر فرقہ سے یہاں ہماری مراد وہ لوگ ہیں۔ جو علوم جدیدہ کو حاصل
کر کے اکثر ضروریات دین کے منکر ہو گئے ہیں۔ اور جو کارخانہ عالم کی ہر ایک
چیز کی حقیقت اپنی عقل جزوی کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو
چیز ان کی عقل کے بل بوتے سے باہر ہے۔ اس کی حقیقت سے فوراً انکار
کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن جس چیز کو صرف انہوں نے اپنی عقل و تلاش سے معلوم
کر لیا ہے۔ اُس چیز کی وہی حقیقت اُن کے نزدیک مستحکم ہوتی ہے۔ اگر جبہ
قرآن حدیث اُس کے خلاف شہادت دے۔ پنا سچ اس بنا پر اس فرقہ کے
لوگ معجزات اتنی بار اور کراہت اولیاءِ حق کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے اسمانی معراج سے بھی انکار کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

ترجمہ تفسیر توحیدی

علیہ السلام کو بیداری میں مع جسد و روح کے معراج کی رات آسمان پر نہیں بلایا گیا۔ بلکہ وہ خواب تھا اور بس۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش فرد کے بے ضرر ثابت ہونے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضرب عصا سے پہاڑ میں سے بارہ چشموں کے جاری ہونے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء اموات کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم کی تاویل اپنی رائے و عقل سے کرتے ہیں۔ اور وجود سموات اور خرق و التیام اجرام فلکی کے مطلق قائل نہیں علوم جدیدہ نے ان کی بصیرت پر اس طرح پردہ ڈال دیا ہے کہ خداوند برتر کی قدرت اور انبیاء کی عظمت ان کی نظر میں بالکل نہیں چھتی۔ وہ انبیاء کو حکم فلاسفر یا مصالح قوم سے زیادہ مرتبہ نہیں دیتے۔ تا جرات سود اور بنک کے بیاج کو حلال جانتے ہیں۔ عموماً ڈاڑھیاں منڈالتے موچیں بڑھاتے اور یورپ کی تقلید کے دلدادہ ہیں۔ امریکہ کے ایک معمولی حکیم اور سائنس دان کی حکمت اور پیشین گوئی کو وحی منزل من اللہ سمجھتے ہیں۔ تارک الصلوٰۃ ہیں۔ نماز کے وقت ہوا خوری کو نکل جاتے ہیں۔ اور کھڑے سوائی کی نشست اور آوارہ طبیعت اصحاب گپ شپ مانتے پہننے کو نماز پر ترجیح دیتے ہیں۔ بزرگان سلف کے طعام لباس نفرت کرتے اور میز و کرسی پر کھانا کھاتے اور محرمات شرعی کو حلال ٹھہراتے اور جدید فیشن کا لباس پہننے کو اپنا بڑا فخر خیال کرتے ہیں۔ رات دن قومی اصلاح کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یا وجودیکہ نہ قومی اصلاح کا ان کو درد ہوتا ہے اور نہ قوم کا اصلاح پذیر ہونا۔

ان کا نصب العین علمائے دین کو برا کہتے ہیں۔ اور تقریر و تحریر میں صریحاً و اشارتاً ان کی سنسی اڑاتے ہیں۔ قص و سرود میں بے باک و بے خطر شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ یوروپین عورتوں کے ساتھ ناچنے کو بڑے فخر و مباحات کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

غرض اپنے نامائے ہمال کو ایسا سیاہ کرتے ہیں کہ اس میں ارد

برابر بھی بقدر میں نہیں چھوڑتے۔

چوپر کش گنہم رمد حشر خواہد شد تمسکات گناہان جنس خلق پارہ کنند

ترجمہ جب نبی امت کے وزیر کے گناہ کے متعلق سوال ہوگا۔ تو تمام مخلوق کے گناہوں کے کاغذ چاک کر دیئے جائیں گے۔

یہ فرقے جن کا اوپر مذکور ہوا۔ اور نیز ان کے سوا جتنے فرقے ہیں۔ فرقائے ضالہ میں داخل ہیں۔ حدیث میں صرف بہتر فرقوں کا غیر سختی ہونا وارد ہے لیکن جیسا کہ علامہ نے تو دلہشتی نے اپنی اس کتاب کے صفحہ پر لکھا ہے مراد اس لفظ سے کثرت ہے نہ حصر یعنی یہ مراد نہیں ہے کہ فرقہ ہائے ضالہ صرف بہتر ہی ہوں گے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ میری امت میں کثرت سے فرقہ ہائے ضالہ خارج کریں گے۔ ان میں سے نجات یافتہ صرف ایک ہی ہوگا۔ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت سینہ پر قائم رہے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے لَا تَمَسُّ شَيْئًا بِسُنَّتِي عِدَّةٌ فَسَادٍ أَمْتِي فَلَهُ أَجْرٌ مَا لَيْسَ شَيْئًا بِسُنَّتِي (رواہ ابوداؤد) کتاب الزہد) یعنی جو شخص میری امت میں بگاڑ اور فساد واقع ہوئے کیونکہ میری سنت پر قائم رہا۔ اس کو موشہیدوں کا اجر ملے گا۔

بعض علمائے کرام نے فرقہ ہائے ضالہ کو صرف بہتر تک محصور سمجھ کر ان کو جمع کیا ہے۔ اور وہ فرقے جن کی ضلالت کفر تک پہنچ گئی ہے۔ ان کے نام گنو اگر ان کو خارج از اسلام فرقوں میں محسوب کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبد القاہر بغدادی نے اپنی کتاب الْقُرُونِ بَلَدُ الْحَقِّ میں لکھا ہے لیکن بعض علماء نے تمام فرقوں کے اسماء عقائد نقل کر دیئے ہیں۔

چنانچہ کتاب الملل والنحل میں اور مولانا نجم الغنی رابعی نے اپنی کتاب مذاہب اسلام میں ایسا ہی کیا ہے۔ اور اسلامی فرقوں کو تین تنوع سے زائد شمار کیا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں نے فطرتی راہیں صاف اٹھول کر اسلام میں کچھ قرابان اور پیچ گیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور حق و ناحق کی تیز کٹی مشکل ہو گئی ہے۔

علمائے کرام کے ہم مشکور ہیں کہ انہوں نے اس شانہ و تفرقہ خیمہ کے وقت اپنی ہمت کو کتب عقائد کی قدوین کی جانب معطوف فرمایا۔ اور اسی موضوع پر سینکڑوں کتابیں تعریف فرمائیں۔ جن سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فرقہ

ناجیہ اہل سنت و الجماعت کا گمراہوں اور بے دینوں کی دستبرد اور غارتگری سے محفوظ ہو گیا۔ اور جو جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ اور جدید فرقہ پیدا ہوتے گئے۔ تو ان کے بعد کے علما بھی جدید فرقوں کے احداث کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کرتے گئے۔ اور اہل سنت و الجماعت کو ان کے دام فریب میں پھنس جانے سے بچاتے رہے۔ اسی سلسلہ میں حسب ضرورت زمانہ کتب عقائد کے تراجم بھی پہلے عربی سے فارسی میں اور پھر فارسی کی کس میسرسی کی حالت کے وقت اردو میں شائع کرتے رہے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ایک خرابی جو تمام تراجموں کی جڑ ہے۔ اس زمانہ میں پیدا ہو گئی ہے کہ بعض کتب اہل سنت و الجماعت کے ایسے لوگوں نے بھی کر دیئے جن کا اپنا عقیدہ اُس کے خلاف تھا۔ اور وہ فرقہ ہائے ضالہ میں شمار ہوتے تھے۔ دو باتوں نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ ایک تو یہ کہ اس ذریعہ عام مسلمانوں سے روپیہ کمایا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ ان کتابوں میں تراجم و حواشی کے ذریعہ اپنے معتقدات ملائیے جائیں چنانچہ ہم نے بہت سی کتابیں دیکھی ہیں۔ جو اصل میں اہل سنت کے عالموں کی تصنیف ہیں۔ مگر بے دین مترجموں نے ترجمہ کر کے ان کو کھینچنا ان کے ترجمہ کئے۔ اور اگر ترجمہ میں نہ ہو سکا تو حواشی کے ذریعہ اپنے معتقدات کے موافق کر لیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک کتاب کا دو شخص ترجمہ کرتے ہیں۔ ایک تو حنفی ہے۔ دوسرا غیر حنفی۔ دونوں ترجموں کو ملا کر دیکھو۔ تو زمین آسمان کا فرق ہے۔

سلف صالحین کی کتب مقدسہ کا اس طریق پر ترجمہ کرنا کہ اُس سے مصنفین کے عقائد پر حرف آئے۔ اور نیز اس ذریعہ اپنے عقائد فاسدہ کی تشہیر کی جائے حقیقت میں بڑی دیدہ دلیری اور سخت فریب ہی کی بات ہے۔ یہ بلا ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے کہ جو شخص جس کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے۔ بے دھڑک اپنے معتقدات کے مطابق کر دیتا ہے جس کا ثبوت اصل کتاب کے دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جب تک مترجموں کے عقائد کی توثیق و تحقیق نہ کر لیں۔ ایسے ترجموں کے لینے

اور اس پر عمل کرنے سے سخت احتراز و اجتناب کریں ۔
 اسی سلسلہ میں ہم ایک پُرانی معتبر کتاب عقائد کا ترجمہ پیش کرتے
 ہیں جو سات سو برس ہوئے ۔ علامہ شیخ شہاب الدین توریشی
 رحمۃ اللہ علیہ نے ایام سلطنت حضرت سلطان ابوبکر ابن سفید
 زندگی نور اللہ مرقدہ کے زمان سعادۃ اقران میں ہی کے ار بخلا
 شیراز میں ۔ ہر تصنیف کی تھی ۔ اور خاص اسی جسم دل بادشاہ داد گستر کے
 نام سے معنون فرمائی تھی ۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت سے نہ تو ہمارے غرض
 جلب منفعت ہے ۔ اور نہ اپنے علم و فضل کی شہرت مقصود ۔ اصل یہ ہے
 کہ برادران اسلام اس کتاب مستطاب کو مطالعہ کر کے اپنے عقائد حقہ کو
 درست رکھیں ۔ اور اس تحصیل و تاداتی اور الحاد و ارتداد کے زمانہ میں سنت
 سفیہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم و ثابت رہیں ۔

اس کتاب کا نام جیسا کہ دیباچہ میں مذکور ہوا الْمُعْتَقِدَاتُ
 الْمُعْتَقِدَاتُ ہے ۔ اور عقائد توریشی کے نام سے مشہور ہیں الانام
 ہے ۔ یہی وہ معتبر تالیف ہے جس کا تذکرہ حضرت شیخ عبد الحسین
 محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لاجواب کتاب شیعۃ
 الامعات کے ہر مقدمہ میں کیا ہے ۔ اور ہر مناسب مقام پر اس متبر کتاب
 کے ذریعہ اضافہ و افادہ موزون جاتا ہے ۔ عداوہ اس کے اکثر معتبر علماء
 کرام نے اپنی تصانیف میں اس کے حوالہ جات درج کئے ہیں ۔ چنانچہ
 علامہ برہان مسکین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے اکثر
 اقوال اپنی کتاب عقائد موسوم بہ اشداد المسلمین میں نقل
 فرمائے ہیں ۔

افسوس کہ باوجود تحقیق و تلاش کے ہم اس فاضل مصنف کے
 حالات زندگی اور نیز ان کی دوسری تصنیفات سے واقف نہ ہو سکے
 یہ کتاب ہمیں برمان پور کے ایک قدیم اور پُرانے کتب خانہ سے حسن

لکھ یہ اشارہ ہے عالیجناب خان بہادر قاضی محمد امجد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ کتاب عقائد

الہاں سے علمی قریبائین سو سال کی ٹھہری ہوئی دستیاب ہو گئی ہے۔ ہم نے فرشتوں اور مقصداتے غنیمت علمی پہلے تو اول سے آخر تک اس کو مطالعہ کر لیا۔ اور جب دیکھا کہ یہ کتاب خصوصاً اس زمانہ کے مسلمانوں کے واسطے نہایت مفید ہو گئی۔ تو ہم نے بلا تخریب و تشوین کسی شخص کے محض اللہ واسطے بڑی محنت سے اس کا ترجمہ کر دیا۔

ترجمہ کرنے والے اصحاب خوب جانتے ہیں کہ کسی کتاب کے ترجمہ

القبیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵

نزدیکی مجھٹ شہر برمان پور کے بیس با اور تایاب کتب خانہ کی طرف مذروح الصد فقیر مترجم کے بڑے ہمدرد اور عنایت فرماتے۔ خدا نے ان کو دینی امارت و جاہلیت کے ساتھ علوم دینیہ سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ اہل اسلام کی خیر خواہی امدان کی محبت ان میں اس درجہ تھی کہ ان کی ضروریات کو اپنی ذاتی احتیاجات پر ترجیح دیتے تھے۔ افسوس کہ وہ عین عالم شباب میں جب کہ ان کی عمر ۳۷ سال سے بھی متجاوز نہ ہوئی تھی۔ ۱۳۴۱ھ ہجری میں دور کے ایک روکی اور ایک بیوی چھوڑ کر راہی عالم بقا ہوئے۔ دونوں چھوٹے لڑکے قاضی محمد عنایت الرحمن صاحب قاضی محمد فیض الرحمن صاحب اپنی والدہ کی کنارا طہنت میں جوان ہو کر تعلیم دینی و دنیوی سے بہرہ مند ہوئے۔ لیکن آہ وہ بھی بین جوانی میں حبیب کہ دو نسالان چین امیر تعلیم ہی پارہے تھے۔ ایک سال کے اندر ہی یکے بعد دیگرے وفات پا گئے اور بدھیمیہ والدہ کے دل پر دوامی مفارقت کا داغ لگا گئے۔ فیض الرحمن جو عمر میں چھوٹے تھے۔ بڑا پیور میں بیمار نہ ہیضہ مبتلا رہ کر ۱۲ گھنٹے میں دار النخل کو سدھارے۔ اور ان کے نو ماہ بعد عنایت الرحمن میریالی دہلک بیماری میں مبتلا ہو کر علیگڑھ کالج میں رحلت گزائے عالم جاودانی ہوئے۔

چونکہ شہر کی تقاضا کا وارث اولاد زینہ سے کوئی نہ تھا۔ اس لئے بالاتفاق معززین عمائدین شہر ان کی صاحبزادی قاضی قرار دی گئیں۔ عہدہ تقاضا کی تمام ذمہ داریاں صاحبزادی موصوفہ کے ہاتھ و قاضی شہر جناب قاضی خواجہ حسین الدین صاحب ابن حضرت مولوی خواجہ علیم الدین صاحب کسب درجہ اول اورنگ آباد کن کے پیر و کی گئیں۔ جو نہایت خوبی کے ساتھ سر انجام دیتے ہیں۔

یہ کتاب مجھے خواجہ حبیب الدین صاحب ابن خواجہ منیر الدین صاحب قاضی دجا گیسو دار علی پور دیہانہ قاضی علاقہ برار کے توسط سے دستیاب ہوئی۔ جو خان بہادر صاحب موصوفہ کی بیوی کے بیٹے اور میرے شاگرد رشید اور نہایت باخدا اور بڑے لائق و قابل معلم یافتہ نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر و جزاں بخت عزیزوں کو گردش زمانہ سے محفوظ رکھے۔

عقائد و عقاید

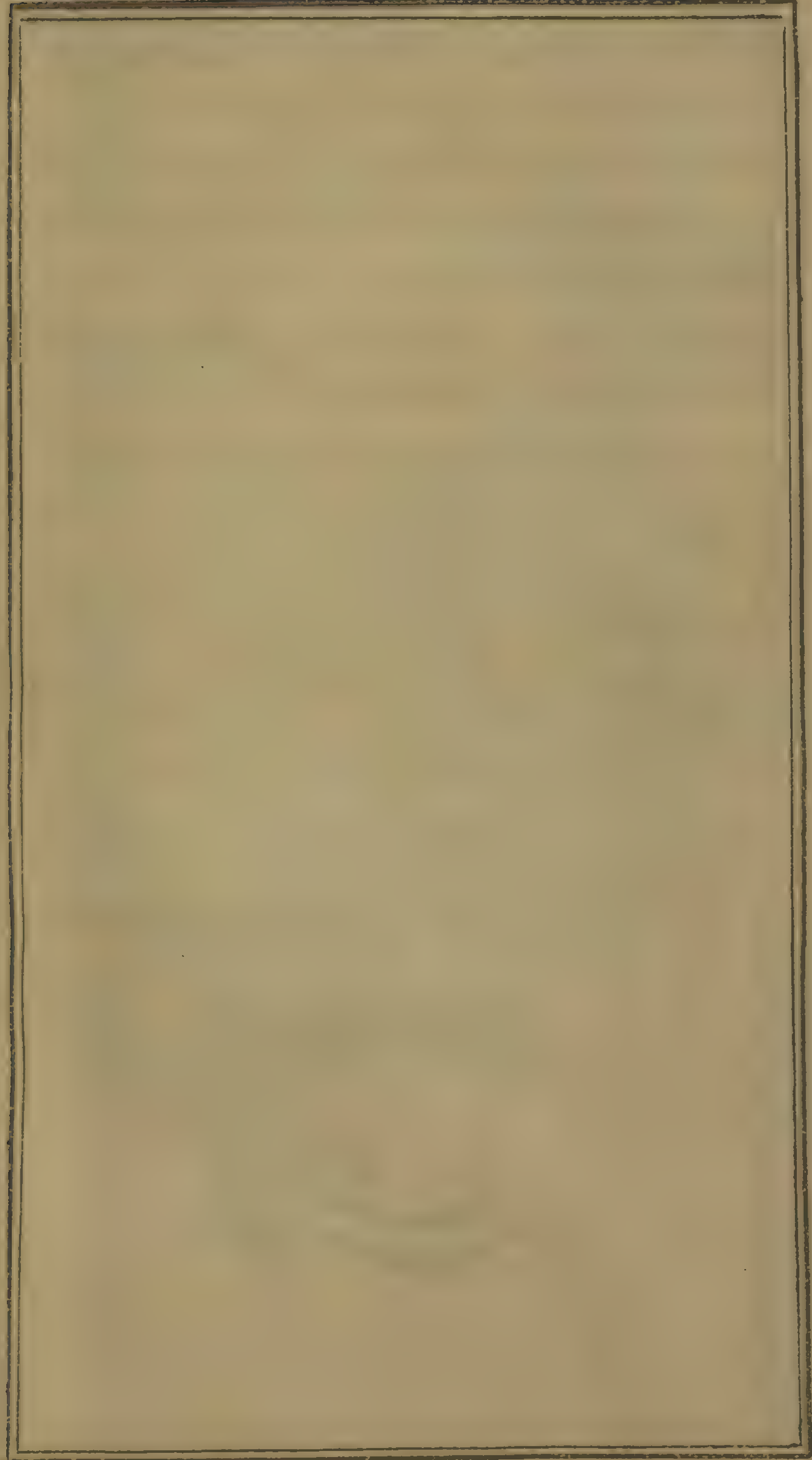
کے لئے کیا کچھ مشکلات اور وقتیں پیش آتی ہیں۔ لہذا ہم بھی اس سے مستثنیٰ
 نہیں رہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم نے مختلف کتابوں کے مقابلہ و تحقیق سے
 ان شکوک کو حل کر لیا۔ پھر بھی ہم نے جیٹ بکھا کہ اکثر ضروری مسائل میں مصنف
 علیہ الرحمۃ نے ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے۔ تو اس کی تشریح و توضیح
 حواشی کے ذریعہ کر دی۔ اور بعض باتیں جو مصنف کے قلم سے فروگداشت
 ہو گئی تھیں۔ یا جو ان کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں۔ ان کو بالتفصیل کتاب
 کے آخر میں ایک تکرار کے ذریعہ بیان کر دیا۔ اور بعض ایسی باتیں جن کا
 بیان کتاب کے پڑھنے کے پہلے ضروری تھا۔ ان کو مقدمہ میں لکھ دیا۔ اس
 طرح یہ کتاب خدا کے فضل سے ہر طرح کا مل ہو گئی۔

امید تو ہے کہ اس کے پڑھنے اور یاد کرنے کے بعد اہل اسلام کو
 پھر کسی کتاب عقائد کے دیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ان کو ہر
 ایک ضروری مسئلہ جو علم عقائد سے متعلق ہو گا۔ اس کتاب میں کہیں نہ کہیں
 مل جائے گا۔ اور علم کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ وہ اس سے زیادہ چاہیں
 تو مبسوطات و مطولات میں مل سکتا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا
 هَدَانَا لِهٰذَا الطَّرِيقِ وَجَعَلَ لَنَا التَّوْفِیْقَ خَیْرَ وَفَیْقٍ

وَحَمْدًا لِلّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

مقدمہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اصطراط السوی

ترجمہ ادبی

عقائد توحیدی

حمد

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَحْمَدُكَ حَمْدًا لَا يَلِيْقُ بِكِبَرِيَّائِكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى
صَفْوَةِ اصْفِيَائِكَ وَخَاتِمِ اَنْبِيَائِكَ وَعَلَى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ
اَجْمَعِيْنَ ؕ

حمد و ثنا اللہ تعالیٰ جل شانہ کو زیبا ہے کہ اُس کے سوا کوئی بھی حمد کے
لاائق نہیں۔ اور بجز اُس کے کوئی بھی ثنا کے قابل نہیں۔ اپنی حمد و ثنا اپنے لائق
وہی کر سکتا ہے۔ اور اپنا وصف اپنے شایان شان وہی کر سکتا ہے عقل
کا بڑا وصف یہ ہے کہ وہ ایک حد تک مخلوقات پر اپنا حکم جاری کرے
اور اندیشہ کا عمدہ فرغ یہ ہے کہ وہ کائنات کی کیفیات میں تحقیقات سے
کام لے۔ خدا تعالیٰ کے جلال میں عقل پر سوختہ ہے۔ اور اندیشہ اُس کے
سراپردہ قدس میں دیدہ بردوختہ۔ عقل نے اگر اس کی معرفت کی چاشنی
سے کام جان کو شیریں کیا۔ تو یہ اسی کی عنایت ہے۔ اور اگر اندیشہ

اُس کے راز سے سرسبز ہو چکا۔ اور اسی کی ہدایت اسی کے لازوال وجود
 و اگر اہم نے دل کو اپنی محبت سے آشنا کیا۔ اسی کے فضل و احسان نے
 جان ناتوان کو اپنی شناسائی سے بنیاد فرمایا۔ اس کی یاد و راحت رواں ہے
 اور دریافت ملک جاودان اسی کی اطاعت مقصد غا ہواں ہے۔ اور اسی
 کی خدمت خوشتر از نعیم دو جہان اس کے ساتھ ایک نفس گزارنا دنیا و دہا
 کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ اور اس کی یاد ایک لمحہ بسر ہونا مدت العمر کی کامیابی
 سے خوشتر ہے۔

محنت

صلوٰۃ بابرکات و تحیات ذاکیات بقدر وسعت ششم اور اکامات
 و باندازہ گنجائش اندیشہ و تباہیات سراپردہ کبریا سے۔۔۔ وان پاک و کامل
 زندہ۔ ساکن مدینہ میر بار حضرت یوسیفؑ طریق عبودیت۔ امین عالم
 غیب۔ ترجمان علوم وحی لا یریب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 و علیٰ آلہ و اصحابہ و سلم پر ہو کہ ان کی برکت سے جانوں کو
 بنیائی ہے۔ اور ان کے فیضان سے دلوں کو آشنائی۔ ان کی شریعت
 سے خدا پرستی کا رستہ ظاہر ہے۔ اور ان کی سنت سے آداب اطاعت
 و عبودیت باہر۔ آفرین ان پر اور ان کے اہل دیاروں پر اور رحمتائے
 بے منتہا ان پر اور ان کے پیروان ملت حنیفہ اور تمام دین داروں پر نازل
 ہوں۔

سید تصنیف کتاب

بعد حمد و ثنائے خالق تعالیٰ واحد و ذو الجلال جو بہترین کلمات
 متکلمین ہے۔ اور بعد صلوات و سلام بروح خاتم نبوت و الرسالت جو اقویٰ
 المقاصد شہیدایان سید المرسلین ہے۔ ان حضرات سے جو خدا پرست بنیا
 دل اور روشن رواں مبارک نفس ہیں۔ استعانت کی جاتی ہے۔ ایک ایسے

مبارک خیال کے مضاف میں جو عالم غیب سے اس قدر دل پرستوں کی ہوا ہے جیسی
جس میں نے بے علم کہ سواد اسباب کو تشانہ حق کی تلاش لایا اور
برگزیدگان امت کی تنبیہ و پیروی کی بامقصد سے جن کے عزیز کو حضرت
نبی کریم صلیہ اللہ علیہ وسلم نے سواد عظیم فرمایا ہے (سنت پابا اور دیگر
کہ علماء اور دانشوران بھی ان کی تادیب تنبیہ اور ارشاد نصیحت کی
طرف سے جو حق دین اری اور واجب سلطانی ہے غافل ہیں اور فتنہ طائفہ
بے اندازہ اٹل ہووا۔ صحابہ شہداء اور داعیان سلالت سے اچھے ہے
ہیں۔ نظریات میں حالات میرے دل میں آ یا کہ فارسی زبان میں عقائد کی ایک ایسی
کتاب تصنیف کیجئے کہ طالبان حق کی حاجات کو حاوی اور اعتقاد و بات اہل
اسنت و ایمان میں گراہی ہو۔ اور مباحث میں حصہ صحت سے قانون کتاب
وسنت اور اقوال علمائے است کا بن سے مراد ساف صالح ہیں۔ لحاظ رکھا جائے
میں نے حضرت حق تعالیٰ کے حصول علم کا ذریعہ اس سے بہتر نہ جانا۔ کیونکہ اسی
میں عالم و اہل عالم کی صلاح و نفع ہے۔ اعتقاد درست کی نسبت دوسرے
ان معاملات کے ساتھ چونکہ اور خدا کے درمیان ہیں ایسی ہے جیسی روح
کی نسبت کا ابد کے ساتھ ظاہر ہے کہ جس بے جا کسی کام کا نہیں ہوتا۔
ایسا ہی عمل صالح بدوں اعتقاد درست کے ناکارہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے
ہے کہ اسلام میں جو فتنہ اٹھا سبب شومی اعتقاد ہوا اور شیوع رائے دروغیت
ہے۔

پھر تیسرا امر کی منتفی ہوتی کہ اس کتاب کو کسی صاحب ولت اور
مالک سلطنت کے نام سے منون کیا جائے۔ تاکہ اس کا اثر عوام مسلمانوں کے
دلوں میں جو سلاطین کی تصویب خیالات کے خواہ اور عالم وقت کے ارادت کے
منتقر ہیں۔ جاگزین ہو۔ اسی سبب سے اس کو متبول جناب باری تعالیٰ
ملوک صالح فخر سلاطین اسلام بادشاہ نیاز مند دین پرور رحیم دل درویش
نواز یعنی سلطان آقا یکب ابوبکر سعد بن زنگی کے نام و ذکر سے منسوب کیا
اور اس کی دعائے دعوت سے معطر اور اس رابطہ کو اس کے لئے منسوب ہے۔

شاہزادہ ابو شجاع سعاد کے نام سے کہ دونوں کنف و حمایت خداوندی
میں رہیں۔ مستحکم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں متعظم نظر اسی کی خدمت
تھی۔ اگرچہ اس درویش کا وظیفہ خدمت آل شاہ میں مقرر و مستقر ہے
تاہم میں نے چاہا کہ اس کی حضور میں ایک ایسا دیرپا اور شائستہ تحفہ
پیش کر دوں جو صفحات روزگار پر باقی رہے۔ اور اُس سے وہ اور آئندہ
نسبیں منتفع ہوں۔ اگرچہ اُس کے عہد دولت میں مجھ ایسے بہت سے علما
تھے۔ لیکن اس اختیار سے کہ سلاح دین دولت میں مجھے ایک گونہ امتیاز
حاصل تھا۔

میں نے اس کا رخیر میں مسارعت کی یہ جو کچھ ہوا صدق نیت
اور وثوق ہمت کی برکت سے نہ بضاعہ کی کثرت سے اور میں نے
اس تحفہ کا نام المعتمد فی المعتقد رکھا۔ اور اُس کی اساس تین
بابوں پر قائم کی۔ ہر باب میں دس دس فصلیں ہیں۔

پہلا باب خدائے غزہ جل پر ایمان لانے کے بیان میں۔
دوسرا باب فرشتوں کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے میں۔
تیسرا باب دوسرے اعتقادی مسائل میں موافق کتاب سنت
اور اجماع امت کے۔

امید ہے کہ اس بادشاہ کی دیلت اور میری صدق نیت کی برکت سے
یہ کتاب مقرون بہ حاجت ہو۔ اور اس کے ایام دولت میں تمام اہل مملکت
اور جملہ فارسی دان ہر شہر و بلاد کے انتفاع حاصل کریں۔ اور اس کی برکت
عائد یہ ایام میمون ہوں۔

پہلا باب

خدا پر ایمان لانے میں اور اس میں دراصلیت میں

پہلا فصل

ایمان کے معنی کے بیان

نقطہ ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں۔ اور تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ قائل کی بات پر یقین کیا جائے۔ اور اس کے سخن کو سچا مانا جائے اور فقط ایمان امن سے ماخوذ ہے۔ جو خوف کی ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں ایمن کرنا۔ یعنی خوف اور ہماکہ سے امن میں کھنا۔

تفسیراً یوں سمجھو کہ جب کہنے والا کسی چیز کی خبر دیتا ہے۔ اور سامع اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ تو لا بد متردد ہوتا ہے کہ یہ خبر راست ہے یا دروغ۔ اسی طرح جب کسی کو حکم کیا جاتا ہے کہ یہ کرتا ہے اور محکوم یا مانوس اس کی حقیقت نہیں جانتا تو اس کو امر و نہی کے حق اور باطل سمجھنے میں تردد ہوتا ہے۔ لیکن جب سامع کا دل قائل کی بات کو حقیقتاً درست مان لیتا اور اس کے حکم پر اعتبار کر لیتا تو اس کے قول یا حکم کی طرف سے کبھی یا بطلان کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا۔ وہ اس کی بات اور اس کے حکم کو سچا ہی سچا یقین کرتا ہے۔ پس اس یقین و اعتقاد سے وہ اپنے نفس کو اس چیز کے دروغ یا تا درست سمجھنے سے نامون اور بے خوف کر لیتا ہے۔

کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جب انسان اپنی عقل کے ذریعہ عالم کے خالق اور اس کے رُماہ تو انا قدیم اور لازوال ہوئے یقیناً۔ لے آیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ عالم کا بدوں ایسے خالق کے جو حی قدیم ازلی ابدی وغیرہ ہو قائم رہنا ناممکن ہے۔

اور نیز جب اس نے اعتقاد کر لیا کہ توحید وغیرہ کے اس پر جو احکام انبیاء علیہم السلام کے توسط سے اس کو پہنچے ہیں۔ وہ درست ہیں۔ اور اس کو اس طرح قبول کر لیا۔ کہ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ تو اس یقین و قبول سے اس نے اپنے نفس کو چند برائیوں سے مامون کیا۔

تہیسی دریافت و دانست سے جو کچھ یا دروغ ہو۔ داعی توحید و حق پر کذب و انحراف سے۔ بعد موت کے۔ ایشطیا۔ اسی یقین پر موت ہو۔ عذاب آخرت سے۔

پس ان چند توجہات سے اعتقاد درست کو ایمان کہتے ہیں۔ اگر یہ تصدیق اور اعتقاد صرف دل سے ہی کیوں نہ ہو۔ مگر عقل و تشریح ایمان نام ہے۔ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے کا دل سے تصدیق اور زبان سے اعتراف کرنے والا مومن ہے۔ مگر ایمان میں اس کی منزلت اس وقت تمام تر ہوگی۔ جب موافق حکم خدا و رسول کے عمل بھی کرے ایمان کو کچھ اور شے شاخیں ہیں۔ ان کی اصل توحید و رسالت کی گواہی بنا ہے۔ اس باب میں وہ باتیں جن کی شناخت و معرفت بندہ کے لئے ضروری ہے۔ ہم توحید وغیرہ کے متعلق بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل دوسری پہل

خالق عالم کی شناخت

پہلی بات جس کا جاننا ہر شخص پر واجب ہے وہ خالق عالم کی معرفت ہے کہ واحد و یگانہ ہے۔ اور عالم نام ہے ہر اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ اکثر عوام مسلمان ہیں۔ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اور اسلام پر تربیت پائی۔ اور ابتداء سے اُن کے ماں باپ نے انہیں کلمہ توحید سکھا پڑھا دیا۔ اور اُن کے کان میں پہنچا دیا کہ خدا ایک ہے۔ قدیم ہے۔ وہ کسی چیز کے مشابہ نہیں اس کے سوا جو کچھ ہے۔ اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اُس نے گھر کے لوگوں کو اسی شہادت پر پایا۔ اور نماز پڑھتے۔ روزہ رکھتے۔ زکوٰۃ دیتے اور فریضہ حج ادا کرتے دیکھا۔ اُس کے سامنے بانگ نماز اور قرآن کریم پڑھا جاتا رہا۔ اُس نے اپنے گھر کے لوگوں سے علم حلال و حرام سیکھا۔ اور خود اُن میں بھی اُس کے موافق عمل کرنے پایا۔ اس سب سے تقلیداً دین حق کی محبت اُس کے دل میں راسخ ہو گئی۔ اور اہل خانہ کی طرح وہ بھی ان تمام باتوں کا معتقد ہو گیا۔

ایک ایمان فوی علم اصحاب کچھ ہے وہ یہ کہ جناب نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخبار نبوت اور اخبار ہدایت یعنی آیات و معجزات متواتر زمان بہ زمان اُن تک پہنچے۔ اُن کے دیکھنے سے انہیں آنحضرتؐ کی تصدیق ہو گئی۔ اُنہوں نے اُن کے اقوال و افعال اور عادات سے جان لیا کہ وہ توحید و طاعات خدائے واحد کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ اس محبت سے خدا کی وحدانیت اور ان کی رسالت پر اُن کا اعتقاد جسم گیا۔ اور انہوں نے دلائل نبوت و نبی کے ذریعہ یقین کر لیا کہ خدا کے واحد ہونے

عام کا بیان

عام کا بیان

خالق عالم کے قدیم و توانا ہونے میں شک و شبہ کی مطابق گنجائش نہیں۔ ان اصحاب کا ایمان درست مستحکم اور پستیدہ تر ہے ۔

لیکن اس سے بھی تمام تر دوسرے وہ ایمان ہے۔ جو نظر و اندازِ بشر کے ذریعہ ایسی مستحکم دلیل سے ان پر روشن ہو جائے۔ جس سے ان کی دین کی زیادتیان موصول سے زیادہ پامال ہو۔ قرآن کریم پر اس باسبب جو کچھ بیان ہوا ہے۔ ہم اس کے بیان پر اقتضاد کرتے ہیں۔ اور یہی کافی ہے۔ علمائے سلف نے بھی جو مقتدا ایمان اہل سنت و جماعت ہیں۔ قرآن ہی سے استدلال کیا ہے۔ اور یہی اہل سنت ہے۔ جو ان کی پیروی کرے گا۔ فحافظ و حاکم سے سلامت ہے گا۔ اس لئے کہ ان کی متابعت مبارک ہے اور مخالفت شوم ۔

حق تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الَّذِي لَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ اُس کے سوا معبود نہیں۔ وہ بندوں پر مہربان اور مومنوں پر بہت بخشنش کرنے والا ہے ۔

اور فرمایا اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وََاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاصْبَاۤءٍ الْاَرْضَ بِهٖۤ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَحْرِیْهِ السَّجَّادِ وَالسَّمَاءِ الْمُنْتَظَرِ۔ اُن کے لئے زمین اور آسمان سے پانی برساتے ہیں کہ اُس سے زمین کو بعد اس کی موت کے زندہ کیا۔ اور زمین میں ہر قسم کے حیوانات کو پھیلایا۔ اور ہواؤں کے پھیلنے میں ایک بہت سے دوسری طرف اور بدل میں جو زمین اور

آسمان کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ البتہ نشانیاں ہیں جن سے مند لوگوں کے لئے۔ یہ تمام باتیں اللہ کے وجود اور اس کی قدرت اور بگائیت پر براہین قاطعہ ہیں۔

اس آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ اگر میری قدرت اور بگائیت اور بلا شرکت غیر میری خدائی پر یقین نہیں لاتے ہو تو ان باتوں میں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ اندیشہ کرو تا کہ معلوم کر لو کہ میری خدائی اور بگائیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور حقیقت میں جب اہل بصیرت آسمانوں اور اجرام فلکیہ پر نظر کرتے ہیں کہ ستاروں میں بعض ثابت ہیں بعض سیار اور بارہ برج ہیں۔ اور سات سیارے کہ ہر ایک ایک ملک معین اور سیر اور وقت معین کا پابند ہے کہ ایک ذرہ اس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ اور جو حد جس کے لئے مقرر کر دی ہے۔ وہ اس سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتا۔ تو اس کو صدق دل سے خدائے واحد و یگانہ کے وجود کے اعتراف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب آفتاب ماہتاب کو دیکھتے ہیں کہ روشنی اور نور و جہت میں بقابلہ دوسرے سیاروں کے ان کو امتیاز و خصوصیت ہے۔ پھر آفتاب کی جانب نظر کرتے ہیں کہ وہ جب تک زمین کے اوپر ہے۔ دن، اور جب زمین کے نیچے آیا۔ رات ہوتی۔ پھر آفتاب زمین کی سیر سے سال کی فصلوں کے متعلق دیکھتے ہیں کہ فصل کو حیوانات کی معاش کی مصلحت اور بنا پر اس طرح رکھا ہے کہ ان کے مزاج بیکار نہ ہو جائیں۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام مصنوعات بدول قدرت و اختیار صانع کے نہیں ہو سکتے۔ اور ممکن نہیں کہ نامیر عالم ستاروں کے متعلق ہو۔ ان کی حرکت خود ان کے اختیار میں نہیں۔ پھر غبار اور غبار کس طرح دوسرے پر حاکم ہو سکتا ہے۔ اگر ان کو کچھ اختیار ہے بھی تو خدا تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت ہے۔

پس اس سے انہیں خدا کے واجب الوجود ہونے پر پورا یقین ہوتا ہے۔ ان کے غیر مستقل اور محتاج بہ صانع عالم ہونے کی ایک بڑی دلیل

درجہ ہر جنس عالم

یہ ہے کہ جب ہم ستاروں کے حال اور ان کے امارات السنجیر پر نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جو یہ اُن کی بیستیم ہوتا ہے۔ تو دوسرے کی طرف۔ ان نہیں ہو سکتے اور اگر اچھے ہیں۔ تو ان کا اپنے اختیار سے سقیم ہونا ممکن نہیں آسمان کو دیکھو کہ وہ ہمیشہ حرکت میں ہے۔ اس کا ساکن ہونا غیر ممکن ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں کا ہر ایک محدث مسخر مدبر اور مخلوق ہے۔ بے آفریدگار کے نہیں ہو سکتا۔

آسمان کے نیچے ابر کو دیکھو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ ہوائیں اُس کو چلاتی پھرتی ہیں۔ کبھی اُس کو جمع کرتی ہیں۔ کبھی پراگندہ اُس سے جو پانی برتا ہے۔ وہ آدھیوں اور چوبالوں کا دار حیات ہے۔ اسی سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جھڑی اور ٹوسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ کبھی قطارہ ٹپکتا ہے۔ کبھی عالمگیر بارش ہوتی ہے۔ اور کسی وقت ایک جگہ برستا ہے۔ دوسری جگہ نام کو بارش نہیں ہوتی ہے۔ ہواؤں کو دیکھتے ہیں تو ان کی حرکت و رفتا کو کبھی تیز اور غلطابی پاتے ہیں۔ کبھی غایت درجہ سکون اور آہستگی میں۔ کبھی شمال کی طرف چلتی ہے۔ کبھی جنوب کی طرف سے کبھی مشرق سے۔ کبھی مغرب سے۔ یہ چیزیں رائے کے انقلاط فیض حالات سے

الحمد للہ مرتبہ حنفیہ رمتہ نے حکمای دینا نہیں دیوں سمجھو کہ نظام بطور موس کے معتقدات کے مطابق آسمان دینا اور زمین کا کثرت بیان کی ہے۔ اُن کے نزدیک آسمان ایک مخصوص جسم دار و جوہر مانا گیا ہے۔ اور اُس کی گردش میں تیزی کی گئی ہے۔ وہ زمین کو سانس اور پتی موت کا منتے ہیں۔ اور آفتاب کو منور کیا۔ اسی طرح دوسرے ثوابت اور سیاروں کے متعلق سمجھنا چاہئے۔ چونکہ اُس زمانہ میں دوربین اس وقت بھی ایسا علمای علوم مشرقیہ اس طرح مانتے آئے ہیں۔ لہذا اُن کے۔ ویرد ایسے ہی دلائل پیش کیے گئے۔ اور بارہ اور مستند دلائل کا بھی غائب رہا۔ اور مسلم بھی ہے۔ رائے م فیثا غورث کے بنا پر۔ خالق عالم کی معرفت کا طریق۔ تو وہ تمام تر موجودات کی تسمیہ میں موجود ہے۔ اور ہم نے بھی طریقہ ایک مسلمہ زمانہ سال کے مطابق دوسری جگہ کے دلائل اس کو بطور شرح ساتھ بیان کر دیا۔ ہے۔ دیکھو صفحہ شکرہ کتاب ہذا ۱۲ منہ۔

معلوم ہوتا ہے کہ بذاتہ کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ ان کا دم بدم ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تمام بدتر صانع عالم اور قادر حکیم کی تدبیر کے تابع ہیں۔ کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہے۔

زمین کو دیکھتے ہیں کہ اس کا کچھ حصہ سخت کچھ نرم بعض کے اجزا متصل ہیں بعض کے منفصل کہیں نشیب ہے کہیں بلندی۔ ایک حصہ قابل زراعت ہے تو دوسرا خشک اور شور۔ اس کے الوان رنگ بھی مختلف ہیں۔ اور اس کے معاون نباتات اور ثمرات بھی جدا جدا حتیٰ کہ بعض درختوں میں غائبہ بستے کہ ان کی ایک ہی شاخ پر دو قسم کے مختلف مزہ اور مختلف الوان میوہ جات پائے جاتے ہیں۔ اور عجیب یہ کہ ایک چھوٹی سی گھاس کی ڈالی کو اٹھاتے ہیں۔ اور اس میں پایا دروا اور پایا درماں دونوں پائے ہیں۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ ثابت دریا اور دوسرا ایک حصہ ثابت حار و گرم پایا جاتا ہے۔ اور یہ ضیاک نہیں کہ ان باتوں کو ہوا کی خاصیت کی جانب نسبت کیا جائے۔ کیونکہ ایک ہی درخت پر ایک شاخ ہوتی ہے ایک ہی قسم کی آب ہوا میں پرورش پاتی ہوتی۔ آفتاب کی تپش بھی یکساں اس پر پڑتی ہے مگر ثمر یکھو تو مختلف رنگ اور مختلف مزہ کو ناپار ماننا پڑیگا۔ کہ اس عجیب کے ساتھ کوئی صنعت بدول قدرت صانع کے جو قادر حکیم ہے۔ غور میں نہیں آسکتی۔

چنانچہ قرآن میں بھی خدا تعالیٰ نے اس بات کو یاد فرمایا ہے وَفِي الْأَرْضِ نَظْمٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرُوعٌ وَخَيْثَلٌ عُشْوَانٌ وَخُورٌ عُشْوَانٌ يُّسْنَخُ يَمَاءٌ وَآحِدٌ وَنَفْسٌ بَدُضُهُمَا عَلَى بَعْضٍ

۱۔ اور زمین میں پاس پاس کئی (کئی) قطعے ہیں۔ اور انگوروں کے باغ اور جینی اور کھجوروں کے درخت (جن میں بعض) دو شاخ ہوتے ہیں۔ اور (بعض) دو شاخ نہیں (ہوتے) ہیں۔ ایک ہی پانی سے شاداب کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہم بعض کو بعض پر پیلوں میں برتری دیتے ہیں بے شک ان باتوں میں عقابند لوگوں کے لئے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ۱۱۔

فَالْأَكْمَلُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ط اگر آدمی اپنے ہی
نفس میں اندیشہ کرے جس کا علم اس کو بہ نسبت دیگر اشیا کے زیادہ ہے
اور جو بقابلہ دوسری چیزوں کے اُس سے قریب تر ہے۔ تو وہ ان
دلائل سے زیادہ صاف اور روشن تر بہت سی دلیلیں اپنی ذات میں پائیگا
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔ وَفِي الْأَرْضِ
آيَاتٌ لِّلْمُتَذَكِّرِينَ۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ چنانچہ
انسان ابتدا سے خلقت میں شکم اور پیٹ ایک طرف تھا۔ پھر نطفہ سے
منجمد خون ہوا۔ اُس کے بعد لو تحفہ ایٹا۔ پھر استخوان۔ پھر ہڈیوں پر گوشت
و پوست چڑھایا گیا۔ اور خدا نے اُس کی صوت و ہیئت کو حکمت کے
طریق پر بنایا۔ پھر اُس میں جان ڈالی۔ اتنا ہی محایم کرنے سے انسان ابھی
طرح سمجھ جائے گا۔ کہ نقصان کی حالت سے کمال عقل کی جانب اُس کا
انتقال اس کی تدبیر و اختیار سے نہیں تھا۔ اس واسطے کہ جب انسان حال
نقص میں جد باو غ کو پہنچتا ہے۔ تو یہ اختیار نہیں رکھتا کہ موجودہ خلقی نقص
کو دور کر سکے۔ جس کی پیدائش میں نقصان ہے۔ اسی نقصان پر رہتا ہے
اور جس کی خلقت میں زیادتی ہو۔ وہ اسی زیادتی کی حالت میں آخر عمر تک
رہتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کا مختلف نہایت کمال میں ہے۔ اور
وہ اپنے اختیار سے اپنی خلقت میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ اسی کا نام
بے اختیاری ہے۔ اُس سے اتنا تو ہو نہیں سکتا کہ اپنی پیری کو جوانی اور
موت کو زندگی سے بدل سکے۔ اگر اُس کے اختیار میں ہوتا تو پڑھا ہے
اور موت کو کبھی نہیں آنے دیتا۔ کیونکہ یہ چیزیں انسان کو بالطبیع ناپسند
ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ خدا ہی اس کو جوان کرتا ہے وہی بڑھا پا
لا تا وہی مارتا ہے۔ اسی کے اختیار میں بقا و فنا ہے۔ اسی کا ارادہ و
اختیار سب کے ارادات و اختیارات پر غالب ہے۔

۱۔ اوزمین میں یقین کرنے والوں کے لئے خدا کی وجہانیت کی نشانیاں ہیں۔ اور دینار تہاری
(انسان) ذاتوں میں تو تم دیکھتے کیوں نہیں ۱۲ منہ

ایک اور بات قابل غور ہے وہ یہ کہ انسان کی طبیعت کی تدبیر اختیار سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قوت جس سے نطفہ قابل غذا اور تربیت کے ہوتا ہے چار چیزوں سے مرکب ہے۔ جو باہم ضد یکدیگر ہیں۔ حرارت، برودت، رطوبت، یہوست اور یہی طبائع عناصر اربعہ آگ، پانی، خاک اور ہوا میں موجود ہیں۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غذا بغیر کسی جامع قاهر کے جمع ہو سکیں۔ اگر ایسا ہو سکتا۔ تو آگ و پانی کا ایک جگہ اجتماع ممکن ہوتا۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ بے تدبیر کسی مدبر کے مجتمع ہو سکیں۔

پس ظاہر ہوا کہ وہ اثرات جو طبیعت کی جانب سے بدن اور حیوانا اور دیگر اشیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ایک بردست مدبر صانع قہار کی تدبیر کے ماتحت ہیں۔

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ طبائع کا اثر متفاوت ہے۔ کبھی ایک طبیعت دوسری پر غالب بھی ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ یہ تدبیر ایک بڑے قادر قہار کی ہے۔ عالم کے مخلوق و آفریدہ ہونے اور اس کے بے خالق و آفریدگار نہ ہونے پر یہ دلائل ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ عالم کی طرح خالق و آفریدگار کا مخلوق و حادث ہونا درست نہیں۔ کیونکہ آفریدہ آفریدگار اور مخلوق خالق اور حادث قدیم نہیں سکتا۔

تیسری فصل

خالق عالم کے قدیم و بے ہمتا ہونیکے ثبوتیں

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عالم مخلوق و حادث ہے۔ اسی سے یہ بھی روشن ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم و مطلق ہے۔ اور قدیم کی دو قسمیں

ہیں۔ مقید و مطلق مثلاً جب ہم کہیں کہ بنیاد کعبہ قدیم ہے۔ تو اس کے یہ
 سننے ہو چکے کہ اس کی بنیاد دوسری مساجد کی نسبت متقدم ہے۔ اس کے
 یہ معنی نہیں کہ اس کی بنیاد آفرینش زمین سے بھی پہلے ہے۔ اس کو قدیم
 مقید کہتے ہیں۔ اور قدیم مطلق وہ ہے جس کے وجود کی ابتداء نہ ہو۔ اس کو
 اپنی قدامت کے اعتبار سے تمام موجودات پریشی اور سبقت حاصل
 ہو۔ اس لئے آفریدگار عالم کی ابتدا نہیں ہو سکتی۔ اس وسیلے سے کہ وہ
 چیز جس کو آغاز اور ابتدا ہے۔ اول وہ عدم تھی۔ اس کو حادث کہتے ہیں
 اور حادث کے لئے سبب کی ضرورت ہے۔ اور پھر سبب کے لئے بھی
 ایک دوسرے سبب کا ہونا ضرور ہے۔ اور اس دوسرے سبب میں بھی ہی
 حادث ہونا ضرور ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ لاقتناہی ہو جائیگا۔ اور یہ محال
 ہے۔ *

دوسری دلیل یہ کہ جب حکایم ہو گیا کہ عالم آفریدہ ہے اور آفریدگی
 کے نشانات اس میں ظاہر تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے
 کیونکہ غیر قدیم شے نقصان سے خالی نہیں۔ اور ہر ایسی چیز جس میں نقصان ہو
 کمال قدرت کو اسی کی جانب مضاف نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنی
 ذات میں کمال قدرت رکھتی ہو تو خود ناقص نہ ہوتی۔ اور آفرینش عالم میں
 مستند ایسی روشن دلیل موجود ہیں۔ جن سے آفریدگار عالم کے قادر با
 کمال ہوتے کا پتہ ملتا ہے۔ اور قادر با کمال اس کو کہتے ہیں جس کی ذات
 نقصان سے منزہ ہو۔ اور جو قدیم نہیں۔ اس کی ذات نقصان سے بھٹیڑ
 نہیں ٹوٹا بت ہوا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے۔ اور نقصان سے منزہ ہے۔
 یہ بھی یاد رکھو کہ ذات قدیم پر فنا کا عمل جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ فنا
 اس کو ہوتی ہے۔ جس کا وجود بیکار محتاج ہو۔ پھر جب وہ سبب آٹھ جائے
 تو وہ فانی ہو جائے جب یتنا بت ہو گیا کہ وجود قدیم سبب کا محتاج نہیں
 ہوتا۔ اور اس پر زوال۔ فنا کا حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بھی روشن ہوا
 کہ وہ قدیم ایک ہے۔ کیونکہ وہ ذات قدیم کا ہونا جائز نہیں۔ اس لئے کہ جب

ایک قدیم کو مانا پہلے مانا جائے۔ تو دوسرا قدیم نہیں ہوگا۔ اور دو ذات کا
 باہم قدیم ہونا بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ سوا ایک ذات کے قدیم مطلق ہو
 نہیں سکتا۔ ورنہ اس سے ہر ایک میں قدرت کامل مانا پڑے گی۔ اور یہ محال
 ہے۔ یا دونوں قدرت کاملہ میں ناقص ہونگے۔ یعنی دونوں میں قدرت کامل
 نہ ہوگی۔ اور دونوں کا اختیار و تصرف نامتام ہوگی۔ جو غلامت ہے نہ عنایت
 عجز کی۔ اور یہ دونوں صفات مخلوق ہیں۔ نہ صفات خالق ہیں یہ سارا نسا
 ہو گیا کہ آفریدگار عام قدیم واحد اور قادر با کمال ہے۔ آفریدگار عالم کے
 قدیم واحد اور بے شریک ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ
 نظام عالم اپنے ابتدا سے ایک ہی طریقہ پر چلا آتا ہے۔ اس میں آج
 تک ہیر پھیر نہیں ہوا۔ نہ اُس میں کوئی اختلاف پایا گیا۔ اگر آفریدگار عالم
 واحد و قدیم کے سوا کچھ تصرف و دوسرے کے قبضہ میں بھی ہوتا۔ تو زمین و
 آسمان تباہ ہو جاتے۔ اور مقررہ ترتیب تبدیل جاتی۔ قرآن شریف میں
 اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ لَوْ كَانَتْ فِيهِمُ مَالِكَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

۲۔ چوتھا فصل

اثبات صفات پاری تعالیٰ کے پانچ

جب ثبوت ہو گیا کہ عالم آفریدہ ہے۔ اور اس کا ایک آفریدگار
 ہے۔ اسی سے یہ بھی سمجھا گیا کہ آفریدگار عالم زندہ ہے۔ وانا توانا اور
 حکیم ہے۔ اس لئے کہ کسی صنعت کا محکم پسندیدہ اور مشیوٹ پایا جانا
 ذات حی سے ہی ہو سکتا ہے۔ پھر مائع کی صنعت اُسی صورت میں درست
 ہوتی ہے کہ وجود صنعت سے پہلے مائع اُس کی وضع کا عالم ہو۔ اور اس
 پر قادر اور نیز حکیم ہو۔ وہ جو کچھ کرے اپنے اختیار و ارادہ سے کرے

اور جب یہ روشن ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے۔ اسی سے اُس کی صفات کا قدیم ہونا سمجھا گیا۔ اس لئے کہ ذاتِ قدیم کی صفات محدث نہیں ہوتیں۔ اور صفاتِ محدث کو کسی نوع اُس سے مشابہت نہیں۔ کیونکہ صفاتِ محدث کو اُس کی ذات سے متعلق کر دینے سے خود اُس کی صفات کا محدث لازم آتا ہے۔ تَعَالٰی اللہ عَنْ صِفَاتِ الْخُلُودِ ۝

اور حق تعالیٰ ہی مطلق ہے۔ اور اُس کی حیات مثل حیاتِ خلق کے نہیں کہ اس کے لئے سبب کی اور نیز ابتدا و انتہا کی ضرورت ہو بلکہ خدا تعالیٰ اول بلا ابتدا اور آخر بلا انتہا ہے۔ نیز وہ قادر مطلق ہے کوئی امر اُس پر دشوار نہیں۔ اس کی قدرت پورے کمال پر ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری صفات ہیں۔ اثباتِ صفات ہیں جو بیان ہوا یہی منکرینِ صفات پر حجت ہے۔ یہ وہ ہیں۔ ایک فلاسفہ۔ دوسرے معتزلہ۔ پہلا گروہ خدا کی صفات کا قائل نہیں۔ وہ کہتا ہے۔ خدا ایک ہے اور صفات سے تکثر لازم آتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھے کہ خدا کا بے حیاء بے علم بے قدرت و اختیار وغیرہ کے ہونا ممکن نہیں۔ اُن کے دعویٰ سے ہماری پر ایک اور حجت بھی ہے۔ وہ یہ کہ فلاسفہ خدا کو مانع اور حکیم کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ۝

اور نیز اس امر کے قائل ہیں کہ اُس سے کوئی چیز ممتنع نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک صفت دوسری صفت کے غیر ہے۔ پس فلاسفہ کا یہ شبہ محض باطل ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے لئے جس قدرت و کمال کے وہ قائل ہیں۔ اُنہیں کے ہم بھی معترف ہیں۔ اور جس طرح وہ مذکور بالا مشابہت سے خدا کو موصوف کرتے ہیں۔ اُنہیں صفات کو قائم رکھتے ہوئے ہم بھی خدا تعالیٰ کو دوسری صفات مثل بصیر و سمیع و متکلم وغیرہ سے موصوف کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ہماری بیان کردہ صفات سے اُن کے خیال میں تکثر لازم آتا ہے۔ ٹھیک اسی طور پر اُن کے بیان و مشرح صفات سے لازم آتا ہے ۝

معتزلہ خدائے تعالیٰ کی ایک نشان بیان کر کے پھر اُس کی نفی کرتے کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسری صفات کی مثلاً وہ خدا کو جی کہتے ہیں۔ پھر اُس سے نفی حیات کرتے ہیں۔ اور مثلاً خدا کو علیم کہتے ہیں۔ پھر اُس سے نفی علم کرتے ہیں۔ اہل اہلسنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ خدا کی بابت کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے۔ بعلم حی ہے۔ حیوۃ قادر ہے بقدرت سميع ہے سميع۔ بصیر ہے بصیر۔ اور متکلم ہے بکلام۔ ایسا ہی دوسری صفات میں اور جو فلاسفہ پر حجت ہے وہی معتزلہ پر حجت ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی فلاسفہ کے شبہ میں گمراہ ہیں۔ اور یہ بھی قرآن سے خارج باتیں قبول کرتے ہیں۔ نیز ان پر حجت ہیں۔ وہ آیات جن میں خدا تعالیٰ نے صفات اضافی بالخصوص صفات ذاتی کو اپنی جانب اضافت کیا ہے۔ چنانچہ وہ آیات یہ ہیں۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یعنی لوگ اُس کے علم سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر وہ جس چیز کا چاہتا ہے احاطہ کر لیتا ہے۔ اُس کا علم آسمانوں اور زمین میں پھیل گیا ہے۔ اسی طرح انزل بعلمہ۔ انما انزل بعلم اللہ۔ ذوالقوة المتین۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلقہم ہُوَ اشد منہم قوۃ۔ وَ لِلّٰہِ الْعِزَّةِ جَمِیْعًا۔ ذوالفضل العظیم ذوالجلال والاکرام۔ وغیرہ یہ تمام آیات خدا تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ جو شخص مسلمان ہے۔ اور آیات قرآنی کا معتقد اُس کے لئے اثبات و صفات میں مذکورہ آیات کافی ہیں۔ واللہ منقذ عَنِ الضَّلٰلِ

پانچویں فصل

باری تعالیٰ کے اسماء و صفات کی معرفت میں

خدا تعالیٰ کے اسماء ہیں اور صفات۔ اور جس طرح اُس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے۔ اُس کے اسماء و صفات بھی ایسے ہی نہیں۔ لہذا کوئی شخص اُس کے کسی نام اور کسی صفت کو اپنی تعریف و الفاظ میں بیان نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بات محدث کی وسعت سے باہر ہے کہ وہ قدیم کا وصف اپنی جانب سے بیان کر سکے یا اُس کا نام رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات سے موصوف اور اپنے اسماء سے موصوم ہے۔ اسے مخلوق کی صفت کرنے اور نام رکھنے کی کوئی پروا نہیں۔ بنیادوں کا اپنے خالق کی صفت کرنا۔ مثل عالم قادر اور متکلم وغیرہ سے حکایت کرنا ہے۔ ان صفات کے جو اس کی ذات کے قائم ہیں یعنی اُس سے دور نہیں ہوتیں اور نہ دوسرے کے نمایاں ہیں۔ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ جب ہم خدا کی صفت مثلاً علم کے ساتھ کرتے ہیں تو علم اُس سے الگ نہ ہونا چاہئے۔ مخلوق علم کے ساتھ اُس کا وصف کرے یا نہیں۔ اور ان کا جواب جو کہتے ہیں کہ اس کی صفت وصف کر نبیوالوں کے ساتھ قائم ہے یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اُس کی صفت قدیم ہے۔ محدث ہونا روایتیں۔ پھر عید کے ساتھ جو قائم ہوتا ہے۔ تو وہ محدث ہوتا ہے۔ پس تمہارے قول سے صفت کا محدث ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں تو ثابت ہوا کہ اُس کی صفت اُسی کے ذات کے ساتھ قائم ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ اہل شرک خداے عزوجل کو ایسی صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ پس اگر ہم بقول تمہارے اُس کو واصف کے وصف کرنے سے موصوف سمجھیں۔ تو ان نامزادہ خستوں سے جو مشرکین کرتے ہیں۔ اُس کا موصوف ہونا بجا سمجھا جائے۔ حالانکہ خدا کی

ذات اس سے نہایت اعلیٰ و ارفع ہے ۔

الغرض جب یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ موصوف بصفات خویش اور
مسئی بنام خویش ہے نہ موصوف بوصف واصف و موصوم بتسمیہ خالق ۔ تو
اس سے یہ بھی سمجھا گیا کہ اُس کی صفات و اسماء کے معلوم کرنے کا طریقہ
سوا اُس کی کتاب کے کوئی نہیں ہے ۔ اُس نے اپنی اس مقدس کتاب میں اپنی
ذات و صفات کے لئے جو اسماء و صفات مقرر و مبین کئے ہیں انہیں
اسما و صفات سے اس کو یاد کرنا واجب ہے ۔ نہ غیر اُس کے سے یا ان
اسما و صفات سے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی
بطور دست ہم تک پہنچے ہیں ۔ اور اس صورت میں خدا اس شخص کا جو اس کو
قبول ذکر سے منقطع ہو گیا ۔ اس لئے کہ خلق کا اس میں تصرف کرنا غیر
مقبول ہے ۔

اور کوئی شخص اپنی عقل و دانش کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ناموں اور
صفات میں تصرف یا تغیر و تبدل نہیں کر سکتا ۔

نقشہ لغت نامہ باری تعالیٰ منقول از اجہاد مؤلف

مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی

| ترجمہ اردو | اسماء عربی | کیفیت |
|------------|------------|---|
| ۱ | اللہ | خدا ۔ معبود |
| ۲ | الرحمن | اگرچہ لفظ اللہ میں صنفی معنی موجود ہیں اور اس اعتبار سے اس کو بھی اسمائے صفاتی میں ہونا چاہئے ۔ مگر سب اجمال کر کے اس کو اسم ذات قرار دیا ہے ۔ |
| ۳ | الرحیم | دونوں مبالغہ کے وزن ہیں ۔ مگر رحمن بالغ ہے کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کی رحمت شامل اندر خدا کی مقدس ذات کے ساتھ مخصوص ہے ۔ |

| ترجمہ اردو | اسماء عربی | ترتیب |
|--|------------|-------|
| بادشاہ | الملك | ۴ |
| یہ اصل میں مصدق ہے۔ یعنی سلامت کی بات | | |
| عام تقصبات سے محفوظ | القدس | ۵ |
| اپنے والدے میں سچا۔ یا اپنے خدایا سے امن دینے والا | الامین | ۶ |
| مکمل میں غلبہ کی بات کہتے ہیں جس کی بنا پر میں یا سانی پہنچنا ممکن نہ ہو | القادر | ۷ |
| یہ اصل میں مصدق ہے۔ یعنی سلامت کی بات | | |
| عام تقصبات سے محفوظ | القدس | ۵ |
| اپنے والدے میں سچا۔ یا اپنے خدایا سے امن دینے والا | الامین | ۶ |
| مکمل میں غلبہ کی بات کہتے ہیں جس کی بنا پر میں یا سانی پہنچنا ممکن نہ ہو | القادر | ۷ |

| | | |
|---|---|--|
| <p>سورہ التین</p> | <p>تین</p> | <p>تین</p> |
| <p>۱۰</p> <p>التین</p> | <p>۱۰</p> <p>بزرگ والد</p> | <p>تین مبالغہ کا صیغہ ہے تین مشتق اور تین کے اسی معنی ہیں اور تین کو جوڑنا اور کسی کے حال کی اصلاح کرنا اور کسی کو زور غلبہ سے کسی پر آمادہ کرنا۔ پہلی صورت میں یہ اسم جمالی ہوگا اور دوسری صورت میں جمالی ہے۔</p> |
| <p>۱۱</p> <p>التکبر</p> | <p>۱۱</p> <p>عظمت و بزرگی والد</p> | <p>تکبر اور تکبر کہتے ہیں۔ گردن کشی کرنے اور بزرگی ظاہر کرنے کو۔ اور ایک لفظ ہے کبر یا جس کے معنی ہیں بزرگی یہاں تکبر سے مراد ہے کمال بزرگی والد ہے۔</p> |
| <p>۱۲</p> <p>الخالق</p> <p>۱۳</p> <p>البارئ</p> <p>۱۴</p> <p>المصور</p> | <p>۱۲</p> <p>ہر چیز کا پیدا کرنے والا</p> <p>۱۳</p> <p>ہر چیز کا مجدد</p> <p>۱۴</p> <p>مخلوقات کی طرح کی طرح کی صورتیں بنانے والا</p> | <p>خالق اور باری اور مصور تینوں مترادف المعنی ہیں یعنی تینوں کے معنی ہیں پیدا کرنا۔ اختراع کرنا مگر باعتبار استعمال ہر ایک کے ساتھ ایک خصوصیت جدا گانہ ہے مثلاً خالق مستعمل ہوتا ہے کسی چیز کو وجود میں لانے سے پیشتر اس کے اندازہ کرنے میں اور باری ایجاد کرنے میں اور تصویر صورت بنانے اور ہیئت بنانے میں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے وہ محتاج ہوتی ہے اولاً اندازہ کرنے کی ثانیاً پیدا کرنے کی۔ ثالثاً صورت بنانے کی ہے۔</p> |
| <p>۱۵</p> <p>الغفار</p> | <p>۱۵</p> <p>بڑا بخشنے والا</p> | <p>مبالغہ ہے غافر کا اور ایک سے غفور یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن اس میں غفار کی بسبب مبالغہ زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے دونوں کو امک ثانی کر کیا گیا۔ غفار کیا گیا ہے غفران اور مغفرت سے جس کے معنی ہیں بخشنا۔ مگر کبھی غفر بمعنی ستر بھی آتا ہے اس وقت</p> |

| ترجمہ اردو | اسماء و اسماء | کی کیفیت |
|--|---------------|---|
| | | اس کے معنی ہونگے گناہوں کا چھپانے والا ۔ |
| زیر دست یا غلبہ رکھنے والا | ۱۶ | |
| بخشش عطا کرنے والا | ۱۷ | وہ سب آدمیاں کہتے ہیں بخشنے اور عطا کرنے کو موریت بخشش ۔ وہاں مبالغہ ہے یعنی کثیر العطا دائم العطاء ۔ |
| مخلوقات کو روزی پہنچانے والا | ۱۸ | یہ بھی رازق کا مبالغہ ہے ۔ یعنی خدا تعالیٰ تمام مخلوق کو متناسب حال اور موافق حکمت رزق پہنچاتا ہے ۔ رزق کی دو قسمیں ہیں مخصوص اور معمول مخصوص ابدان کے لئے اور معمول ارواح کے واسطے ۔ |
| مشکل کشا یا بند نہیں حکم کرنیوالا | ۱۹ | فتح کے معنی کھولنے اور حکم کرنے کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحمت کے دروازے کھولتا ہے اور وہ خلافت میں حاکم علی الاطلاق ہے ۔ |
| جاننے والا | ۲۰ | مبالغہ ہے عالم کا یعنی خدا تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ بیکہ خطرات دل تک جانتا ہے ۔ |
| بندوں کی روزی محدود یعنی پنی تلی کرنیوالا | ۲۱ | قبض و بسط دونوں باہم ضد یکٹ بگڑ ہیں قبض کہتے ہیں تنگی و گرفتگی کو ۔ اور بسط فراخی و کشائش کو یعنی خدا جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے ۔ |
| بندوں کی روزی فراخ کرنے والا | ۲۲ | قبض و بسط کے یہ معنی بھی ہیں کہ سوتے میں لوگوں کی روہیں قبض کرتا ہے ۔ اور بیداری کے وقت بسط کرتا ہے ۔ |

| ترجمہ اردو | اسامی عربی | ترتیب |
|---|------------|-------|
| کیفیت | | |
| خفص مند ہے رفع کی۔ کیونکہ خفص کہتے ہیں پست کرنے کو اور رفع بلند کرنے کو خدا کے خافض و ارفع ہونے کے معنی ہیں کہ وہ اپنے فرمانبرداروں کو قرب کی دولت عطا فرما کر انہیں بلند کرتا اور فرمانبرداروں کو بارگاہ عالی سے دور کر کے پستی میں اتارتا ہے۔ | الْخَافِضُ | ۲۳ |
| اعزاز کہتے ہیں عزت کرنے کو اور اذلال خوار و ذلیل کرنے کو۔ خدا جس کو چاہتا ہے عزیز کرتا دنیا میں توفیق طاعت دیکر اور عقیقی میں علوم مرتبت اور نعیم جنت عطا فرما کر اور جسے چاہتا ذلیل کرتا دنیا میں توفیق طاعت سلب کر کے اور آخرت میں اسفل السافلین میں اخل کر کے۔ امام غزالی کا قول ہے کہ ان لفظوں کے معنی یہ ہیں کہ خدا جسے چاہتا نکالتا اور جس سے چاہتا چھین لیتا ہے۔ | الْارْفَعُ | ۲۴ |
| سنتی بہت والا | الْكَافِ | ۲۵ |
| دیکھنے والا | الْكَافِرُ | ۲۶ |
| مختلہ کا حکم | الْكَافِرُ | ۲۷ |
| منصف | الْكَافِرُ | ۲۸ |
| یعنی فیصلہ | الْكَافِرُ | ۲۹ |
| میں ظلم نہ | الْكَافِرُ | ۳۰ |
| کر نیوالا | الْكَافِرُ | ۳۱ |

| ترجمہ اردو | اسماء ربی | |
|--|-------------------------------|--|
| تکلیف نہ ہونے | ترجمہ اردو | |
| <p>لطف کہتے ہیں کسی کام میں نرمی کرنا اور نیکی کرنے کے معنی میں نہیں آتا ہے لطف کے معنی میں کے ہیں +</p> | <p>باریکبیں</p> | |
| <p>مشتق ہے نجسہ اور نجس کے معنی ہیں آگاہی کے خیر آگاہ اور دانا یعنی ملک ملکوت میں کوئی چیز متحرک ساکن نہیں ہوتی۔ اندر زمین آسمان میں کوئی ذرہ مضطرب و مطمئن نہیں ہوتا۔ اور کوئی مکان میں کوئی سانس نہیں لیتا مگر خدا تعالیٰ شانہ اس سے خبردار ہوتا ہے +</p> | <p>آگاہ۔ دانا۔ عالم۔ عارف</p> | |
| <p>علم اور آہستگی اور بردباری حلیم اسے کہتے ہیں جو مغلوب الغضب ہو اور انتقام لینے میں جلدی نہ کرے بلکہ باوجود اقتدار کے عفو و درگزر سے کام لے۔ خدا کو حلیم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ گناہ نگار بندوں کی تادیب و تنزیہ میں جلدی نہیں کرتا +</p> | <p>بردار</p> | |
| <p>یہ عفار کے معنی میں ہے اور دونوں مبالغے کے جیسے ہیں۔ مگر غفور میں زیادہ مبالغہ ہے یعنی جو بڑے بڑے گناہ بخشے اور اس کی بخشش اتم و کمال ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ بندوں کے گناہ اعمال ناموں سے محو کر دے۔ یعنی حساب نہ لے۔ مواخذہ نہ کرے یا دنیا میں پردہ فاش نہ کرے۔ کیونکہ غفور کے معنی مٹانے اور چھپانے کے بھی آیا کرتے ہیں +</p> | <p>بزرگ بڑا</p> | |
| | | |

| ترجمہ اردو | عربی | کیفیت |
|------------|--------|--|
| ۳۶ | الشکو | بڑا قدر شناس |
| ۳۷ | الکبیر | مشتق ہے علو سے اور علو کہتے ہیں بلندی کو اور کبھی بلندی پر چڑھنے اور کسی چیز کے اوپر ہونے کو بھی علو کہتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں حسی اور عقلی حسی جیسے ایک جسم کا دوسرے جسم پر ہونا اور عقلی جیسے ایک چیز کا دوسری چیز کے فوق المرتبہ ہونا۔ خدا تعالیٰ چونکہ سب کے اوپر ہے مگر مرتبہ سب کے بالا تر اس لئے اس کو علی کہتے ہیں۔ |
| ۳۸ | الکبیر | بڑا بزرگ |
| ۳۹ | الحفیظ | نگہبان |
| ۴۰ | القوی | مخلوق کو قوت یعنی روزی پہنچانے والا |
| ۴۱ | القادر | مخلوق کو قوت سے اور قوت کہتے ہیں۔ اس خورش کو جو بدن انسان کے قیام کا باعث ہوتا اقامت کے معنی قوت دینا اور کبھی مقیت توان اور گواہ اور حاضر اور نگاہ رکھنے والے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ |
| ۴۲ | القادر | کافی |

معنی میں محسب اور احساب کہتے ہیں کسی چیز کے ذریعہ کو بولا کرتے ہیں۔ جسبشی ششی یعنی مجھے یہ چیز کافی ہوتی۔ اور بعض علما کہتے ہیں کہ معنی میں ہے محاسب جیسے علمبر معنی میں محاسب اور ندیم منادم کے یعنی خدا تعالیٰ تیرے کے روز ساری مخلوق کا حساب ایگاہ۔

| ترجمہ اردو | اسماء عربی | ترتیب |
|--|--|-------|
| کفایت | | |
| جلال اور جلالت کہتے ہیں بزرگ تندرستی اور نیز بزرگی کو پھر صلاطین اللوح قوم میں صفات تہریر کے ظہور آثار کو جلال کہتے ہیں اور صفات لطیفہ کے ظہور آثار کو جمال اور بوسے میں آتا ہے کہ فلاں سہار جلالی ہیں اور فلاں جمالی ۔ | الْجَلَالُ | ۴۲ |
| اس کے معنی ہیں بزرگ اور عزیز کہتے ہیں۔ کہیم ہے کہ قادر ہو تو معاف کرے وعدہ کرے تو وفا کرے اور دے تو امید سے زیادہ دے اور کوئی اس کی نظر التجا لیجائے تو اسے ضائع نہ ہونے دے کبھی کمم اور جواد کے معنی میں آتا ہے ۔ | الْكَافِرُ | ۴۳ |
| رقیب۔ نگہبان اور مؤکل اور نگران۔ کذافی الصراح ۔ | الرَّقِيبُ | ۴۴ |
| اجابت کہتے ہیں جواب دینے اور دعا قبول کرنے کو یعنی جو شخص خدا کو بلاتا ہے ۔ وہ اسے جواب دیتا اور دعا کو قبول کرتا ہے ۔ سوال کو رد نہیں کرتا ۔ | دَعَا قَبُولُ كَرْبُ الْوَالَا | ۴۵ |
| ماخوذ ہے سنت سے اور سنت کہتے ہیں فراخی اور فراخ کرنے اور گھیر لینے کو۔ پھر اس کی اصناف کبھی تو علم کی طرف ہوتی ہے اور کہتے ہیں خدا کا علم وسیع و محیط ہے معلومات کو اور کبھی احسان کی طرف بولا کرتے ہیں۔ اس کا احسان وسیع ہے ۔ | وَسِعَ الْمَعْلُومَاتُ يَا وَسِعَ الْغَنَاءُ | ۴۶ |
| مشتق ہے حکمت اور حکمت عبارت ہے کمال علم اور حسن عمل اور ايقان اور حکام علم و عمل سے بعضے کہتے ہیں حکیم مبالغہ ہی حاکم کا اور حکیم وہ ہے۔ جو خفائے اشیا کا عالم ہو اور ضائع کے دقائق کو خوب جانتا ہو ۔ | حَقَائِقُ شَيْءٍ كَ عَالِمٍ | ۴۷ |

| ترجمہ اردو | اسماء عربی | ترجمہ اردو | اسماء عربی |
|---|------------|-------------------------------|------------|
| کیفیت | | | |
| نیک | ۴۸ | بندوں کو دوست رکھنے والا | ۴۸ |
| مجاہد کا نعت ہے۔ مزان پر قول کے دود (بشر داؤ) اور دود (بکسر داؤ) اور موت تینوں کے معنی ہیں دوست رکھنے کے۔ یعنی خدا تعالیٰ نیک بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ | | | |
| مجاہد کا مبالغہ ہے اور مجاہد مجہد سے لیا گیا ہے۔ مجہد بزرگی مجید بزرگ کذا فی القراح۔ یعنی کتب مجید وہ ہے جس کی ذات شریف افعال میں عطا جزیل ہو۔ اور جب یہ ہے تو مجید جامع ہے بہم جلیل اور دآب اور کریم کو۔ | ۴۹ | مردوں کو مے پیچھے اٹھانے والا | ۵۰ |
| بدت کہتے ہیں مردوں کو قبروں اٹھا کر کھڑا کرنے کو اور کبھی سوتے کو جگانے اور کسی کو کسی کام کے لئے بھیجنے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ | | | |
| شہد سے مشتق ہے یا شہادت کے ارشاد سے ہو اس کے معنی ہیں حاضر و مطلع کے کیونکہ شہد کے لغوی معنی ہیں حاضر ہونے کے اور شہادت ہے تو معنی ہیں گواہی دینے والے کیونکہ شہادت کہتے ہیں گواہی دینے کو خدا کو شہید پہلے معنی پر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر و باطن اور غیب و شہاد پر مطلع ہے اور دوسرے معنی کو اس لئے کہ تباہی کے روز بندوں کے اعمال و احوال کی گواہی دے گا۔ | ۵۱ | | |
| حق کے معنی ہیں ثابت اور ہست کے اس کی منکر باطل بمعنی نیست و ناجیز کبھی صدق اور راستی اور درستی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ | ۵۲ | | |

| ترجمہ اردو | اسماء عربی | ترجمہ اردو | کیفیت پرست |
|-----------------------------------|------------|--|--|
| کمال | الْقَوِيُّ | توانا | وکیل ہے جس کو اپنا کام سپرد کریں۔ اور تمام تصرف کی باگ اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے بندوں کے تمام متمم با نشان کام رزق وغیرہ اپنے ذمے لئے ہیں اس لئے اسے وکیل کہتے ہیں۔ |
| توانا | الْقَوِيُّ | تمام قدرت | قوی توانا متین استوار۔ نام غزالی کہتے ہیں کہ قوت ولالت کرتی ہے قدرت کاملہ بالغہ پر اور متانت شدت قوت پر۔ خدائے تعالیٰ قوی ہے اس لئے کہ قدرت کاملہ بالغہ رکھتا ہے۔ متین ہے اس لئے کہ شدید القوت ہے۔ |
| استوار | الْمَتِين | دلی | دلی کہتے ہیں محب ناصر کو اور خدائے تعالیٰ پس سزگ ایمان داروں کا محب ہے اور انہیں مدد و نصرت دیتا ہے۔ دلی متولی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نیکوکاروں کے امور کا متولی ہے۔ اور قریب کے معنی میں بھی یعنی اس کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔ |
| مستحق حمد | الْحَمِيدُ | سزاوار حمد و ثناء | |
| ہر چیز کو احاطہ علم میں لانے والا | الْعَلِيمُ | احصار شمار کرنا اور بطریق استقصا کسی چیز کو جاننا خدا محضی مطلق ہے کہ اشیاء کے خفائے و دقائق کو جانتا ہے۔ اور ذات عالم کو اس کا علم محیط ہے۔ | |
| ابتدا پیدا کر نیوالا | الْمُبْدِي | ابتدا پیدا کرنے والا | المبدی مانو دے ابد سے اور ابد کہتے ہیں ابتدا کرنے کو اور دنیا پیدا کرنے کو۔ المبدی کیا ہے عادت سے جس کے معنی میں لوٹانے اور عدم کے بعد ایجاد کرنے کے خدا مبدی ہے اس معنی سے کہ وہ پہلے پیدا کرتا ہے۔ اور معید ہے اس طور پر کہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرے گا |
| دوبارہ پیدا کرنے والا | الْمُعِيدُ | دوبارہ پیدا کرنے والا | |

| ترجمہ تفسیر | اسماء عربی | ترجمہ اردو | کلمہ تفسیر |
|-------------|-------------|-------------------------------------|---|
| ۱۱ | الْحَيُّ | مخلوق کو زندہ رکھنے والا | المحی۔ احیاء کا اسم فاعل ہے اور احیا کہتے ہیں جسم میں حیات پیدا کرنے کو اور الممیت لیا گیا ہے اماتہ سے جس کے معنی ہیں حیات کا دُور کرنا۔ |
| ۱۲ | الْحَيُّ | زندہ | |
| ۱۳ | الْقَيُّومُ | کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا | قائم بذات خود اور زندہ و قائم رکھنے والا اپنے غیر کو یا یوں کہو کہ قیوم مبالغہ ہے قیوم کا۔ اور قیوم کہتے ہیں مصلح امور کو۔ |
| ۱۴ | الْوَاقِعُ | واقعہ | مشتق ہے وجود سے اور وجود کہتے ہیں ہستی اور تقصیر کا مریاب ہونے کو یا مشتق ہے جارا جرت جن کے معنی ہیں تو نگر ہونے کے۔ |
| ۱۵ | الْمُجِی | بزرگی والا | معنی میں ہے مجید کے جہاں عالم معنی پر علیہم کے مگر مجید میں مبالغہ اور تاکید ہے۔ یہ لیا گیا مجید سے اور مجید کہتے ہیں بزرگی کو۔ |
| ۱۶ | الْوَاوِی | نہا۔ نکلا | وعدہ لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ایسا اور یگانہ ہونا عرف میں احد کا استعمال معنی میں ہے۔ ایک ایک متجزی اور متضمن نہ ہو یعنی اُس کے اجزاء جن میں ہوں جیسے تو ہر دوسرے کے بے مثل ہے مانند ہو یا احاد اور احد میں ہی فرق ہے جو ہماری بان میں کیلا اور ایک میں۔ |
| ۱۷ | الْمُجِی | باز | نہر کے پہلی سخی ہیں قصہ کے چونکہ آدمی اپنے تمام مطالب میں بارگاہ خداوندی کا قصد کرتے ہیں اس لئے اسے حمد کہتے ہیں۔ غرض صمد مراد صاف ہے مرجع و مآب کا۔ |

| ترجمہ اردو | اسماء عربی | ترتیب | کیفیت |
|--|----------------|-------|--|
| قدرت والا | الْقَادِرُ | ۱۹ | قدر اور قدرت اور اقتدار اور مقتدرت سب کے معنی ہیں توانائی کے تو قادر و مقتدر کے معنی ہوئے صاحب قدرت مگر مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے ۔ |
| صاحب قدرت | الْمُقْتَدِرُ | ۲۰ | |
| اپنے دوستوں کو بارگاہ عزت کی طرف بڑھانے والا | الْمُتَّقِدِرُ | ۲۱ | مقدم دال کے کسر کے ساتھ تقدیم سے مشتق ہے اور تقدیم کہتے ہیں آگے کرنے کو۔ اس طرح مؤخر نے کے کسر سے تاخیر سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے ہٹانا یعنی خدا تعالیٰ فرمانبرداروں کو بارگاہ قرب میں آگے بڑھاتا۔ اور منافرانوں کو درگاہ عزت سے دور کرتا اور پیچھے ہٹاتا ہے۔ یا دنیا کے کاموں میں لو تو حصول مطلب میں تقدیم و تاخیر اللہ کے کرنے سے ہوتی ہے ۔ |
| دشمنوں کو اپنے لطف سے پیچھے ہٹانے والا | الْمُتَّقِدِرُ | ۲۲ | |
| سب سے پہلا | الْأَوَّلُ | ۲۳ | اول ہے یعنی ازلی ہے کہ اُس کے وجود کی ابتداء اور ہستی کا آغاز نہیں اور آخر کے یعنی دائمی ہستی ہے کہ اُس کے بقا کے لئے نہایت اور دوام کے لئے انتقار نہیں ۔ |
| سب سے پچھلا | الْآخِرُ | ۲۴ | |
| آشکارا ہے بلحاظ قدرت | الْظَّاهِرُ | ۲۵ | خدا ظاہر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجود اُس کی ہستی اُن آیات و دلائل سے ظاہر ہے۔ جو آسمان و زمین میں ہر صاحب بصیر کو دکھائی دیتے ہیں۔ اور خدا کے باطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی گنہ ذات حجاب جلال میں محتجب ہے ۔ |
| پوشیدہ ہے باعتبار ذات | الْبَاطِنُ | ۲۶ | |
| تمام امور کا متولی | الْوَالِي | ۲۷ | ہدایت بکسر واو سے مشتق ہے جس کے معنی تصرف کرنے اور قابو پانے کے ہیں۔ اور ایک سے زیادہ |

| ترجمہ اردو | اسماء عربی | تہجہ | کیفیت |
|---|------------|------|-------|
| حکم اور حکمرانی کرنے کے ہیں۔ یعنی کہ ولایت بفتح واو مصدر ہے۔ اور یکسر واو اسم۔ والی وہ ہے جو سب ملک اور تمام کاموں کا متولی ہے۔ | الْمَلِكُ | ۹۸ | کیفیت |
| مخلوقات کی تمام حکمرانوں اور فرمانرواؤں سے بلند قدر و بیا صفات مندرجہ تمام نقائص و آفات سے عالیشان۔ | الْمَلِكُ | ۹۹ | کیفیت |
| بر بفتح با اسم فاعل یعنی نیکی کرنے والا۔ | الْمَلِكُ | ۱۰۰ | کیفیت |
| تو اب مبالغہ سے تائب اور تائب مان خود ہے تو بے توبہ کے پہلی معنی ہیں رجوع کرنے کے پھر حباس کی نسبت بفتح کی طرف ہوتی ہے تو گناہ سے رجوع کرنا مراد ہوتا ہے۔ اور خدا کی طرف ہوتی ہے۔ تو رحمت کے ساتھ رجوع کرنا یعنی بندہ کرے تو اپنی عادت کے مطابق پھر مہربانی کرنے لگتا ہے۔ | الْمَلِكُ | ۱۰۱ | کیفیت |
| انتقام کہتے ہیں بدلہ لینے کو یعنی خدا تعالیٰ کا فرد سے اپنی نافرمانی کا بدلہ لینے والا۔ اور ان کے تردد سرکشی کی سزا دینے والا۔ | الْمَلِكُ | ۱۰۲ | کیفیت |
| گناہوں کی مٹانے والا | الْمَلِكُ | ۱۰۳ | کیفیت |
| رحمت کہتے ہیں شدت رحمت کو اور یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جیسے فروغ اور شکوہ۔ | الْمَلِكُ | ۱۰۴ | کیفیت |

| ترجمہ اردو | اسماء عربی | ترجمہ اردو | کیا ہے |
|------------|------------|------------|------------|
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۸۵ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۸۶ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۸۷ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۸۸ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۸۹ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۰ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۱ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۲ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۳ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۴ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۵ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۶ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۷ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۸ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۹۹ | مملکت مالک |
| مملکت مالک | مَمْلُوكٌ | ۱۰۰ | مملکت مالک |

| ترجمہ عربی | ترجمہ فارسی | کلمہ فقہی |
|------------|-------------------------------------|---|
| ۹۱ الضار | ضرر و شرک | یعنی نداشتِ حق خیر و شر اور نفع و ضرر ہے۔ اور درد آور و دوا رنج و شفا گرمی و سردی خشکی و سب پیدا کی ہوئی اُسی کی ہیں۔ |
| ۹۲ النافع | نفع و خیر کا پیدا کرنے والا | یعنی نداشتِ حق خیر و شر اور نفع و ضرر ہے۔ اور درد آور و دوا رنج و شفا گرمی و سردی خشکی و سب پیدا کی ہوئی اُسی کی ہیں۔ |
| ۹۳ اللطیف | لطیف و کریم | غزلت میں نہیں لیر سکتے ہیں و شفیق کو خدا پروردگار کا طلاق اس سے کیا گیا کہ زمین آسمان میں اسی کا چاند اور اسی کا ظہور ہے۔ |
| ۹۴ البديع | موجد | بریع بے مثل اور بے مانند کبھی معنی میں مبدع یعنی موجد کے آتا ہے۔ جو بے نمونہ دیکھے از خود اختراع کرے تو اس معنی کر بھی خدا بدیع ہے کہ اُس نے جہاں بنائے ہیں کسی کی تقلید نہیں کی۔ |
| ۹۵ الباقي | باقی رہنے والا | دائم الوجود جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔ |
| ۹۶ الابرار | نمائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا | اس سے مراد ہے تمنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا گویا تمام مرنے والوں کی میراث اس کو تو پہنچتی ہے۔ |
| ۹۷ التائب | معاذ اللہ | تائب اللہ ہے غنی کی اور غنی کے معنی ہیں گمراہی تو رشید کے معنی ہیں معاذ اللہ اللہ اور خدا کو رشید اس معنی میں کہا گیا ہے کہ طاق سلام اس کو پسند اور وہی ہر اُطاعتِ حق ہے یا اس تائب سے کہ جو صفات کا یہ خواہیں ہونی چاہئیں وہ اس میں ہیں۔ |
| ۹۸ الصبور | صبر و تحمل | صبر و تحمل کے معنی تحمل اور برداشت کرنے کے ہیں۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ بندوں کی گستاخیوں اور منافذیوں کی برداشت کرتا اور انتقام۔ |

اور مومنو اعتقاد میں جلدی نہیں کرنا۔ اس لئے اس کا نام عبود رکھا گیا۔

تو ہمیں اس بات میں قرآن حدیث سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ اور جن الفاظ میں اُس کے اسماء و صفات مذکور ہیں ان کے سوا دوسرے الفاظ استعمال نہ کرنا چاہئے۔ عاملے امت کا اسی پر اتفاق ہے۔ اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ ضال و مضل ہے۔ اور ایسے الفاظ بھی استعمال میں لانا درست نہیں۔ جو معنایا خدا تعالیٰ کے اسماء و صفات سے ملتے ہوئے ہیں۔ جیسے معرفت بجائے علم کے اور ایسا ہی عشق بجائے محبت کے اور سخا بجائے جود کے نہ بولنا چاہئے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے صفات میں یہ اسماء نہ کتاب الہی اور حدیث میں سُنئے گئے اور نہ علمائے کرام نے اس پر اجماع کیا۔ پھر اگر کوئی شخص اس امر میں لیری کرے تو اس کا فرد ز حال یہ ہو گا کہ وہ بدعتی اور گمراہ کہلائے گا۔

اہل سنت و جماعت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں اور نہ غیر یعنی نہ وہ ہے اور نہ اس کے سوا اس لئے کہ صفت موصوف نہیں ہوتی۔ اور نہ موصوف صفت ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ میں خدا تعالیٰ کی صفت کی پرستش کرتا ہوں تو اس کا یہ قول باطل ہے اسی طرح یہ کہنا کہ میرا معبود جی ہے اور حیات اس کی صفت ہے اور میرا معبود عالم ہے اور علم اس کی صفت ہے۔ اور میرا معبود قادر ہے اور قدرت اس کی صفت اور اگر دعا میں کہے یا حیات یا علم تو یہ تمام صفتیں طہل ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اس کی صفات اُس کی عین نہیں۔ لیکن غیر بھی نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خدا پر اور اس کی صفات پر غیریت روا نہیں ہے۔ کیونکہ غیریت کے یہ معنی ہیں کہ ایک کے فنا ہونے کی صورت میں دوسرے کی بقا جائز ہو یا ایک کا عدم دوسرے کے وجود

اللہ تعالیٰ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں نہ غیر۔

لے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اسماء قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات نہ عین ہیں نہ غیر ہیں جس طرح ایک س سے۔ اگر یہ صفات عین باری تعالیٰ کہی جائیں تو اس سے تعدد لازم آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ جس کا شریک نہیں۔ اور اگر یہ صفات غیر باری تعالیٰ کہی جائیں۔ تو یہ صفات حادث ہو جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ محل حوادث قرار پائے گا۔ علامہ (حاشیہ مہر انور) ۴۰

کی حالت میں جائز ہو۔ اور یہ بات خدا تعالیٰ پر درست نہیں۔ کیونکہ وہاں صفتیں
اور موصوف و جدا جدا چیزیں نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی صفت خدا تعالیٰ کی صفات سے اس کی
دوسری صفت کے غیر نہیں۔ جیسا بیان ہوا۔ اور نیز دو صفتیں یکساں نہیں
اس لئے کہ قدرت مقدور کا تقاضا کرتی ہے۔ نہ معلوم کا۔ اسی طرح مسلم
معلوم کا تقاضا کرتا ہے۔ نہ مقدور کا۔ پس معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت
اس کی کسی دوسری صفت کے غیر بھی نہیں۔ اور عین بھی نہیں۔ اور یہ بھی نہ
کہنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی صفات باہم متغائر یا متماثل یا متجانس یا منتزعا
ہیں۔ کیونکہ یہ تو محدثات کی علامت ہے۔ اور خدا تعالیٰ محدث نہیں۔ کہ
احوال محدثات اس پر روا ہو۔ تو احوال محدثات کا اطلاق اس کی ذات
وصفات پر درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی یقین رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ
ازل میں خالق اور وہ اس صفت سے موصوف تھا۔ حالانکہ مخلوق موجود نہ
تھی۔ اسی طرح رازق اور رب تھا۔ اس وقت بھی حسب مزوق و مرپو کا پتہ
تھا۔ مخلوق کو کسی فعل کے بعد قائل کہتے ہیں۔ اور جب اس سے کوئی فعل صادر نہیں ہوتا تو قبل
صدور اس کو قائل نہیں کہتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ اس میں صدور و زل
کی قید نہیں۔ اس کی یہ صفات ازلی ہیں۔ اور اس کی صفات ذات و صفات تعالیٰ میں کوئی
فرق نہیں ہے۔ اس نے جس طرح اپنی صفات ذات کی مدح کی ہے۔ اور فرمایا ہے، اَللّٰهُ لَا
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اور سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ الشَّامِخُ الْبَصِيرُ اسی طرح
صفات فہمال کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِ
الْمُصَوِّرُ لَهُ اَسْمَاءُ الْحُسْنٰی اس سے ثابت ہوا کہ وہ اپنی صفات
میں صدور و فعل کا محتاج نہیں۔ اگر وہ مخلوق کے پیدا کرنے سے ان صفات
کا مستوجب ہوتا۔ تو محتاج مخلوق ہوتا۔ اور محتاج علامت حدوث کی ہے
نہ قدیم کی۔ اور اگر یہ جائز رکھیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے کے پہلے
اس کا مستوجب نہ تھا۔ تو اس سے محض نقص خدا تعالیٰ کا ثابت ہوتا ہے
تَعَالَى اللَّهُ عَنِ ذَالِكَ ۝

صفات الہی باہم متغائر و متماثل یا متجانس

اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے خالق نہ تھا۔ پھر خالق ہوا۔ تو یہ مرتبہ
صفات پر دال ہے۔ اور نیز صفت میں تغیر و زوال کا موجب۔ حالانکہ یہ بات
خدا پر اور اس کی صفات پر روا نہیں۔ حقیقت ہمیشہ اُس کی صفت میں خل
ہے۔ اگرچہ مخلوق نہ تھی اور نہ ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب تک پیدا
کرنے کی صفت موجود نہ ہوگی۔ تو پیدا کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔ یہ تو عقائد
کی صفت ہے کہ فعل کے پہلے ان کو فاعل نہیں کہتے۔ اس واسطے کہ اُن میں تمام
صفت پیدا کی جاتی ہے۔ فعل کے پہلے وہ اس فعل کی قدرت ہی نہیں کہتے
اللہ کی تمام صفات قدیم ہیں۔ اگر خلق نہ بھی ہوتی۔ تو قدرت آفرین اُس کا
ظہور نہ ہوتی پس اس وجہ سے خالق اس کا نام قدیم ہے۔ اور وہ ہمیشہ خالق و
توانا ہے۔ خالق ہو یا نہیں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ ازل میں روزی دینے لگنا ہوں کے بخشنے وغیرہ
پر توانا تھا یعنی ازل میں خالق و رازق و مغفور تھا۔ حالانکہ مخلوق و مرزوق و
مغفور کا وجود نہ تھا۔ ان کا وجود اس کی صفات کے وجود کے لئے شرط
نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات میں ترتیب روا نہیں ہے
یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اس کی کوئی صفت کسی دوسری صفت سے سابق
ہے۔ کیونکہ یہ صفت خلق کی ہے کہ وہ پہلے زندہ ہوتی ہے۔ پھر عالم۔ اور
خدا تعالیٰ تو ہمیشہ جی اور ہمیشہ عالم ہے۔ اور یہی حال اُس کی تمامی صفات
کے ہیں۔ نہ اس کا علم قدرت سے پہلے تھا۔ اور نہ قدرت قبل علم کے۔
اور اسی طرح خدا کے اسماء کے باب میں معتقد رہنا چاہئے۔ جس طرح صفات
میں بیان ہوا۔ مگر ایک مسئلہ میں علمائے اہل سنت نے اختلاف کیا
ہے۔ اور وہ مسئلہ اسمِ ذاتی کا ہے۔ کہ چند وجہ سے علماء نے اس میں
اختلاف کیا ہے کہ اُس کے نام کی حقیقت ذات ہے۔ یا اُس کے غیر
جو لوگ کہتے ہیں کہ اسم غیر سہمی ہے۔ اُن کا قول معتقد نہیں بلکہ
ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ جو چیز خدا کے غیر ہے۔ وہ محدث ہے۔ اور محدث
سے خدا تعالیٰ کی صفت روا نہیں۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ محل حوادث

سے منترہ ہے۔ قرن اول میں اس مسئلہ پر سخن کرنا بدعت شمار کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم خدا تعالیٰ کے ایسے اسماء و صفات کے مستفاد ہیں جو سمات و حدوث سے متبرک ہیں۔ تو اس باب میں کلام نہ کرنا ہی اولیٰ ہے اور باحتیاط نزدیک تر ہے۔ اور درحقیقت ان کا مسلک اسلم ہے۔ اور سادہ دل مسلمانوں کی فہم و ادراک کے موافق و لائق ہے۔ اس کے دوسرے وجوہات اس لئے بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ مسلمانوں میں فاش ہو گیا ہے۔ اگر اس کو صاف نہ کیا جائے تو عوام کے شبہ میں گرنے کا خوف ہے۔

قرن اول کے بعد اہل قبلہ کی ایک جماعت کا یہ قول ہوا کہ اسم نہ بین مسلمی ہے۔ اور نہ غیر مسلمی۔ جیسا کہ صفت و موصوف میں تقریر کی گئی اس باب میں ان کی دلیلیں بھی وہی ہیں جو بیان ہوئیں۔ ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حقیقت اسم و مسلمی کی ایک ہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا: **اعْبُدُوا اللَّهَ تَوَاحِدًا** تو اگر اسم غیر مسلمی ہوتا۔ تو اس کا معبود ہونا لازم آتا نہ مسلمی کا۔ ایک تیسری جماعت کا قول ہے کہ اسمائے ذات ہیے موجود قدیم میں اسم و مسلمی کو ایک ماننا چاہئے۔ لیکن اسمائے صفات میں معتقد رہنا چاہئے کہ نہ وہ مسلمی ہیں۔ اور نہ غیر مسلمی ہے۔

الغرض اہل حق کی ان تمام جماعتوں کے پاس لائل موجود ہیں۔ اختلاف پیدا ہونے کی حالت میں لوگوں کو انہی فہم شکل سے ہوتی ہے کہ وہ تمام اقاید میں تباہ کر کے امر حق کی طرف رجوع کریں۔ اس لئے ہم ایک صاف بات معتقد اکثر اہل حق کی بیان کرتے ہیں کہ کتاب سنت میں جہاں کہیں کسی اسم کا اطلاق خدا تعالیٰ پر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد مسلمی ہے۔ اور جب مراد مسلمی ہے۔ تو اسم و مسلمی ایک ہوا۔ اس پر بھی اگر کوئی شخص اس قول کو نہ سمجھے تو طریق تذکرہ نگاہ رکھئے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات کو قدیم جاننے۔ اس صورت میں اسم و مسلمی کے مسئلہ کو نہ جانتا اس کے لئے کوئی نقصان رہا نہ ہو گا۔ **الانشاء اللہ۔ وَاللّٰهُ الْمُنَادِي إِلَىٰ سَوَاءِ السَّابِيلِ ط**

اسم کو غیر مسلمی کہنے والوں کی تفسیر

حصہ چہارم

مراتب صفات اور مقام مشکلات و متشابہات کے بیان میں

خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی صفات کے متعلق قرآن اور حدیث درست میں جو کچھ مبین ہے۔ اُس پر ایمان لانا واجب ہے اور اپنی رائے و قیاس سے اس میں کام کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ بات اس سے معظّم تر ہے کہ اس میں انسان اپنے اجتہاد سے تصرف کرے یا گمان کو دخل دے۔ یا اس کو آسان کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ ذِی الْقَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنٌ وَالْأَعْدَاءُ وَالْبَغْیَ یَغْنِی الْخَیْ۔ وَأَنْ تُشْرِکُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنْزَلْ بِهِ سُلْطَانًا۔ وَأَنْ تَقُولُوا سَلٰحِی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ط

پھر اس باب میں دو فریق ہیں ایک فریق نے اسمائے الہی کی محبت میں جو قرآن حدیث سے معلوم ہوئے۔ پروردگار کے انہیں ظاہری معنی پر عمل کرنے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ تشبیہ و تمثیل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور دوسرے فریق نے ظاہری معنی کی نفی کرنے اور اسے حقیقت سے مجاز کی طرف پھرانے میں اتنا غلو کیا کہ تمثیل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور خدا کے اسماء و صفات کا منکر ہو گیا۔ اور اُس کے ظاہر کو بدوں کسی حجت کے تشبیہ کے ساتھ موسوم کرنے لگا۔ اور باہم دونوں فریق ایک دوسرے کی فطرت پر آمادہ ہو گئے۔ اس بات میں اہل لہنت و اجماعت کا مذہب یہ ہے کہ ہر دو

اسے پیغمبر کہہ دو کہ میرے پروردگار نے ظاہری اسمائے الہیوں کو اور گناہ اور ناحق سرکش کرنے کو حرام کر دیا ہے۔ اور اس کو یہی کہ تم خدا کے ساتھ اس چیز کو شریک کرو جس کی کوئی دلیل و سند نہیں اور یہ کہ تم خدا پر ایسی باتیں باندھو جو تم جانتے نہیں ۱۲ منہ ۴

طرف سے غماض کر کے راہ اہل تسنن کی جو سواد اعظم ہے۔ اقتدا کرے اور
خدا تعالیٰ کی صفات جو کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ انہیں تسلیم
کرے۔

اب سمجھنا چاہئے کہ وہ صفات جن میں اہل مذہب تباہ و تہمت کی
ہیں۔ اول و اصحات جیسے علم قدرت اور کلام اس بارہ میں مذہب اہل حق
کا یہ ہے کہ ان کے ظاہر معانی پر اعتقاد رکھیں۔ اور کسی طرح کی اس میں
تاویل جائز نہیں۔

دوم وہ قسم کہ ظاہر پر حمل کریں۔ اور وہی لفظ ہو جس جو تفسیر
حدیث میں وارد ہیں۔ اور اُس کے معنوں کو مجاز کی طرف نہ لے جاویں۔
اور جن صفات میں علم قطعی اور یقینی پوشیدہ رہتا۔ یعنی حاصل نہیں ہوتا
ہے۔ اپنی رائے و قیاس سے اُس کے کشف حقیقت کی کوشش نہ کریں
اُس کے ظاہر کو قبول کرتا اور کیفیت مشابہت کی اُس سے نفی کرنا ضروری
جانبیں۔ اس قسم میں بدل و سمعہ و وجہ و بصر و خل ہیں۔ پس ان صفات
اور ان کی مثل دوسری صفات کی نسبت اعتقاد رکھنا چاہئے کہ یہ خواج
ہیں نہ اعتقاد۔ اور نہ اجزا۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اُن کی کیفیت
نہیں۔ اور کیفیت کا ہونا روایسی نہیں۔ اور جب اہل حق نے نظر کی۔ تو اس
باب میں قول حق یہ پایا کہ ان صفات کو حقیقت آسامی پر حمل نہ کرنا چاہئے
کہ تشبیہ و تمثیل لازم آتی ہے۔ اور نہ مجاز پر حمل کرنا چاہئے کہ قرآن و حدیث اُس کے حشا
حکم کرتے ہیں پس انہوں نے پہچان لیا کہ اہل حق یہ طریق ان دونوں طریقوں کے سوا
اور یہ وہی طریق ہے۔ جو انہوں نے اختیار کیا۔

اور وہ باتیں جو اس باب میں تاویل کے خطا ہونے پر دلالت کرنی
ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ان صفات میں ایسی کوئی صفت نہیں کہ
اس کی تاویل سب کو تسلیم ہو۔ پس جو صفات مختلفہ اس کی تاویل کر سکتے
ہیں۔ اور یہ ضرور ہے کہ ان میں ایک ہی وجہ عموماً ہوگی۔ باقی خطا و
صفات خدا تعالیٰ میں خطا کرنے والا معذور نہیں ہوگا۔ بلکہ اُس کے

حدیث و تفسیر میں تاویل خلاف شرع کرنا درست نہیں۔

دین میں مخاطر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے :

ہماری دلیل یہ ہے کہ جو لوگ اس باب میں جتنا ویل کو صواب جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ بید کی تاویل قوت اور قدرت کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مراد اس سے نعمت ہے۔ بالانکہ خدا تعالیٰ اُن کے اس قول کے فساد کا حکم کرتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں بید یہ صیغہ تنذیہ بھی واقع ہوا ہے۔ یعنی دُورِ آیا ہے۔ چنانچہ منسرایا۔ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدٍ تَجھے کیا ہو گیا کہ سجدہ نہیں کرتا۔ اس ذات کو جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا : دوسری جگہ منسرایا۔ بَلْ يَدَا اَلَمْ يَخْلُقْ اَنْفُسُوكُنَّ اَسْ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اور خدا کو دو قوت یا دو قدرت کہنا اُنہیں۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ اس آیت لَمَّا خَلَقْتَ بِيدٍ میں آدم علیہ السلام کی اُس خاص فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جس کے سبب فرشتے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے پر مامور ہوئے۔ اگر اس کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ اے شیطان تجھ کو اس شخص کے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا۔ جس کو میں نے اپنی قوت و قدرت سے پیدا کیا۔ اس معنی کے لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کو دوسروں کی فضیلت نہیں۔ خدا نے اہل بیس کو بھی۔ بلکہ تمام حیوانات حتیٰ کہ جمادات کو بھی اپنی قوت و قدرت سے پیدا کیا ہے۔ تاویل کی تاویل نعمت کے ساتھ کرنا تو یہ بھی جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کے کیاں زیادہ ہیں۔ کہ اُن کا احصار و شمار کیا جائے۔ اور جبکہ تنذیہ اُس کا احصار ہو گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ نعمت مخلوق ہے۔ اور مخلوق کا مخلوق کو پیدا کرنا کس طرح ممکن ہے :

احادیث میں بھی اس قسم کے کثرت التنازع وارو ہیں۔ اُن کی تاویل بھی خلاف شرع کرنا درست نہیں ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جو خلق کے ساتھ خطاب ہے۔ ان کو ایسے معنی پر عمل کرنا چاہئے۔ جس کو عرب جانتے

و اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ اور جو تاویل کہ مسلک عرب کے خلاف ہو
کلام میں اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور جو تاویل کہ ہمیں ناپسند ہے۔ وہ وہی
ہے کہ ہم اس کو قرآن حدیث کے مطابق مستقیم نہیں پاتے۔ اسی واسطے
ہم اس کو رد کرتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کی بابت بھی جو قرآن میں چند معنی
کا احتمال رکھتے ہیں۔ اور مفہوم نہیں ہوتا کہ اس سے مراد خداوندی کیا
ہے۔

ہمارا یہی کہنا ہے کہ اُن کی تاویل کرنا درست نہیں۔ جیسے استنوا
اور نزول کے الفاظ تو اُن کے ظاہر کو قبول کرنا چاہئے۔ اور باطن سے کوئی
تعرض نہ کرنا چاہئے۔ اور اُس سے کیفیت و چگونگی کی نفی کرنا چاہئے کہ یہ
باتیں خدا تعالیٰ پر اور اُس کی صفات پر روا نہیں۔

اگر ایسا کلام ہو جس میں تاویل کی ضرورت ہے۔ تو اُس میں مطابق
شرع شریف کے تاویل کرنا ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ ہم تاویل کے منکر نہیں
ہیں۔ لیکن ہم ظاہر کو حق کی طرف سے یقین کرتے ہیں۔ اور اپنی جانب سے اُس
میں تاویل محمود نہیں سمجھتے۔ اس باب میں ہمارے لئے خدا تعالیٰ کا یہی فرمان
ہے وَمَا يَكْمُلُ تَاٰیِدُہٗ اِلَّا اللّٰہُ اور کوئی نہیں جانتا اُس کی تاویل سوا
خدا کے۔

تیسری قسم وہ ہے کہ وہ حقیقت میں قسم صفات سے تو نہیں۔ لیکن اُس میں
چند ایسے الفاظ کے ذریعہ جو الفاظ صفات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ معانی
صفات کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور لغت عرب میں اُس کے معنی روشن
اور آشکارا ہیں۔ تو اس قسم کی تاویل کرنا درست ہے۔ اگر اُس کے معنی تنقائے
ظاہر پر کریں تو گمراہی ہے۔ چنانچہ اس قسم یہ آیات ہیں۔

يَا حَسْرَتًا عَلٰی مَا فَرَغْتَ فِیْ جَنۡبِ اللّٰہِ کوئی عالم اُس کی تاویل میں
توقف نہیں کریگا۔ دوسرے حدیث جس لاسود میں اللہ فی الارض اگر
اس کے ظاہر معنی پر عمل کریں تو باطل ہے۔ اور الحاد تیسرے راقی لاجپت
نفس الانسان من قبل الیمن چوتھے من اتانی یمنی ایتند ہر لہ

ظاہر معنی پر اس کا حمل کرنا تشبیہ ثابت کرتا ہے تو اس کی تاویل کرنا ضرور ہے
وہ یہ ہے کہ اللہ کو منظور ہوا کہ بندوں پر اپنے احسانِ کرم کو بیان فرمائے
اور وہ بزبانی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح بیان کیا جائے کہ
لوگوں کی سمجھ میں بلدا آئے۔ تو فرمایا مَن اَتَانِي يَمْنَةً اَنْتِئْتُهُ هَرْدَةً
یعنی جو شخص میری طرف چل کر آئے ہے میں اس کی طرف دھڑک کر آتا ہوں۔
مطلب مراد یہ ہے کہ جو شخص ایک حصہ نیکی کرتا ہے۔ تو میں اضافہ مضاعف
اس کو جزا عطا فرماتا ہوں۔

بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن کی تاویل نہایت دشوار ہے۔ اگرچہ
ان کی تاویل کرنا ضرور ہے۔ لیکن اس سبب سے کہ اس کی تاویل عقل کی تقدیر
سے بالاتر ہے۔ تو ایسی احادیث کی بابت ہم کو چاہئے کہ ان کی تاویل سے
ساکت و سامت رہیں اور الفاظ حدیث پر ایمان و اعتقاد رکھیں۔ اور ایسے
موقع پر تاویل کو حرام سمجھیں کہ لَا تَقْنَطُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
قرآن شریف میں وارد ہے۔ یہ ہے مذہب اہل حق کا مراتب صفات و
مشابہات میں۔ واللہ الموفق لإصابة الحق۔

سایوں فصل

اس بیان میں کہ کلام خدا مخلوق ہی یا غیر مخلوق

قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار وصفات کی منت
کے وہی طریق ہیں۔ کتابِ سنت اور یہ بھی روشن ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ
متکلم بہ کلام ہے۔ تو اس باب میں مذہب اہل سنت و جماعت کا یہ ہے کہ
خدا ہمیشہ متکلم ہے۔ اور کبھی تکلم سے خالی نہ رہا۔ اگر ایک ہی وقت میں ایک
ساتھ تمام مخلوق اس کو بکالت تو وہ ایک ہی وقت میں سب کو دعا سننے۔

اور سب کا جو اشیاء اور سب کو دیکھے یہ نہیں کہ ایک کی جانب مشغول ہونا اُس کو دوسری جانب سے غافل کرے۔ کلام اُس کی ذاتی صفات سے ہے اُس لئے کہ اگر کلام اُس سے علیحدہ کریں تو ناگو یائی یعنی چُپ ہونا لازم آئے۔ جو ایک قسم کا عیب نقص ہے۔ حالانکہ صفات کا یہ سب خدا کے لئے ہیں اور وہ صفات نقص سے منزہ ہے۔

پھر جب یہ معلوم ہو گیا کہ کلام معرفت ذاتی ہے تو ثابت ہوا کہ وہ محدث نہ ہو گا۔ اس لئے کہ قدیم کی صفت محدث چیز سے کرنا درست نہیں۔ چنانچہ یہ فصول گذشتہ میں یہ بات بصر احوال ذکر ہو گئی ہے۔ بعض اہل بدعت کا یہ قول ہے کہ خدا تعالیٰ اس مٹی سے متکلم ہے کہ وہ خالق کلام ہے یا خالق کلام اور یہ جمل و عناد ہے۔ کیونکہ اس سے لاجم آئے کہ متکلم وہ ذات ہو جس میں خدا نے کلام کو پیدا کیا ہے۔ نہ خدا تعالیٰ چنانچہ منکر اُس ذات کو کہتے ہیں۔ جس میں حرکت پیدا کی گئی ہے۔ صفت مخلوق کی امتنانست خالق کی طرف کیونکہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے تو تمام اُن کتابوں میں جو انبیاء پر نازل ہوئی ہیں کلام کی نسبت اپنی جانب منسوب ہے۔ قرآن میں ایک جگہ فرمایا۔ اِنَّمَا تَقُولُ لِسَيِّدِي اِذَا ارَدْتَ نَاقًا اَنْ تَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ یعنی جب ہم کسی چیز کی بابت چاہتے ہیں کہ وہ ہو جائے تو صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا۔ پس وہ ہوجاتی ہے۔ اور جب ہر چیز اُس کے قول سے پیدا ہوتی ہے۔ تو قول بھی اُس کے قول سے وجود میں آتا ہے۔ اس لئے پہلے قول سے پیدا ہونے کے لئے دوسرے قول کی ضرورت ہوگی۔ اور دوسرے کے لئے تیسرے کی اور مابقی آیت کہ اور یہ ایک امر قاسد ہے۔ (تو اسی سے ثابت ہوا کہ کلام خدا غیر مخلوق ہے) بدعتی اس آیت کی تاویل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ خدا جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس سے حقیقت قول کن کی لازم نہیں آتی ہے۔ اُن کی اس تاویل سے نص سکرانی کی مخالفت ہوتی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے اَنْ تَقُولَ لَهُ كُنْ اور یہ کن کی حقیقت سے منکر ہوتے ہیں۔ یعنی خدا

فرماتا ہے۔ ہو جا۔ پس ۷۵ ہوتا ہے۔ فَبَيِّنُوا كَالْفَظِ تَارًا ہے کہ کائنات کے پہلے وہ چیز موجود نہ تھی۔ اور ان بدعتیوں کے عقیدہ کے موافق خدا کا کلام جو موسیٰ نے سنا اور وہی کلام یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سنا۔ ان دونوں کلاموں میں کوئی فرق و فصیلت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہودیوں کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ نے بتوسط و رحمت کے ہی اک کلام سنا۔ اور یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توسط سے خدا کا کلام سنا۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ کلام خدا سنانے میں قوم یہود کو حضرت موسیٰ پر فصیلت ہے۔ کیونکہ خدا کا کلام ایک الو العزم پیغمبر کے توسط سے سنا ضرور اس سے فاضل تر ہے کہ ایک فرشتہ کے توسط سے سنا جائے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ کلام ہے فرشتہ الہام ہو اور فرشتہ انبیاء علیہم السلام سے کہے۔ پس جو کچھ فرشتہ الہام کے ذریعہ پہنچے ہیں پاتا ہے اسی کو کلام کہنا چاہئے تو جو معرفت خدا نے اپنے بندوں کے دل میں رکھی ہے۔ وہی کلام خدا ہے۔ اور ان کا قول ہے کہ لو کہ کلام انہیں کا فعل ہے۔ خدا نے پیدا نہیں کیا۔

ہم نے ان کے اقوال فاسدہ کو یہاں تک بیان کر دیا کہ جس سے صاف ان کے عقائد کی زشتی اور بُرائی ظاہر ہے اور نیز اُس کے ابطال کے تمام آیات کی کتاب اور جناب نبی کریم علیہ السلام کی احادیث کافی ہیں۔ آیات تو یہ ہیں۔ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا دُوسری جگہ فرمایا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا تیسری جگہ فرمایا وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَلْمِزُ فَرِیَا وَكَانَ اللَّهُ مُوَسِّئًا تَسْلِيًا پانچویں جگہ ارشاد ہوا يَتَمَتَّعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے قول و کلام کی نسبت اپنی جانب فرمائی جس طرح سخن عرب کا قاعدہ اور رسم ہے۔ یہ ایسا واضح بیان ہے کہ اس کے ظاہر کو ترک کرنا اور حقیقت معنی کو مجاز کی جانب پھرنا ممکن ہی نہیں علاوہ اس کے علمائے ان کی مخرجات اور یہود و تائیدات کے اور بھی شافی اور واقعی جواب دیئے ہیں۔ اس مختصر میں اس کے استیعاب کی ضرورت نہیں۔

مقدّمین کے قول کی تردید ایک لطیف مثال کے ذریعہ

جب یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ متکلم ہے۔ اور کلام اس کی صفت قدیم ہے۔ تو معلوم ہے کہ قرآن کلام خدا ہے۔ اُس نے خود اس کو اپنا کلام کہا۔ اور اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اور نسبتاً یا مثلاً یَدْعُمُ کَلِمَہَ اللہ اور اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ قرآن کلام خدا ہے۔ اور اس پر کہ کلام صفت خدا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اپنی تمام صفات میں قدیم ہے۔ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام حضرت امام حسن و حسین علیہم السلام کے لئے پڑھا کرتے اَعِیْذُ کَمَا یُکَلِّمَاتِ اللہ الشَّامَاتِ یعنی میں تم کو خدا تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کی پناہ میں لے جاتا ہوں تو پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیونکہ درست ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو مخلوق کی پناہ میں لے جاویں۔ اور اُس کو کلماتِ تامہ فرا دیں۔ یعنی ایسے کلمات جن میں کوئی نقص نہیں۔ اور آفرینے کے نقصان نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت قرآننا عن نبیا خیر ذی شرف کی تفسیر میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہمارے مخلوقِ الٰہیہ سے جو بڑھتی ہوئی مخلوق کی طرف سے نہیں۔ پس قرآن غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ اُس میں کچھ نہیں۔ اور حضرت ابن عباس نے ایک شخص کو کہہ کے پاس کہتے سُنَّا یَا رِبِّ الْقُرْآنِ فرمایا مَدُّ وَاِنَّ کُلَّ مَرْبُوبٍ مَخْلُوقٌ یعنی خاموش ہو۔ کیونکہ ہر ایک مروب مخلوق ہے۔ اور قرآن غیر مخلوق ہے۔ پس اس کو مروب کہنا درست نہیں۔ اور یہ اس واسطے بیان ہوا کہ عام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قرآن اول میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے میں کسی کو خلاف نہ تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اور خلاف ہوتا بھی کس طور پر جب ان کے رب و ربہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے۔ قُلْ لَیْسَ الْخَبْرُ مَدْنِ الْجَنِّ وَالْاِنْسِ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَاَلَوْ کَانَ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ ذَکَیْرًا یعنی کہ دو اگرچہ انس اس امر پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا کر لادیں۔ تو اس کی مثل نہیں

لا سکتے۔ اگرچہ باہم ایک دوسرے کے معاون ہوں۔ تو اگر قرآن مخلوق ہوتا تو اس کا مثل لانا ممکن ہوتا۔ اور جب مثل نہ لاسکے تو معلوم ہو گیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ ایک جگہ خدا نے قرآن شریف کو کلام بشر کہنے والوں کی نکتہ کشی کی ہے۔ اور فرمایا ہے اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یعنی کافر کہتے ہیں کہ قرآن قول بشر ہے۔

اصحاب نے بعد سلف کا بھی اس کے غیر مخلوق ہونے پر اتفاق رکھا اور انہوں نے بالاتفاق کہہ دیا کہ قرآن کلام خدا ہے۔ غیر مخلوق پڑھا گیا۔ ہماری زبانوں پر لکھا ہوا ہے۔ صحفوں میں یاد رکھا گیا۔ ہلے سے دلوں میں پڑھا گیا۔ قرآن یہ ہے اور پڑھنا صفت ہے۔ پڑھنے والے کی اسی طرح لکھا ہوا قرآن اور لکھنا صفت ہے لکھنے والے کی۔ اسی طرح یاد رکھا ہوا قرآن ہے۔ اور یاد رکھنا صفت ہے یاد رکھنے والے کی۔

مذہب سلف اور علمائے خلف کا ان مسائل میں اور ان کے مذہب قول سے منحرف ہونا بدعت اور ضلالت ہے۔ وَالَّذِي الْقَاصِدُ مِنَ الصَّلَاةِ

فصل اکھویں

رویت الہی کے بیان میں

مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت بدو کسی کیفیت کے جائز ہے۔ نہ فی کیفیت کے بارے میں اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ اُس کی ذات و صفات کیفیت سے بڑا ہے۔ رویت کے اعتقاد میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اگر رویت نہ ہوتی۔ تو اہل دل عبادت میں لطف لذت کس طرح اٹھاتے۔ یا اُس ایمان کے وعدوں انہیں کیونکر ذوق ہوتا۔ بعض اہل قبلہ سے تعجب ہے

کہ اس مسئلہ سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس باب میں جو صریح نصوص وارد ہیں۔ اُن سے صاف اس کے اثبات ہوتا ہے۔ اور کوئی صحت انکار کی نہیں نکلتی اُن کا قاعدہ ہے کہ جو چیزیں اُن کو محسوس نہ ہو سکتی ہیں۔ انہیں کو قابل اعتبار اور دیدنی سمجھتے ہیں۔ لیکن جو باتیں اسرار غیبیہ ہیں۔ اور جو امور بصیرت عقل کے ذریعہ حسی ادراک میں نہیں آسکتے۔ اُن سے صاف انکار کرتے ہیں اگرچہ خدا اور رسول کے پاک اقوال اُن کے ثبوت میں بصراحت موجود ہوں۔ یہ بے دین غیر محسوس و غیر معقول امور پر یقین کرتے ہوئے اس میں لایعنی شبہات و اہمیت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شے مرئی یعنی دیدنی ایک جسم آدمی کو نہ ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کو دیکھنا ممکن نہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے اس دعوے پر کیا دلیل ہے تو کہتے ہیں ہم نے تمام دیدنی اشیاء کو اس صفت پر پایا ہے پس جن چیزوں کو ہم نے دیکھا ہے اور اور اُن کو جس کیفیت و صفت میں پایا ہے اسی کے موافق حکم کرتے ہیں۔ اور جن کو ہم نے دیکھا یا پایا نہیں۔ اُس سے انکار کرتے ہیں۔ مشکبہ بین اس کا یوں جواب دیتے ہیں کہ ہم نے رائی یعنی دیکھنے والوں کو بھی ایک جسم ملوان پایا ہے تو چاہئے کہ اس حکم کے مطابق ہم کہیں کہ خدا تعالیٰ رائی یعنی دیکھنے والا نہیں ہے۔ حالانکہ خدا کے یقیناً اور رائی ہونے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں۔ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ اَلْحَرُّ یَعْلَمُ بِاَنَّ امْلَکَ یَتَعَلَّقُ بِعَیْنِ کَیَا اَبُو بَکْرٍ لَعِیْنِ کو نہیں معلوم کہ خدا اُس کو دیکھتا ہے اور وہ اُس کے کرتوت سے آفت ہے۔

جسٹیکرین سے اس طرح بحث کی جاتی ہے۔ اس وقت ان کو کوئی حجت نہیں ہوتی۔ اگر بندہ خدا تعالیٰ کا نگران ہو تو اس سے مقابلہ لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ بندوں کا ناظر ہے۔ تو اس سے مقابلہ لازم آتا ہے۔ پس اس باب میں جو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا ہے۔ تو جس طرح اس کا بے مقابلہ ناظر ہوتا رہا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح اُس کا بے مقابلہ منظور ہونا رہا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کا مرئی ہونا جائز ہو۔ تو چاہئے کہ اس کا
ملون ہونا بھی جائز ہو۔ جواب یہ ہے کہ لمس اور ششم اور ذوق حادث کا
اقتضا کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق محدث پر ہی ہو سکتا ہے۔ اور رویت حدو
کا اقتضا نہیں کرتی۔ اس لئے کہ خدا نے رویت کے ساتھ اپنا وصف کیا
ہے۔ اور **يَا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا الَّذِي مَعَكُمْ مَا تَدْعُونَ دَارِي** (جناب محمد اور
حضرت ابو بکرؓ سے خطاب ہے) کہ خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔
تمہارے معروضات سنتا اور حالات دیکھتا ہوں اور یہ ایک بین فرق ہے
رویت کے اور ششم ذوق اور لمس کے درمیان۔ پس تمہارا قیاس باطل ہے
اور خدا تعالیٰ کی صفات جو کچھ ہم نے معلوم کی ہیں۔ اور نیز جو چیزیں
اُس نے اپنی ذات کی طرف باضافت کی ہیں۔ بندوں کو جائز نہیں کہ تغیر
و تبدل کرے۔ ایسا ہی جن صفات کو اپنی ذات کی جانب نسبت نہیں کیا
بندوں کو نہیں پہنچتا کہ ان کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کرے۔ اور صفات
غیر مضاف الی ذات الباری کی نسبت اپنی طرف کرنا بھی روا نہیں۔ چنانچہ
ہم کہتے ہیں کہ خدا قادر ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی ذات مقدور اس
کی ہے۔ اور بندوں کو بھی ایسا کہنا جائز نہیں۔ اور جب ہم کہیں کہ خدا
عام ہے اور اس کی ذات اس کی معلوم ہے تو یہ کہنا بھی جائز ہے کہ
خدا تعالیٰ معلوم بندگان ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ خدا رائی ہے۔
اور اُس کی ذات مرئی اُس کی ہے۔ تو یہ کہنا بھی درست ہے کہ اس کی ذات
مرئی بندگان ہے۔

مرئی کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز موجود ہے یا موجود ہو۔ اس کا دیکھنا
بے خلاف ہے۔ جب کہ خدا رائی میں قوت رویت پیدا کرے۔ اس لئے
کہ دیکھنے والا جو کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ مرئی
دیکھنے کے قابل نہیں۔ بلکہ اس کا یہ سبب ہے کہ دیکھنے والے میں قوت
نہیں پیدا کی گئی جو دیکھ سکے۔ اگر مانع اور حجاب اٹھ جائے۔ تو اس کو
دیکھنا ممکن ہے۔ کیونکہ اس صفت رویت اس میں موجود ہے۔

ہم نے اس بحث کو اپنے قاعدے اور سلف کے خلاف طول دے دیا ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس کے مطالعے سے مراد یہ ہو جائے کہ مخالفین
کے شبہات ان کے دلوں کی طرح تاریک ہیں۔ انہوں نے کتاب سنت
سے روگردانی کی ہے۔ اور ظلمات شبہات میں ڈالوا ڈول پھرتے ہیں۔
جو شخص ان کی تعلیم کرے گا۔ گمراہ ہو جائیگا۔

اس بیان میں ہماری نظر اس جانب تھی کہ کوئی مسلمان ان کی باتوں
پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ اور سمجھ لے کہ ان کے تمام شبہات اسی طرح پوچھ و
پچر ہیں۔ ورنہ بحمد اللہ ہمیں اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اس باب
میں ہمارا مال کتاب سنت ہے۔ نہ معقول و محسوس اور ہمارا خود یہ قول
ہے کہ اگر منکر روایت اسلام سے نہ ہو تو اس سے توحید و نبوت کے متعلق باتیں
کرنا چاہئے۔ نہ روایت کے متعلق۔ اور اگر اہل قبلہ سے ہے تو قرآن حدیث
درست اس پر کافی حجت ہے۔ جس نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو سچا پیغمبر یقین کیا اور جو کچھ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے
اُس کو پہنچا۔ اس پر ایمان لے آیا۔ وہ تمام ایسی باتوں پر ایمان لے آئے گا
جن کی تصدیق قرآن حدیث درست کے ذریعہ ہو چکی ہے۔ اگر عقل جزئی اس
کی دریافت کیفیت سے عاجز ہو۔ اور جو شخص ایسا نہ ہو۔ اس کا ایمان گھریب
درست نہیں۔ وہ اپنے ہوائے نفس کا پیرو ہے۔ نہ تابع حضرت محمد مصطفیٰ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

اب ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ وَجُودُ
يَوْمَئِذٍ نَاطِلٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاطِلٌ یعنی آخرت میں بہت سے منہ تازہ
اور اپنے رب کی طرف نگران ہونگے۔ لغت عرب میں اس آیت کے یہی معنی
ہیں۔ نظر کے معنی اعتبار کے بھی ہوتے ہیں۔ مگر یہاں یہ معنی جائز نہیں کیونکہ
وہ جہاں سراسر اعتبار نہیں ہے۔ نظر کے معنی کبھی بخشائش و مہربانی کے
ہوتے ہیں۔ یہ معنی بھی بندہ سے خدا پر روا نہیں۔ کیونکہ بندہ پر خدا کی بخشائش
و مہربانی ہوتی ہے۔ نہ خدا پر بندہ کی۔ ایک معنی نظر کے انتظار کے بھی ہوتے

لیکن جب اُس کے ساتھ الٰہی ہے تو انتظار کے معنی شک یاں نہیں۔ اور یوں بھی انتظار کے معنی کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ کیونکہ انتظار مفتتنی ہے۔ شیخ و ناخوشی کو اور یہ آیت پر دلیل بشارت تازاں ہوئی ہے۔ اور یہاں شادی اعیساش اور تازگی کا بیان ہے۔ جو بہشت میں اہل بہشت کو عیسہ آئیگی۔ وہ سرائی انتظار نہیں ہے۔

جب ہر شے و جوہ مذکور سے کوئی وجہ یہاں رست نہیں تو ثابت ہو کہ یہاں نشر یعنی رویت کے ہے۔ مخالفین جب اس سے عاجز ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ الٰہی کے بعد فقط ثواب مقدر ہے۔ یعنی الٰہی ثواب۔ دہنا ناظرہ ہے۔ مطلب یہ کہ الٰہی بہشت خدا کے ثواب کی جانب مگر ان ہونگے۔ ان کی یہ تاویل بھی فاسد ہے۔ کیونکہ اگر یہ جائز ہو کہ جس چیز کی اضافت خدا کی جانب ہے۔ اس کی اضافت دوسری جانب رست ہو تو یکبارگی ظاہر قرآن سے اعتبار اٹھ جائے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ ظاہر نفوس جن کی اضافت خدا کی طرف ہے۔ ان کی اضافت دوسروں کی جانب کی جائے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قیامت کے روز کیا فر اپنے روزی رساں اور پروردگار خدا سے محبوب ہونگے۔ اس کے معنی اس طرح کرنا درست نہیں کہ وہ خدا کی معرفت سے محبوب ہونگے۔ یعنی اس کو نہ چھانٹے پس محبوب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کافر خدا کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ جس طرح دنیا میں اس کی معرفت سے محبوب تھے۔ اسی طرح آخرت میں اُس کے لقا سے محبوب رہیں گے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا۔ اَرِنِي اَنْظُرُكَ الْكَافِرَ الْهَلِيَّ مجھ پر جلوہ فرما کہ میں تجھ کو دیکھوں۔ اور انبیاء واجب العصمتہ ہیں۔ اگر اُمت سے احکام عبادت میں خطا واقع ہوتی ہے تو پسند نہیں کرتے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ معرفت الٰہی میں ان سے خطا سرزد ہو۔ اور جس بات کو وہ اُمت کے لئے ناجائز سمجھیں۔ خود اُس کے مرتکب ہوں۔ اگر یہ بات انبیاء پر خطا ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام رویت کی درخواست

کبھی نہ کرنے۔ اور مخالفین جو کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی زبان سے یہ سوال کیا۔ تو یہ محض عناد ہے۔ ظاہر نفس اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے درخواست کی۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ اگر بقول تمام حضرات موسیٰ علیہ السلام رویت الہی کو ناممکن خیال کرتے تو قوم کو اس کا پتہ سوال سے منع فرماتے اور کہہ دیتے کہ خدا کی رویت ممکن نہیں۔ تم اس قسم کا سوال کرتے ہو۔ کیونکہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے مبعوث کیا تھا کہ وہ لوگوں کو ذات و صفات خدا کا شناسا کر دیں۔

لیکن خدا تعالیٰ نے جو تسلی یا تہنیت فرمائی کہ اے موسیٰ تم مجھ کو نہ دیکھ سکو گے۔ اور اس کی ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کا دیدار محال ہے۔ اس لئے کہ اگر مطلق ہوتا تو موسیٰ سوال نہ کرتے اور موسیٰ علیہ السلام کا اعتقاد کہ رویت الہی ممکن ہے۔ باطل ہوتا۔ اور یہ جائز نہیں۔ لیکن وہ آیت جس سے مخالفین انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے بصر روہی یا دلک الایمان کہ انسانی بصر میں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ بصر ان کے ادراک کرتا ہے۔ یہ آیت نفی رویت پر دال ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابصار کے دو معنی آئے پاسکتے ہیں۔ ایک معنی نقش جیسے کہ ادلی لا بصر رای لانا دی العقول تو معنی یہ ہوتے کہ عقلیں اس کی کثرت و صفات کو نہیں پہنچیں۔ اور وہ عقلوں کی کثرت کو پہنچتا ہے۔ جو شخص اس آیت کے سابق و سابق اور سابق و لاحق پر نظر کرے گا۔ وہ فوراً سمجھ لے گا کہ اس کے یہی معنی ہیں۔ اور یہی وجہ بہتر ہیں۔ ابصار کے دوسرے معنی دیکھنے کے ہوتے ہیں۔ اور ادراک کے معنی کسی چیز کی غایت پر پہنچنا یا کسی چیز کو جانتا ہے۔ کچھ جب بالغ ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں ادراک البصی یعنی یہ لوگ غایت کو دیکھ کر پہنچ گیا۔ یا اس نے کوئی کی غایت کو پالیا۔ ایسا ہی اس وقت کہتے ہیں جب مبرور یا نڈرا حکمت پختہ ہو جاتی ہے۔ اور نیز جب کوئی شخص حس یا عقل کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت کو تمام و کمال معلوم کر لیتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس نے فلان چیز کا ادراک کر لیا۔ اور رویت معنی

دنیا میں رویت الہی ناممکن ہے

انجیل اور ان کے عقائد

دیکھنے کے ہیں۔ نہ ادراک کے اور ذاتِ خدا اس سے منزہ ہے کہ اُس کی غایت ہو یا بصارتیں اُس کی حقیقت معلوم کر سکیں ۛ

اور اگر ادراک کے معنی رویت کے بھی لئے جائیں تو اس معنی پر حمل کرنا چاہئے کہ دنیا میں بصارت اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آنکھ کو یہ قوت نہیں دی ہے۔ یہ معنی جو ہم نے کئے ہیں اس سے اس آیت اور دُجُوْلًا یَوْمَئِذٍ الخ والی آیت میں جمع اور مطابقت ہو جاتی ہے۔ اور آیات باہم مخالف نہیں ہوتیں۔ اگر کہا جائے کہ خود ایسی آیت کی ایسی ہی تاویل کیوں نہیں کرتے تاکہ موافق اُس کے ہو جائے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم بیان کر چکے ہیں دُجُوْلًا یَوْمَئِذٍ الخ والی آیت کی تاویل تمہارے قول کے موافق نہیں ہو سکتی۔ اور جب ایسی دو آیتیں جمع ہوں تو اس کی تاویل ظاہر نفس کے مطابق ہی کرنا چاہئے۔ اگر قرآن میں رویت پر دلالت کرنے والی آیت نہ ہوتی جب بھی کلام تکد کہ لا بصار کے معنی وہی کرنا درست تھا جو ہم نے بیان کئے۔ اس رویت کے اثبات میں اکثر احادیث وارد ہیں جن کو صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ اس باب میں ستر و احباب کی روایت سے میر نے احادیث پائی ہیں چنانچہ اُن کے اسامی یہ ہیں۔ مصیب بن سنان۔ حذیفہ بن الیمان۔ عبد اللہ بن عمر۔ عبد اللہ بن عباس۔ ابو موسیٰ الاشعری۔ ابو ہریرۃ الاسلمی۔ ابو ہریرہ الاوسطی۔ زید بن ثابت الانصاری۔ ابو زبیر بن عقیلی۔ ابو امامۃ الباہلی۔ انس بن مالک۔ جابر بن عبد اللہ انصاری۔ ابو سعید الخدری۔ عد بن حاتم الطائی۔ جریر بن عبد اللہ الجلی۔ عدی ابن الطاء۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور قرن اول کا اجماع اس پر منعقد ہو گیا ہے کہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ عامۃ مومنین کے لئے جائز ہے۔ اور وجوب قول پر انہیں کے اجماع کو اعتبار ہے۔ پھر جس جگہ کتابت سنت اور اجماع امت پایا جائے۔ تو وہاں کسی مسلمان کو مشبہ نہیں رہتا ۛ

اب دنیا میں رویت باری تعالیٰ کا بیان سنئے کہ علامہ نے کیا فرمایا

خلاف نہیں کہ خدا کا دیکھنا دنیا میں نہ ہوگا۔ اس کی مؤید حدیث ابو امامہ
الباہلی ہے۔ وہ حدیث دجال میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دجال کہتا ہے میں تمہارا پروردگار ہوں حالانکہ
خدا کو کوئی زندگی دنیا میں نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں مگر بنی اسرائیل کا دیکھنا ممکن
ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں انہ لیں یسی احد کمر دبدہ حتی
یصوت او مقبول ہے۔ یہ مسئلہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کہ وہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں الْمَلَكُ تَبَسَّ لِقَاءَ
اَدْنَاهُ یعنی موت دیدار خدا کے قیل واقع ہوتی ہے۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح
ہیں۔ مسلم نے ان کو اپنے جامع صحیح میں نقل کیا ہے۔

اور اس میں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج
کی رات میں خدا کو دیکھا یا نہیں۔ علماء کا اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن
عباس کہتے ہیں یہ مرتبہ دل سے دیکھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر
تشہید کرتی ہیں۔ اور نسخہ ہاتھی ہیں کہ جو شخص شب معراج میں حضرت رسول خدا
کے باری تعالیٰ کو دیکھنے کا قائل ہے۔ وہ خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ غرض
شب معراج کی روایت کے باب میں کوئی نقل قابل اعتماد ثابت نہیں ہر شخص
اپنی فہم اور معلومات کے مطابق کہتا ہے۔ جو کتاب حدیث سے انہوں نے
مجموع ہے۔

اثبات۔ ویت کے قائل بھی اس سے روایت کو ثابت کرتے ہیں کہ
وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص ہے۔ اور کہتے ہیں کہ
آنحضرت کے سوا دوسرے کا رتبہ نہیں ہے۔ اور آپ نے بھی دیکھا ہے۔ تو
دارالافتاء میں نہیں دیکھا بلکہ سدۃ المنتہی پر پہنچے تھے۔ اور بہشت میں گئے
گئے تھے۔ ہاں ان کو دیدار الہی ہوا ہے۔ پھر جو لوگ ویت کی نفی کرتے
ہیں تو ان کی غرض اس سے نفی فضیلت آنحضرت نہیں ہے۔ بلکہ ان کا
انکار صرف اس وجہ سے ہے کہ اس باب میں کوئی نقل قابل اعتماد ان تک
نہیں پہنچی۔ اور اس میں بے یقین غیر معتبر بات کنا درست نہیں سمجھتے۔

کیا معراج کی رات میں آنحضرت نے خدا کو دیکھا

وَلَيْكِلْ وَجْهٌ شَوْءٌ لِّمَا ..

میرا رجحان خاطر اس مسئلہ میں اثبات کی طرف ہے۔ اس لئے کہ جب دو صحابہ سے اثبات و نفی پائی جائے تو نفی پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔ ہاں منکر روایت کی تفصیل ہمیں پسند نہیں کہ اس سے صحابی کی تفصیل لازم آتی ہے۔ جو بالکل غیر جائز ہے۔ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اگر نفی روایت کا قائل اس وجہ سے انکار کرتا ہے کہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی ممکن نہیں۔ جیسے معتزلہ کا خیال ہے تو ہم اس کو باطل جانتے ہیں۔ ہم نے اکثر مقامات میں بہت سے مسلمانوں کو اس مسئلہ میں اس قدر غلو کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ منکر روایت کو کافر کہتے ہیں۔ یہ بلائے عظیم ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہؓ نے توقف کیا یہ نادان اس میں پاف و گراف سخن کرتے اور بڑھاتے ہیں۔ اس سے کہ منکرین اور مثبتین میں سے کسی پر طعن کرنا درست نہیں۔ کیونکہ دونوں صحابی کی اقترا کرتے ہیں۔ اس باب میں توقف اولیٰ ہے ہرگز غلو نہ کرنا چاہئے۔ ہاں یہ اعتقاد رکھنا نزدیک بہ احتیاط ہے کہ آنحضرتؐ کا تخصیص یہ مرتبہ ہوگا۔ غیر رسول کے حق میں کبھی اس کا قائل نہ ہونا چاہئے۔ ایہ امامہ باہلی اور حضرت عائشہؓ دونوں کی احادیث درست ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت محمدؐ علیہ السلام کو باوجود ان کے ایسے بڑے مرتبہ کے دیدار سے ممانعت ہوئی۔ تو سوا آنحضرتؐ کے دوسرے کے حق میں کب وہاں ہو سکتا ہے اور ہر زمانہ کے لئے علما کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے یا کسی دوسرے کے لئے یہ دعویٰ کرے کہ وہ دنیا میں اپنی ان آنکھوں سے خدا کو دیکھتا ہے وہ گمراہ اور مبتدع ہے۔ اس قسم کا دعویٰ کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو شیطان نے اس کی صورت کج اور خیال باطل دکھلایا ہے کہ اس نے حسن الظن اور حیل با اصول دین کے سبب اپنے حق میں اس کو قبول کیا ہے۔ اور گمراہ ہو گیا ہے یا وہ جمیٹا کذا ہے کہ خدا پر افترا باز ہوتا ہے۔ خابوا و خسروا عصمنا اللہ من البدع و الفساق و اللہ الموفق لا یتباع الحق۔

اس مسئلہ میں اکثر مسلمانوں کا غلو چھوڑنا چاہئے

فصل نویں

قضاوت پر ایمان لانے اور اراد و مشیت کے یہاں

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ جو کچھ بندے کرتے اور ان پر گزرتا ہے۔ خواہ نیک ہو یا بد، سود ہو یا زیان، کفر ہو یا ایمان، طاعت ہو یا عصیان، حرکت ہو یا سکنت، حتیٰ کہ سانس جو اندر جاتا اور باہر آتا ہے۔ یہ سب خدا کی تدبیر و تقدیر سے ہے۔ اور وہی اُس کا خالق ہے۔ اس کے سوا دوسرا خالق ہونا ممکن نہیں کہ اس صورت میں شرک لازم آتا ہے۔ اور خدا کی ذات اس سے منزہ ہے کہ اس کی خالقیت میں کوئی اُس کا شریک ہو یا وہ اکیلا کرنے سے عاجز رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَدْرَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ فَمِثْلُ خَالِقٍ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ اس آیت کے قبل خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا ہے کہ مشرکین سے کہہ دو کہ زمین و آسمانوں کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہوتا ہے کہ جو لوگ زمین و آسمان میں بستے ہیں۔ وہ زمین و آسمان کے خالق کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ زمین و آسمان کا وجود ان کے وجود سے پہلے تھا۔ زمین و آسمان کی پیدائش اور اُس میں آثار صنع الہی اور ان کے حالات میں اختلافات یہ سب ان کی مخلوق کی دلیل ہیں پھر ان کا خالق کون ہے مِثْلُ الْاَدَدِ اے رسول کہہ دو کہ ان کا خالق خدا ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جب زمین و آسمان کا خالق خدا ہے تو جو چیزیں ان میں ہیں۔ ان کا خالق بھی بالضرور خدا ہی ہے۔ تم نے اس کے سوا معادون اور خداوند اختیار کئے ہیں۔ جن کو اپنے سود و زیان پر اختیار نہیں۔ اے رسول کہہ دو کیا نور و ظلمت بننا و نابینا برابر ہوتے ہیں۔ یعنی تم نے اپنے اندر صیغہ پن سے راہ ضلالت اختیار کی ہے

۱۰۱
خدا کی تقدیر سے

یہ نہیں سمجھتے کہ نور و ظلمت باہم یکساں نہیں ہوتے۔ ہم نے اپنے خالق کو
 پہچان لیا ہے۔ اور راہ تار یک کو چھوڑ کر نور یقین کو حاصل کر لیا ہے۔
 اور اس میں دوسرا اشارہ ہے کہ ہماری خود بخوبی یہ غرض ہے کہ باوجود
 تمام چیزیں آفریدہ ہیں۔ تاہم وہ یکساں نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ یکساں ہیں
 تو لوگ اس کو نادان و بے خرد کہیں گے۔ پھر یہ کیونکر جائز رکھتے ہو کہ آفریدہ
 کو ساتھ آفریدہ کار کے برابر کرتے ہو یا خدا کے ساتھ کسی کے شریک کا حکم
 کس طرح کرتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ آفریدہ ملے خلق اور آفریدہ ملے خالق برابر ہیں
 پس ان پر یہ امر پوشیدہ ہے کہ خدا کے اور خلق کے آفریدہ میں فرق کریں
 اور اشارہ ہے اس طرف کہ عبادت بہ شرکت اس حالت میں جائز تھی جب
 آفرینش میں کوئی خدا کا شریک ہوتا۔ پس اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کہہ دو کہ تمام چیزوں کا خالق خدائے واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور
 شرکت سے تعدد لازم آتا ہے۔ یعنی کہتے ہیں دو شریک ہیں۔ اس وقت منے
 وحدانیت کے ہائل ہو جاتے ہیں۔ پس وہ اپنی بگائگی میں اس صفت
 تد سے متعالی ہے وَهُوَ أَفْوَاخُ الْقَوَارِ اور وہ قہار ہے تدبیر خلق میں
 جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جب مخلوقات پر ایسی دشواریاں واقع ہوتی ہیں
 جس میں وہ عاجز ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بیماری تنگی۔ دردیشی۔ اندوہ اور مرگ
 وغیرہ تو کسی سے اُن کا دفع کرنا ممکن نہیں۔ اور اگر وہ چاہے تو کوئی اُس کا
 تدبیر و تقدیر کو رفع نہیں کر سکتا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ قہار ہے کہ اس کا
 قہر سب پر ہے کوئی بھی اس کے قہر کو رفع نہیں کر سکتا۔ لیکن جب بیمار یا خیال
 ہو کہ نبیہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ تو اس صورت میں وہ قہار ہو گا
 نہ قہور اور وہ خالقیت میں خدا کا شریک سمجھا جائے گا تعالیٰ اللہ
 صَنِ الذَّالِکَ اللّٰہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ
 خَیْرَ الشَّیْءِ یعنی خدا کے سوائے کیا کوئی دوسرا بھی خالق ہے اور شرارت ہے
 اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ اللّٰہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اور اس کی خالقیت کے
 کوئی خارج نہیں کیونکہ کل شئی ایسا لفظ ہے جو تمام چیزوں کو شامل ہے

اس کو بعض چیزوں کے لئے خاص نہیں کر سکتے۔ خاص کرنے کے لئے کوئی دلیل ہوتی ہے۔ اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ پھر جب سب چیزوں کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ تو سب چیزیں اس کی ارادت کے ماتحت ہیں اس لئے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی ایسی چیز کو پیدا کرے جو اس کے ارادہ و اختیار میں نہ ہو کہ یہ ایک قسم کا عجز ہے۔ اور خدا اس سے منزہ ہے۔

اس مسئلہ پر قرآن دحیث کے اتنے دلائل موجود ہیں۔ جن کا شمار مشکل ہے۔ قرآن شریف کی تو یہ آیت کافی ہے۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔ یعنی تم کسی چیز کو نہیں چاہتے ہو مگر تمہاری خواست کے پہلے وہ چیز مشیت بنا دے گی میں موجود ہوتی ہے۔ اور یہ آیت وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُ جَمِيعًا اگر تیرا پروردگار چاہے تو زمین میں جتنے ہیں سب کے ایمان لے آئیں۔ قدر یہ اس آیت کی یہ تاویل

ایمان دہی

اس قدر یہ چونکہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔ لہذا انہوں نے اس آیت کی اس طرح تاویل کی کہ اگر خدا کی مشیت انسان کو ایمان لانے پر مجبور کرے گی۔ تو ایمان ضروری ہوگا۔ حالانکہ ایسا ایمان مانا مقبول نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ انسان اپنے اختیار سے ایمان لاتا اور اپنے اختیار سے ہی کفر کرتا ہے اُن کی اس تاویل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ با اختیار ہوتا ہے۔ اہل حق بھی انسان کو تاویل با اختیار مانتے ہیں۔ مگر قدر یہ کی طرح نہیں۔ کہ انسان کے کفر و ایمان میں مشیت الہی کو کوئی دخل ہی نہ ہو۔ بلکہ اہل حق کا مذہب ہے کہ انسان مشیت ایزدی کے ماتحت کسب و کرم کرتا ہے۔ وہ اس اختیار سے کہ اُس نے برائی بھلائی کو کسب کیا فاس با اختیار ہے۔ اور اس اختیار سے کہ انسان سے جو کچھ برائی بھلائی ہوتی ہے۔ وہ مشیت الہی کے ماتحت اور اس کے موافق ہوتی ہے۔ انسان مجبور ہے تو گویا وہ ایک طرح سے مختار اور دوسری طرح سے مجبور ہوگا۔ اور اسی جبر و اختیار کے درمیان انسان کا ایمان ہے۔ مشیت اور چیز ہے۔ اور عرضی و غیر عرضی چیزیں ہیں۔ وہی کا خود مشیت الہی سے متعلق ہے۔ لیکن یہی سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور یہی فعل اس کی عرضی کے موافق ہے۔ اور یہی سے ناخوش ہوتا ہے۔ لیکن یہی فعل اس کی مشیت سے خارج نہیں کہ اس صورت میں انسان خود ایک علیحدہ ایسی ذات ہے جس کا جو خدا کی حکومت سے کوئی تعلق نہ رکھتی ہو۔ اور یہ ممکن نہیں کہ مخلوق خالق ہو جائے۔ خود اس آیت و شَاءَ رَبُّكَ الْغَیْرِ غَمَزَ۔ وہ دونوں ہی باتیں اس سے مستفاد ہوتی ہیں۔ یعنی انسان کی مشیت الہی کے ماتحت ہونا جو کلمہ دلوشاء سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور نیز اس کے کفر کی مشیت کے ماتحت رہ کر اپنے

(بقیہ مشیہ ۹۶)

کرتے ہیں کہ اگر خدا کی مشیت انکو ایمان لانے پر مضطرب کرتی تو ان کا ایمان ہنترتا ہوتا۔ اور یہ تاویل فاسد ہے کیونکہ ایمان اضطراری کو ایمان نہیں کہا جاتا۔ ایمان وہی ہے جو اختیار سے ہو۔

تیسری یہ آیت وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فُتِنَا بِإِيتِي خُذَّاجَا هَتَا تَوَقَّالْ نہ کرتے۔ چوتھی یہ آیت وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى لَّهَذَا لَكِنْ شَاءَ اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ بہ تحقیق تو ہدایت نہیں کر سکتا جس کو دوست رکھتا ہے۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ چھٹی یہ آیت ثُمَّ يَرِيهِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَمْشِي حَسْبُكَ لِلْإِسْلَامِ اللہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اور یہ آیت وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ اور اگر خدا چاہے تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دے۔ اور یہ آیت وَمَنْ يَهْدِي اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ وَمَنْ يُلْهِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ اور خدا جس کو ہدایت کرے۔ اس کو کوئی گمراہ نہیں کرتا۔ اور خدا جس کو گمراہ کرے۔ اس کو کوئی ہدایت نہیں کرتا۔ اور یہ آیت وَإِنْ تُصِيبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ یعنی اگر ان کو راحت و نعمت پہنچتی ہے۔ تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور اگر ان کو رنج و ہنرمیت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ میری طرف سے ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اے محمد کہہ دو سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی سب خالق وہی ہے۔ اور سب خدا کی تدبیر و تقدیر سے ہے۔

القیہ حاشیہ صفحہ ۹۵، فعل کا مختار ہونا جو فعل امن سے بجا آگیا یعنی اگر مشیت الہی میں ہوتا۔ تو زمین کے تمام رہنے والے ایمان لے آتے۔ لیکن اس کی مشیت نے ایسا نہ چاہا۔ بلکہ لوگوں کو ایمان لانے کے اختیار پر رکھا۔ جو ان کو خدا کی طرف سے کمال ہے ۱۲ منہ

قدر یہ اس کے بعد کی ایک دوسری آیت پیش کر کے کہتے ہیں کہ
 شر خدا کی تقدیر سے نہیں ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ اے بندہ اگر کوئی خوشی
 و فساد ہی کی بات تجھے حاصل ہو تو اس کو خدا کی طرف سے جان کر اس کے شکر
 میں طب اللسان ہو۔ اور اگر بادی اور رنج کی بات تجھے پہنچے تو اس کو اپنے
 نفس کی خرابی سے جان یعنی تیرے نفس نے جو گناہ کسب کیا ہے اس کے
 سبب تو ان مصیبتوں کا مستوجب ہوا ہے اور یہ بات مثل اس آیت کے
 ہے۔ مَا أَحْصَا بِكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ اِسْ آیت
 کی تاویل مثل کُلُّ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ والی آیت سے موافق ہوئے کے لئے
 اس طرح کرنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رکھا کہ راحت و غنیمت
 خدا کی طرف سے اور رنج و ہزیمت بھی خدا کی طرف سے ہے نہ رسول کی طرف
 سے تو معلوم ہوا کہ اس آیت سے وہی مراد ہے جو ہم نے بیان کیا۔ یعنی
 نیکی کو خدا کی طرف سے اور بدی کو بہ لحاظ بندگی اپنی شامت اعمال کے سبب
 سمجھتے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے پہلے صحت ایمان کی شریا کو بیان کر دیا
 یعنی یہ کہ خدا کے سوا کسی کو خالق اور مقدر یقین نہ کرے۔ پھر اس امر کو بیان
 کیا کہ برائی کو شامت اعمال کے سبب سمجھے کہ یہ بات آداب بندگی سے
 ہے۔

اور یہ جو فَاِذَا نَفَخْتُ فِيّ السُّفُوفِ اِس سے جبریت کے
 مذہب کا شبہ نکلتا ہے جن کا اعتقاد ہے کہ بندہ کا کچھ اختیار نہیں۔ خدا جو
 کچھ کرتا ہے اپنے قہر و جبر سے بنا وہ اس پر مجبور رکھتا ہے۔ اور یہ مذہب
 باطل ہے۔ دوسری آیت میں جو فرمایا کہ بدی کا پہنچنا تمہاری شامت اعمال
 سے ہے یہ آداب بندگی سے ہے۔

قدر یہ کے قول سے تعجب ہے کہ باوجودیکہ نیکی و بدی سب کو انسانی
 اختیار کے ماتحت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان ہی اپنے افعال و
 بد کا خالق ہے۔ پھر جو تاویل وہ اس آیت کی کرتے ہیں مَا أَحْصَا بِكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ
 فِيمَنْ نَفْسُكَ اِس سے لازم آتا ہے کہ وَمَا أَحْصَا بَلْغٌ مِنْ حَسَنَةٍ

خیر اللہ یعنی فہمال نیک کا خالق خدا ہو۔ حالانکہ اُن کا یہ عقیدہ نہیں
پس یہی آیت ہماری طرف سے اُن پر حجت ہے۔ علاوہ اس کے قرآن مجید
میں اس کے متعلق اور بھی دلائل ہیں۔ لیکن غیباں اختصار ہم نے اسی پر
اکتفا کیا۔ اسی طرح اس باب میں احادیث بھی بہت ہیں۔ جن کا گنا نامعتمد
ہے۔ ہم ان میں سے چند حدیثیں نقل کرتے ہیں :

حدیث جبریلی میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ جبرائیلؑ نے جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سوال کیا ایا ان کہتے
آپ نے فرمایا کہ خدا پر اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر اور
موت کے بعد جی اٹھنے پر یقین و اعتقاد لانا اور اس بات پر ایمان لانا کہ
کہ خیر و شر خدا کی تقدیر سے ہے حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ ان تو من یا
لقدر خیر و شرک اور قدر نام ہے۔ ان چیزوں کا کہ قادر سے صادر
ہوں۔ اور مقدر کے معنی اندازہ کیا گیا۔ کہ وہ چیز کیا ہے۔ کس طرح ہے
کب ہوگی اور کہاں ہوگی۔ قدر یہ کہتے ہیں کہ قدر تمہارا نام ہے کہ اثبات
قدر کرتے ہو۔ جواب یہ ہے کہ ہم قدر کا اثبات خدا کے حق میں کرتے ہیں۔
اور تم اپنے حق میں کرتے ہو۔ اس سبب ہم نے قدر یہ تمہارا نام کیا ہے۔
آخر حضرت فرماتے ہیں کہ قدر یہ اس امرت کے محوس ہیں۔ اگر بیابا ہوں تو ان کی
عبادت کہ نہ جاؤ۔ اور اگر مر جاؤں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔ اور اگر عورت
چاہیں تو ان کے نکاح میں عورت کو نہ دو نہ

جو بیویوں کے ساتھ ان کی نسبت اس لئے کی گئی کہ جو سی دگر وہ ہیں
ایکے گروہ کہتا ہے کہ نیکی کا خالق تو ہے۔ اور بدی کا خالق ظلمات
ہے :

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نیکی کو بڑاں پیدا کرتا ہے۔ اور بدی کو
اہل من یعنی ابلیس ملعون۔ تو اس مناسبت سے ان کا قول جو جس
کے قول کے موافق ہے کیونکہ یہ بھی مثل جو جس کے فہمال بد کا خالق
بندہ کہتے ہیں۔ اور جس طرح جو جس کا شہ یکہ مانتے ہیں۔ یہ

اور فضائل صحابہ سے روایت حذیفہ بانی و عمران بن حصین عبادہ بن صامت
اور عدول صحابہ سے روایت جابر بن عبد اللہ و ابو ہریرہ و انس بن مالک ابو
سعید خدری و رافع خدریج و حذیفہ اسد و نو اس بن سمعان و غیر ایشان رضی اللہ
عنہم جن سے کتب حدیث معمر اور بھری ہوئی ہیں۔ غرض کہ ان مسائل سے جن میں
باہمی فرقوں نے اہل ہدنت کی مخالفت کی ہے کسی ایک مسئلہ کی تائید میں
ایسی واضح اور روشن دلائل اس کثرت سے نہیں جس کثرت سے اس مسئلہ
کے متعلق قرآن و حدیث میں دلائل موجود ہیں۔ یہ لوگ بعض دلائل کو تادیل میں
شبہات اہیہ پیدا کرتے ہیں۔

ان کا ایک شبہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اگر خالق فعال عباد خدا کو مان
جائے تو کسب باطل ہوا جاتا ہے۔ اور بندہ اپنے فعال میں مضطرب سمجھا جائیگا۔ پھر منظر
سے جو خطا سرزد ہو۔ اس پر عقوبت روا نہیں۔ ہم جو اب دیتے ہیں کہ کسب کو
باطل کرنا میری کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ طاعت و عسبیاں جو کچھ کرتے ہیں اس کا
ہمارا کچھ اختیار نہیں۔ ہم مثل دروازہ کے ہیں کہ اگر بندہ کر دیا جائے تو بند
ہو جاتا اور اگر کھول دیا جائے۔ تو کھل جاتا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ مایہ جبل و عناد ہے
اللہ تعالیٰ نے دین کے باب میں بندوں کو بعض چیزوں کا حکم فرمایا۔ اور
بعض سے منع کیا ہے۔ پھر جس کو کوئی اختیار نہیں۔ اس کو بعض کا حکم اور
بعض سے منع نہیں ایک امر لغو ہے۔ اور خدا تعالیٰ لغو سے منزہ ہے۔ اور مابین حرکت
اختیاری اور حرکت اضطراری کے فرق ظاہر ہے۔ وہ شخص جس کو تپ لرزہ ہو یا عث
رعشہ اس کی حرکت اضطراری ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ چاہتا ہے۔ وہ ہوتا ہے۔ اور بے اختیار
آفریدہ نہ اسے پس وہ حرکت اختیاری بھی آفریدہ خدا ہے۔ اس مسئلہ کہ اضطراری و
اختیاری دونوں ایسی حرکتیں ہیں جن کو خدا نے جسم محدث میں پیدا کیا ہے۔ فرق یہ ہے
کہ حرکت کو پیدا کر کے اسے اختیار دے دیا کہ چاہے بکے۔ چاہے جاری رکھے۔ اور دوسری
حرکت کو پیدا کر کے اسے اختیار کر دیا ہے یعنی وہ اگر روکنا چاہے تو رک نہیں سکتی۔
قد یہ کہتے ہیں کہ ایسا کتنا درست نہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق
خدا ہے اور کما سب بندہ کیونکہ ایک فعل کی اعانت دو فاعل کی طرف دہ نہیں

ہم کہتے ہیں کہ ایک چیز کی اصناف و دو قائل کی طرف دو مختلف معنوں میں رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کبھی مثنوی کی اصناف اپنی جانب کرتا ہے اس لحاظ سے کہ موت و حیات کا خالق وہی ہے۔ اور فرشتوں کی طرف بھی کرتا ہے اس واسطے کہ وہ قائلین ارواح خلافت ہیں۔ اور اس لحاظ سے خدا کی جانب اور بندوں کی جانب افعال کے خالق ہونے کی اصناف کرنا درست ہے اسی طرح ہم فہمال عباد کی نسبت خالق کی طرف بھی کرتے ہیں۔ اور بندوں کی طرف بھی کہ وہی اس کے کاسب ہیں *

اور ہم جو کہتے ہیں کہ ہر چیز اس کی قضا و قدر سے ہے ہمارا یہ قول برہہ اکراہ و حبار نہیں ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے جان لیا تھا کہ وہ کیا کریں گے پس اُس نے اپنے علم کے موافق اُن کے افعال کا حکم کیا۔ پھر جب پیدا ہو گئے تو بندوں کو یہ اختیار نہیں کہ اُس کے علم و حکم کے خلاف کریں *

قرآن شریف میں قضا کے تین معنی ہیں۔ اول بمعنی امر چنانچہ وَ قَضَىٰ ذَٰلِكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ یعنی خدا نے امر کیا ہے کہ اُس کے سوا دوسرے کی پرستش نہ کرو۔ دوم بمعنی خلق چنانچہ وَ قَضَىٰ مِّنْ سَبْعَةِ مَخْلُوٰتٍ اِثْنَيْ عَشَرَ نَفْسًا یعنی سات آسمانوں کو دو روز میں پیدا کیا۔ سوم بمعنی آگاہ کرنا۔ اور ڈرانا چنانچہ وَ قَضَيْنَا اِلَىٰ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ فِي الْكِتَابِ ط یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو آگاہ کر دیا۔ جو کچھ ان پر عذاب ہو گا۔ اور جو کچھ ان سے فساد ظاہر ہو گا۔ لہذا ان تینوں معنوں کے لحاظ سے طاعت خدا تعالیٰ کی تقاضا سے ہے۔ طاعت اسی کی آفریدہ ہے۔ اسی کا حکم ہے۔ اور اسی کا اعلام ہے *

اور معاصی میں تضاد خدا تعالیٰ اور کلمہ امر نہیں ہے۔ ہاں عصیان اُس کی آفریدہ اور اس کی تقدیر و حکم سے ہے۔ رضا خدا تعالیٰ کی اُس کے امر سے متعلق ہے۔ اور ارادت اُس کے خلق و پیدا اُن سے تعلق رکھتی ہے یعنی اس نے جو کچھ منشاء کیا ہے۔ اس کی رضا سے ہے۔ اور جو کچھ پیدا کیا۔ اور لکھ

دیا کہ ایسا ہو گا۔ یہ اس کی ارادت سے ہے۔ یہی فرق ہے درمیان حنا و ارادت کے۔ پس ہم معاصی کو اس کی ارادت سے کہتے ہیں نہ اس وجہ سے کہ بندہ پر جبر کرے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ بندہ اُس میں اختیار رکھتا ہے۔ اور افعال کے پیدا کرنے پر اس کو بندہ کے اختیار پر چھوڑ دینے میں اُس کی حکمت ہے جس کو عقل نہیں دریافت کر سکتی۔

مشیت کے بھی دو معنی ہیں ایک مشیت محبت جو طاعت و ایمان میں ہوتی ہے۔ دوسری مشیت غیر محبت جو کفر و عیبوں میں ہوتی ہے۔

اور قدر یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال سے آگاہی ہے کہ وہ کیا کرے گا۔ اور وہ جو کچھ کریگا۔ وہ اُس کے ارادہ و مشیت سے ہے تو کسی ایسے کام کی نسبت جبر کا کرنا اُس کی مشیت میں ہے۔ نہی فرمانا کیونکر ہو سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس میں خدا کی حکمت ہے۔ اور ایک حجت اُن کے طریق پر یہ ہے کہ سب کے نزدیک اہلبیس خدا کی مخلوق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمام برائیوں اور شر کی اصل اہلبیس ہے۔ پھر جو شجرہ حم کو شر کے پیدا کرنے میں ہے ہی شریر اہلبیس کے پیدا کرنے میں ہے۔ اور ہم کہتے ہیں اس بات کو تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ اہلبیس کے پیدا کرنے کے پہلے خدا کو علم تھا کہ اس سے کیسے افعال صادر ہوں گے۔ پھر جب اس کو پیدا کیا تو خدا قادر تھا اس پر کہ اُس کو نافرمانی سے باز رکھے۔ ہمارے طرح تم بھی اس کے قائل ہو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو اہلبیس کے پیدا کرنے سے خرابیاں واقع ہونے اور اُس سے نافرمانی صادر ہونے کا علم تھا۔ تو اہلبیس کو کیوں پیدا کیا۔ اور اگر پیدا کیا تو اُس کو نافرمانی کرنے میں آزاد کیوں چھوڑ دیا۔ اس سے صاف روشن ہے کہ شر خدا کی تقدیر سے ہے۔ لَا يَشَاءُ عَمَّا يُفْعَلُ وَهُوَ يُسْئِلُونَ۔

یہ فرقہ اس سبب غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کام کا قیاس اپنے کاموں پر کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے صفات کی تشبیہ اپنی صفات میں کرتا ہے

اور گمان کرتا ہے کہ جس بات کی تہ کو ان کی عقل نہیں پہنچ سکتی۔ وہ مستحیل ہے۔ یہ اس فرقہ کی بہت بڑی غلطی ہے۔ معلوم ہے کہ وحی و انزال الہی نے جس بات سے خبر دی۔ قرن اول نے اسے بیان کر دیا۔ اور جس بات میں بیان کی حاجت ہوئی۔ اس کو بیان بھی کر دیا۔ پس ہمیں اس کی متابعت لازم ہے۔ اگر اُس میں ایسا سر ہو۔ جس کی دریافت ہماری عقل سے بالاتر ہے۔ تو ہمیں چاہئے کہ اس راز کو اپنے عجز کے حوالہ کریں۔ یعنی یہ سمجھیں کہ ہماری عقل اس کی دریافت سے عاجز ہے۔ اور میں جگہ شرع نے توقف کیا ہے۔ وہاں توقف کریں۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہم سب اپنی عقل سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ بہت سے ایسے اسرار غیب ہیں۔ جن کی حکمت معلوم کرنے سے ہماری عقل عاجز ہے۔ پھر اس پر یہ اعتقاد رکھیں کہ بندہ ہی اپنے افعال کا خالق ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ صنائع الہی جس طریق پر قائم اور موصوع ہیں۔ اگر تمام دنیا ال کر چاہے کہ اس میں کچھ تغیر و تبدل کر سکے۔ تو ممکن نہیں حتیٰ کہ حرف میم کو جس کا تلفظ بدوں وصل شفتین کے ممکن نہیں۔ اگر چاہیں کہ میم کے تلفظ میں دونوں لب نہ ملائیں۔ اور اس کا صحیح تلفظ کر سکیں۔ تو محال ہے۔ اور جس طرح میم کے تلفظ حلق سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر حرف حا کا تلفظ جس کا مخرج حلق ہے۔ لب سے دشوار ہے۔ پھر باوجود اس عجز ظاہر کے اپنے افعال کا خالق اپنے کو تصور کریں۔ نیک مرد وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ کارخانہ قدرت الہی میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں۔ جن کی دریافت میں انسان عاجز ہے۔ پس سمجھ لو کہ فرمودہ خدا و رسول پر ایمان لاتا ہے *

اور مسئلہ قدر و بعثت و وزان وغیرہ سب کو حق جانتا ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کو عین ضلالت سمجھتا ہے *

ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ جہنم ہم جو کچھ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ خدا کے یہاں پہلے سے لکھا جا چکا ہے۔ یا ہم لوگ بے تقدیر سابق کے از سر نو اس کو کرتے ہیں۔

حضور نے فرمایا کہ نہیں یہ تو سب خدا کے یہاں لکھا جا چکا ہے۔ اور پیاسے سے اُس کی تقدیر میں موجود ہے۔ عرض کیا۔ پھر ہم عمل کیوں کریں۔ ارشاد ہوا۔ کہ اَعْمَلُوا فَعَل مِيسِرُ لِمَا خَلَقَ لَكُمْ يَعْني تم عمل کئے جاؤ۔ ہر شخص کے لئے وہ کام آسان کیا گیا ہے۔ جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ اس سے حضور کا یہ اشارہ تھا کہ تقدیر پر ایمان لاؤ۔ اور جانو کہ یہ حق ربوبیت سے ہے۔ اس کو ضائع کرنا درست نہیں۔ اور خدا کے احکام کو پورا کرنا حق عبودیت سے ہے۔ ہر ایک کام کو اپنے محل و موقع پر پورا کرنا چاہئے۔ اور یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ہماری تدبیر میں علم خدا تعالیٰ سابق ہے۔ اس کے خلاف نہ ہوگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تم عمل سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اور اپنے کو مکلف نہ سمجھو۔

~~~~~

الحمد لله ان مسعودی حدیث میں ہے کہ خلقت انسانی چالیس روز تک شکم مادر میں ذمہ کی صورت میں رہتی ہے۔ پھر چالیس روز تک غلغلا اور پھر چالیس روز تک سفندہ رہتی ہے۔ اس کے بعد ایک فرشتہ چار بائیں لے کر آتا ہے۔ پس لکھتا ہے اس کے رزق کو اور اس کے عمل کو۔ اور اس کی اہل کو اور اُس کے شقی یا سعید ہونے کو۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس میں اور جنت میں ایک ذراع فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پس اس وقت کتاب الہی اس پر سبقت کرتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے سے عمل کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ دوزخ میں جا پڑتا ہے۔ اور ایک شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ذراع کی دوری رہ جاتی ہے۔ پھر تقدیر انکی سبقت کرتی ہے اور وہ جنت کے سے عمل کرنے لگتا ہے پس جنت میں داخل ہوتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا استقرارِ رزق کے چالیس دن یا پتالیس روز بعد ایک فرشتہ داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ الٰہی یہ شقی ہے یا سعید پھر جیسا حکم ہوتا ہے کہتا ہے۔ پھر کہتا ہے یا رب مرد ہے یا عورت پھر حکم کے موافق یہ لکھ لکھتا ہے۔ پھر اس کے عمل اور اہل کو لکھتا ہے۔ پھر اس تحریر کو لپیٹ دیا جاتا ہے کہ اس میں کوئی زیادتی اور کمی نہیں ہوتی۔ (معالم التنزیل)۔

لوگوں نے ابراہیم ادہم سے کہا کہ آپ ہمارے پاس کیوں بیٹھے کہ ہم آپ سے کچھ ہدایت کی باتیں سنیں۔ جواب دیا۔ میں چار چیزوں میں مشغول ہوں۔ اگر ان سے فراغت ہو تو تمہارے واسطے بیٹھوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مجھے اس کی فکر ہے۔ جب خدا نے آدم اور اس کی ذریعہ سے مینا بنایا تھا۔ اور فرمایا تھا۔ هُوَ لَا يَمُرُّ بِالْجَنَّةِ وَلَا يَأْتِي هُوَ لَا يَمُرُّ فِي التَّرَدُّلِ ابالی تو جنت معلوم نہیں کہ میں کس قدرتی میں ہوں۔ دوسرے میں اس فکر میں ہوں کہ جب تک الموت میری روح (تقیہ حاشیہ پر صفحہ ۱۰۵)



# دسویں فصل

## کثرت ہادی کی شرح و درستی کے بیان میں

مناجی کریم علیہ التقیہ و السلام فرماتے ہیں کہ ایمان کل کچھ اور بیشتر  
نہیں ہیں۔ ان میں بلند تر شرف ہے کہ نہ اس کے معبود پرستی ہو نہ ہادی  
دی باشند۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ الا یدان ہضہ ہضہ ہضہ  
شعبہ اعلیٰ کا شہادت ان لا الہ الا اللہ اس حدیث میں کثرت  
کی نبوت کی شہادت کا ذکر نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اس کلمہ کے الٰہی  
جانتے ہیں کہ تو میری شہادت اس وقت ہر گز نہیں ہے۔ اس کے خلاف  
نبوت کی شہادت ہی نہال ہو۔

اور دوسری حدیث میں کہ ان محمدًا رسول اللہ ہی وارث ہے  
اس سے یہ مسئلہ صاف ہوا جاتا ہے۔ پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص  
دل سے توحید و نبوت کا معتقد ہو اور زبان سے اس کا اقرار کرے وہ یقیناً  
سے اور تعویذ و اقرار یہ دو ہیں۔ جو دو چارہ مختلف یعنی دل و زبان  
تعلق رکھتے ہیں۔ مگر بیٹ و نواسل کو ایک ہی ذمہ ادا کرنا چاہیے۔ تو ہم  
شہادت ہی کے ذریعہ ادا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ شہادت کے معنی ہیں اس  
بات کو نہ ہر کرنا جس کا ظلم اس کو حال ہو گیا ہے۔ اور گواہی دینا حسب ہی

بجانب حاکم و حاکم نے ان کو اس کے ہر من کرنا ہی سلام پر نہیں  
کرنا۔ کہ وہ جسے معلوم نہیں کہ وہ ہر سے متعلق کی فراہم ہے تیسرے خدا کے  
کہ جس کے حق ان الہم میں انیس ہوں۔ تو مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس ذائق میں ہو گا۔ پھر  
کہ اس کے ظلم و ستم پر کیا کرنا ہے۔ اور تمہاری حق ذات ہے۔ اس کے ہر من کرنا ہے  
ہر ہر کے ہر من ہے یا ہر تو مجھے پتا ہے کہ خدا علیہ من کس غرضی ہر ہر من ہے۔

درست ہو سکتا ہے کہ جس چیز کی گواہی دیتا ہے۔ اس کا علم بھی اس کو حاصل ہو تو وہ اس طرح اپنے یقین کا اعتراف کرتا ہے۔ اور صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی واسطے لفظ شہادت کو ایمان کے لئے قائم کیا ہے تاکہ دل کی تصدیق اور زبان کا اعتراف ایک ہی لفظ میں ادا ہو جائے بندہ جب کہتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ تو اس سے معاد ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت کا دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے والا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کلمہ شہادت کہتے ہیں \*

کلمہ توحید کی وجہ سے

اس کا نام کلمہ توحید اور کلمہ اخلاص بھی ہے۔ اس واسطے کہ کفر کی قسمیں بہت ہیں۔ بندہ اس کلمہ کے پڑھنے سے تمام اذوائے کفر سے پاک ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص اگر کہے اَمَزْتُ بِاللّٰهِ تو محض ایسا کہنے سے اس کے ایمان کا حکم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اَنْ لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے اُسے مومن نہیں کہہ سکتے۔ مگر جب لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو اس کو مؤمن کہیں گے لفظ الہ کے معنی معبود کے ہیں۔ اور حقیقت معبود وہ ہے جو ہست و نیست کرنے والا۔ روزی پہچاننے والا اور پروردگار خداوند خالق ہے اور یہی معنی لفظ اللہ کے ہیں۔ گداشہ کا اطلاق غیر حق تعالیٰ پر ہوتا نہیں۔ اور لفظ آلہ بھی یہ منہ تو رکھتا ہے۔ لیکن شرکاء ان ربیکا قاعدہ تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود ان باطل کے بھی معتقد تھے۔ تو لفظ آلہ کو معبود طہال پر اطلاق کرتے تھے۔ اور اس کی جمع اِطْلَئَاتُ کرتے تھے۔ یہ الہ کا زرادروغ تھا۔ ورنہ حقیقت میں لفظ آلہ کی نہ جمع ہے۔ اور نہ تثنیہ کیونکہ یہ نام خاص خدا سے عز و عل کا ہے۔ اور ولات کرتا ہے۔ ذات قدیم بے مانند ہے کہ وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ جو اسی کو زیر ہے۔ اور صفات نقص سے اُس کی ذات منزہ ہے۔ پس لفظ آلہ کا اطلاق کسی ذات پر ہونے ذات الہی کے نہیں کر سکتے کہ وہی موصوف بہ صفات مذکورہ ہے۔ اس کے سوا دوسرا ان صفات کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید



میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حیث قال تعالیٰ شانہ ھَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا۔ کیا خدا تعالیٰ کا کوئی ہم نام جانتے ہو۔ یعنی جب وہ اپنے وجود میں یکتا ہے تو رد ہے کہ اس کے نام کا کوئی معنی ہو۔ یہ ہے شرح کلمہ شہادت کی \*

اب ہم تنزیہ فی التوحید کا بیان کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ کی بہت قسمیں ہیں۔ لیکن تمام اباطیل کا منشا پانچ چیزیں ہیں۔ تعلیل۔ تشریک۔ تشبیہ۔ تعلیل اور تشریک فی التدبیر ان کی پوری شرح بیان کرنا چنداں ضروری نہیں۔ لہذا ہم اشارۃً بیان کئے دیتے ہیں۔ تاکہ توحید بالاصل ظاہر اور تنزیہ کی حقیقت صاف ہو جائے۔ \*

اصل تعلیل یہ ہے کہ اہل الحاد کی ایک قسمیں تریں قوم اس بات کی قائل و معتقد ہے کہ عالم کا کوئی صانع نہیں۔ وہ قدیم سے ایسا ہی چلا آتا ہے اور ایسا ہی چلا جائے گا۔ اور محسوسات کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔ تشبیہ یہ ہے کہ کچھ لوگ خدا تعالیٰ کیلئے بکت و فکر کرتے ہیں اور جو سر۔ اراض جو اس کے مخلوق ہیں ان کی نسبت اس کے ساتھ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے مثل و مانند کے قائل ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک۔ تشریک یہ ہے کہ ایک قوم خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے صانع کا اثبات کرتی ہے۔ اور دو فاعل کی معتقد ہے۔ ایک فاعل خیر اور دوسرا فاعل شر۔ \*

تعلیل یہ ہے کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ چیزوں کی علت ہے اور اس عالم کا مادہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک۔ تشریک فی البدیہہ یہ ہے کہ ایک قوم اعتقاد رکھتی ہے کہ عالم کی تدبیر فرشتے کرتے ہیں۔ اور یہ قوم فرشتوں کی پرستش کرتی ہے۔ ایک دوسری قوم تدبیر عالم کی اصناف ستاروں کی اور طبائع کی طرف کرتی ہے۔ یہ پانچویں قسم کے عقائد کفر و الحساد ہیں۔ تو مید میں تنزیہ کے یہ معنی ہیں کہ مومن ان تمام اباطیل سے اور نیز ان کی شاخوں سے براؤ و نافر

پانچ قسم کی

کرے۔ اور یقین کرے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ معنی اثبات ہے لا الہ نہیں  
تمام اُن چیزوں کی جو خدا کے سوائے یعنی کوئی اس کا شریک اور ہم نہیں  
کوئی اس کی مانند و مثل نہیں۔ کوئی اس کے سوا صانع اور مدبر عالم نہیں۔  
کوئی اُس کی شبیہ نظر نہیں۔ اور لا اللہ اثبات ہے۔ نہ تعالیٰ اس کے لئے  
اس کے تمام صفات مبالغہ اور یہ چند چیزوں کی مشابہت ہے۔ اثبات وجود  
ہوئی تعالیٰ اثبات اورانیت اور اس بات کا اثبات کہ وہ اپنی ذات عقدا  
بہما یکنے اور چوہر و عناصر پر جو باتیں رہیں وہ اس پر روا نہیں۔ اور اس  
باعتدال کا اثبات کہ اس کے وجود و تدبیر اور تمام موجودات سے پہلے ہے نہ اپنے  
وجود میں منفرد ہے۔ خدا مست ہے کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں۔ اور اس بات کا  
اثبات کہ تمام چیزوں کا مدبر و متصرف ہی ہے۔ اور لفظ اللہ ان تمام مذکورہ  
بالا معنوں پر قیاس ہے۔ جو شمس کلمہ لا الہ الا اللہ کو اس میں اور اس میں  
کے لحاظ سے پڑے۔ وہ تمام اقوال کلمے پاک ہو جائے۔ اور حسدان  
وہدایت کا اثبات ہو جائے۔

لیکن چاہئے کہ اپنے تمام ایمانیات کی تفصیل میں خلافت نہ کرے۔ ہم  
اس کو بھی پانچ قسموں میں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ پوری طور پر معلوم ہو۔ خدا  
کے تمام احسان و نعمتیں جن کو ہم بیان کر چکے ہیں اس قسم کا شک و شبہ  
لائے۔ اور حقیقت مرنے سے مغرب ہو کر ان کا حاصل عیانہ پر نہ کرے کہ یہ  
ایک قسم تفصیل کی ہے۔ جو سب سے پہلے کو اپنے فہم و خیال کا خالق نہ کرے۔ اور  
کفر و معاصی سے نفی ارادت و شہادت حق کی نہ کرے کہ اس میں ایک طرح کی  
تشریک ہے۔

تیسرے خدا کی صفات کو خلق کی صفات پر قیاس نہ کرے۔ اور  
افعال حق کا موازنہ اپنے فہم و خیال کے ساتھ نہ کرے نہ اس کو کسی چیز کی مثل  
کرے۔ اور اس کا معارضہ نہ کرے کہ یہ متنی این غیر ہے نہ کرے۔ یعنی یہ نہ کرے  
کہ وہ کس طرح سے کتنا ہے۔ کہاں ہے۔ وغیرہ۔ بلکہ اس کو بے چون و چاؤں  
اور بے پند و چرا جائے۔ چون چلوں اور چند و چرا وغیرہ کا اس کی مثال



بارگاہ بین فل نہیں۔ اس کے خلاف اعتقاد نہ کرے کہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے۔

چوتھے روح کو قدیم نہ کہے۔ اور اس امر میں کہ تمام چیزیں خدا کے ہوا محدث ہیں۔ تو قنہ نہ کرے کہ اس میں تعلیل کا شائبہ ہے۔ پانچویں مقبول کے حکام کا معتقد نہ ہو۔ اور قبول نہ کرے۔ اور نظام کائنات کو طبايع اور متا۔ دل اور فرشتوں پر حمل نہ کرے کہ اس سے تائید الہی میں تشکیک مفہوم ہوتی ہے۔

انسان حسب ان باتوں کو خوب سمجھ کر اس کے موافق ایمان لائے۔ تو اس سے حق توحید ادا ہو جائے۔ اس فقیر کو امید ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی کتاب میں کو جو شرح کلمہ شہادت میں بیان ہوئی۔ خوب سمجھ لے تو توحید کے تقاضا کوئی ضروری بات پوشیدہ نہ ہے۔ اور اس کے عقیدہ میں کوئی غلط پیدا نہ ہو۔ اَلَا اَنْ يَشَاءَ اللهُ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ ۔

# دو نمبر باب

فرشتوں کتابوں پر پیغامبروں پر ایمان لانے کے  
بیان میں اور موت کے بعد حوالہ آخرت کی تفصیل میں

اس باب میں ہم نے کتاب سنت کے موافق تمام بیان کیا ہے پہلے  
پیغامبروں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا۔ اس لئے کہ فرشتوں کی معرفت اور  
کتاب الہی کی شناخت بدولت سر برحق کے ممکن نہیں۔ اور ہم جو اسما و صفات  
الہی اور شرائع اور معاملات بعثت و نشور اور امور غیبی متعلق بہ آخرت سے  
وقف ہوئے۔ تو پیغامبروں کے ذریعے سے اسی واسطے اس کو مقدم کیا ہے۔

## پہلی فصل

نقطہ نبوت کے معنی اور اس کے ثبوت میں اور اس میں  
میں کہ رسالت و نبوت میں کیا فرق ہے

نبوت سہم ہے مشتق بنا رہے جس کے معنی خبر کے ہیں۔ اور یہاں اس سے  
مراد وہ خاص خبر ہے جو خدا کی طرف سے کوئی برگزیدہ بندہ جس کو خدا نے  
اس خبر کے لئے خاص کیا ہے۔ ذی عقل مخلوقات کی طرف لاشے۔ یہ خبر رسول  
گرامی لاتا ہے۔ دین دنیا کی اصلاح، آخرت کی نجات، امر و نہی، اپنہ و نسیحت  
رہنمائی و ہدایت، بشارت و انذار اور وعدہ و وعید وغیرہ کو شامل ہوتی ہے۔



اور نبی گرامی بندوں کو ان تمام باتوں سے وقف کرتا ہے۔ تو نبوت کے معنی اُن چیزوں کے پہچاننے اور اُس سے خبر دینے کے ہیں۔ اور نبی وہ شخص ہے جس کو خدا نے ان چیزوں کی خبر دی ہے۔

بعض علما کہتے ہیں کہ نبوت کے معنی ارتفاع اور بلند ہی کے ہیں۔ تو وہ نبی ہے جس کا مرتبہ و محل دوسروں کی نسبت بلند ہو بہ سبب اُس علم کے جو خدا کی جانب سے اُس کو ملا ہے۔ اور وہ ایسا علم ہے جو کسب کے محل نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمایا یعنی معارف شرائع اور معرفت حقائق سے مطلع کیا۔ مگر اُس کو تبلیغ کا حکم نہ ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلاوے۔ اور اُس کے احکام امر و نہی وغیرہ بندوں کو پہنچائے بلکہ اس کو نبوت محض اس کو شرف بزرگی بڑھانے کے لئے عطا فرمائی۔ اور اس لئے کہ وہ خود اس پر عمل کرے۔ تو ایسے محترم شخص کو نبی کہتے ہیں نہ رسول۔ اور جس کو خدا تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر اس کو تبلیغ رسالت اور دعوت الی الخیر کا بھی حکم فرمایا۔ وہ رسول ہے۔ پس نبی رسول نہیں ہوتا لیکن رسول نبی ہوتا ہے۔ اور اس کو نبی مرسل کہتے ہیں۔ (در منشوریں برآوا ابن منذر و ابن ابی حاتم مجاہد سے اسی طرح آیا ہے)۔

اب جانتا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا۔ اور اپنے احسانات کا شکر بذریعہ عبادت و طاعت ان پر واجب فرمایا۔ اور لوگ کیفیت ادائے شکر و عبادت پر وقف نہ تھے۔ تو پیغمبروں کے ذریعہ اس کیفیت پر مطلع فرمایا۔ اور امر و نہی سے ان کو مکلف کیا۔ اور نیکوئی و ماقبت اور آخرت سے انہیں خبر دی۔ یعنی اگر نبی مرسل کے حکم کے مطابق نیک کام کریں تو ان کے لئے ماقبت میں عواید و جزائے ورنہ عقاب و سزا اور حکمت بھی اسی کی مقتضی ہے۔ اگرچہ خدا نے انسان کی جبلت عقل پر یہ بات رکھی ہے کہ خدا کو پہچانے۔ اور اس کے انعام کا شکر اپنے پروردگار پر واجب جانے۔ لیکن اس سبب سے کہ کیفیت ادائے شکر کی بدولت وقف کے نبی مرسل لئے نبوت کی تفصیل بحث کے لئے دیکھو تکمید صفحہ

کے معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نیز چن۔ باتیں ایسی ہیں کہ اس سے نجات دے  
کرنے میں کفرانِ نعمت بلکہ کفر منعم لازم آتا تھا۔ اگر شرع منع نہ کرتی  
تو عقل حراعتِ مال سے بڑھ جاتی۔ اور ہمسایہ و صفاتِ آفریدگار میں غلطی  
کرتی۔ اور یہ نہ جانتی کہ اس کی ثنا و صفات کس طرح کرنا چاہیے (اس واسطے  
ایصالِ رسل اور انبیاء کی ضرورت ہوئی) \*

دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کی عقائد میں متناقضات و مختلفیات ہیں۔ ان  
کے ادراکات ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہم محدثات میں اکثر ایسی  
چیزیں پاتے ہیں کہ بڑے ٹھیک عقلاً اس کی دریافت میں مختلفہ الراسے  
ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ اور ہر ایک کسی ایک ہی شکرِ انعام اور عباد  
الہی کے طریق ادا اور کیفیت طاعت کو عقل پر چھوڑ دینا ظاہر نہیں تھا  
پس ضرور ہوا کہ خدا کی طرف سے ہی مسئلہ پیش ہوا۔ اور بندوں کو ایک  
ای طریق عبادت اور ایک ہی مرکز پر تفتیح اور جمع کر کے اس لحاظ سے  
نبی کی ہدایت خدا کی حکمت و تدبیر ہے۔ اگر انبیاء مبعوث نہ ہوتے تو امت  
آرام کے سبب تکلیف بالکل اٹھ جاتی۔ اور نیک بد میں ملال و مشابہت  
نہ ہوتی۔ جتنی کہ کافر کفار کے کفر کی حقیقت معلوم نہیں۔ یعنی اس کو معلوم نہ  
ہوتا کہ کفر کس کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ظالم ظالم کی حقیقت و تعریف سے  
لا علمی ظاہر کرنا۔ اور دنیا میں کوئی ایسا زاجر بھی نہ ہوتا جو حقوقِ خدا کو  
توہین و مشابہت سے باز رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی جانب اشارہ  
فرمایا ہے۔ **رُءُوسُ السُّلُطَانِ مُبْتَلٰی بَیِّنٌ وَ مُبْتَلٰی بَیِّنٌ لِّیَکُوْنُ الذِّکْرُ**  
**عَلٰی الْاٰخِرِیْنِ اَمَّا بَعْدُ الْمُرْسَلِ** یعنی ہم نے رسولِ بشارت دینے والے  
اور ڈرانے والے جیسے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے امتحان  
کوئی حجت نہ رہے۔ یعنی لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم پر رسول بھیجے نہ تھے۔ ہم  
عبادت کس طرح کرتے۔ دوسری جگہ فرماتا **وَ مَا کَانَ مُقَدِّرًا بَیْنَ مَقَدِّرِیْ**  
**تَبَعًا مَّا رَزَقْنَا لَیْسَ لَہُمْ عِزَابٌ لِّیْہِ** لے لے نہیں۔ سب تک رسول بھیجیں  
اور سنیں۔ **وَ کُوْنَا اَعْمٰکُمْ اَعْمٰکُمْ اِیْمٰنٌ قَبْلَہِ** نقال و زبانت



لَوْ كَلَّا أَرْسَلْتُ إِلَيْكَ رَسُولًا فَتُنَبِّئُكُم بِآيَاتِنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تُشْرِكُوا  
وَتُخْزِنِي يَعْنِي اگر ہم رسول کے بھیجنے سے پہلے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو  
کہتے آئے پروردگار تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیات  
کی متابعت کرتے۔ پہلے اس کے کہ ہم ذلیل و خوار ہوتے ۰

اثبات نبوت کے باب میں مزید یہ ہے کہ جیسا بیان ہوا۔ ہم کہتے  
ہیں عقلاً نبی کا ارسال و بعثت جائز ہے۔ اور جب عقلاً جائز ہے تو خدا کے  
چند ایسے بندے جو صفات صلاح و سداد۔ امامت و دیانت۔ ویر و پارسائی۔  
اتمام خلقت و خوبی صلیت۔ رستی سخن و بلندی ہمت۔ پاکی عرض و بزرگی  
نسب۔ کمال عقل و خوبی فصاحت کے ساتھ موصوفہ تھے۔ مخوف ہیں ظاہر  
ہوئے۔ اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ خدا نے انہیں خلعت نبوت و رسالت  
سے سرفراز فرمایا ہے۔ پھر اپنے اس دعویٰ پر چند ایسے اعمال بھی ظاہر  
کئے۔ جو خلاف عادت تھے۔ اور جن کا صدور ان کے غیب سے ممکن نہ تھا۔ اور  
ان اعمال کی مثل صادر ہونا حد و قوت بشریت سے خارج مثلاً سرد ہونا آتش کا  
حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر۔ اور سانب ہونا عصائے موسیٰ کھیم اللہ  
علیہ السلام کا۔ اور زندہ ہونا مردہ کا دعائے عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے۔  
اور باہر آنا پانی کا جناب سول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے  
پس انہوں نے ان اعمال سے ثابت کر دیا کہ ان کی نبوت مستحق ہے۔ اور  
اس میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ جو کام اور فعل ان سے صادر ہوئے۔ دوسرے  
لوگ ان کے صادر سے عاجز بلکہ حد بشریت اور امکان مخالفیت سے خارج  
اور بالاتر تھے۔ اور جب انہوں نے ایسے اعمال کو انبیل کے لئے ابداع کیا۔ تو اس  
روشن ہو گیا کہ وہ فرستادگان خدا ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص  
کو جو اس پر افترا کرے۔ اور اس کا حال بحیثیت صدق و کذب خلق سے  
پوشیدہ ہے۔ اس طرح وہ نہیں کرتا کہ اس کے اعمال اس کے دعویٰ کے  
مثبت ہوں۔ اور صدق دعویٰ پر گواہی دیں ۰

۱۰ کی تحقیق اور اس میں تفریق کسے لئے دیکھو نیکمہ صغیر

اور اگر کوئی ملحد کہے کہ جادو و سحر کے ذریعہ بھی ایسی چیزیں کھائی جا سکتی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ساحر کے شعبہ اور تخیلات معجزہ کی حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ چنانچہ ساحر ان فرعون سے بڑھ کر کوئی ساحر نہ تھا۔ دیکھ لو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ نے ان کے سحر کو تباہ کر دیا۔ ساحروں کے اسلام کا بھی یہی حال تھا کہ وہ سحر سے وقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہمارے سحر سے بالاتر ہے۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ سحر پر سحر غلبہ کر سکتا ہے۔ لیکن سحر کو نیست و نابیز نہیں کرتا تو جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا وہ سحر کی حد و احاطہ سے باہر تھا۔ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے جناب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ کے زمانہ تک کوئی وقت ایسا نہیں پایا کہ کسی ساحر نے دعویٰ نبوت پیغامبری کیا ہو۔ پھر اگر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی جھوٹے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو یہ امر موجب اشتباہ نہیں۔ اس لئے کہ خود حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد جھوٹے اور کذاب لوگ نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ اُن کی نبوت کا دعویٰ کذب باطل ہوگا اس لئے کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ نہ تشریفی اور نہ غیر تشریفی مہنر! اگر کسی ساحر فسوں ساز نے ایسا فریبی کی غرض سے دعویٰ نبوت کیا بھی تو اُس کا حال یہ ہوگا کہ چند بیوقوف اتھرائے حال میں اس کے دام تزدیر میں آئے مگر جب غرہ قلیل گذرا تو اہل عقل پر فوراً اس کا کذب روشن ہو گیا۔ پھر کیا تھا نبی الدین فی اللہ نے اُس مردود کو پکڑ کر اُس کو اور اُس کے احوال انصار کو یا تو جلا ڈالا یا قتل کر ڈالا۔ اور بہزار خرابی و خواری واصل بچشم کیا۔ حتیٰ کہ اُس کا اور اُس کے حمق کا نام و نشان تک نہ رہا۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ تم کہتے ہو دجال لعین ایک شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کرے گا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ امانت و اخیا بہ حق

جیسے ہمارے اس زمانہ کو زادی میں مرزا قلام احمد قادیانی نے جھوٹا دعویٰ نبوت



و قدرت خدائے عزوجل ہوگا۔ لیکن جال اُس کی انصافت اپنی طرف کرے گا اور خدا تعالیٰ کی اُس میں کوئی حکمت ہے کہ وہ ایک جھوٹے مدعی ربوبیت کی زبان پر اس واقعہ کو ظاہر فرمائے گا۔ اور یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ اُس نے دجال کے اس از کو مخلوق پر ظاہر نہ کیا۔ لیکن اُس کا کذب موجب اشتباہ نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کی زبانی مخلوق کو آگاہ کر دیا ہے کہ دجال لعین دعویٰ خدائی میں جھوٹا ہوگا۔ اُس کے فتنہ سے بچتے رہنا وہ دشمن خدا ہے \*

اور دجال کے کذب دعویٰ پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب خدا تعالیٰ دجال کے مقتول کو زندہ کرے گا۔ اور دجال چاہیگا کہ پھر دوبارہ اس کو قتل کرے تو اُس وقت وہ اُس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ جب دجال کسی شخص کے قتل پر چاہے قلع و خلع سے ممکن ہے قادر نہیں ہے پس زندہ کرنے پر بھی کہ وہ فعل الہی ہے۔ بطور اولیٰ قادر نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اُس کا کذب خود اس کی ذات میں موجود ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ جسم محدود و مختصر خدا ہونے کے قابل کبھی نہیں ہو سکتا۔ بڑی صاف و صریح دلیل کذب دعویٰ دجال کی یہ ہے کہ وہ ایک آنکھ سے اندھا ہوگا جس کو عربی میں اعور کہتے ہیں۔ تو جب خود اُس کی خلقت میں نقص موجود ہے۔ پھر اُس کا دعویٰ خدائی کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ ہاں اظہار معجزات کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ خود اُس سے اُس کا نقص اعوری دور نہ ہوگا۔ جب یہ امر صاف ہو گیا تو معلوم ہوگا کہ دعویٰ کے عقب میں اظہار معجزہ صدق دعویٰ کی دلیل ہے یعنی معجزہ کا کسی نبی کے ماتھے سے صادر ہونا اُس کے صدق نبوت کی دلیل ہے \*

اس میں کوئی کلام نہیں کہ عہد آدم سے دور خاتم الانبیاء تک انبیاء و مرسلین سے کثرت سے معجزات ظاہر ہوئے ہیں۔ ہر نبی نے اپنے اپنے زمانہ میں ایسے معجزہ دکھائے۔ جو کہ صد در آن کے غیب سے نکال تھا۔ لوگوں نے اپنے حاسہ چشم انبیاء کو متعجب نہ دیکھتے دیکھا۔ اور برای لعین دیکھنے والا

دعوت الی الحق میں نبی کا اتفاق

ہر زمانہ میں اس کو نقل کیا۔ حتیٰ کہ اُس کا علم بتواتر سننے والوں میں ظاہر و آشکارا ہو گیا جس میں شک و دروغ کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کی طرف سے مثلاً اپنے وزیر یا حاکم ہونے کا جھوٹ و دعویٰ کرے۔ اور بادشاہ یا وجود تو اتر علم کے اُس کا کذب خلق پر ظاہر نہ کرے تو وہ بادشاہ یا تو نادان ہو گا یا عاجز اور خدا تعالیٰ اُس سے منزع ہے۔ بڑی حجت صدق دعویٰ انبیاء کی یہ ہے کہ تمام انبیاء معارف اور اسماء و صفات الہی اور کوائف و حوادث عالم اور احوال بعد فنا کے متعلق خبر دیتے ہیں۔ اور خوبی یہ کہ سب انبیاء اس خبر پر متفق و متبی ہیں۔ دعوت الہی مثل عبادت و توحید و ترک معاصی میں بھی اور خبر غیب مثل یسوع و عیسیٰ و نبوت و بہشت و دوزخ میں بھی۔ اور ثواب و عقاب اور مقبول اور مسترد ہونے میں بھی اُن کے کلام میں باہم گرہ و تفاوت نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔  
 وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا  
 یعنی اگر غیر خدا کے پاس سے ہوتا۔ تو اُس میں اختلاف کثیر پاتے۔

## فصل دوم سری

پیغام میں پر ایمان لانے اور اُن کے ضروری خصائص و مراتب کی بات

جب معلوم ہو گیا کہ نبوت حق ہے۔ تو اب جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جس کو چاہا اپنی نبوت کے لئے خاص کر لیا۔ حصول نبوت نہ نبی کے اختیار میں تھا نہ متعلق بہ کسب۔ یہ اعتقاد رکھنا کفایت کرتا کہ نبوت کس سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ انبیاء پر ایمان و اعتقاد لانا حقیقت میں خدا پر ایمان و اعتقاد لانا ہے۔ خدا پر ایمان لانا بدولت پیغمبروں پر ایمان لانے مقبول و پذیرا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں

آپ پر ایمان لانا کا طریقہ



چند جگہ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خدا پر ایمان لانے اور پیغمبروں پر ایمان لانے میں جدائی اور تفرقہ ڈالنا کفر ہے یعنی یہ رُست نہیں کہ خدا پر ایمان اعتقاد رکھتے۔ رسول پر نہیں۔ یا صرف رسول کی رسالت کا معتقد ہو اور خدا کی توحید پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الدِّينَ يَكْفُرُ ذَنْبًا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ وَيُؤْمِنُ بِذَنْبٍ اَنْ يُفَرَّقَ قَوْلَ بَيْنِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ یعنی تحقیق جو لوگ خدا اور رسول سے کفر کرتے اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ خدا اور رسول کے درمیان جدائی پیدا کریں الخ عام پیغمبروں پر اس طرح ایمان لانا چاہئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے خاص و برگزیدہ بندے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت الی الحق پر مامور ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم فرستادگانِ خدا ہیں۔ اور اپنے صدق دعویٰ پر حجتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ میں استگو اور سچ مچ فرستادگانِ خدا تھے انہوں نے کبھی کوئی بات خلافِ حق نہیں کہی پس عموم پیغمبروں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قدر ایمان لانا کافی ہے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے میں چند دوسری شرطیں بھی ہیں جن کو ہم نے ایک علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے عام پیغمبروں کی نسبت صرف یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ چند برگزیدہ اشخاص تھے کافی ہے۔ ان کے نام و انساب کو یہ درکنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے۔ وَرُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِمَّا رَفَعْنَا عَنْكَ قَبْلُ وَرُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ یعنی ہم نے خالق کی جانب رسول بھیجے۔ اُن میں بعض کا قصہ تم پر بیان کر دیا۔ اور بعض رسولوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ مگر عام انبیاء کے متعلق بھی اتنی دقیقیت ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو دو چیزوں کے ساتھ مقرر فرمایا ہے۔ ایک تعلیم۔ دوسری تائید پہلے کے یہ مہنتیں ہیں کہ عام لوگ جو باتیں نہیں جانتے۔ خدا تعالیٰ ان کو وہ باتیں بھی سکھا اور بتا دیتا ہے۔ اور تائید کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اُن کی تائید

کرتا ہے۔ دلائل حجتوں اور فرشتوں کے ذریعہ تو باب تعلیم سے نبوت ہے  
اور باب تائید سے حجت نبوت \*

## باب تعلیم انبیاء

باب تعلیم کا حاصل ہونا چند باتوں کو شامل ہے۔ کلام اللہ کا سنا  
جیسا کہ حضرت محمدؐ علیہ السلام نے سنا۔ یا خدا کی جانب سے الہام ہونا۔ اور  
الہام کے معنی ہیں کسی چیز کا خدا کی طرف سے اُن کے دل میں پڑنا بدوں  
اِس کے کہ اُس کے بارہ میں الہام سے پہلے اُن کے پاس کوئی استدلال ہو  
یا جس کے ذریعہ اُس کا کوئی اثر پایا جاتا ہو۔ لیکن فرشتہ کے توسط سے  
جو الہام آتا ہے اُس کو وحی کہتے ہیں۔ بعض وقت فرشتہ پیغمبر سے اِس  
طرح اظہارِ پیام الہی کرتا ہے کہ جیسے آدمی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ اور  
بعض وقت فرشتہ اِس طرح نبی سے کہہ جاتا ہے کہ کسی کو حتیٰ کہ نبی کے  
کان کو بھی اُس سے اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ الہام صرف دل سے تعلق  
رکھتا ہے۔ خواب میں جو وحی ہوتی ہے۔ وہ بھی قسم الہام سے ہے۔ یہ  
یا تو بتوسط فرشتہ ہوتی ہے یا بے توسط فرشتہ \*

اگر کوئی اعتراض کرے کہ فرشتہ علم الہی کو غیر انبیاء کے دل میں  
بھی ڈالتا ہے۔ پھر انبیاء اور غیر انبیاء میں کیا فرق ہے۔ جواب یہ ہے کہ  
علم حکام اور علم وقعات حوادثِ آئندہ جو بعد مرورِ ایام یا بعد فنائے عالم  
کون و فسادِ سُورت پذیر ہونگے۔ یہ علم خاص انبیاء کے لئے مخصوص ہے  
اگر نبی ایسی باتیں کرے تو وہ یا تو انبیاء کے ذریعہ اُن کو پہنچی ہیں۔ یا انہوں  
نے انبیاء کے کلام سے اِن باتوں کا استفادہ کیا ہے۔ رہا غیر انبیاء پر  
الہامِ ملکوت کا اتنا ہونا تو یہ ایک قسم کی بشارت ہے کہ خدا کی طرف سے  
اُن پر اتنا ہوئی۔ یا یہ فراستِ بیانی ہے۔ جس کے ذریعہ انہوں نے اِن باتوں کا  
ادراک کیا۔ غرض بڑا فرق ان ہر دو الہام میں یہ ہے کہ انبیاء و شک و خطا  
سے معصوم ہوتے ہیں۔ اُن کا الہام بھی راست و حق ہوتا ہے! اور غیر انبیاء



غلطی و خطا سے معصوم نہیں پس اُن کے الہام کے باب میں قطعی طور پر حقیقت کا اعتقاد نہیں کیا جاسکتا۔

## باب ثانی انبیاء

باب ثانی بھی دو قسم، ایک ہے کہ انبیاء بنفس خود موبد ہوتے ہیں دوسری قسم ہے کہ اُن کی دعا و برکت سے عالم غیب سے ظہور ثانی پیدا ہوتی ہے یہ پہلی قسم حد احصار و شمار سے بالاتر ہے۔ بنوا ترو توالی قرناً بعد قرن ہمیشہ اس قسم کی تصدیق ہوتی رہی ہے۔ ہم پہلی قسم کا بیان کرتے ہیں۔ اور یہاں اسی سے ہماری عرض بھی ہے۔ تاکہ انبیاء کی شناخت میں اصل استحکام پیدا ہو۔

پہلی بات یہ ہے کہ انبیاء ہمیشہ من اللہ کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کا نفس طاعت اللہ میں ہمیشہ اُن کا تابع اور مطیع ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ بزرگ حضرات ہمیشہ نافرمانی خدا سے معصوم ہوتے ہیں۔ یعنی قصداً اُن سے کبھی کوئی خطا صادر نہیں ہوتی۔ انبیاء واجب العصمتہ ہوتے ہیں۔ امر اللہ کی مخالفت اُن سے روا نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خلق کو اُن کی پیروی و اطاعت پر مامور کیا ہے۔ اگر اُن سے قصداً اسدو خطا ممکن ہوتی۔ تو خالق کو اُن کی متابعت کا حکم نہ ہوتا۔ اگر اُن سے کوئی ذلت صادر ہوتی ہے۔ تو بطریق سہو و تسبیان اس کو عصیاں کہنا دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کی صورت عصیاں کی عدوت ہے۔ گو یہ سبیل سہو و تسبیان ہو۔ دوسرے ان کے مرتبہ اور حال کی نسبت سے اُس کا نام عصیاں رکھا گیا ہے۔ انبیاء کے نفس خود موبد ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اُن کی عقل کامل اور دوسرے لوگوں کی عقلوں سے ارفع ہوتی ہے۔ اُن کے ادراکات بہ نسبت دوسروں کے تیز اور خطا اور غلطی اور زوال اور انتقال سے محفوظ و مضبوط ہوتے ہیں۔ اُن کی رائے بھی دوسروں کی رائیوں سے تیز اور قوی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ علم وحی کو جس طرح

انبیاء سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی

انبیاء علیہم السلام فہم کرتے ہیں۔ دوسروں سے ممکن نہیں۔ اُن کا حافظہ بھی  
 سرے سے قوی ہوتا ہے۔ اور فصاحت و بلاغت اور تاثیر سخن میں بھی انبیاء  
 بنائے روزگار سے سابق و غالب ہوتے ہیں۔ اُن کی ظاہری اور باطنی قوتیں  
 تمام تر اور قوی تر ہوتی ہیں۔ اُن کا خلق نہایت نیک اور ان کی صورت  
 بڑی وجہہ اور ان کی آواز نہایت خوش اور نہایت مؤثر ہوتی ہے غرض  
 انبیاء جس طرح سیرت و معنی میں سب سے افسردہ ہوتے ہیں۔ اُسی طرح صورت  
 و ظاہر میں خوب تر اور پسندیدہ تر ہوتے ہیں۔

بعض انبیاء فضیلت میں دوسرے انبیاء سے زیادہ ہیں لیکن اُن کی  
 دعوت یکساں اور ایک ہی طرح کی ہے اُس میں فرق نہ کرنا چاہئے۔ لَوْ نُفَرِّقُ  
 بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ كَيْفَ مَعْنَى هِيَ۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ  
 مِنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے  
 وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل کا صاحب  
 ہے۔

## عصمت انبیاء کا ذکر

ہم چاہتے ہیں کہ اس فصل میں عصمت انبیاء کے بابت جو ذکر آیا ہے۔  
 اس کو ذرا شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیں۔ تاکہ انبیاء کی پوری نزاہت اور  
 طہارت کے متعلق اہل اسلام کو کامل یقین ہو جائے۔ اور اُن کی صفات  
 ذات کو سمجھ کر اپنے غیر متعلقہ اعتقادات سے تائب ہوں۔ اور حاکم  
 میں نہ پڑیں کیونکہ اکثر مسلمان اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں۔ معتزلہ اور متشیعہ  
 کی ایک جماعت تو عصمت کے مسئلہ میں اس قدر مبالغہ کرتی ہے کہ افراط  
 کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اور متشیعہ اور نقاد کا ایک گروہ عصمت کے خلاف  
 میں اس درجہ غلو کئے ہوئے ہے کہ تفریط کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ دونوں  
 فتنے اپنے اپنے دعوے کی دلیل کتابوں سے لاتے ہیں۔ جس کی کوئی اصل  
 نہیں ہے۔ یہی دلیل ہیں جس سے منکب بالکل نادرست ہے بلکہ اُن کا



نقل کرنا مسلمان کو روا نہیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں انبیاء کی تحقیر منصوص ہے۔ عدم عصمت کی صورت میں انبیاء کی خفارت تو ظاہر ہے۔ اور عصمت میں مبالغہ کرنے کی حالت میں بھی ان کی تحقیر عیاں ہے۔ کیونکہ جو بات انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ اُس کا غیر انبیاء کے لئے اثبات اُن کے درجہ کو باندی سے گراتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی تعظیم و تکریم ہم پر فرض کی ہے۔ اور انکی عشرات کا ذکر نہ کرنا ہر صورت میں ادلی ہے۔ اگرچہ اُس کے ثبوت میں نص صریح پائی جائے۔ تاہم طریق ادب یہ ہے کہ اُس کا ذکر نہ کیا جائے۔ پھر یہ جائیکہ اُن پر محض دروغ باندھا جائے۔

## آدم علیہ السلام کی ذلت

سب سے زیادہ روشن دلیل انبیاء کی ذلت کے ثبوت میں حضرت آدم علیہ السلام کی ذلت ہے جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یاد کیا ہے۔ فَخَصَّيْ اٰدَمَ دَبْكَةً فَخَصَّوْا یعنی آدم نے تنادل شجرہ میں خدا کے حکم کی نافرمانی کی۔ اور وہ بہک گیا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اتنی سی ذلت کو بھی بیان فرما دیا۔ کہ اُن کا حال درمیان عصاة کے تھا حالانکہ حضرت آدم کی ذلت کوئی لغزش کا درجہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ عصیان وہ ہے جس کا صدور بغیر غم دل ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آدم سے جو نافرمانی ہوئی۔ اُس کا منشاء غم دل نہ تھا۔ بلکہ عہد شکنی تھی۔ وہ بھی اس سبب سے کہ وہ عہد الہی کو بھول گئے۔ چنانچہ قرآن میں وارد ہے۔ وَلَقَدْ عٰهَدْنَا اٰدَمَ بَيْنَ قَبْلٰئٍ فَنَسِيَ وَلَمْ يَحْذَرْ لَعْنَتِنَا۔ اور عہد منسی وہ تھا جو اس آیت کے بعد بیان ہوا کہ اے آدم! ابلیس تیرا اور تیری زوجہ حوا کا دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم دونوں کو جنت سے باہر کرے۔ فَقُلْنَا يَا اٰدَمُ اَنْ هٰذَا عَدُوُّكَ ذَلِزَّ دُجَاةً فَلَا تُخْرِجَنَّكَ مَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ابلیس نے آدم کو اور اس کی جو رد کو قسم کھا کر فریفتہ کیا اور چونکہ آدم ابلیس کے لٹاٹے سے خود جنت کے خواہاں تھے۔ اس طرح ابلیس کے

دہو کے میں آگئے۔ وہ سمجھے کہ کوئی بندہ اپنے خالق کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔

آدم کے اس ابتدا میں خدا کی حکمتیں تھیں کہ ہر ایک انسان کو ان پر چلنا مفید ہے۔ چنانچہ دشمن کو پہچانتا اور اُس کے مکر و فریب سے خبردار رہنا اور اُس کے تسویں و دہو کے میں نہ آنا۔ پھر اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اُس کا تدارک توبہ و انابت سے کرنا۔ اور خدا کی جناب میں اپنی معاصی، بدکاری اور نادانی کا اعتراف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو انہیں حکمتوں کی بنا پر یاد کیا۔ اور اس سے حضرت آدم کی کرامت و فضل اور کمال اجتناب و صطفا کا اظہار فرمایا۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کر کے اُن کی شان کو بڑھایا۔ حاشا کہ اس سے ان کی تحقیر منظور ہو یا اُن کی ذلت مد نظر ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کو اس طرح سمجھنا چاہئے: تاکہ اُس کے انتفاع ہو۔ نہ دوسری طرح کہ اُس سے انسان تحقیر آدم کے جرم میں ماخوذ ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء خصوصاً مرسلین کے حق میں بھی صدور ذلت کو اسی معنی پر حمل کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس کا ثبوت ایسی نص صریح سے ہو۔ جو موجب علم ضروری ہے۔ اور معلوم ہے کہ اگر انبیاء ہماری طرح اسیر حرص و شہوت ہوتے تو خدا تعالیٰ اُن کی متابعت ہم پر فرض نہ کرتا۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خالصہ موجودات اور زیادہ خلائق ہیں۔ اس طرح ارشاد نہ فرماتا۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِذَلِكَ مُتَرَاثِّمًا كَیْده لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی۔ پس اُسے رسول انبیس کی ہدایت کی پیروی کرو۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذلت

عجب تزیہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ کے باب میں بھی جو تمام بنی آدم سے عبادت میں متفرد تھے۔ صرف اس خیال سے اثبات ذلت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کی۔ اور اُن کی استغفار



جناب باری میں مقبول نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اُس وقت حضرت ابراہیم کو معلوم نہ تھا کہ اُن کے باپ پر دشمنی خدا کا حکم جاری ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس مُت کو دوستی کفار سے منع کیا۔ اور فرمایا کہ خدا کی دوستی اور دشمنانِ خدا سے دشمنی کرنے میں ابراہیم کی متابعت کرو۔ تو اس ایک بات میں کہ اُنہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کی اُن کی متابعت سے استثنا کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ تَاْلَا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لَا يَبِيْرُ لَهٗ سُلْخٰفِرْنَ لَاۤءَ۔ اِس یہ امر ثابت کرنا منظور تھا کہ یہ ایک کلمہ یعنی استغفار لا بیه اُن کے مناسب حال نہ تھا۔ اور خدا کو اُن کی یہ بات پسند نہ آئی۔ پس حکم ہوا کہ اِس باب میں حضرت ابراہیم کی متابعت نہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ اِس باب میں حضرت ابراہیم کے پاس عذر صریح تھا۔ چنانچہ خدا نے اِس عذر کو بیان فرما دیا قَدْ كَانَ اسْتَغْفَارِ اِبْرَاهِيْمَ لَا يَبِيْرُ لَهٗ سُلْخٰفِرْنَ لَاۤءَ وَ عَدَا هَا اِيَّاكَ اب ذلّت انبیا کا حال اسی سے سمجھنا چاہئے۔ اور اُن کا مرتبہ اقتدا میں یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کی ذلت

حضرت یوسف علیہ السلام کے باب میں جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زلیخا کا قصد کیا اور کہتے ہیں دَخَلَ هَمِيْاٰنًا وَقَعْدَ مِنْهَا مَقْعِدَ الرَّجُلِ مِنَ الْمِثْلَةِ اور اِس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لاتے ہیں۔ اِس کا قبول کرنا چند وجوہات سے روا نہیں۔ اوّل یہ کہ جن لوگوں نے اِس قصہ کو اپنی کتاب میں یاد کیا ہے۔ وہ اِس کی سند حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچائی ہے۔ تو یہ اسناد ثقہ عن ثقہ نہیں پائی جاتی۔ ولَوْ قَرَضْنَا اَلْاِثْنَ بَعِيْ جَاۤءَ اِس مَرِيْنُ اُنْ كَا قَوْلِ سَنَدِ حِجْتِ نَبِيْنِ۔

دوسرے یہ کہ موقوف ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ پر اگرچہ اِس کی بغیر سماع

نقل نہیں کرتا۔ لیکن جب منقول عنہ مذکور نہیں تو احتمالاً بلکہ غالب یہ ہے کہ اُن کو اہل کتاب سے پہنچا ہو۔ اور اہل کتاب کی نقل اعتقاد نہیں رکھتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اُن کی تکذیب و تفسیق کا حکم کیا ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ تحریف کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے نزدیک سے ہے۔ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ أَوْ يَبْغُوا خُذْ إِنْ شِئْتَ خُذْهُ مِنْ دُونِ بِلَدِنَا هُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو۔ بلکہ تکذیب کرو۔ اور یہ جو فرمایا کہ اُن کی تکذیب نہ کرو۔ یہ اُس قسم اخبار کے متعلق ہے جس کا علم ہم کو اُن کی کتابوں سے نہیں پہنچا۔ لیکن اگر اُس کے مخالف قسم علم دین سے ہمیں معلوم ہو۔ تو اُس کی تکذیب واجب ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ اہل کتاب کے حق میں فرماتے ہیں لَا تَقْصِدَ قُصْرًا وَقَدْ كَذَّبَهُمُ اللَّهُ اِهل کتاب کی تصدیق نہ کرو۔ خدا نے اُن کی تکذیب کی ہے۔ (اور فرمایا حسبنا کتاب اللہ ہم کو کتاب الہی یعنی قرآن شریف کافی ہے۔ اُس کے ہوتے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں) اکثر قصص انبیاء اسی قسم ہیں کہ اُن کو اصحاب تاریخ نے اہل کتاب سے اپنی کتابوں میں بلا سند نقل کر لیا ہے اور بعض مفسرین نے آیات قرآن حکیم کی تحت میں بھی اُن قصص کو بیان کر دیا ہے۔ (تو یہ قصے اگر موافق قصص قرآن حکیم کے ہوں تو اُن پر یقین لانا چاہئے۔ ورنہ وہ کبھی عتماد کے قابل نہیں) پھر جب اُن کی نقل درست نہیں۔ تو احتجاج اُن سے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوسف علیہ السلام کے مشہور قصہ کی تالیف

حضرت یونس علیہ السلام کے مذکورہ قصہ کی تکذیب کی ایک دلیل  
یہی ہے کہ آیت شریفہ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰی**  
**یَرْمٰی اَنْ ذٰلِکَ اَمْرًا اَلَمْ یَقْتَضَا نَہِیْہِمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا عَلٰی سُلُوْکِہِمْ**  
**مُحْذَرٰتٍ لِّیَوْمَہِمْ** اگر تھی کہ حضرت یوسفؑ نے قصہ کیا



کیونکہ خدا نے خود فرمایا کہ یوسف علیہ السلام زلیخا کا قصد کرتے۔ اگر وہ برہان اپنے رب کا نہ دیکھ لیتے۔ جب یوسف علیہ السلام کا قصد برہان دیکھنے پر متعلق ہوا۔ اور برہان موجود ہے۔ پس یہ قصد ممنوع ہوا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اہل عرب کے نزدیک لوکا کے جواب کا لولہ پر مقدم ہونا جائز نہیں پس جواب محذوف ماننا پڑیگا۔ اور اُس کی تقدیر اس طرح ہوگی کہ لوکا را ی برہان ربہ لفصل جواب یہ ہے کہ اس تقدیر کو ماننے سے صاحب شریعت پر جو مباین قرآن ہے۔ تحکم و اقدم لازم آتا ہے۔ ایسے قضیہ کے بیان میں مجہول روا نہیں۔ لیکن علمائے نحو نے جو تقدیم جواب لولہ کو ناجائز کہا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ ہم قرآن میں چند ایسے الفاظ پاتے ہیں۔ جو مختار علمائے عربیت نہیں۔ معہذا اُس کے خلاف روا نہیں۔ وہ ہر مقام پر قرآن سے استشہاد دلاتے ہیں۔ اور قرآن بھی اُن کے قول پر حکم کرتا ہے۔ نہ اُن کا قول قرآن پر۔ اور یہ آیت بھی اسی قسم ہے کہ علمائے عربیت اس سے استشہاد کریں۔

پھر اگر اُن کی تقدیر کو جائز سمجھا جائے تو واو لستق واو عطف ماننا پڑیگا۔ یعنی و لوکا ان را ی برہان ربہ تاکہ یہ واو حذف پر دلالت کرے۔ تاہم اگر ہم کہیں کہ جواب محذوف ہے تو یہ محذوف اس طرح ہونا چاہئے کہ لفظ دھمبھا اس پر دلالت کرے۔ اس صورت میں تقدیر یوں ہونا چاہئے نفی۔ لوکا ان را ی برہان ربہ لھمبھا ہمارے تشدید و سختی قصد گوئیوں کے بیغہ قول کی نفی پر اس لئے ہے کہ یہ لوگ اس قصہ کو خلاف قرآن بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر نصیص کے بالکل خلاف ہے۔

تفصیل اُس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لولہ ان را ی برہان ربہ کے بعد فرمایا کذا اناء لنصرف عندہ السوء و الفحشاء اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ یوسف سے سوء و فحشاء کا ارتکاب نہ قصد ہوا۔ مگر قصہ گو یوں کے بیان کے مطابق حضرت یوسف پر سوء و

اولاد ان را برهان دہ کی بحث

فحشاء لازم آتا ہے۔ کیونکہ بُرے امر کا قصد بھی ایک قسم کا سُوء اور فحشاء ہے اور نہایت صاف دلیل اُن کی بریت کی یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ذَالِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَكَ آخِثٌ بِالْغَيْبِ یعنی میں نے اس لئے طلبِ بحث و تفتیش کی تاکہ عزیزِ مصر پر ثابت ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اُس کی خیانت نہیں کی۔ خدا نے حضرت یوسفؑ کو صدیق کہا۔ اور جس کو خدا نے صدیق کہا ہو اُس کی تصدیق ہم پر فرض ہے۔ اور نفیِ جنایت اُس سے ضرور ہے۔ اور قصہ گو یوں نے جو کہا ہے۔ قَعْدَ مَنْ رَامَ قَعْدَ الرَّجُلِ مِنَ الْمَرْءِ اِس سے یوسف علیہ السلام کی جنایت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔ کہ اگر کوئی آدمی بُرے ارادے سے کسی عورت کے پاس بیٹھے۔ تو اس کی جنایت ثابت ہو گئی۔ اور یوسف علیہ السلام نفیِ خیانت و جنایت کرتے ہیں۔ پس قصہ گو یوں کے موافق اُس کے معنی کرنا درست نہیں۔ دوسرے یہ کہ زلیخا علیہا السلام نے اس سے قبل دعویٰ کیا تھا کہ کہ یوسف علیہ السلام نے اُن کا قصد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے صدقِ یوسف اور کذبِ زلیخا پر دلیل قائم فرمائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی پیغمبر تھے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے متعلق نصِ صریح یاد فرمائی۔ جواب یہ ہے کہ برادرانِ یوسفؑ کی نبوت کسی نص کے ذریعہ ثابت نہیں ہوئی۔ جو موجبِ علم ہو۔ اور یہ جو فرمایا۔ قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا فَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا اِنْ كُنَّا مِنْكُمْ عَدُوًّا وَاشْتَقَ وَ يَعْزُوبُ وَالْاَسْبَاطُ تو متحمل ہے کہ مراد اسباط سے اس جگہ حضرت یعقوبؑ کے فرزندانِ سلبی ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ سب فرزندانِ اس میں داخل ہوں۔ نیز بعض فرزندان کا بھی احتمال ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسباط سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہوں کہ وہ سب فرزندانِ یعقوبؑ کے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کا پیغمبرِ مرسل ہونا نصِ مقرر بہ درست ہے۔ اور یہ اُن مرسلین سے ہیں جن کے اقتدا کرنے کا حکم ہمارے رسول ﷺ آہ و سلم کو ہوا اَذْلِكَ الَّذِيْنَ هَدٰى

برادرانِ یوسفؑ کی نبوت کسی نص صریح سے ثابت نہیں ہو سکتی



اللہ فَبَيِّنًا يُّضْحِرُّ أَقْتَدًا پس یوسف علیہ السلام کا مرتبہ باب عصمت میں برادرانِ یوسف سے کہیں زیادہ ہے ۔

دوسرے یہ کہ ہمارے نزدیک یہ مرتبہ ثابت ہے کہ برادرانِ یوسف نے یوسف کے ساتھ جو کچھ کیا۔ وہ نبوت کے پہلے کیا تھا۔ اس صورت میں ان کی عصمت میں فرق نہیں آتا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے باب میں جو کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے قبل مرتبہ نبوت کے زلیخا کا قصد کیا یا بعد نبوت کے۔ ہم کہتے ہیں یوسف کی بابت قصد زلیخا کا ثبوت نہ قبل نبوت درست ہے اور نہ بعد نبوت۔ کیونکہ انہوں نے حالت نبوت میں جب عورتوں کے کید کا ذکر کیا تو اُس وقت اپنی ذات سے نفی خیانت فرمائی۔ اور پیغمبروں کا قول راست ہی ہوتا ہے پس کسی صورت میں اس کا اثبات روا نہیں۔ اور نہ اُس کا ذکر کرنا درست ہے۔ اس لئے کہ اگر احادیث سے کوئی فعل بُرا صادر ہو جائے۔ تو اُس کا ذکر دوسروں کے سامنے روا نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بات خلاف یقین ہو۔ اور اس میں پیغمبر مرسل کی غیبت کی جائے۔ لَسْمَعِلَ اللّٰهُ الْعَافِيَهُ مِنْ اسْتِمَاعِ تِلْكَ الْقِصَّةِ فَكَيْفَ امْثَالَ عَنِ التَّحْدِثِ بِهَا ۔

## حضرت داؤد علیہ السلام کی ولایت

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اور یا کو لشکر میں بھیجا۔ اور حکم دیا کہ اِذَا لِي فِي يَدَيْكَ يَوْمَ سَكِينَةٍ لِّئَلَّا يَكُونَ آتِيَّكَ رَاسُكَ اس سے یہ تھی کہ اور یا اس طرح مارا جائے۔ اور داؤد علیہ السلام اس کی عورت سے جو حسینہ تھی۔ اور جس پر آپ فریفتہ ہو گئے تھے۔ شادی کر لیں۔ یہ اور اس قسم کی مخالف باتیں قصہ گو بیان کرتے ہیں۔ جو اصول دین کے منافی ہیں۔ اور جن کا زبان پر لانا بطور نقل کے بھی حرام ہے اس لئے کہ اس سے ایک پیغمبر مرسل پر ظلم کی نسبت لازم آتی ہے۔ ناقلانِ قصہ ان دو آیات سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا اَخِيْ لَدَارِسْتُمْ

تَسْعُونَ نَفْسَةً وَاحِدَةً دُوسری آیت فقال الفلانیہا  
حالانکہ ان آیتوں سے جرم کی نوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ وہ کیا تھا اور  
نہ یہ کہ اس قصہ کی اصل کیا ہے۔ جناب شول تاراصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
سے بھی کوئی نقل درست نہیں پائی گئی۔ پھر بھی مفسرین کی ایک جماعت  
نے اس قصہ کو نہایت بڑے طریقہ پر بیان کیا ہے۔ جس میں وہ مصیب  
نہیں ہو سکتے۔ اُس دلیل سے جو ہم نے حضرت یوسف کے قصہ میں بیان  
کی \*۔

بعض محققین اور اصحاب معانی اس قصہ کی نسبت کہتے ہیں کہ  
اُس میں محل مواخذہ یہ بات ہے کہ داؤد نے باروں تحقیق کرنے اس امر کے  
کہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا یہ کہہ دیا۔ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْمُنٰطِقِ  
يَسْتَحْيٰ بَعْضُهُمْ عَلٰٓى بَعْضٍ يَتَّخِذُ الْاَدْوٰىلَ دُوسری تاویلات کے نظم  
قرآن سے زیادہ مشابہہ اور ملتی جلتی ہے۔ اور درحقیقت اس تاویل میں  
زیادہ احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی تائید دُوسری اس آیت سے  
بھی ہوتی ہے۔ جو اُس کے بعد ہوتی ہے۔ يٰۤاٰدَا وُّدَّ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَتَهٗ  
فِي الْاَرْضِ فَاَحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى۔ اس  
روشن ہے کہ حضرت داؤد اس منصب میں حاکم تھے نہ خصم اگر ایسا نہ ہوتا تو  
یہ حکم ہوتا فَاَحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ پھر بھی ہم کہتے ہیں  
کہ امکان رکھتا ہے۔ مراد اس آیت سے اس کے علاوہ کوئی دُوسری بات  
ہو۔ اور چونکہ قرآن میں یہ قصہ مبہم ہے۔ اور آنحضرت سے بھی اس باب میں  
کوئی نقل قابل اعتماد نہیں پہنچی۔ تو مناسب بلکہ محتاط یہ ہے کہ اس میں  
توقف کیا جائے۔ اور اعتقاد کیا جائے کہ اگر زن اور یا کے قصہ کی کوئی  
اصل ہے تو قصہ گو یوں کے بیان کے خلاف ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ  
سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا من حدث بحديث داؤد علی  
ما یس وی بد القصاص جلد تہ جلدۃ المفسرین \*۔  
اس باب میں اصل قصہ جو نزدیک تر باحتیاط ہے۔ یہ ہے۔ جو

زن اور یا اور داؤد کا واقعتاً ہوا جھوٹا ہے۔



بعض اصحاب تاریخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد کی نظر بے اختیار ادربا کی  
 جو روپر پڑ گئی۔ جس کے حسن پر انہیں تعجب ہوا۔ پھر آپ نے از رو محبت  
 و ارادت کے جو پیغمبروں کو صلاحائے اُمرت کے ساتھ ہوتی ہے نہ از روئے  
 حکم و سلطنت کے ادربا کو کہا کہ اگر ممکن ہو تو اس عورت کو میرے لئے  
 چھوڑ دے تاکہ میں اسے اپنی زوجہ بنالوں۔ بعض علما کہتے ہیں کہ ادربا نے  
 پیام نکاح اُس کو پہلے بھیجا تھا۔ اور داؤد علیہ السلام نے ادربا کے بعد اُسے  
 طلبِ خطبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اتنی بات پر داؤد پر عتاب کیا۔ یہ  
 دو تین صورتیں مشابہت خصمان کی رکھتی ہیں۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ قصہ  
 کی حقیقت کیا ہے۔ ہاں ہم نے علم کے طریق سے معلوم کیا ہے کہ داؤد کے  
 قصہ کو قصہ گو یوں کے طریق پر بیان کرنا درست نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اللہ  
 تعالیٰ نے پیغمبروں کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ ظلم کو دفع اور فساد  
 کو رفع کریں۔ اور بندوں کو حکم کیا کہ اُن کی پیروی و متابعت کرو۔ اور اُن کے  
 گفتار کو کردار کو اپنا پیشوا بناؤ۔ جب ایسی نارد باتوں کو اُن کی جانب نسبت  
 کریں تو اُن کی متابعت اور خود اُن کی بعثت کیونکر مفید ہو سکتی ہے۔ اللہ  
 تعالیٰ جو کچھ فرماتا اور حکم کرتا ہے وہ سوائے صدق و عدل کے نہیں ہوتا  
 پس لازم آتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی جانب بھیجے اور خلق  
 کو مطلقاً اُن کی متابعت کا حکم فرمائے۔ وہ منافق حق اور مخالف عدل ہوتا  
 حضرت امام ابو منصور یارِ یدری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے حق  
 میں جو پ عصمت کی تاکید ملائکہ کے حق میں تاکید کرنے سے زیادہ اہم ہے  
 کیونکہ لوگ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی متابعت پر مامور ہیں۔ اور ملائکہ کی  
 اطاعت پر مامور نہیں ہیں۔ پھر جاہلوں سے تعجب ہے کہ وہ ایسی دوراز کا۔  
 باتوں کو عوام کے کانوں میں پہنچاتے ہیں۔ اس سے عارف و شن ہوتا ہے  
 کہ وہ انبیاء کے مراتبِ منازل کی معرفت نہیں رکھتے۔ اور اصولِ دین سے  
 اُن کا حق نہیں سمجھتے۔ گویا اُن کو علمِ شریعہ سے کوئی آگاہی نہیں ہے۔ اگر کوئی  
 شخص کسی مسلمان نبیاء کا رے ایسی باتیں سننے تو اُس کو چاہئے کہ اُس کا اعادہ

نہ کیے۔ ورنہ سننے والا بھی خطا کار ہو گا۔ اور قائل کی طرح اُس کی آخرت بھی تباہ اور برباد ہوگی۔ ایسی باتوں کا احاد مسلمان اور افراد امت کی نسبت سنتا۔ اور اس کو دوسرے کے سامنے بیان کرنا گناہ اور حائل غیبت ہے تو ناپہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایسی پیوودہ باتیں کہنا کس قدر موجب گناہ و نکالِ آخرت ہو سکتی ہیں \*

## نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسی طرح جلال نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں تزویج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق بذریعہ طریق بیان سے کام لیا ہے۔ جو عقلاً و نقلاً کذب افتراء اور تراہتا ان ہے۔ کہتے ہیں آنحضرتؐ کی نظر زینبؓ پر پڑی۔ اور آپؐ کے دل میں زینبؓ کی محبت راسخ ہو گئی یہ سب تھا جس سے آپؐ کو زینبؓ کے ساتھ تعلق پیدا ہو گیا۔ یہ بیان حضرت روخ و کدنبہم۔ اگر کسی ناقل نے اُس کو نقل کیا ہے۔ تو اس باب میں اُس کی نقل جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہے۔ اور اس بارہ میں کوئی بھی نقل معتبر اور قابل اعتماد نہیں پائی گئی۔ ہم کو علماء اسلام اور تاریخ زمانہ رسولؐ علیہ السلام اور آپؐ کے حالات اور سیر صحابہ رض کے باب میں جتنی باتوں کو کتاب میں پہنچی ہیں۔ اُن میں سے ہم نے کسی کتاب میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہوا نہیں دیکھا \*

اس باب میں کتب حدیث میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے زینب بنت جحشؓ کو زید ابن حارثہ کے لئے چاہا جس کو آپؐ نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ اور اسی خیال سے لوگ اُس کو زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے زینبؓ اور اُس کے اولیا اس نحو احتجاجی سے راضی نہ تھے۔ کیونکہ حضرت زیدؓ موالی سے تھے۔ اور حضرت زینبؓ ایک شریف خاندان کی بیٹی تھیں۔ اور آنحضرتؐ کی چھیری بہن تھیں۔ عرب لوگوں کا دستور تھا کہ موالی کی عورت کو مکروہ جانتے تھے۔ اس سبب زینبؓ کے اولیا نے زیدؓ کے ساتھ مناکحت



کو مناسب سمجھا جتی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ  
 إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ  
 أَمْرِ اللَّهِ اس آیت میں مومن سے مراد حضرت عبداللہ بن جحش ہیں  
 زینبؓ کے حقیقی بھائی ہیں۔ اور مومنہ سے خود حضرت زینبؓ مراد ہیں۔  
 مطالب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کو زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا  
 رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول پر  
 یہ دونوں راضی ہو گئے۔ اور خدا کے حکم کے موافق زینبؓ کا نکاح زیدؓ  
 کے ساتھ ہو گیا۔

## و نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا

عرب میں ناری سے ایک بڑا دستور یہ چلا آتا تھا کہ وہ جس کو اپنا بیٹا  
 کہہ دیں۔ اس کی مطلقہ جو رو سے اپنا نکاح کرنا معیوب اور نہایت برا سمجھتے  
 تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس بڑی رسم کو آنحضرتؐ کے فعل سے توڑ  
 دے۔ اور زینبؓ کو بعد مفارقت کے حکم آسمانی آنحضرتؐ کے نکاح میں  
 دے دے تاکہ اس عادت بد کی مخالفت صحابہ اور امت پر آسان ہو کیونکہ  
 اگر آنحضرتؐ کو ایسا فعل کرتے نہ دیکھتے تو صحابہ اور امت مابعد پر بڑا  
 حرج واقع ہوتا۔ اور لوگ ایسا فعل کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ اور اپنے منہ سے  
 کی جو رو سے نکاح کرتے گھبراتے۔ اور ان کی طبیعت ایسی عورتوں کی محبت  
 سے نفرت کرتی۔ اس لئے کہ زنا شوقی ایسا کام ہے کہ بد دل میل نفس  
 اور رغبت طبع کے نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مطلع فرما دیا  
 تھا کہ حضرت زینبؓ تیری زوجگی میں آنے والی ہے۔ پس زیدؓ کے دل  
 میں زینبؓ کی صحبت سے کراہت سی پیدا ہو گئی۔ لہذا انہوں نے  
 حضرت رسولؐ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ زینبؓ  
 شریف گھرانے کی عورت ہے۔ وہ باتوں میں مجھ پر جبر و دستی کرتی ہے۔  
 اس واسطے میں اس کی صحبت نہیں چاہتا۔ اور طلاق دینا چاہتا ہوں۔

حسن و علیہ صلوٰۃ و سلام نے فرمایا۔ زید ایسا مت کرو۔ اپنی عورت کو  
 نہ چھو۔ اور خدا سے ڈرو کہ بلا سبب طلاق دینا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ  
 تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر عتاب کیا۔ اور فرمایا کہ اللہ جس امر کو ظاہر کرنا چاہتا  
 ہے تم اس کو چھپاتے ہو۔ اور لوگوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ خدا ہی سے  
 ڈرنا چاہئے۔ مطلب یہ کہ منافقین اور بے علم لوگوں سے اعتراض بے جا  
 پر خیال کیے کہ تم زید کی زینبؓ کو طلاق دینے اور پھر اس کو اپنے نکاح میں  
 لانا سے احتراز کرتے ہو۔ باوجود اس کے کہ ہم نے تمہیں مطلع کر دیا ہے  
 کہ زینب تمہارے مکان میں آئیگی۔ اگر بد باطن لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ  
 و آلہ وسلم نے اپنے بیٹے (متبنتی) کی جورو سے نکاح کر لیا تو یہ کوئی ڈرنے  
 کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا اِذَا تَقُولُ لِّذِي اَنْعَمَ اللّٰهُ  
 عَلَيْكَ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاَتَّقِ اللّٰهَ وَ  
 تَخَفْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاَللّٰهُ اَخْفٰی  
 اِنَّ تَخْشَى اللّٰهَ یَعْنِیْ لَیْ رَسُوْلٌ جَبَّ تَمَّ اللّٰهُ کے اور اپنے منعہ علیہ  
 کو کہتے تھے کہ اپنی زوجہ کو روک رکھ اور خدا سے ڈر اور تم اپنے دل میں  
 چھپاتے تھے وہ بات جو خدا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اور تم لوگوں سے  
 ڈرتے تھے۔ حالانکہ خدا ہی اس امر کا مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اس کے  
 بعد خدا نے اس حکمت کو یاد کیا کہ جب زیدؓ نے زینبؓ سے اپنی حاجت کو  
 چھوڑ دیا۔ اور اس کو زینبؓ کے ساتھ کوئی سبیل نہ رہی تو ہم نے زینبؓ  
 کو تمہارے نکاح میں دیدیا۔ تاکہ مومنین کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں  
 سے جبکہ وہ اپنی حاجت کو چھوڑ چکے یعنی طلاق دے چکے ہوں۔ اور عدت

۱۔ عام بتزلزل ہے۔ ہذا احوال اولی و الالبق بحال الانبیاء یعنی اس واقعہ کو  
 اسی طرح سمجھنا زیادہ اچھا اور نظر بہ حالات انبیاء زیادہ لائق ہے +

۲۔ سرکوتی سے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم  
 نے کوئی بات چھپاتے تو البتہ اس آیت کو چھپاتے و تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ  
 اس سے ثابت ہے کہ حسن و علیہ صلوٰۃ و سلام نے وحی کی کسی بات کو ہرگز نہیں چھپا۔



گذر گئی ہو، نکاح کرنے میں حرج نہ ہے۔ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطْرًا  
آخر آیت تک ۔

حلیث میں ہے کہ حضرت زینب جناب رسول خدا کی دوسری ازواج  
پر فخر کرتیں اور نسبتیں کہ تم کو تمہارے باپوں نے آنحضرت کے نکاح میں یا  
اور مجھ کو وحیِ سماوی کے ذریعہ حضور علیہ السلام کو زوجہ کر کے دیا۔ اور حدیث  
میں ہے کہ جب زینب کی عادت گذر گئی تو آنحضرت نے زید کو زینب کے  
نزدیک یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اُن سے کہو تم کو پیغمبر خدا یا ذکر کرتے یعنی چاہتے  
ہیں۔ زینب نے کہا کہ میں بدوں اجازت خدا کے کوئی کام نہیں کر دوں گی پس  
اٹھ کر جانا زپر گئیں۔ اور استخارہ کیا۔ اُسی وقت رسول خدا پر قرآن مانل  
ہوا کہ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطْرًا جناب رسول خدا اٹھے اور زینب کے گھر  
تشریف لے گئے۔ اور بغیر دستوری اور طلب اجازت کے اندر چلے گئے۔  
اس وقت حضرت زینب سر پر نہ تھیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ حضور تشریف لائے  
ہیں۔ شرم کے لئے سر پر آستین ڈال لی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! بلا  
خَطْبَتِهِ وَلَا شَهِيدٍ یعنی اے حضور بلا خواستگاری اور بے گواہ کے۔  
آپ نے فرمایا۔ وَاللّٰهُ الْمُتَزَوِّجُ وَجِبْرِيلُ شَهِيدٌ اشر نے تمہارا نکاح  
میرے ساتھ کروایا۔ اور جبریل امین اس کے گواہ ہیں ۔

۱۵ قال انس كانت زينب تفتخر على احوال النبي صلى الله عليه وآله وسلم  
فتقول نرفحن اها ليكن زوجني الله من فوق سبع سموات ۱۶ عالم  
۱۷۔ دوسری حدیث عن ثابت عن انس قال لما انقضت غدة زينب  
قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لزيد فاذكرها على ما قال  
فانطلق زيد حتى اتاها وهي غمر عجزها قال فلما رايتها عظمت  
صدرى حتى ما استطعت ان انظر اليها ان رسول الله ذكرها فوليتها  
ظهرى ونكست على عقبى فقلت يا زينب ارسلنى رسول الله اليك  
يذكرك قالت ما انا بعدا نعت شيئا حتى اوامر بى فقامت الى مسجد  
ونزل القرآن وجاء رسول الله فدخل عذيرا بغيرا ذن ۱۸ عالم ۔

اس واقعہ کے بعد منافقوں نے زبان طعن و راز کی۔ اور کہنے لگے کہ پیغمبر خود تو کہتے ہیں کہ تمہارے بیٹوں کی عورتیں تم پر حرام ہیں۔ اور خود ہی اپنے بیٹے کی عورت سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان بد باطنوں کے جواب میں ارشاد فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا یعنی محمد تم میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ وہ تو خدا کے رسول ہیں۔ اور ہر کی نبوت ان پر ختم ہو گئی ہے۔ ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور فرمایا مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ تَاْخِرًا أَوْ بَاقِيًا۔ یہ فقہ محققین کے نزدیک اس طرح ہے۔ اور وضعین اور بے دینوں نے جو مشہور کیا ہے کہ آنحضرت کی نظر زیب پر پڑ گئی۔ اور آپ کی دل ادھر متعلق ہو گیا۔ اور فرمایا مَلِكًا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ یہ اور اس کے مانند جو کچھ منافقوں نے آنحضرت علیہ السلام کے والدہ وسلم کے زمانہ میں اس باب میں نقل کیا ہے بالکل کذب افتراء ہے۔ اہل ایمان کو زینہار اس پر یقین نہ کرنا چاہئے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض علمائے متاخرین نے اس قصہ کی بنا پر مذہب کو فروغ دینا چاہا ہے۔ اور اس پر قیاس کیا ہے کہ جس عورت پر آنحضرت کی نظر پڑ جاتی۔ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی۔ اس بات کی کتاب سنت میں کوئی اصل نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے حسن ظن سے اس قصہ کے ایراد میں اصحابِ تفاسیر کی نقل پر بھروسہ کر لیا ہے۔ حالانکہ دوجہ سے یہ بیان محلِ مواخذہ ہے۔ اہل یہ کہ یہ حدیث اس وجہ پر کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور کسی معتد تاقل نے اس کو نقل نہیں کیا ہے دوم یہ کہ اجتہاد و ماں کرنا چاہئے جہاں اس کی ضرورت ہو۔ اور یہاں اجتہاد کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اس سے خاموش رہنا واجب ہے۔

لے تعجب ہے کہ مفسرین نے کیوں اس طرح اس قصہ کو بیان کیا۔ جو ثبوت ان نبوت کے منافی ہے۔



جو لوگ علم نقل کے شتاساں ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کو کتابِ سنت سے نہیں بلکہ معتزاتِ زمانہ سے کہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی عادت کی موافق اپنے پیشوا یا پُرین کے حق میں کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی کی نظر ان کی غور پر پڑ گئی۔ تو شوہر کو واجب ہے کہ اپنی زوجہ کو اُس کے لئے چھوڑ دے۔ **فَلَا جَزَاءَ لَهُمُ اللَّهُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَآفِلِهِ خَيْرٌ**۔

## آنحضرت کی زراہتِ نظر پر ایک چمکی نقل

ہم اس مقام پر ایک نقل درست کا تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جس سے پورے طور پر آنحضرتؐ کی پاکی نظر نامحرم سے اور آپؐ کی نفی نظر ایسی چیزوں سے جو خیانت سے مشابہ ہوں۔ اگرچہ فی نفسہ خیانت نہ ہو روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب آپؐ نایتخانہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے مکہ میں چند آدمیوں کا خون بہانا مباح فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ غلافِ کعبہ کو بھی پکڑیں تو ان کو نہ چھوڑو۔ اور قتل کر ڈالو انہیں میں سے ایک عبداللہ بن سعید بن ابی سرح تھے۔ فتح مکہ کے روز حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا ہاتھ پکڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے۔ کیونکہ وہ ان کے رضائی بھائی تھے۔ اور حضرتؐ سے عرض کیا حضورؐ عیا شد کو ہاتھ دیجئے تاکہ آپؐ سے بیعت کر لیں چند مرتبہ اسی طرح عرض کیا۔ اور حضورؐ علیہ السلام خاموش رہے۔ آخر بڑے اصرار و اجلاہ کے بعد ان کی بیعت قبول کر لی پھر مجمع کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ میں اس لئے خاموش تھا کہ تم میں سے کوئی شخص اٹھ کر عبداللہ کی گردن مار دے۔ کسی انصاری نے کہا اے حضورؐ آنکھ سے کیوں نہیں اشارہ کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کسی پیغمبر کو زیبا نہیں کہ اُس کی آنکھ متضمن خیانت ہو۔ **مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَكُونَنَّ خَائِنَةً إِلَّا عَيْنٌ**۔

جب آپؐ ایسے امر کے ارضا کے لئے جو دین کی رُو سے ٹھیک نہ ثواب تھا۔ آنکھ سے اشارہ کرنا پسند نہ کیا۔ اور اُس کو اپنے حق میں خیانت





کا نفس اُن کے حکم کا مطیع تھا۔ اور ہوا اُسے نفسانی کو آپ پر مطلق غلبہ و اختیار نہ تھا۔ اور اُن کا ہمزاد یعنی جن جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے۔ آپ کا مسخر و منقاد تھا سوائے خیر کے کسی جانب میل نہ کرتا۔ **صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ عَلَيْهِ** والہ و سَلَّمَ اَفْضَلَ مَا صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ مِنْ أَنْبِيَائِهِ وَ مُسَلَّمٌ اِنَّمَا فِي سَعْدِ قَابِلِ اَعْتِقَادِ تِلْكَ مَنْ اَبْنَيْ الْعَلِيِّ وَالِي حَيْثُ ہے۔ جس کو راویوں نے تفاسیر میں یاد کیا ہے۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ رسول خدا نمازیں سورہ والنجم پڑھے تھے۔ جب اس مقام پر پہنچے **اَلَمْ يَشْهَدْ اَللّٰهُ اَلْغُسَّيْ وَ مَنَاقِدَ اَلشَّالِشَةِ اَلْاَحْرٰى** تو شیطان نے آپ کی زبان میں **وَالَا تِلْكَ اَلْغُسَّ اَبْنَيْ اَلْعَلِيِّ وَ اِنْ شَخَا عَتَهْنَ لَشَرَّ بَحْثٍ** اس حدیث کو آئمہ حدیث سے کسی امام نے ایسے طریق پر نقل نہیں کیا۔ جو قابل حجت ہو۔ ہاں اس حدیث کو سعید بن جبیر سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اُس کا یہ حال ہے کہ سعید بن جبیر کا راوی کہتا ہے۔ **لَا اَعْلَمُ اَلَا مِنْ اَبْنِ عَبَّاسٍ** یعنی میں اس حدیث کو جو سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے۔ نہیں جانتا مگر ابن عباس سے۔ اور ایسی محدود روایت سے ایسے بڑے قضیہ کو ثابت کرنا بالکل درست نہیں۔ باوجود اس کے کتب تفاسیر میں اس حدیث کو لوگوں نے سعید بن جبیر سے ہی روایت کیا ہے۔ اور انہیں تک روایت کو پہنچا یا ہے۔ اور سعید بن جبیر وہ شخص ہیں کہ عدالت میں ان کا حال مجہول ہے۔ اور اگر یہ حدیث اسناد پسندیدہ سے بھی پائی جاتی تو بھی قابل حجت نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ احاد سے ہے۔ اور حدیث احاد موجب علم نہیں ہوا کرتی۔ **فَكَيْفَ** کہ اُس میں کثرت سے کلام و گفتگو ہو۔ اور باچندین علت اصول دین کے بھی منافی ہو، اس واسطے کہ ہرگز روا

اے صحیح مسلم میں اسے رسول اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ ہمراہ اُس کے ایک ہفتین اُس کا جنور میں سے اور ایک ہفتین اس کا فرشتوں میں سے کیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کے لئے جی یا رسول اللہ، فرمایا ہاں میرے لئے بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مدد دی۔ وہ مطیع (یا مسلمان) ہوا۔ (حدیث میں لفظ **فَاَسَلَّمَ** درج ہے) وہ بھلائی کے ساتھ مجھ کو حکم کرتا ہے +

نہیں کہ شیطان کے القاء کو آنحضرت مطلقاً کریں۔ شیطان کو آپ پر بالکل قدرت و غلبہ نہ تھا۔ اور اس لئے بھی تا درستی ہے کہ آنحضرت کو القاء شیطان اور وحی جبرئیل میں کامل تمیز حاصل تھی۔ اگر تمیز نہ ہوتی۔ تو قرآن غیر قرآن سے کس طرح ممیز ہوتا۔ پھر حالت نماز میں یہ بات بطور اولیٰ نا ممکن ہے کہ آپ محض ایک گمان پر ایسے الفاظ پڑھ جاویں۔ جو قبیل کفر سے ہوں \*

اس عقائد کا فساد دین اسلام میں سخت ظاہر ہے۔ اور اس قول کا بطلان کسی ایسے شخص سے جو کچھ بھی نہم و درایت رکھتا ہو مطلق پوشیدہ نہیں ان ناقلاں سادہ دل سے تعجب ہے کہ ایسی حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔ اور اس ضمن میں کیا بلحاظ دین اور کیا بطریق نقل جو خلل موجود ہیں۔ ان کی اندیشہ نہیں کیا۔ انہوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ خداوند تعالیٰ نے اس صورت کی ابتدا میں قسم کھا کر اس بات کو یاد کیا ہے کہ تمہارا پیغمبر گمراہ نہیں ہے۔ اور ہوائے نفس سے کوئی بات نہیں کہتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ وحی ہے۔ جو اُس کی طرف بھیجی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا وَ الْبَشَرِ اِذَا هُوَ اٰمَرَ نَفْسًا لِّمَآءٍ حٰثِرٍ وَ مَآءٍ نَّاطِقٍ عَنِ الْهَوٰی اِذَا هُوَ اٰمَرَ وَ نَحٰی یُوحٰی ہ پس کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ نماز ہی میں جب ہی صورت پڑھ رہے ہیں۔ شیطان لعین آپ پر القا کرے۔ اور کلمات کفر آپ کی زبان سے ادا ہوں۔ تعالیٰ اللہ عَنْ ذٰلِکَ وَ جَلَّ مَنْعُہٗ رَمٰلَتہٗ عَنْ مِّثْلِ هٰذِہٖ الْهَفْوٰتِ \*

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتا اس کو لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں۔ کبھی حالت رضا میں اور کبھی حالت سخط میں باتیں کرتے کرتے ہیں۔ تو تم آپ کی ہر ایک بات موت لکھا کرو۔ (مراد یہ ہے کہ انسان

یہ قصہ اس طرح چھوٹا ہے

کلمہ ماحولہ میں ہے کہ جو کچھ کہتا ہے اس کو لکھ لیا کرتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں نماز کے باہر ہوا



جب حالت غضب میں ہوتا ہے تو اس کی زبان سے ناقابل افہام باتیں نکلتی جاتی ہیں۔ پس ہر قسم کی بات کو لکھنا ٹھیک نہیں ہے، جب اللہ ارادے کرتا ہے کہ یہ حال پیغمبر کے لئے عیشہ آلہ وسلم سے بیان کیا جائے۔ آپ نے فرمایا اے عبداللہ جو کچھ مجھ سے سنو لکھ لیا کرو۔ مستم اس نے اتنے پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ سوائے حق کے اس سے کچھ باہر نہیں نکلتا۔ اور آپ نے اپنے دو ماں مبارک کی طرف اشارہ فرمایا حدیث کے لفظ یہ ہیں اُكْتُبْ هُوَ الَّذِي نَفْسٌ تُحْمَلُ بِهَا خَرَجَ مِنْهُ إِلَّا الْحَقُّ وَاشَارَ إِلَى فَمِرٍ يَسِي حَيْثُ جِسِّهِ مَتَعْلِقٌ بِهِ مُعْلِمٌ نہیں کہ اس کو کس نے نقل کیا۔ اور کس طرح نقل ہوئی۔ ایک ایسی ہیئت اور متین حدیث کے مقابلہ میں جس میں رسول خدا نے خود خبر دی کہ میرے منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح درست ہوگا۔ اگر قائل کہے اکثر مفسرین نے ذیل کی آیت کے تحت میں اسی طرح اس کی تفسیر کی ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيِّ إِلَّا إِذًا أَتَيْنَاهُ بِالْحَقِّ الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ کہاں ثابت ہے کہ شیطان نے بری بات رسول خدا پر القا کی۔ آیت کی تفسیر اگر لفظ تلاوت سے کریں۔ تو معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ تمہارے قبل ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی بھیجا۔ مگر وہ جب کبھی خدا کا کلام پڑھتا ہے تو شیطان اس کی تلاوت میں کوئی شے ڈال دیتا ہے۔ اب یہ القاءِ وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لفظ کی رو سے یا معنی کی رو سے۔ معنی کی رو سے القا کے معنے یہ ہیں کہ شیطان اپنی تاویلات فاسدہ اور تاویلات نفسانی سے تلاوت کو ان پر مشتبہ کر دیتا ہے۔ اور اگر ازمنہ

۱۷۔ تمہنی کے دو معنی ہیں۔ قرأت اور آذر دی دلی۔ یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

معنی یہ ہیں کہ اسے رسول مہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔ مگر ان کو یہ پیش آیا کہ (جب انہوں نے کچھ تمنا یا قراآت کی تو شیطان نے ان کی تمنا یا قراآت میں کچھ ڈالا ۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَكَ تَبِيه

لفظ ہو تو القا کے یہ معنی ہیں کہ جو چیز اصل الفاظ سے نہیں ہوتی شیطان  
 اس میں ملا دیتا ہے۔ پس خدا اپنے کلام کو شیطان کے القا سے نگا و رکھتا  
 ہے۔ اور القا شیطان کو غمو و نا چیز کر دیتا ہے یعنی خدا کا فرمودہ محفوظ  
 رہتا ہے۔ اور شیطان کا القا نابود ہو جاتا ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے  
 کہ مذکورہ بالا آیت تِلْكَ الْغُرَانِيقُ الْعَلَىٰ الرَّكْعَةِ قَضِيَّةٌ مِّنْ مَّوَدِّعِ نَازِلِ  
 ہوئی ہے طریق ثواب یہ ہے کہ تاویل اس کی اس وجہ پر کریں کہ جب آنحضرت  
 اس مقام پر پہنچے اَفْرَأَيْتُمْ اللَّاتِ وَالْعُزْرَىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثِ  
 الْأُخْرَىٰ تو شیطان ملعون نے اس طرح آواز کی تِلْكَ الْغُرَانِيقُ  
 الْعَلَىٰ الرَّكْعَةِ مشرکوں نے اس آواز کو سنا اور اپنے قصور فہم و نظر کے سبب  
 یہ خیال کیا کہ آنحضرت ہی پڑھ رہے ہیں۔ بایں خیال خوشنود ہوئے۔ اور  
 اس بات کو پھیلایا دیا۔ اور حضرت نبی کریم علیہ السلام اس امر سے ملول ہوئے  
 خدا تعالیٰ نے آپ کی تسکین خاطر کے لئے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا أَرْسَلْنَا  
 مِنْ قَبْلِكَ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا اسْخَرْنَا لَهُ قُلُوبًا وَلُجُومًا اس آیت کی  
 تاویل کرنا چاہئے۔ تاکہ مخالف کتاب سنت و اصول دین کے نہ ہو۔ اور  
 اگر یہ درست ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ اَلْقَىٰ عَلٰی لِسَانِهِ تو مراد لسان سے  
 نعت ہوگی یعنی شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت  
 میں القا کیا۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں \*

## تیسری فصل

رسالہ خاتم الانبیاء اور آپ کے معجزات کے بیان میں

خدا تعالیٰ نے ابتدائے نبوت میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 پر ایک فرشتہ کو مائل کیا تھا۔ تاکہ آپ کو ضروریات دین اور طریق عبودیت



سے آگاہ کرنا ہے۔ اور حدیث اس طرح آئی ہے۔ فَكَانَ يُعَلِّمُهُ الْكَلِمَةَ  
وَالْكَلِمَتَيْنِ یعنی فرشتہ آپ کو ایک ایک دو باتیں تعلیم کرتا تھا  
ان دنوں آپ کو سچے خواب دکھائی دیتے تھے۔ یہ نبوت تھی جو بعد اس کے  
جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ اور آپ کو کہا کہ اہل مکہ کو توحید کی  
طرف دعوت کریں۔ اب نبوت کے ساتھ رسالت بھی شامل ہو گئی۔ آپ کی  
دعوت میں چند چیزیں ایسی تھیں۔ جو دوسرے انبیاء کی دعوت میں موجود نہ  
تھیں۔ اول یہ کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو تمام انس و جن کی ہدایت کے لئے  
بھیجا ہے۔ اور میری دعوت قیامت تک ان پر جاری رہیگی۔ دوم یہ کہ  
آپ کی شریعت آخرہ اکمل شرائع ہے۔ سوم یہ کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔  
نبوت کا دور وازو آپ کے بعد سرد ہو گیا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔  
چنانچہ حدیث درست سے ثابت ہے۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِي آپ کی دعوت و  
رسالت کے متعلق آپ کے ظہور کے پہلے بذریعہ انبیاء سابقہ اطلاع دی  
جاء چکی تھی۔ اور اس غلم میں جو ان میں متواتر چلا آتا ہے۔ صاف تصریح  
کر دی گئی تھی کہ پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوگا۔ اس کی نبوت تمام انس و  
جن کے لئے یکساں ہوگی۔ وہ خاتم الانبیاء ہے۔ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

اسے کرب منبرہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف قریب چالیس سال  
کے ہوئی اور ظہور قدسی کا وقت قریب آیا۔ تو آپ رات دن خدا کی یاد میں محو رہتے۔ غار حرا میں جا  
اور کئی کئی روز وہیں رہ کر یا خدا میں مشغول رہتے۔ اور غور و فکر کرتے تھے۔ اسی زمانہ کو تلاش  
حق کا زمانہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ وَوَجَدَ لَهُ صَالَاةً یٰۤاٰی یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے  
رسول کریم ہم نے تم کو اپنی تلاش میں سرگرم اور غلطان و بیچارہ پایا تو ہم نے تم کو اپنی طرف  
رہنمائی کی۔ اس قسم کی ایک حدیث بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی  
ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ابتداء میں وحی شروع ہوئی۔  
تو وہ رویا و صالحوں کے طور پر تھی۔ ہر ایک رویا و جواب دیکھتے وہ صبح کی سفیدی کی طرح صاف  
ادبیت طور پر پورے ہوتی۔ اور آپ کو خلوت اور تنہائی میں رہنا پسند ہوتا پس اب غار حرا میں جاتے  
اور وہاں کئی کئی رات تک عبادت کرتے۔ پھر گھر آتے اور اپنے ساتھ کچھ زاد لے جاتے۔ جب وہ ختم ہوتا  
تو پر تہمت سے آکر انہیں زاد دیتے۔ آپ اسی حالت میں تھے کہ آپ کے پاس حق آگیا۔ اور اس وقت  
آپ غار حرا میں تھے ۱۲ منبر

اُس کا دین تمام ادیان سے بہتر اور اُس کی شریعت جملہ شرائع کی ناسخ ہوگی  
یہ تمام باتیں آپ کے دعوے کی حجت تھیں۔ اُس کا علم اہل کتاب کو پہنچ چکا  
تھا۔ مگر وہ باوجود اس علم کے آپ کے زمانہ میں آپ کے دشمن ہو گئے۔  
حالانکہ آپ کے ظہور کے پہلے ان بشارات کو نقل کرتے تھے۔ اور ان بشارات  
کی محبت کی گواہی دیتے تھے۔ اور ان کے عمداً کہا کرتے تھے کہ اہل  
مکہ سے نبی آخر الزمان کے ظہور کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ آپ کے قرب  
ولادت کے ایام میں عجیب و نادر نشانات ظاہر ہوئے تھے۔ چنانچہ اباہیلوں  
کی کناریوں سے اصحاب الفیل کی ہلاکت اور بتوں کا اونٹھے منہ زمین پر گرنا  
جن کو مشرکین مکہ پوجتے تھے۔ اور بحیرہ سادہ کا پانی خشک و غائب ہو جانا  
اور ایوان کسار کے چوڑے کنگروں کا گرنا۔ اور آواز مائے سراقہ کا گوش زد ہونا  
اور کاهنوں کا اتفاق کرنا اس مر پر کہ حادثہ عظیم عالم میں ظہور کرے گا کہ اُس  
کے سبب جنوں کو اخبار سماوی کی خبر منع ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ از آیات  
کثیرہ اور دعوت کے بعد جو آپ کے معجزات ظاہر ہوئے وہ حد اخصا و شفا  
سے باہر ہیں۔ ان میں سے ایک شق القمر ہے۔ دوسرا سنگریزوں کا آپ کے  
ماقد میں تسبیح کرنا۔ تیسرا یہ کہ آپ کی انگلیوں سے اس قدر پانی نکلا کہ ڈیڑھ  
ہزار اصحاب کے قریب اُس سے سیراب ہوئے۔ اور سب نے وضو کیا۔ اور بہائم  
کو پانی پلایا۔ اور بقدر حاجت بھر رکھا۔ چوتھے یہ کہ ستونِ حنا نے آپ کی  
جدائی میں نالہ کیا۔ یہ ایک چوب تھا۔ کہ حضور اُس پر تکیہ کر کے خطبہ پڑھا کرتے  
تھے۔ جب ممبر بنایا گیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے لگے۔ اس امر  
سے بحکم رب فد ابجلا ال چوب مذکور نے باواز بلند نالہ کیا حتی کہ صحابہ کرام  
نے مسموع کیا۔ پانچویں یہ کہ آپ کی دعا کی برکت سے قییل کھانا زیادہ  
ہو گیا۔ جس سے تمام شکر کو کفایت المونت حاصل ہوئی۔ چھٹویں یہ کہ ذراع  
گو سفند نے جو زہر آلودہ تھی۔ آپ کو مطلع کیا کہ مجھے تناول نہ کیجئے دشمنوں  
نے مجھ میں زہر ملا دیا ہے۔

ایک قسم معجزات آنحضرت کی وہ ہے جس میں آپ نے آئندہ زمانہ



کی خبریں دی ہیں کہ فلاں وقت میں ایسا ہوگا۔ اور ویسا ہی ہوا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ کسے اذیت کے نذر اثن الشہ کی راہ میں خرچ ہونگے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور سراقہ کو فرمایا کہ کسے کے دونوں ہاتھ خدا تیرے ہاتھ میں بیگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور آپ نے مکہ و مین و شام و عراق کی فتح کے متعلق جس ترکیب سے خبر دی تھی۔ اسی ترتیب سے مقامات مذکورہ کی فتح واقع ہوئی۔ اس قسم کے معجزات بھی شمار سے افزون بالا تر ہیں۔ ایک علمائے سلف نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت کے اعلام نبوت ہزار تک پہنچتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ ہوں۔ اور ان کی اطلاع عالم مذکور کو نہ پہنچی ہو۔ یہ اعلام نبوت و رسالت کئی قسم کے ہیں۔ بعض متواتر ہیں۔ جن کو قطع کرنا درست ہے۔ اور بعض معجزات ایسے ہیں کہ جماعت کثیر نے ان کو نقل نہیں کیا ہے۔ اور وہ اخبار احاد سے ہیں ان کے جنس میں بطریق معنی تو اترا ثابت ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جو اخبار اس قسم کے ہیں۔ ان میں یا اعتبار تو اترا تو اسے اعجاز کے نظر سے دیکھو۔

## قرآن حکیم سے بڑا معجزہ

اور حقیر رسول کریم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کہ اس کی جانب زوال و انقطاع کو راہ نہیں۔ اور وجوہ تو اترا سے کوئی خبر قرآن کے مرتبہ کو نہیں پہنچی۔ مدنیں گذر گئیں کہ حق تعالیٰ کی یہ آواز خاص عام کے کانوں میں گونج رہی ہے کہ اے محمد خا لفین سے کہہ دو کہ اگر میں یہ قرآن اپنی طرف سے بنا کر کہتا ہوں۔ تو تم اس کی مثل دس سو تین بنا کر لاؤ۔ پھر فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کی مثل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ پھر فرمایا کوئی حدیث تو اس کی مانند لاؤ۔ غرض بار بار خدا نے بتو سٹاپ اپنے پیارے حبیب کے خا لفین کو قرآن کی مثل بنا لانے کا چیلنج دیا۔ مگر کسی سے آج تک ایک سورت بھی اس کے مثل نہ بن سکی۔ آنحضرت کی نبوت کا یہ نہایت عظیم شان معجزہ ہے۔ اس واسطے کہ قریش جو آپ کی قوم تھی۔ اور پہلے قبل انہیں سے

خطاب تھا۔ یہ لوگ فصیح و بلیغ اور سخندان لغت تھے۔ اور آنحضرت جو کچھ  
 پڑھتے تھے اُس کے معارف و عقائد کو خوب سمجھتے تھے۔ اور یہی لوگ آپ کی  
 دشمنی میں سب سے زیادہ جھڑپتے۔ اور آپ کی ہلاکت میں سب سے بڑے کوشش  
 کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کی مخالفت میں بے انتہا مال خرچ کیا۔ اور اپنی  
 جانوں کو خطرہ میں ڈالا کہ کسی طرح آپ پر غالب ہوں۔ پھر جب ان سے کہا  
 گیا کہ اس قرآن کی نسبت ایک سُورت ہی بنا کر لاؤ۔ تو اُس کے جواب سے  
 قریش پہلو نہی کرتے تھے۔ اور ان سے ممکن نہ تھا کہ قرآن کی مثل بنا کر لائیں  
 وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن سحر و جادو ہے۔ اور کذب و دروغ ہے۔ اگر ان سے  
 جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ قرآن کی ایک چھوٹی  
 سی سُورت کا معارضہ ممکن ہوتا۔ تو ناحق اپنی جان مال کو ہلاکت میں کیوں  
 ڈالتے۔ اور گونا گوں کوششیں آپ کی ہلاکت میں کیوں کرتے۔ اس واسطے  
 کہ بشرط امکان قرآن سے معارضہ کرنا اور اُس کی مثل ایک سُورت ہی بنانا  
 اس سے زیادہ آسان ہے کہ بدل مال اور ترک وطن اور مفارقت یار و دیا  
 کی حاجت پڑے۔ پھر جب اُن سے قرآن کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور چھوٹی سی  
 سُورت بھی مثل قرآن کے نہ لاسکے۔ پس ہر امر کی بڑھان قاطع ہے کہ کوئی  
 شخص بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ قرآن کلام خدا اور آنحضرت  
 کا زندہ معجزہ ہے۔ جو قیامت تک باقی رہیگا۔ اور ہرگز ہرگز کبھی اور کسی  
 زمانہ میں عربی کے بڑے بڑے عالم و فاضل سے اس کا جواب نہ بن سکیگا۔  
 کیونکہ جس طرح حضور نے قریش سے یہ خطاب کیا تھا۔ اُسی طرح یہ خطاب ہمیشہ  
 اور اب بھی تمام دنیا کے فضلا و علما عام عربیہ اور فصیحان و بلیغان اور  
 زبان دان لغات عربیہ سے ہے۔ مگر نہ آپ کے زمانہ میں قرآن کا جواب ہو سکا  
 اور نہ آپ کے بعد اب تک باوجودیکہ ہر قرن میں عربی کے بڑے بڑے  
 ماہرین سے جو دین اسلام کے بھی مخالف تھے۔ اُس کا جواب ہو سکا۔ اور  
 انشاء اللہ آئندہ قیامت تک بھی نہ ہو سکیگا۔ اگرچہ مخالفین اپنی اپنی  
 چوٹی کا زور خرچ کر ڈالیں۔ یہ واقعات ہیں۔ جن سے صاف طور پر یقین



ہوتا ہے کہ قرآن کریم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم نشان  
معجزہ ہے۔

## وجہ اعجاز

قرآن کریم کے وجوہات اعجاز چند طریق پر ہیں جن کو علامہ  
کرام نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک وجہ کی تزییح  
دوسری وجہ پر ثابت کرتے گئے ہیں۔ ہمیں ان تمام کے نقل و بیان کی ضرورت  
نہیں۔ ان میں چند ضروری اور صاف و صریح ہیں۔ اس مقام پر بیان کیا  
جاتا ہے۔

## اعجاز قرآن کی پہلی وجہ

ادل وجہ اعجاز قرآن کی یہ ہے کہ وہ ایسی دلچسپ اور موثر عبارت  
اور عمدہ ترتیب اور نظم و نسق پر واقع ہوا ہے کہ کوئی انسانی کلام اور  
سخن عرب اس کی مثل اور اس کے مرتبہ کا نہیں پایا جاتا۔ یہی سبب ہے کہ پہلے  
بھی اور اب بھی قسماً زمانہ سے جو فصیح و بلیغ انشاء پرداز اور قادر کلام  
شخص قرآن پاک کی آیات پڑھتا یا سنتا تو صاف لفظوں میں اعتراف  
کرتا کہ اس قسم کا کلام خلق سے معهود نہیں ہے۔ اور بلا شک یا یہاں کلام  
ہے جس کا مقابلہ و معارضہ کلام انسان ہرگز نہیں کر سکتا۔

## دوسری وجہ

دوسری قسم اعجاز کی یہ ہے کہ قرآن کریم حالات آئندہ سے باوجود  
اس کے غیر موجود اور معدوم ہونے کے اور باوجود اس کے کہ اس کا شان  
گمان ترک نہیں ہوتا۔ بھی خبر دیتا ہے۔ اور ویسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت شریف  
لَسَدُ خَلْقٍ الْمُسْجِدِ الْحَرَامِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِينَ مُحَمَّدٌ رُؤُوسُ  
وَمُقَدِّمِينَ لَا تَخَافُونَ اور جیسا کہ سیدہنم الجعفیہ و لو لوالدہا

اور جیسا کہ اللہ علیہ السلام فرماتا ہے اَوْنِي الْاَكْرَهِيْ اَوْ جِيسَا كَهُوَ الَّذِي  
اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ وَدَّيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ  
كُلِّهٖ ۔ اور جیسا کہ قرآن کریم میں بیان ہوئے ۔ خدا کے فضل سے موافق  
اختیار و مواعد کے ہی واقع ہوئے ۔

تیسری قسم وجہ عجز کی یہ ہے کہ الفاظ موجز و مختصر میں معانی کثیرہ  
بیان ہوئے ہیں ۔ جن سے بعض علماء واقف نہیں ہیں ۔ اور اکثر علماء ان سے  
پوچھے و پوچھتے آگاہ ہیں ۔ اور علمائے سلف نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سنتیں قرآن کریم کی طرف راجع ہیں ۔ اور تمام  
سنن کی اصل قرآن کریم ہے ۔ ان باتوں کا اور ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کو یہ جو اکل و حسن تھا ۔ اب معلوم ہوا کہ قرآن کریم کئی طرح سے معجز ہے ۔ نظم  
سخن کی وجہ سے کوئی بشری کلام اس کے مشابہ نہیں ۔ قرآن کریم میں جو چیزیں  
ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک برے لفظ و معنی کے الّا افراد معجز ہے ۔ قرآن کریم  
کے لفظائے موجز جو معانی کثیرہ پر دل ہیں ۔ وہ سب معجز ہیں ۔ تمام قرآن  
معنی کے طریق سے معجز ہے ۔ اس وجہ سے کہ بعض قرآن بعض کا مصداق  
سے ۔ اور عجز کی ہر ایک قسم معاون ہے دوسری قسم کے ۔

## قرآنی معجزہ کا مقابلہ حضرت عیسیٰ کے معجزات سے

علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ مسرتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا  
قرآن کو معجزہ کے طریق پر لانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردہ کے زندہ  
کرنے سے ثالث نبوت میں زیادہ صاف روشن تر ہے ۔ کیونکہ قرآن ایسی  
قوم پر آیا ۔ جو اہل بلاغت و فصاحت اور صرف سخن پر پورے قادر تھے ۔  
اور باد جو داس کے کہ وہ صرف سخن پر قدرت رکھتے تھے ۔ قرآن کے معارضہ  
اور اس کے دشمن کے لئے سے بالکل عاجز رہے ۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
مردہ زندہ کرنے کا معجزہ ایسی قوم پر لائے کہ وہ ہرگز احیاء موتی کی قدرت



نہیں تھکتے تھے۔ قریش کو ہرگز توقع نہ تھی کہ کوئی شخص ایسا بلند کلام نہ بیگا جس کے معارضہ سے وہ عاجز ہوں گے۔ پس وہ خداوند تو قیام قرآن کے معارضہ سے عاجز ہو گئے۔ غرض قرآن کو ہم کی مثال کو پیچیدہ و پیچیدہ نہیں پا گیا۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کرام کو معجزہ پر وقت طلب تھا۔ دیا جاتا تھا۔ پہلے سے انبیاء معجزہ سے واقف نہ ہوتے تھے۔ جب قوم ان سے معجزہ طلب کرتی تھی۔ تو خدا تعالیٰ انبیاء کے ہاتھ پر مطلوبہ معجزہ کو ظاہر کرنا تھا۔ پھر جب حجت ثابت ہو گئی۔ تو وہ معجزہ مرتفع ہو جاتا۔ اور یا زیادہ سے زیادہ انبیاء کی حیات تک باقی رہتا تھا۔ اور انبیاء کے بعد ان معجزوں کا صرف ذکر امتوں کے درمیان باقی رہتا تھا۔ اور قرآن جو منفہ معجزہ ہے۔ بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی درمیان امت کے ویسا ہی محفوظ اور باقی ہے۔ اور قیامت تک اس کی حجت جاری و باقی رہیگی اس پر قنار و انتہا نہیں ہے۔

## قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں ہیں

ایک عجیب بات یہ ہے کہ پیغمبرِ حبیبِ دعوت پر مامور ہوتے ہیں تو اس کے بعد دعوت و دعویٰ کے لئے ان کو معجزہ بطور حجت عطا ہوتا تھا۔ گویا دعوت اور حجت دونوں چیزیں جدا جدا تھیں مگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صرف قرآن کریم میں دعوت و حجت دونوں چیزیں جمع کی گئیں قرآن معنی کے لحاظ سے دعوت ہے۔ اور وجہ بلاغت کی رو سے معجز اور حجت دعوت ہے۔ پس اس کی حجت بھی اس کے نفس میں ہے۔ اور دعوت بھی اسی میں ہے۔ اور قرآن کے لئے یہ شرف و فضل کتنا پسندیدہ ہے کہ ایک ہی چیز میں دعوت و حجت دونوں جمع ہیں۔ اور وہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ بعض ایسے سادہ دل اشخاص ہیں جن کی فہم و درایت ان معجزات کی حقیقت نہ سمجھنے سے تضرع ہے۔ لہذا اہم ان کے سامنے ایک عمدہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی

پیش کرتے ہیں۔ اور یہ وہ دلیل ہے کہ کسی نبی کے بڑے سے بڑے معجزہ سے اعلیٰ و بالاتر ہے۔ وہ دلیل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی ہیں۔ جن پر غائر نظر کرنے سے فوراً آپ کی نبوت کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آپ ابتداء میں ایک یتیم تھے۔ نہ آپ کو کوئی قوت حاصل تھی جس کے وسیعہ لوگوں کو اپنی بات منوانے نہ صاحب مال و جاہ تھے۔ کہ اس کی لالچ و طمع سے کہ قریش کو فریفتہ کرتے۔ اور نہ آپ وارث ملک تھے کہ لوگ بطمع روزی و حصول جاہ آپ کی پیروی کرتے۔ بلکہ تنہا و بیچارہ و بددگار تھے۔ کسی شخص کو آپ کی دعوت سے اتنا فائدہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ اس معاملہ میں آپ کے خویش و اقارب اور قریبی رشتہ دار تک آپ کے مخالف اور دشمن جان تھے۔ باوجود اس کے جب آپ منادی توحید بن کر قریش میں آئے تو آپ کے عزم و استقلال اور آپ کی سچی رسالت و بشارت نے ایک عرصہ قلیل میں تمام ملک عرب اطراف و جوانب کو جس میں مشرک تثلیث اور بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک دم خدا کی توحید کی جانب جھکا دیا۔ اور سب نے مذہب بت پرستی اور عادات جاہلیت سے کہ مدت سے اس پر مصر تھے۔ صدق دل سے توبہ کر لی۔ اور انہوں نے اپنے تمام مثالب کو مناقب سے بدل لیا۔ وہ ایسے لوگ اور ان کا ملک ایسا ملک تھا۔ جہاں مدتوں سے کوئی داعی دین یا صاحب ملک نہیں آیا تھا کہ ان کو لوگوں کا خوان بہانے غارت کرنے استباحہ محرمات و زنا اور مردار کھانے اور ایک دوسرے پر ظلم و متہم کرنے سے باز رکھتا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت ظاہر ہوئی۔ تو یکبارگی ان کا حال بدل گیا۔ اور سب یکدل و یک زبان دین حق پر متفق ہو گئے۔ اور ایک دم آپ کی طاعت کی طرف دوڑ پڑے۔ اور صفات مکارم اخلاق و محاسن فعال موصوفہ ہوئے۔ اور خواہش دنیوی مثل حرص مال و جاہ و طلب یاست اور متابعت شہوات اور اعتقاد کاہناں وغیرہ سب کو چھوڑ دیا۔ اور بجائے اس کے



تکالیف شرعی اور مشقت درویشی اور مفارقت اہل و عیال خستہ پار کیا۔ اور  
اپنی جانیں خدا تعالیٰ کی عنایہ میں بدل گئے بدلوں اس کے کہ اُس میں عرض  
دنوی کا ثنائیہ ہوتا ۔

انسان جب ان حالات اور اس انقلاب عظیم پر غور و تامل کرے۔ تو وہ  
یقین جان لے کہ ایسے کاروائے نمایاں اختیار عقلی اور تدبیر فکری سے  
مہل نہیں ہوتے۔ اور آدمی کی قوت و سعی اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی ہے  
یہ ایک آسمانی مدد اور خدائی کام ہے کہ اُس کے حکم و تقدیر کے سوا ممکن  
نہیں۔ اس میں کسب کو کوئی دخل نہیں ہے۔ قرآن کریم بھی اسی جانب اشارہ  
کرتا ہے کہ لَوْ اَنفَقْتَ مِمَّا فِی الْاَدَمٰی جَمِیْعًا مَا اَلْفَتْ بِیْنَ قُلُوْبِهِمْ  
وَلٰكِنَّ اِنَّہٗ اَلَفَتْ بَیْنَہُمْ ۚ لَہٗ رَسُوْلٌ ۚ اِنْ كُنَّ اُنَّ كِی مَوٰ اَلْفَتْ ۚ اور  
موافقیت میں زمین کی تمام چیزیں بھی خرچ کر ڈالتے۔ تو اُن میں الفت پیدا  
نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ نے اُن کے درمیان محبت پیدا کی ۔

دوسرے اس بات پر غور کیا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم اُمی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور پرورش بھی ایسی قوم  
میں ہوئے تھے۔ جو آپ کی طرح اُمی تھے۔ اور وہ شہر بھی ایسا تھا کہ وہاں  
کوئی اسم گذشتہ کے اخبار کا عالم تھا۔ اور نہ کوئی ایسا صاحب سخن تھا۔ جو  
اپنی حجت و جدال سے خصم کو خاموش کر سکتا۔ اور نہ کوئی فیلسوف صاحب منطق  
و ایجاد تھا۔ پھر نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسرے شہر کا  
سفر کیا تھا۔ اور نہ کسی عالم کو واقفیت علوم و فنون پایا تھا۔ باوجود ان امور  
کے جب آپ دعوت توحید کرتے تھے تو انجیل و تورات کے اخبار سے  
خبر دیتے تھے۔ اور انبیائے گذشتہ اور امتہائے سلف کے واقعات و  
حالات جیسے گزے تھے فر فرماتے تھے۔ باوجودیکہ اُن کے حالات میں  
محور ایام اور تحریف اہل کتاب سے بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا تھا ۔  
پھر آپ ہر ملت کے مخالفین کے مقابل حجت و دلائل لائے اور  
اپنے دعویٰ پر ایسے پُرزور براہین قائم کئے کہ جہان کے تمام زیرک عقلاء نے

جمع ہو کر ان میں ایک نقطہ کا فرق نہ بقص نہیں نکالا۔ یہ تمام باتیں اس امر کی  
روشنی دہلیں ہیں کہ خدا کی طرف سے آپؐ کا مورا اور بدو یافتہ تھے۔ اور  
خدا ہی کا ہاتھ آپؐ کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ قرآن بھی اس جانب اشارہ کرتا  
ہے۔ اَوَلَمْ يَكْفِهُمْ اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ  
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآٰيَةً لِّرَجْمَةٍ وَّ ذِكْرٍ لِّمَنْ يُّوقِنُوْنَ کیا انہیں کافی  
نہیں کہ ہم نے تم پر مسترآن کریم نازل کیا جو ان پر پڑھا جاتا ہے بے  
شک اس میں یقین لانے والوں کے لئے رحمت و ذکر ہے۔

## پوری فصل

### آنحضرتؐ پر ایمان لانے اور بعض عہداتِ مولیٰ کی شناخت میں

جناب سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے  
کے معنی ہیں کہ دل سے آپؐ کی رسالت کی تصدیق اور زبان سے اس کا اعتراف  
واقار کیا جائے۔ اور آپؐ کی رسالت پر ایمان لانا حقیقت میں خدا تعالیٰ  
پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ رسالت پر ایمان لانا بدوں خدا پر ایمان لانے ممکن  
نہیں۔ اس لئے کہ جب فرستادہ کے سچے ہونے کی تصدیق کو اعتراف کر لیا  
تو یہی فرستندہ یعنی خدا کی تصدیق و اعتراف ہے۔ اور جب مولا کی رسالت  
پر ایمان لے آیا۔ تو اس کی اطاعت بھی اس پر واجب ہو گئی۔ کیونکہ امر و نہی کا  
قبول کرنا رسول سے گویا اللہ تعالیٰ کے تمام احکام و نیکالیف کو قبول کرنا ہے  
یہی سبب ہے کہ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اور رسول کی مخالفت  
خدا کی مخالفت ہے۔

رسول پر ایمان لانے کے متعلق قول مجمل یہ ہے کہ آپؐ کے ہر ایک  
کلام و پیام کی پوری تصدیق کرے۔ اس میں شک و شبہ کو ذرہ برابر دخل نہ ہے۔



اس کے ساتھ ہی آپ کی رسالت پر تفصیلی ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ ایمان  
 عمل میں جس اور کا اعتراض کر چکا ہے۔ مفصل میں اس کے خلاف نہ ہو۔ اس  
 سے یہ ہے کہ حضرت رسول خدا جو کچھ فرماتے ہیں اور جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاس  
 لائے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی پوری تصدیق کرے۔ اور یقین کرے کہ آپ  
 اپنی جانب سے ایک کلمہ کم و زیادہ نہیں کہتے۔ اور یہ بھی تصدیق کرے کہ آپ تمام  
 جن انس کی طرف رسول و فرستادہ خدا ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا بعثت  
 الی الامم رسولی و الی الامم رسولی یعنی میں جن انس کی جانب مبعوث ہوا ہوں۔ اور  
 اسی معنی میں آیات قرآن ناطق ہے۔ چنانچہ اِذَا خَرَفْنَا لَكَ نَفْسًا  
 مِنَ الْجِنَّۃِ اَوْ مِثْلَ نَحِیْرٍ قَوْمًا اَحْبَبُوْا اِذْ اَعٰی اِلٰہُ وَاَمَلُوْا بِہٖ ط  
 قوم جن کو اس امر کی نشانی اور اثر تو معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر کوئی  
 آسمانی امر عظیم حادث ہوا ہے۔ اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی  
 بعثت تھی۔ لیکن انہیں حقیقت حال سے اطلاع نہ تھی۔ وہ زمین پر اسی تلاش  
 میں پھرتے تھے کہ حضرت پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشان  
 معلوم کریں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا اِذَا خَرَفْنَا لَكَ نَفْسًا مِنَ  
 الْجِنَّۃِ یعنی اے پیغمبر ہم نے قوم جن کا رخ تیری طرف پھیر دیا کہ انہوں نے تیری  
 رسالت کو پہچان لیا۔ اور تیرا کلام سن کر یہ یقین جان لیا کہ تو پیغمبر برحق ہے  
 اس آیت میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ اگر یہ خود سے تیری خدمت میں حاضر  
 ہونا چاہتے تو ممکن نہ تھا۔ اس واسطے کہ ان کا عارفانہ یعنی تیری طرف پھیر  
 دینے والا یہ حقیقت میں تھا۔ جب انہوں نے قرآن کریم کو سنا اور اپنی قوم  
 کی طرف گئے تو کہنے لگے۔ یَا قَوْمُ مٰذَا اٰیۃُ یٰہِیْمُوْا اِذْ اَعٰی اِلٰہُ وَاَمَلُوْا بِہٖ ط  
 اے ہماری قوم خدا کی طرف بلانے والے کو جو اسے دے۔ اور اس پر ایمان لاؤ۔  
 یہ اس بات کی روشنی دہل ہے کہ آپ جن کی طرف بھی فرستادہ خدا ہیں۔  
 حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 تک کوئی پیغمبر قوم جن کی طرف مبعوث نہیں ہوا۔ لیکن ہمارے رسول صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم حقیقی طور پر جس طرح نبی آدم کی جانب مبعوث ہوئے اسی طرح

جن کی طرف اہل حضرت سلیمان علیہ السلام ہی انبیائے سلف میں ایک ایسے  
پیغمبر تھے جو قوم جن کی طرف مبعوث ہوئے \*

إِنَّا جَمَعْنَا كِتَابًا أَنْزَلْ مِنْ بَعْدِ مُوسَى

کی تفسیر

یہ جو قرآن پاک میں اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اَنْزَلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى  
یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد  
نازل ہوئی۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ جن حضرت موسیٰ کی رسالت پر  
ایمان لائے تھے نہ یہ کہ حضرت موسیٰ جن کی جانب مبعوث تھے۔ اور جس  
طرح ہمارا ایمان موسیٰ علیہ السلام پر اس امر کی دلیل نہیں کہ موسیٰ خدا کی  
جانب سے ہم پر رسول و فرستادہ ہیں۔ اسی طرح جن کے موسیٰ پر ایمان  
لانا دلالت نہیں کرتا کہ حضرت موسیٰ جن کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے تھے  
اور تنہا سیر میں بہشت اس آیت کے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی  
دعوت قوم جن کو نہ پہنچی تھی۔ یا خود قوم جن نے تورات کو یاد کیا تھا۔ یہ ایک قبی  
بات ہے نہ یقینی۔ اور اس بات کا سبب کہ جن نے تورات کو یاد کیا تھا۔ انجیل  
کو نہیں۔ یہ ہے کہ سلیمان اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰ  
کے بعد اور حضرت عیسیٰ کے پہلے گزرے۔ ان سب کی کتاب تورات تھی۔ اور  
اسی کے موافق حکم کرتے تھے۔ جب سلیمان مبعوث ہوئے تو جن نے اُن سے  
توریت ہی کو قبول کیا تھا۔ اور اسی کی اطاعت اُن پر واجب ہو گئی تھی۔ پھر سلیمان  
علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر جن کی جانب مبعوث نہ ہوا۔ اور حضرت مسرور  
کائنات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اُن کی جانب مبعوث ہوئے اس  
سبب سے انہوں نے یہ تحفید من موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا \*

اگر سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پہلے جن مخاطب  
بامرونی تھے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مخاطب تھے اُن اور انہوں نے وعدہ عید



پر جو حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے فرشتوں کی رسالت کے ذریعہ اُن کو پہنچے تھے پھر  
 سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تجرید دعوت ہوئی۔ واللہ اعلم۔ اور اگر کوئی شخص نبیوں  
 کو یا نبی آدم کی کسی طرف کو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سے مستثنیٰ کرے  
 تو اس کا ایمان حضرت رسول خدا کی رسالت پر درست نہ ہوگا۔

خدا تعالیٰ نے ابتدائے دعوت میں آپ کو فرمایا کہ اپنی قوم کو اور اپنے  
 خویشوں کو یعنی قریش کو خدا کی طرف دعوت کرو۔ جب آپ کی دعوت قوم میں ظہور  
 ہو گئی تو خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ قرآن تم پر اُس لئے نازل کیا ہے کہ  
 اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو یعنی عرب کو ڈراؤ اور آگاہ کرو۔ پھر فرمایا  
 وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا یعنی ہم نے تم کو تمام لوگوں  
 کی طرف مبعوث کیا ہے۔

اور یہ جو قرآن میں ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ إِلَّا  
 بِلِسَانٍ قَوْمٍ یعنی ہم نے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر اُس کے قوم کی زبان پر  
 اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمارے پیغمبر صرف عرب کے لئے مبعوث تھے بلکہ  
 قومیہ سے مراد وہ لوگ ہیں کہ پیغمبر اُن سے تھے۔ اور انہیں کے درمیان اُن کی دعوت  
 ظاہر ہوئی۔ یہ آیت اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کی دعوت سوائے عرب کے دوسری  
 جماعت کی طرف جو نہ تو اُن کے قبیلہ سے تھے۔ اور نہ اُن کی قوم سے۔ اور جو اُن کی  
 دعوت میں ظاہر نہیں تھے۔ اُن کی طرف نہیں تھی۔ اور آپ ان کی طرف فرستادہ  
 خدا نہیں تھے۔ اگر کہا جائے کہ یہ نہیں۔ مراد اس سے اہل دعوت ہی نہیں تو ہم کہتے ہیں  
 کہ سنتِ موسیٰ بنی اسرائیل پر بھیجے گئے تھے۔ اُن کی زبان عبری تھی۔ اور تو بہت  
 بھی اسی زبان میں تھی۔ پھر اگر بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے عرب میں تربیت پائی  
 اور اُن کی زبان عبری نہ ہوئی تو کیا بنی اسرائیل کی یہ جماعت اُن کی دعوت سے خارج  
 ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرستادہ خدا تھے۔ ان کی زبان سریانی  
 تھی۔ انجیل بھی اسی زبان میں نازل ہوئی تھی جسے تم کو اس زبان میں دعوت کی۔  
 حالانکہ ان کی زبان سریانی نہ تھی۔ تو کیا حضرت عیسیٰ کی یہ دعوت درست نہ تھی۔  
 پھر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کیہ کرے غرض عرب کے لئے مبعوث

ہو سکتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے وَأُذْخِلُ إِلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ۖ هَٰذَا عِزِّي وَرِيعِي ۚ یعنی آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ مجھ پر یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ تم کو جو حاضر دعوت ہو۔ اور ان کو جن لوگوں تک یہ قرآن پہنچے عذاب الہی سے ڈراؤں۔ یہ آیت آپؐ کی عموم دعوت کی یقینی اور صاف و صریح دلیل ہے۔ اس کے بعد کسی کو آپؐ کی دعوت و رسالت کے عام ہونے میں شک نہیں ہو سکتا ۖ

زندیقان بے دین جو آپؐ کی رسالت کے منکر ہیں۔ وہ عوام مسلمانوں میں بطریق مناظرہ ایسی باتیں پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی رسالت عرب تک محدود تھی۔ اور کہتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا بِاللُّغَةِ قَوْمِهِ۔ پھر جب وہ فارسی یا ہندی وغیرہ زبانیں نہیں جانتے تھے۔ تو ان لوگوں کے پیغمبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب ہم از روئے آیات قرآنی اور مثالیہ انبیائے سابقین اور پر بیان کر چکے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جب تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ وہ پیغمبر عرب تھے۔ تو ضرورتاً ان کے تمام اقوال کی بھی تصدیق کرنا لازم ہے۔ کیونکہ فرستادگان خدا جھوٹ اور دروغ نہیں کہتے ہیں۔ اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے جن دینوں کی طرف بھیجا ہے۔ اور ان کی طرف بھی جن کو میری دعوت پہنچے۔ اور حدیث درست ہے کہ آنحضرتؐ نے نجاشی حبشی کی طرف نامہ لکھا۔ اور ان کو اپنے دین کی دعوت کی۔ نیز ہر قریبی اور کسی کو فراموش بھیجے اور ان کو اپنے دین برحق کی جانب بلا یا۔ ان میں سے کوئی بھی عرب کا باشندہ نہ تھا۔ اور یہ ردائیں کہ پیغمبر نے حکم خدا کے کوئی کام کرے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپؐ تمام دنیا اور تمام انسان جن کی جانب رسول اور فرستادہ خدا ہیں ۖ

## آنحضرتؐ کا خاتم الانبیاء ہونا

حضرت رسول خداؐ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مومن اس بات کی بھی تصدیق کرے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا نہ مرسل نہ غیر مرسل۔ خاتم النبیین۔ سے یہی مراد ہے کہ آپؐ نے نبوت پر مہر کر دی۔ اور نبوت آپؐ کے آنے سے تمام ہو گئی۔ یا یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آپؐ کی نبوت کے ساتھ پیغمبروں



کو ختم کر دیا۔ اور خدا کا ختم ایسا حکم ہے کہ اُس کا خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ  
 خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ نَعْلَمُ مَا فَعَلُوْا۔ اللہ نے کافروں کے دل پر مہر کر دی ہے کہ یہ  
 سمجھ نہیں سکتے کہ اُس نے حکم کر دیا کہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ختم کو کسی کام کے  
 آخر ہونے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو ختم  
 کر لیا۔ یعنی قرآن کے آخر تک پہنچ گیا۔ اور پورا قرآن پڑھ لیا۔ یہ جب ہی کہا جاتا ہے  
 کہ قرآن کی کوئی سورت اور کوئی آیت پڑھنے سے باقی نہ رہے۔ اس کے پہلے نہیں  
 کہہ سکتے۔ خَتَمْتُ الْقُرْآنَ یعنی قرآن کو میں نے ختم کر لیا۔ یہی معنی از روئے  
 لغت کے مستقیم ہیں۔ اور یہ کہنا ضعیف ہے کہ آخر انبیاء ہونے کے سبب یہ  
 کہا گیا۔

## ختم نبوت کے دلائل

بہت سی احادیث صحیحہ میں بھی وارد ہے کہ نبوت آنحضرتؐ کے آنے  
 سے تمام ہو گئی۔ یعنی آپ کے بعد دوسرا نبی نہ ہوگا۔ اُن احادیث میں سے ایک  
 یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں قریب بتیس سال کے دجال کذاب  
 ہونگے۔ کہ ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں  
 ہوگا۔ قَالَ سَتَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ دَجَالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِیْبًا مِّنْ ثَلَاثِ مِائَةٍ  
 سَنَةٍ كُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِیٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ حضرتؐ نے فرمایا  
 رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کو جاتے  
 تھے۔ اور جناب علیؓ کو مدینہ میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ وہ رہنے لگے۔ اور غزوہ  
 اے حضور کیا مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوٹے جاتے ہیں۔ حضرتؐ نے سلام فرمایا  
 فرمایا اے علیؓ ختم راضی نہیں کہ میری جانب سے ایسے رہو۔ جس طرح حضرتؐ نے  
 کی طرف ہارون علیہ السلام رہے۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا  
 حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ اَمَّا شَیْءٌ اَنْ مَّكُوْنُ مَتِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ  
 مِنْ مُّوْسٰی اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یہ حدیث صحیحہ ہے۔ اور حضرتؐ سے فرمایا  
 نے دوسری حدیث میں ثابت کیا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مجھ کو اور قیامت کو اس طرح بھیجا ہے۔ جیسے یہ دو انگلیاں اور اشارہ فرمایا مسیح  
اور مسیح یا یہ کی طرف۔ یعنی فرمایا جس طرح کہ کلمہ کی انگلی اور درمیان کی انگلی کے بیچ  
میں کوئی انگلی نہیں ہے۔ اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں  
ہے۔ اور میری دعوت قیامت تک جاری اور معتان ہے فرمایا بُعِثْتُ أَنَا وَ  
النَّاسُ كُلُّهُمْ تَارَةً وَآخِرَةً بِأَرْبَعِينَ أَلْفَ سَنَةٍ وَالْوَسْطَى۔ اسی طرح حق  
چار انصاری نے روایت کیا ہے۔ اور اس باب میں آیات اور احادیث شمار  
کئے جا رہے ہیں۔

بسیار طریق سے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہو گا تو  
بالغیر ورنہ سوال بھی نہ ہو گا۔ کیونکہ ہر ایک رسول نبی ہوتا ہے۔ نبوت کی نفی سے  
رسالت کی نفی بطور اولیٰ ثابت ہے۔ آنحضرتؐ کے ظہور سے پہلے انبیائے سابقین  
آپ کی بشارت دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر انبیاء ہیں۔  
اہل کتاب براہ کفر و حسد ان بشارات کو چھپاتے تھے۔ پھر ان کے علماء میں سے  
جو لوگ دین اسلام میں اہل ہوئے۔ انہوں نے متفق الکلمہ ہو کر اس بات کا  
اقرار و اعتراف کیا کہ ہم نے درحقیقت آنحضرتؐ کو اسی صفت پر پایا جیسا تورت  
و انجیل میں لکھا اور پڑھا تھا۔

کتب انبیائے سابقین میں مذکور ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم انبیاء  
ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ ان کی دعوت قیامت تک باقی ہے۔ یہودیوں  
کی ایک جماعت دعویٰ کرتی تھی کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی نہیں  
کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تک زمین و آسمان باقی ہے۔ میرا  
قائم ہے۔ اگر جماعت یہود کا یہ قول درست ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ تمام انبیاء  
علیہ السلام تنزیہ و توحید و عدو و عید بعث و نشور کی دعوت کرتے آئے ہیں اس  
میں کسی نے خلاف نہیں کیا۔ اور خلاف کرنا روا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے معنی  
یہ نہیں ہیں کہ احکام موسیٰ علیہ السلام کو نسخ و تبدیل اور ان کی شریعت میں تبدل  
و تغیر روا نہیں ہے۔ اور یہ بات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی۔ خود قرآن  
کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا شَرَعَ لَكُم دِينًا مِّنْ ذَاتِهِ يَبِغُ الْوَحَا



وَالَّذِي أَدْعَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَ  
عِيسَىٰ أَنْ أَقِمْ صِوَالِدِينَ وَلَا تَتَّبِعْ قَوْلًا فِينَا جَدًّا كَمَا شَكِبَ لَهُ مِثْلَهُ  
الاسلام میں اس قدر روشن ہے کہ بیان و ذکر کی حاجت نہیں۔ لیکن اس بات  
کا یہاں بیان کر دینا ہم نے اس لئے ضروری سمجھا کہ مبادا کوئی زندقہ یا ایسا فضول  
سوال پیش کر کے عوام مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالے، اور اس مشبہ سے اُن  
کی دینداری میں ایک قسم کا نقص پیدا ہو جائے، بعض گمراہ لوگ یہ بھی کہہ بیٹھے  
ہیں کہ کیا خرافات تلے کی قدرت سے یہ امر بعید رہے کہ وہ دوسرا نبی ظاہر کرے۔  
ہم کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کسی امر کے متعلق خبر دے چکا کہ ایسا ہو گا تو اُس کے  
سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ پس خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد  
قیامت تک نہ دوسرا نبی نہ ہو گا۔ پھر اُس کے خلافت کیونکر ہو سکتا ہے ؟

اس قسم کی باتیں وہی شخص پیش کرتا ہے جو اصلاً آنحضرتؐ کی نبوت کا  
معتقد نہ ہو، اگر وہ آپؐ کی رسالت کا مستتر نہ مانتا تو آپؐ کو ہر قول میں سچا جانتا  
پھر جب حدیث متواترہ سے یہ سنا کہ منافق ہو چکا ہے کہ آخر انبیاء خاتم النبیا ہیں  
تو وہ اس سے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور بدل یقین رکھتا کہ آپؐ کے بعد قیامت  
تک کوئی نبی نہیں ہوگا۔ باوجود ان دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ کے اگر کوئی شخص  
آنحضرتؐ کے بعد کسی دوسرے نبی کے ہونے کو جائز سمجھتا تو بافتراق علمائے  
اسلام کا فسک ہے۔ یہ شرط ورنہ ایسا ہے کہ آنحضرتؐ خاتم النبیین علیہ السلام علیہ  
والہم وسلم پر ۔

انحضرت کی طرف سے

نیز یہ اعتقاد رکھتا چاہئے کہ آنحضرتؐ بھی اپنی قوم کے دین پر نہ تھے  
اور آپ کو خدا تعالیٰ نے سوائے خدا کے دوستوں کی پرستش سے محفوظ رکھا  
تھا۔ اور آپ ہمیشہ کفر سے معصوم تھے، اور وہ مسکرا نبیا کی بابت جیسا ہی  
اعتقاد رکھنا چاہئے، کہ سب کے سب پیام الہی اور تبلیغ رسالت ہیں دروغ و  
خطا سے معصوم تھے۔ اگر کسی سے زیادہ ثبوت میں کوئی صغیر گناہ ہوا بھی ہو۔ تو

بطریق سہو و نسیان ہوگا۔ وہ خطا و ذلت پر نہیں رہتے جب انہیں اس کا علم ہو جائے  
تو فوراً اس کے تائب ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے باز آ جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ذلت اسی قسم تھی، اور حق تعالیٰ نے جو فرمایا  
وَاصْلٰی اٰدَمُ رَبُّدُ فَغَوٰی اس کے معنی یہی سمجھنا چاہئے کہ آدم علیہ السلام  
سے بطریق نسیان ذلت صادر ہو گئی۔ جس کے سبب اُن کا عیش و زندگی اُن پر  
دوبھڑ ہو گیا۔ (تفسیر کبیر میں لفظ غوی کے معنی فَسَدَ دَلَّ عَلَیْہِ عَیْشَہُ  
کے ہیں۔ جس کو ہم نے ترجمہ میں استعمال کیا ہے) اور گناہ اُن کا اثر کا صدور  
ذلت و راموشی کے سبب تھا۔ لیکن چونکہ اُن کے حال کی متا سبت سے یہ بھی  
بہت کچھ تھا۔ اس لئے لفظ غوی کا استعمال ہوا۔ اور گناہ اُن کا اثر کا صدور  
انبیاء سے ہرگز روا نہیں ہے۔ اور برادرانِ یوسفؑ سے جو کچھ صادر ہوا وہ اُن کے  
مرتبہ نبوت پر پہنچنے سے پہلے تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے قبل اپنی  
قوم کے دین پر تھے۔ ایسا کہنا منکرات و گمراہی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کعبہ کی بنا کرتے تھے تو قریش پتھروں کو کندھوں پر اٹھا کر  
لاتے تھے۔ عباسؓ نے مجھ کو کہا کہ اے جتنے تم بھی ازار نکال کر کندھے پر ڈال

اے مذمتِ سیمر میں ہے کہ فاذ کہہ کی عمارت چونکہ خراب ہو گئی تھی۔ اور چھت بھی نہ تھی۔ علاوہ اس کے  
دیواروں کی بندھی تھ آدم سے زیادہ نہ تھی۔ اس واسطے اس کی دیوار عمارت کی ضرورت نہ پڑی۔ عمارت  
کے وقت آنحضرت علیہ السلام وہاں بھی پتھر لاتے تھے اپنی ندائے غیبی آپ کو اُسی وقت ہوئی سبب  
یہ تھا کہ عرب کے چھوٹے رط کے سنگ کشی کے وقت اپنے لنگوٹ کو نکال کر اس میں پتھر بھر کے عمارت گاہ میں  
لے جاتے تھے۔ آپ بھی ان کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کیا۔ اور لنگوٹ جس کو ازار بھی کہتے ہیں۔ نکالنے کے ساتھ ہودش  
ہو گئے۔ جب ہودش میں آئے تو آپ نے ندای غیبی سنی۔ کہ کوئی کہتا ہے اس منبرِ نبوت یعنی اپنی عورت کو  
چھپاؤ۔ اس واقعہ سیمر سے ثابت ہے کہ حضرت اللہ نے آپ کو ہر ذلت و ذل پر ہر ذلت و ذل سے محفوظ رکھا۔ تو  
آپ قبل نبوت اپنے قوم کے دین پر موقوف نہ رہے۔ عمارت کعبہ کے متعلق آیات مختلفہ ہیں بعض مؤرخین کہتے  
ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف تیرہ یا چودہ سال کی تھی، اور بعض کہتے ہیں ۳۵ سال کی تھی۔ تصبیق اربع دنوں میں یوں  
ہو سکتی ہے کہ تعمیر کو کچھ سال تک ہوئی رہی جن دنوں آپ پتھر لاتے تھے اس وقت آپ کی عمر چھوٹی تھی۔ اور یہ



کہ ضائع نہ ہو جائے، میں یا کرنے کو تھا۔ کہ ایک شخص نے سامنے آکر زبردستی سے میرے پہلو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ تو بھی ایسا نسل کرتا ہے میں اس سے بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا میری ازار کہاں ہے۔ پس جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ حالت طفولیت میں کشفِ نورت روانہ رکھے۔ اور اس پر تا دیب کرے اور نگاہ رکھے۔ تو اس کو کف سے کیونکر محفوظ و معصوم نہ رکھتے گا۔

اگر کوئی شخص جہیر بن مطعم کی حدیث پیش کر کے اعتراض کرے کہ آپ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ اور تم اس سے انکار کرتے ہو، چنانچہ نہ حدیث یہ ہے لَقَدْ مَرَّ اَيْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ یعنی میں نے پیغمبر کو دیکھا۔ وہ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ مراد دین سے اس جگہ بقیہ دین ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام سے جو تھوڑا بہت قریش میں باقی و مرقح تھا۔ جیسے مناسک حج و مناکح و بیوع و غیر آں۔ اس سے مراد شرک اور احکام جاہلیت نہیں ہے میں نے اس تاویل کی دلیل خود متن حدیث میں پائی ہے۔ جو حدیث مذکورہ کا باقی جزو ہے۔ وہ یہ ہے۔ وَهُوَ يَقِفُ عَلَى بَعِيرٍ لَبِ عَرَافَاتٍ مِّنْ بَيْنِ قَوْمِهِ حَتَّى يَدْفَعَ مَعَهُ حُرَّ تَوْفِيقًا مِّنْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ میں نے آپ کو درمیان قوم کے موقفِ عرفات میں ایک اونٹ پر سوار دیکھا یعنی بجز اس کے دوسرے کو اس کی قوم سے اس صورت پر نہیں پایا۔ اور یہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیقِ حق ہے۔

اے مخاطب تجھ کو بھی اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی عصمت نے آنحضرتؐ کو ترک و قوف بہ عرفات سے نگاہ رکھا۔ اور آپ نے ترک و قوف میں اپنی قوم کی موافقت نہیں کی۔ کیونکہ یہ ملت ابراہیمی کے منہا تھا۔ قریش و قفقہ حج کے لئے حرم سے باہر نہیں آتے تھے، اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آتے۔ پس جب عصمتِ الہی نے آپ کو اس سے مامون و محفوظ رکھا۔ کہ صرف اس ایک عمل میں بھی جو مخالفتِ نسک ابراہیمی ہے۔

اپنی قوم کی موافقت کریں۔ تو ان اعمال میں کیونکہ قوم کی موافقت کر سکتے ہیں۔  
 دوسرے سے جملہ انبیائے سابقین کے دین و مذہب کے خلاف ہیں۔ اور جن  
 توحید کی بنیاد لگتی ہے۔ آپ کی قوم تو بت پرست تھی۔ پس آپ اپنی قوم کے  
 دین پر کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ اور حضرت با بر علیہ السلام کی حدیث جو اوپر ذکر  
 ہوئی۔ ہمارے بیان کی تفسیر جو کہ لئے کافی ہے کہ جب آپ نے آثار امارہ  
 کندھے پر ڈالنا چاہی تو فوراً آپ کو اس سے منع کیا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام  
 کی حدیث اس مقدمہ میں کوئی بحث نہیں ہے۔ اس کی تاویل سے طرح کرنا چاہیے  
 بیسا اور بیان ہوتا تاکہ اصول دین کے مخالف نہ ہو۔

بعض لوگ ذیل کی آیات پیش کر کے کہتے ہیں کہ نبوت کے پہلے  
 آپ اپنی قوم کے طریق پر ہونا ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِي  
 مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے۔ اور ایمان  
 کیا ہے۔ وَ وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ اور تم کو گمراہ پایا۔ پھر ہدایت کی ان  
 آیات کے وہ معنی نہیں ہیں۔ جو مخالفین بیان کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے متعلق  
 چند توجیہات ہیں۔ جن کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ آیات مذکورہ کے معنی  
 صاف ہو جائیں۔

اول یہ کہ قرآن شریف میں آنحضرت کے ساتھ خطاب تین طرح پر پایا  
 جاتا ہے۔ ایک یہ کہ خطاب آپ کے ہوتا ہے۔ اور مراد اس سے آپ کی امت  
 اور آپ دونوں ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خطاب آپ کے ہوتا ہے اور مراد آپ کی  
 امت ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ خطاب آپ کے ہوتا ہے اور مراد وہی آپ ہی ہوتے  
 ہیں۔ پس آیت مَا كُنْتَ تَدْرِي اور وَ وَجَدَكَ ضَالًّا کے تین دوسری قسم  
 خطاب یہ کہ مخاطب آپ ہیں اور مراد اس سے آپ کی امت ہے۔ جیسے  
 دوسرے مقام پر فرمایا ذَلَا تَقُولُ لَهْوَ الْحَدِيثِ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ  
 بَابِ كُوْافٍ نہ کہو۔ اور نہ انہیں جھوٹ کی رو۔ اور ان سے بات کرو تو نرمی کے  
 ساتھ۔ اس آیت میں خطاب آپ کے ہے اور مراد امت ہے۔ کیونکہ اس خطاب سے  
 بہت زمانہ پہلے آپ کے والدین فوت ہو چکے تھے۔



دوم یہ کہ مَا كُذِّتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْيَمَانُ کے معنی  
ہیں کہ اے رسول تم علم کتاب اور اس کے احکام نہیں جانتے تھے۔ اور تم کو ایمان  
کی شاخوں اور اس کی شرائع کا علم نہ تھا۔ ہم نے تم سے ان باتوں کو بیان کیا۔  
اس کے معنی یہ نہیں کہ تم خدا کو ہی نہیں پہنچانتے تھے۔ اسی طرح وَجَدَاكَ  
صَالَاً فَهَدَا کے یہ معنی ہیں۔ کہ تم عالم شریعت اور آداب عبودیت سے  
بے راہ تھے۔ ہم نے تم کو راستہ بتایا۔

سوم یہ کہ غریب جب کسی کو ہلاک کے نزدیک پاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ وَ  
جَدَّ تَدَا هَا لِكَا یعنی میں نے اس کو ہلاکت کے قریب پایا۔ تو یہ معنی ہوتے  
کہ اے محمد تم ضلالت کے قریب تھے۔ ہم نے تمہیں راہ ہدایت دکھائی۔ چنانچہ  
دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ لَا اَنْ تَبْتَكَ لَقَدْ كُنْتَ تَرْكِنُ الْيَدِ حَرَشَتَا  
تَلِيْلًا بعض کہتے ہیں وَجَدَاكَ صَالَاً کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے تمہیں گمراہ  
قوم کے درمیان پایا۔

چہارم یہ کہ ضلال کا لفظ تھوڑے اور بہت دنوں کے لئے استعمال  
ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص رستہ سے ایک بالشت بجز بھی الگ ہو جائے تو کہتے  
ہیں عَنَلِ الطَّرِيقِ یعنی فلاں شخص رستہ سے ہٹ گیا۔ اور ایسا ہی کہتے  
ہیں اُس وقت جب کوئی رستہ سے دس کو س دور ہو جائے۔ یا اس سے زیادہ  
پس اس جگہ ضلال کے پہلے مسنے ہیں۔

## آنحضرت فاضل ترین نبیاء ہیں

آنحضرت کی رسالت پر ایمان لانے کو یہ بھی شامل ہے کہ آپ کے فاضل  
ترین اور بہترین انبیاء ہونے کا اعتقاد رکھتے۔ اس کی دلیل خود حضور علیہ السلام کا  
قول ہے۔ اَنَا سَيِّدُ دُنْيَا دِمَا اور ظاہر ہے کہ فرزندِ ان آدم علیہ السلام پیغمبر  
تھے، بعض آدم علیہ السلام سے بھی مرتبہ میں فاضل اور الٰہ العزم پیغمبر ہیں۔ جیسے  
نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور جب ثابت ہوا کہ آپ ان سے  
فاضل و بہتر ہیں تو ضرور آدم علیہ السلام سے بھی فاضل ہوئے۔ اس کی دلیل یہ ہے

کہ آپؐ نے فرمایا۔ اَدْرَوْ مِنْ دُونِكَ تَحْتَ لَوَاكِحِ آدَمَ اور انکے سوائے سب میرے  
لوا کے تلے ہیں۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ میں قیامت کے دن پہلا شفیع  
ہوں گا۔ اور پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت مقبول ہوگی۔ اور یہ حدیث درست  
ہے۔ علمائے حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں۔ اس حدیث سے آپؐ کی فضیلت  
تمام مخلوق پر ثابت ہے۔ اور قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ آپؐ کے فضائل تمام  
انبیاء پر ہیں۔ اور آپؐ کی رسالت شریف ترین انبیاءؑ علیہم السلام سے ہے، کیونکہ  
آپؐ کی رسالت سے سابقہ رسالتیں منسوخ ہو گئیں۔ اور اس کے بعد کوئی دوسری  
رسالت بھی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس جانب اشارہ فرماتا ہے۔ وَ  
إِنَّا نَكْتُابُ عَسَىٰ يَنْفِيكَ الْيَاسِرُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا يَمُنُ  
خَلْفَهُ۔ یعنی یہ ایک کتاب عزیز ہے۔ اُس کے قبل کوئی ایسی کتاب نہیں پائی  
جاتی۔ جو اس کی تکذیب کرے، اور نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب ہوگی، جو اُس  
کے حکم کو اٹھا دے، آپؐ کی فضیلت کے دلائل بہ کثرت ہیں۔ یہاں اسی پر مختصر  
کیا گیا ہے۔ لیکن ان دلائل کا نتمہ بیان کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ہمارے  
ادھر کے بیان میں کسی کو شک و شبہ نہ رہے۔

## ان دلائل کا نتمہ

وہ نتمہ یہ ہے کہ جناب نبی کریمؐ علیہ التحیۃ والتسلیم سے چند ایسی احادیث پائی  
جاتی ہیں جن کے مطابعت سے عوام کو آپؐ کی فضیلت میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔  
مگر خدا کے فضل سے کوئی شبہ نہیں ہے اہل علم کو چاہئے کہ ان احادیث اور احادیث  
تفصیل میں جمع و مطابقت کریں تاکہ عام لوگوں کے دلوں میں آپؐ کی فضیلت  
کی جانب سے کوئی شک و شبہ نہ رہے۔

ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا لَا تَخَافُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ  
یعنی انبیاء کے درمیان محارہ نہ کرو۔ محارہ یہ ہے کہ ایک پیغمبر کو دوسرے پیغمبر  
پر فضیلت دیجائے۔ یعنی ایک شخص کہے کہ فلاں پیغمبر فلاں سے بہتر ہے۔ اور  
دوسرا اُس کے خلاف کہے۔ اور جب یہ بات دو مختلف اہل ملت کے درمیان آتی



ہے تو ایک شخص دوسرے کے نقص میں سعی کرتا ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ اور جب دو مسلمانوں کے درمیان یہ محاذ رہا ہوتا ہے تو مخالف اپنے قواں کی تائید میں ایسی باتیں کرتا ہے جس سے دوسرے کی تخریب ہوتی ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معارضہ کے لئے خدا اور رسول کے کلام کو پیش کرتا ہے۔ جس سے اس کے گمراہ ہونے کا یقین ہے۔

## تفاضل بین الایمان

بہر حال ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا تین قسم باہر نہیں یا تو ایسی بات ہے جو کتاب و سنت سے ظاہر ہو گئی کہ کون فاضل تر ہے۔ پس اس نوع میں اختلاف خود روا نہیں۔ یا ایسی بات ہے کہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بھی ناجائز ہے۔ یا وہ ایسا امر ہے جس کا ذکر کتاب و سنت میں پوشیدہ طور پر آیا ہے۔ اس باب میں بھی ہر شخص کو کلام کرنا روا نہیں ہے۔ پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تینوں قسموں میں سے کسی ایک کے لئے حدیث مذکورہ میں تھی، فرمائی ہے۔ لیکن جو بات کتاب و سنت میں پوشیدہ طور پر آئی ہے تو اس باب میں جن لوگوں کو خدا نے علم سے بہرہ دانی دیا ہے۔ ان کو سزاوار ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کے موافق طریق تفصیل میں جادہ پیمائی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نَزَّلَ الْكِتَابَ فَتَلَا فَضَلَّنَا بَعْضُهم عَلَى بَعْضٍ اس آیت کو دلیل وجہت سے روشن کرنا اہل علم کا فرض ہے۔ تاکہ افضل کا حق مفصل سے متمیز ہو جائے۔ اور یہ وہ قسم نہیں ہے جس کے باب میں نہی وارد ہے۔ دوسری بات مشبہ انگیز یہ ہے لَوْ تَقَفَّضَلُونِي عَلَى مُوسَى یعنی موسیٰ پر مجھ کو فضیلت نہ دو۔ یہ اس وقت فرمایا کہ ایک مسلمان نے ایک یہودی کو طعنہ مارا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ اور اسی قسم ہے جس سے دوسرے نبی کی تخریب ہوتی ہے۔ نو بہت یہاں تک پہنچی کہ ایک دوسرے کے پیغمبر کو نامزد الفاظ سے یاد کرنے لگا۔ آپ نے اسی واسطے منع فرمایا اور مراد لَوْ تَقَفَّضَلُونِي سے

یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے مجھ کو موسیٰ پر فضیلت نہ دو، اصلی فضیلت وہ ہے کہ خدا کسی کو عطا فرمائے۔ تمہارے تفصیل سے کوئی مفصل نہیں ہوتا۔

## لَا خَيْرَ وَفِي عَلِيٍّ اِبْرَاهِيمَ كَمَعْنٰی

اسی قسم کی ایک حدیث یہ ہے کہ لَا خَيْرَ وَفِي عَلِيٍّ اِبْرَاهِيمَ میری خیریت و بہتریت ابراہیم پر طلب نہ کرو، اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اپنی طرف سے تحیر نہ کرو۔ اور شاید آپ نے براہِ تواضع و انکسار ایسا فرمایا ہو۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے جدِ اعلیٰ تھے، ایک حدیث یہ ہے کہ کسی شخص نے آپ کو کہا یا خَيْرُ الْبَرِّ يَتَرْتَبُ جواب میں آپ نے فرمایا ذَاكَ اِبْرَاهِيمُ شَائِدَ یہ بھی تواضع و انکسار سے ہو، جو آپ کی عاداتِ شریفہ سے تھی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے، شاید خَيْرُ الْبَرِّ يَتَرْتَبُ بھی آپ کا خطاب ہو، کتب سابقہ میں علمائے اسلام کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں سوا آپ کے کوئی بھی زمین کے پردہ پر موجد نہیں تھا۔ اس واسطے خدا نے آپ کو خلیل کے خطاب سے کیا۔ تو خَيْرُ الْبَرِّ يَتَرْتَبُ بھی اس اعتبار سے ہو گا۔ اور یہ ایسا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت کو خلیل اللہ کہہ کر پکارتا تو آپ جواب میں فرماتے ذَاكَ اِبْرَاهِيمُ مطلب یہ کہ ابراہیم خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علم ہو گیا ہے۔ ورنہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خلیل اللہ تھے، چنانچہ خود فرمایا وَ لَكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيلُ اللَّهِ اَسَى تَاوِيلُ سے حضرت ابراہیم کو خَيْرُ الْبَرِّ يَتَرْتَبُ کہا گیا۔ اُن کا خَيْرُ الْبَرِّ يَتَرْتَبُ ہوتا یا بہ نسبت انبیائے سابق کے تھا یا بہ نسبت انبیائے معاصر

۱۔ قاضی قاری شیعہ نقداً کبر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت کی فضیلت تمام انبیاء و رسولوں پر ہے۔ اور آپ کے بعد حضرت ابراہیم کی فضیلت ہے۔ کیونکہ حدیث صحیحہ میں ہے خَيْرُ الْبَرِّ يَتَرْتَبُ اِبْرَاهِيمَ۔ پھر آپ نے اس سے اپنے کو مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ترمذی نے روایت کی ہے۔ اِنَّ اِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللَّهِ الْاَوَّلُ اَنَا خَلِيلُ اللَّهِ الْاٰخِرُ۔ وہ ظاہر ہے، اور سب کا اجماع اسی پر ہے کہ ابراہیم کے بعد نوح و موسیٰ اور عیسیٰ کا مرتبہ تمام انبیاء سے زیادہ ہے۔ اور یہ پانچوں پیغمبر عظام کے نزدیک الوافعہم رسول ہیں بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸



کے یہ ایسا ہے جیسا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ فاطمہؑ کیا تم اس سے خوش نہیں کہ تم زمان عالم کی سیدہ ہو حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا۔ پھر مریم کہاں ہیں۔ فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے عورتوں کی سیدہ ہیں۔ اور تم اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہو، پس یہی تاویل خیر البریت کی ہے۔ کیونکہ بریت اُس خلق کا نام ہے جو پیدا ہو گئی ہے۔ نہ وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ اور میرے ذہن میں اس حدیث اور نیز اسی قسم کی دوسری احادیث کی بابت ایک تاویل آئی ہے۔ جو از بس مستقیم ہے۔ وہ یہ کہ ہر گاہ آپؐ تحیر و تفضل کا ذکر کرتے تھے، تو آپؐ اس وقت اپنے تحیر و تفضل سے آگاہ نہ تھے۔ مگر امارات اور آثار سے اپنی خیریت و فضیلت پہچانتے تھے، لیکن قطعی طور پر واقف نہ تھے اسی واسطے جب اصحاب سے اس قسم کی باتیں سنتے تو منع فرماتے کہ اس باب میں اپنی رائے سے کوئی بات مت کہو۔

## اَوَّلُ مَنْ يَكْتَسِي اِبْرَاهِيمَ كَمَعْنٰی

اسی قسم کی ایک حدیث یہ ہے اَوَّلُ مَنْ يَكْتَسِي اِبْرَاهِيمَ یعنی قیامت کے روز پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائیگا۔ اس کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ ہی پہلے شخص ہیں جن کو منکرین نے آگ میں ڈالتے وقت پر نہ کہا تھا۔ لہذا آج خدا اُنہیں دنیاوی برہنہ کی بجائے عطا فرمائے گا اور انہیں سب سے پہلے لباس فرمائے گا۔

(تفسیر حاشیہ ص ۱۲۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو جگہ ان کے نام جمع فرمائے ہیں چنانچہ فرمایا شَرَعَ الْاِحْکَامَ مِنَ الْاٰدَمِ مَا وَضَعْنٰی بِہٖ نُوْحًا وَالَّذِیْ اَوْحٰیْنَا اِلَیْکَ مَا وَضَعْنٰہُ بِہٖ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی اِسْ اٰیٰتِیْنَ خَدَّیْ نُوْحَ کے ذکر سے ابتدا کی ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلے مسل ہیں۔ پھر آنحضرت کا ذکر فرمایا اِسْ لئے کہ آپؐ خاتم انبیاء ہیں۔ اس کے بعد باقی نبیوں کو العزم پیغیروں کا۔ دوسری جگہ فرمایا وَاِذَا خَدَّیْنَا مِنَ النَّبِیِّیْنَ مِیْنًا قَمَّ وَفَمْنَا وَفَمْنَا وَفَمْنَا اِبْرٰہِیْمَ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی اِبْنِ مَرْیَمَ یہاں آپؐ کے ذکر کو مقدم کیا بلحاظ آپؐ کے مرتبہ عظیمہ کے اگر کہا جائے کہ ابراہیمؑ کا ذکر تو دونوں جگہ نوح کے بعد آیا ہے۔ پھر انہیں نوح پر کیوں کر فضیلت دی جاتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ فضیلت ابراہیمؑ اوپر والی حدیث سے ثابت ہے۔ اس واسطے ابراہیمؑ کا رتبہ بعد آنحضرت کے باتفاق ملنا سب نبیوں سے عظیم ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ فرمایا کہ قیامت کے روز پہلے میں ہی  
 ہوش میں آؤں گا۔ لیکن جب میں سر اٹھاؤں گا تو مومنانے کو دیکھوں گا کہ وہ غرش کا پایہ  
 پکڑے کھڑے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کس سے بہوش ہی نہیں ہوئے۔ (بعوض اُس  
 بہوشی کے جو طور پر ان کو طاری ہوتی تھی) یا مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہیں پس  
 ان احادیث کی بنا پر اگر انبیاء کی فضیلت آپؐ پر بعض جزئی باتوں میں ثابت ہوتی ہو  
 تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت تمام انبیاء علیہم السلام پر اَضْعَافًا  
 مُضَاعَفَةً ثابت ہے۔ چنانچہ آپؐ کی رسالت عموم النش جن کی طرف ہونا اور  
 آپؐ کی دعوت کا قیامت تک باقی رہتا۔ تیسرے نقلے معجزہ معہ دعوت چوتھی  
 سب سے پہلے قبر سے اُٹھنا۔ پانچویں سب سے پہلے بہشت میں جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔  
 اِلٰی مَا نِجَایَتَہُ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایک فضیلت رکھنے والا سابق ہوتا  
 ہے یا دس فضیلتیں۔ اور اس سے بھی زیادہ فضائل رکھنے والا سابق و افضل  
 ہوتا ہے۔

## یونس ابن متی والی حدیث کے معنی

ایک حدیث یہ ہے کہ آپؐ فرمایا لا ینبغی لاحد ان یقول اَنَا  
 خَیْرٌ مِنْ یُونُسَ ابنِ مَتٰی یعنی کسی کو یہ کہنا زیبا نہیں کہ میں یونس ابن متی  
 سے بہتر ہوں۔ تو یہاں انا خیر سے مراد نفس آنحضرتؐ نہیں ہے۔ بلکہ نفس قائل  
 مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو روا نہیں ہے کہ وہ یونس ابن متی سے اپنے کو  
 فاضل جانے۔ اور یونس کی قید اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ارشاد  
 فرمایا کہ تو مثل یونس ابن متی کے مرت ہو کہ اُس نے صبر نہ کیا۔ اور اپنی قوم کی ہلاکت  
 میں شتابی کی۔ پھر جب میں نے اس کی قوم کی توبہ قبول کر لی۔ اور عذاب اٹھا  
 لیا۔ تو یونس غصیبناک ہوا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شیطان انسان کو دغلاتا  
 ہے۔ اور وہ خیال کرتا ہے کہ میں یونس ابن متی سے فاضل تر ہوں۔ کیونکہ میں  
 خدا کی راہ میں بدل جانے والی کرتا ہوں۔ اور کہہ دو اُس کے حکم سے نجات نہیں  
 کرتا۔ اور جو معصیت و مشقت من جانب اللہ یا من جانب خلق مجھ کو پہنچتی ہے۔



اُس پر صبر کرنا ہوا۔ اور یہ مخالفت ہے کہ کوئی شخص خاص اہل خیر میں خود کو انبیا سے فاضل جانے۔ کیونکہ اس سے تختہ پر پیغمبر لازم آتی ہے۔ جو مخالفت و کفر میں جہل ہے۔ پس تا دینا امت کے لئے یہ حدیث فرمائی۔ اور اگر مراد اس سے حضور اقدس کی ذات ہو۔ تو معنی یوں ہونگے کہ کسی کو یہ کہنا زیبائیں کہیں (رسول خدا) یونس ابن متی سے فاضل تر ہوں۔ اس سے ضرورتاً یہ حدیث آنحضرت کی تواضع و انکسار پر دال ہوگی، اور سبب اس فراموشی یہ ہے کہ قرآن شریف میں حضرت یونس علیہ السلام کا جو ذکر آیا ہے۔ اُس کے ملاحظہ سے امت کی نظر میں حضرت یونس کی حقارت نہ ہو۔ اس واسطے کہ رسالت کا منصب جلیلہ اس سے بلند تر ہے کہ کوئی شخص سوائے تعظیم کے اُس میں تداشبہ کرے۔

آنحضرتؐ نے بھی حق کو نہیں چھپایا۔

ایمان بہ رسالت میں یہ بھی داخل ہے کہ مومن اعتقاد کرے کہ ہمارے حضور علیہ السلام نے کبھی امر حق کو نہیں چھپایا۔ اور نہ کسی امر باطل کی تردید و ابطال سے اغماض کیا۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ بیان حق بہ حق کیا۔ اور بیان باطل بہ باطل یعنی امر حق کی نسبت بلا اندیشہ فرمایا۔ کہ وہ حق ہے۔ اسی طرح باطل کی نسبت اس کے باطل ہونے کی شہادت دی۔ اس اظہار حق اور ابطال باطل میں جہاں اجمال کی ضرورت تھی۔ وہاں بطریق اجمال فرمایا۔ اور جہاں تفصیل کی ضرورت تھی۔ وہاں تفصیل سے کام لیا۔ مجمل کا اور اک علما نے فرمایا۔ اور مفصل کا افہام عوام تک وسیع رہا حتیٰ کہ ہر ایک متنفذ ذی عقل اس کو سمجھ گیا۔ غرض حضور کا بیان کَلِمَاتٍ النَّاسَ عَلَىٰ شَدَائِدِ عَقُولِهِمْ کے موافق تھا۔ یہ بھی اعتقاد رکھتے کہ آنحضرتؐ نے جس بات کے لئے فرمایا۔ یہ میرا خاصہ ہے۔ اس کو دوسرے کے لئے تجویز نہ کیے۔ اور آپ کی خصوصیات تین درجہ کی ہیں۔ ایک خصوصیت بمقابلہ حقائق کے اور وہ مقام محمود ہے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے روز اس مقام پر فائز ہونگے اسی مقام کے لئے آپؐ نے فرمایا ہے لَا يَقْدِرُ أَحَدٌ عَلَىٰ أَنْ يَمِيزَ

سوا کوئی بھی اس قیام پر قیام نہیں کریگا۔ دوسرے خصوصیت بتقابل تمام انبیا کے مثل قیام دعوت اور حجت میں الی یزید القیامت تیسری خصوصیت بر مقابله امت کے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کا امت پر حرام ہونا۔

## تمام نبیا وغیرہ آنحضرت کے جاوہ و منزلت کے حاجت مند ہیں

یہ بھی اعتقاد رکھے کہ انبیا اور سوا ان کے کوئی ایسا نہیں کہ قیامت کے روز آپ کے جاوہ و منزلت سے مستغنی ہو۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے روز سب نفسی نفسی پکارتے ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ باب شفاعت کھولیں گے۔ آپ کے پہلے کوئی بھی کسی کی شفاعت کرنے کی مجال نہیں رکھے گا۔

یہ بھی اعتقاد رکھے کہ زمین آپ کے جسم اطہر کو بوسیدہ نہیں کریگی قیامت کے روز جب بین شدگان قہر ہوگی۔ تو حضور قدادہ روحی و ابی اسی کا لبد اطہر کے ساتھ قبر سے باہر تشریف لائیں گے۔ اور آپ کا دیگر انبیا کا حشر اسی طرح ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَجْسَادِ الْاَنْبِیَاءِ یعنی اللہ تعالیٰ انبیا کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ اور حدیث میں ہے۔ الا نبیاء اَحیاء فی قبورهم یصلون انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ اور تمام انبیا سے پہلے آپ اپنی قبر سے اٹھیں گے۔ ان تمام مذکورہ بالا باتوں میں ایمان لانا ضرور ہے۔ تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر جو من جانب اللہ ہم پر فرض ہے۔ بوجہ اکمل و احسن بجالائی جائے۔





# پانچویں فصل

## فرشتوں پر ایمان لانے کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے بندہ ہیں۔ زندہ۔ انا  
 گویا۔ اور مکلف اللہ تعالیٰ نے مثل انسان جن کے ملائکہ کو بھی نیکی کرنے اور بُرائی سے  
 باز رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مکلف بالشرع دو فرقہ ہیں۔  
 انسان اور جنات، پھر جنات کے دو گروہ ہیں۔ مطیعان و اہل طغیان۔ مطیعان  
 ملائکہ کہلاتے ہیں۔ اور اہل طغیان کو شیاطین کہتے ہیں۔ پھر مطیعان یعنی مومنوں  
 میں نیکے بد دونوں قسم کے ہیں۔ بعض علما کہتے ہیں کہ وہ جن جو ساکنان ملائکہ  
 اعلیٰ ہیں۔ اور آسمان پر رہتے ہیں۔ ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔ اور جو زمین پر رہتے  
 ہیں۔ جن جنات جن اور شیاطین کی حقیقت اور اہمیت کو نہایت سیدھے طور پر بیان کیا ہے  
 جو نہ مانہ میں شکل سے تسلیم ہوگا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ سب ایسا ہے جس کا سمجھنا اور سمجھنا ناہمت دشوار ہے  
 اس لئے بعض فلاسفہ اسلام نے تو ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ سے مزد مذہب اسلام میں  
 تو ای مربر عام اور قوی ملکوتی انسانی ہیں۔ اور قرآن احادیث میں جہاں کہیں ملائکہ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے انہیں  
 قوای مذکورہ کی عبارت ہے۔ اسی طرح مراد شیاطین سے انسان کے قوای حیوانی انسانی ہیں۔ اور جن کا ثبوت میں مذکور  
 ہی نہیں ہے۔ مراد اس سے یا تو قوای انسانی کی طغیانی ہے یا ایسی قوم جو ابھی انسانی تحقیق سے پوشیدہ ہو، تحقیق اسلام  
 نے ان کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ اور فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حقیقت میں ان جنوں کے وجود خارج ہیں  
 ثابت ہیں۔ اور یہ جو اہر یعنی اپنے آپ سے قائم ہیں۔ غیر متغیر اور غیر منقسم ہیں۔ یا ہم ان میں ایسا ہی اختلاف  
 ہے۔ جیسے کہ گھوڑے اور انسان ہیں کہ حیوانات مشترک ہیں۔ یعنی جنس میں مختلف ہیں اور نہ جنس  
 مختلف ہیں۔ اور ان لوگوں کو معلوم بھی ہونے لگا ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ ان کے دیکھنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے  
 اور وہ کبھی صورت بشری میں دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی دوسری طرح اور جب وہ اپنی مخصوص جوہریت سے دور کی  
 صورت میں مشتمل ہوتے ہیں تو اس وقت متغیر اور منقسم ہوتا ان کا امکان کہتا ہے۔ نیز میں نے اختلاف ثابت  
 سے۔ اور اس میں یادہ کریا اور بحث کرنا منکالت سے تعالیٰ نہیں۔ لہذا ہم منقسم کے قول کی تفسیر کرتے ہوئے اس بات  
 کے حقیقہ ہیں کہ اس میں قرآن اور احادیث صحیحہ میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ اور ہم فرشتوں کی کہ  
 کر آدم کیسے پیدا کیا۔ اور سب سے پہلے کیا۔ گارہیں نے (سجدہ نہ کیا) وہ جن سے تھے۔ ان کے لئے ان کے حکم زمانہ

ہیں۔ وہ جن کہلاتے ہیں۔ پھر جنوں میں جو ساکنان زمین ہیں۔ دو فرقہ ہیں۔ یومین  
کافر۔ جو کافر ہیں ان کو مشہد یا طہین کہتے ہیں۔ اور جو یومین ہیں۔ ان میں دونوں قسم  
کے جن پہلے جلتے ہیں۔ نیک اور بد۔ اور اس عمومی پراہنوں نے چند دلائل قرآن  
کے پیش کئے ہیں۔ جس میں دشمن تردید سے ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ  
أَجْمَعِينَ إِلَّا ابْلِيسَ اور قرآن سے ثابت ہے کہ ابلیس قوم جن سے  
ہے۔ چنانچہ فرمایا كَانَ مِنَ الْجِنِّ پھر وہ اگر ملائکہ سے نہ ہوتا تو اس کا استئذان  
ملائکہ سے درست نہ ہوتا۔ اگر کوئی شخص کہے۔ آدمی سب بدنی ہیں مگر ابلیس تو  
یہ قول درست نہ ہوگا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ خدا نے فرمایا کہ ہم نے فرشتوں  
کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ وہ جن کی قوم سے  
تھا۔ اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی، چنانچہ فرمایا۔ وَإِذْ قُلْنَا  
لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا ابْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ  
فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ اس آیت سے ثابت ہے کہ ابلیس کے سجدہ نہ  
کرنے کا سبب یہی تھا کہ وہ قوم جن سے تھا۔ اسی باعث اُس نے ملائکہ سے  
علیحدگی اختیار کی۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ابلیس ملائکہ سے ہوگا۔ اس لئے  
کہ اگر سب ملائکہ جنی قوم سے ہوتے تو سجدہ آدم سے نافرمانی کرنے میں سب کے  
سب ابلیس کے ساتھ شامل اور یکساں ہوتے۔ لیکن اس بات کا جواب کہ اگر ابلیس  
قوم جن سے تھا۔ تو خطاب میں ملائکہ کے ساتھ اُس کو کیوں شامل کیا گیا۔ یہ ہے  
کہ ہم کہتے ہیں کہ اُس کی سجدہ نسبت آسمان پر تھی۔ وہ ملائکہ کا ہمسایہ و ہم نشین تھا۔  
اور کثرت عبادت میں اور وفور اجہاد میں فرشتوں کا ہم صحبت تھا۔ اپنی جنس سے  
جدا ہو کر فرشتوں سے ایسا لگ گیا تھا۔ کہ گویا انہیں میں کا ایک ہو گیا تھا۔ جب  
خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم کیا۔ تو وہ بھی خطاب میں شامل ہو گیا۔  
اگرچہ اصل حقیقت میں ان سے جدا تھا۔

۱۔ تو ابلیس کے سوا تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔

۲۔ اور ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کے لئے سجدہ کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا (وہ  
جن سے تھا۔ پس اُس نے خدا کے حکم کو نہ مانا۔



اس کی مثال ایسی ہے جیسو ایک عجیب شخص عرب میں گئے، اور زبان  
ولباس و تہذیب و تمدن میں ایسا اُن سے متحرک ہو جائے کہ انہیں میں کا ایک  
سمجھا جائے۔ پھر عرب تمام عرب ایک کام پر متفق ہو جائیں۔ اور یہ عجیب شخص اس  
سے انکار کرے۔ تو کہا جائیگا کہ فلاں کام پر ہم سب متفق ہوئے۔ مگر فلاں شخص  
جو عجیب تھا۔ اور اُسی عجیبیت نے اُس کو ہمارے خلاف برآمدہ کیا۔ اسی دلیل سے  
ابلیس کو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ملائکہ جن سے تھا۔

## ملائکہ اور جنوں میں تفریق

اس امر پر ایک واضح اور روشن دلیل یہ ہے جو قرآن میں موجود ہے  
کہ جب روز قیامت اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری  
پرستش کیا کرتے تھے۔ فرشتے جواباً عرض کریں گے۔ اے خدا تیری شان اس سے  
ارفع ہے کہ تیرے سوا کسی دوسرے کی پرستش کی جائے۔ بلکہ یہ لوگ جنوں کی  
پرستش کرتے تھے۔ اور یہ بات دو آیات سے ظاہر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَیَوْمَ  
نُخَسِّسُ لَهُمْ جَمِیعًا ثَمَّ نَقُولُ لِلْمَلٰئِکَةِ اھُوْا لَیَّا کُمْ کَانَوْا  
یَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیْنَا مِنْ دُوْنِہُمْ بَلْ کَانَوْا  
یَعْبُدُوْنَ الْاِلٰھَ الْکَثِرَ مِنْہُمْ مُّؤْمِنُوْنَ یعنی جب ہم قیامت  
کے روز ان سب کا حشر کریں گے۔ پھر فرشتوں کو کہیں گے کیا یہ لوگ تمہاری  
عبادت کرتے تھے۔ فرشتے کہیں گے اے خدا تیری ذات ہر نقص و عیب سے پاک ہے  
تو ہمارا مالک ہے اُن کے سوا۔ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ اُن کے  
اکثر انہیں پر ایمان رکھتے تھے۔ اگر ملائکہ جن ہوتے تو ایسا کبھی نہیں کہتے کہ  
کا فرہماری پرستش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جنوں کو پوجتے تھے۔ اس سے معلوم  
ہوگا کہ ملائکہ جنس مخلوق سے ہیں۔ اور وہ جن و انس کی جنس سے جدا

ہیں۔

اب ہم فرشتوں پر ایمان لانے کا بیان کرتے ہیں

## وجود ملائکہ سے انکار کرنا بے دینی کھے

جاننا چاہئے کہ فرشتوں پر ایمان لانا چند باتوں پر مشال ہے۔ اول اُن کی ہستی و وجود پر ایمان لانا۔ اور اُن کا وجود جس طرح بیان کیا گیا۔ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ کفار کی ایک جماعت وجود ملائکہ سے انکار کرتی ہے۔ اور اسی طرح بعض زنادقہ کہ وہ وجود ملائکہ کا اثبات تو کرتے ہیں۔ لیکن بخلاف قول خدا اور مرسلین کے اُن کا وصف دوسری طرح بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ آسمانی قوتوں اور فلک کی تاثیروں کو ملائکہ کہتے ہیں۔ مثلاً عزرائیل کو کہ قابض ارواح ہے۔ قوت زحل کہتے ہیں۔ اور جبریل کو جو امین وحی ہے۔ قوت مشتری کہتے ہیں اسی طرح ان ملائکین نے چند اباطیل جمع کر لئے ہیں۔

دوم اس بات پر ایمان لانا کہ وہ بندگان خدا اُس کے آفریدہ مامور اور مکلف ہیں۔ وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ سوا اُن چیزوں کے جن پر اُن کو خدا تعالیٰ نے قدرت دی ہے۔ اور ملائکہ پر حکم موت روا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آخر در زمانہ تک اُن کو حیات عطا فرمائی ہے۔ جب ہمدت دراز تمام ہو جائیگی۔ تو وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔ پھر اُن کو خدا تعالیٰ حالت حیات میں لائیگا۔

ہم سے اس بیان سے تین قسم کے لوگوں کے خیالات داہیہ اور اعتقاد باطلہ کی تردید ہوتی ہے۔ فرشتوں کو مخلوق کہنے سے مشرکوں کے اس اعتقاد کی تردید ہوتی ہے۔ کہ وہ ملائکہ کو معبود جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہی بندوں کو اولاد عطا کرتے ہیں۔ ان کی عدم قدرت سے زنادقہ کی تردید ہوتی ہے جو فرشتوں کو ہر عالم مستقل بالذات خیال کرتے ہیں۔ اُن پر موت کا حکم قائم کرنے سے بعض اصحاب غلال کے اس خیال کا رد ہوتا ہے۔ جو فرشتوں کے لئے موت کا حکم تجویز نہیں کرتے۔

سوم یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ بعض فرشتے انبیاء کے پاس رسالت پہنچانے پر مامور ہیں۔ اور یہی فرشتے قبل دعوت انبیاء کے قوم جن کو دعوت توحید کرتے تھے۔



چہارم یہ کہ فرشتے خدا کی نافرمانی سے معصوم ہیں۔ یعنی خدا نے اُن کو نافرمانی سے معصوم رکھا ہے۔ اگر عصمت حق تعالیٰ اُسے معصوم نہ رکھتی تو حدود نافرمانی اُن سے ممکن تھا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے انہیں امر و نہی میں مبتلا کیا ہے اور جس کو خدا تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا حکم کرے۔ ممکن نہیں کہ برا تو فیق خدا کے اس سے امر الہی کی مخالفت نہ ہو، اور اسی طرح جس کو خدا تعالیٰ کسی کام سے منع کرے۔ یعنی منع کرے۔ ممکن نہیں کہ بے۔ والہی وہ اس حسب اہمیت سے تجاوز نہ کرے۔ یہ امر حکمت سے بعید ہے۔ اور امر و نہی بے امکان ثواب و عقاب کے نہیں ہوتا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتے خدا تعالیٰ سے فراتے رہتے ہیں۔ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ فرشتوں میں جو کوئی خدا (معبود) ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ وہ ہمیشہ آتش دوزخ سے معذب ہوگا تو ثابت ہوا کہ تہدید و عقوبت بے امکان نافرمانی کے ممکن نہیں ہیں۔

پنجم یہ کہ فرشتے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اُن کی حرمت و عظمت اُن کے فضل کے موافق ہم پر واجب ہے۔ اور یہ بحث کہ ملائکہ بشر سے افضل ہیں۔ یا بشر ملائکہ سے تیسرے باب میں بالتفصیل بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہاں صرف اتنا جانا کافی ہے کہ اس امر از غنایت کے نہ جاننے سے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ لیکن کسی کی فضیلت میں خواہ ملائکہ ہوں یا بشر اس قدر غلو کرنا جس سے دوسرے کی تحقیر مترشح ہو۔ و اقل اشیاء ہے۔ اور اگر نادانی سے ایسا کرتا ہے تو یہ بجائے خود درست نہیں۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ اس بات میں احتیاط کرے۔ اور فرشتوں کے باب میں یہی کرے۔ جو کتب اہل سنت و اجماعت سے استفادہ ہے۔

ششم یہ کہ فرشتے عبادت سے فائز و مستحق نہیں ہوتے۔ ہمیشہ ذکر الہی میں مشغول رہتے ہیں۔ خدا نے اُن کو جن کاموں پر مقرر کیا ہے۔ وہ وہی کام کرتے ہیں۔ اور اُن میں حسب منشا الہی تفرق نہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ کثرت مشغول تیسرے نہیں ہوتے۔ ان میں بعض حاملان عرش ہیں۔ بعض عرش کے گرد و صفا بستہ کھڑے ہیں۔ بعض طواف عرش میں مشغول ہیں۔ بعض خازن ہشت ہیں۔ بعض خازن

دو فرج۔ بعض اُن میں ملائکہ رحمت ہیں۔ اور بعض ملائکہ عذاب و حرمت۔ بعض قابض  
 ارواح ہیں۔ بعض کائناتِ اعمال اور بعض ابر پر تعینات ہیں۔ اسی طرح مختلف کام  
 ان کو تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں  
 کو روحانی اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں روح کے سوا دوسری چیز کی آمیزش نہیں۔  
 وہ ایسے لطیف ہیں کہ اُن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ جب کسی بندہ پر اُن کو  
 ظاہر کرنا چاہتا ہے تو انسانی شکل پر انہیں متشکل کر دیتا ہے۔ یا خود انسان کی  
 بصارت میں فرشتوں کے دیکھنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ بعض علما فرشتوں  
 کو لے کے فتح سے روحانی کہتے ہیں۔ اس معنی سے کہ وہ ہمیشہ روح عبادت میں  
 ہیں۔ وہ آسمانوں کی صفوں میں رہتے ہیں۔ وہ آدمیوں کی طرح مغاک خاک میں  
 عیوَس نہیں۔ بعض علما ان کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ روحانی و کرہی۔ روحانی  
 فرشتگان رحمت ہیں۔ اور کرہی فرشتگان عقوبت پہلی قسم روح سے مشتمل ہے  
 اور دوسری لفظ کرہ سے۔ و اللہ اعلم۔

## چشم فصل

### کتاب آسمانی پر ایمان لانے کے بیان میں

کتاب آسمانی پر ایمان لانا واجب و صحت ایمان سے ہے۔ اس لئے  
 کہ حضرت رسول خدا نے خبر دی ہے کہ مجھ سے پہلے انبیاء اور مرسلین گزرے ہیں  
 جن پر خدا تعالیٰ نے کتابیں نازل فرمائیں۔ پس ان کتابوں پر بلا حصر و تعین  
 اعداد ایمان لانا حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق میں داخل  
 ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق خدا کی تصدیق ہے۔ اور یہ  
 دونوں شرائط صحت ایمان سے ہے۔ پس آسمانی کتابوں پر ایمان لانا صحت  
 ایمان سے ہوا۔ عام طور پر اس باب کے متعلق اتنا ہی ایمان لانا کافی ہے۔ کہ وہ



خدا کی کتب منزہ ہیں۔ برحق ہیں اُن کا قبول کرنا اُن لوگوں پر جو اُن کے زمانہ میں گئے ہیں۔ واجب تھا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء پر ایمان لانے میں صرف یہ کافی ہے کہ تمام انبیاء گزشتہ برحق اور راہ راست پر تھے۔ اُن پر ایمان لانا اور اُن کے احکام کی اطاعت کرنا اُن کے اہل زمانہ پر فرض تھا۔ وہ نسطائے معصوم تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ اوپر کی تفصیل میں بیان ہوا ہے۔

## قرآن کریم پر ایمان لانے کا طریق

قرآن کریم پر ایمان لانے میں صرف اس قدر کافی نہ ہوگا۔ بلکہ بعد اُس کی تصدیق کے چند چیزیں قرآن کے متعلق ایسی ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اول یہ کہ قرآن کو قبول کرے۔ اور اُس کی متابعت اپنے اوپر فرض جانے دوئم یہ کہ قرآن کو ایک حجت باقی تا یہ قیامت مانے۔ اور اس کو نسخ و تبدیل سے منزہ جانے۔ سوم یہ کہ قرآن کو کلام خدا جانے۔ اس کو وضع جبریل اور وضع پیغمبر سے گمان نہ کرے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو اپنا قول اور اپنا کلام کہا ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ قرآن میں دو جگہ اس کی اضافت جبریل کی طرف کی گئی ہے کہ قرآن اُس کا قول ہے۔ چنانچہ نسخہ آیا: **إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ** کَرِیْمٍ۔ جواب یہ ہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں جو تمہاری فہم میں آئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا نے قرآن کو کئی مقامات پر اپنا قول کہا ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز توں خدا بھی ہو۔ اور توں جبریل بھی۔ پس آیت کے معنی یہ ہیں **إِنَّهُ لَقَوْلُ قَلْقَاءٍ عَنِ رَسُولٍ کَرِیْمٍ** اور **أَوْ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولٍ کَرِیْمٍ** اور **شَرَّاهُ بِرَسُولٍ کَرِیْمٍ** یعنی قرآن کریم قول الہی ہے۔ جو رسول کریم کے ذریعے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا ہے۔ یا اپنے اُس کو رسول کریم یعنی جبریل سے سنا۔ یا رسول کریم اُس کو پورے دیکھا۔ کہ پاس سے لیکر نازل ہوا ہے۔ چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن پہنچاتے تھے۔ اس لئے اُن کی طرف اضافت کی گئی۔ دوسری دلیل کہ قرآن خدا ہی کے ہے کہ قرآن معجزہ ہے۔ اور معجزہ وہ ہے کہ جو اس کے خدا کے کوئی اُس پر قادر نہ ہو۔ قرآن اگر

جبریل یا پیغمبر کا قول ہوتا۔ تو اس کو معجزہ کہا درست نہ ہوتا۔ خدا نے ولید ابن  
مغیرہ پر اسی واسطے لعنت کی۔ ہے کہ وہ قرآن کو قول خدا نہیں کہتا تھا۔ چنانچہ  
اس کا قول یہ ہے۔ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ، چہارم یہ اعتقاد رکھے کہ  
قرآن اپنی موجودہ نظم پر معجزہ ہے۔ چنانچہ اثبات رسالت کی فصل میں بیان ہو چکا  
کہ اگر تمام دنیاں کو چاہے کہ اس کی مثل کیسایت بنالائے تو ممکن نہیں۔ فلذا  
قال۔ فَلْيَاثُوا بِحَدِيثِ عَلِيٍّ كَانُوا صَادِقِينَ۔ پچہم اعتقاد رکھے  
کہ قرآن کریم جو مصاحف میں مکتوب ہے۔ یہ تمام و کمال وہ کلام ہے جس پر حضرت  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی۔ اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا۔  
اور اس میں سے کسی نے اپنی جانتے کچھ زیادہ نہیں کیا۔ یہ پورا قرآن ہے۔  
بے کم و بیشی جتنا آنحضرت پر نازل ہوا تھا۔ سب سب موجودہ قرآنوں میں  
موجود و مکتوب ہے۔ اور جس ضلع پر قرآن نازل ہوا۔ اسی نظم اور وزن پر قائم و  
موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ان تمام خدایوں سے محفوظ رکھا ہے  
اس نے اس بارے میں اپنے پروردگار کیسے ہے۔ اس کا وعدہ سچا اور حق ہے چنانچہ  
اس نے فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ قَوْلُ الْغَالِبِ كَسْرٌ وَاِنَّا لَكُلِّ خَافِظُونَ اور فرمایا  
وَاِنَّا لَكُنَّا بَعَثْنَا رُسُلًا فِي كُلِّ بَلَدٍ لَّا يَكْفُرُونَ بِالْبَاطِلِ اِذَا قِيلَ لَهُمْ  
خَلِقْنٰہُمْ۔ یہ تمام چیزیں جو قرآن پر ایمان لانے کے متعلق بیان ہوئیں۔ ان  
میں سے کسی ایک چیز کی نفی کرنے سے تمہاری تکذیب لازم آتی ہے۔ اور نیز خدا  
کے رسول کی تکذیب کہ قرآن علیہ بیان ہوا۔ ویسا نہ ہوتا۔ تو کسی طرح اس سے  
تمسک واد نہ ہوتا۔ اور نہ اس پر یقین لانا درست ہوتا۔ قرآن پر ایمان لانے کے  
یہ معنی ہیں۔ جو اوپر بیان کیے گئے۔

## بحث ہائے منسوخ

توابع ایمان یہ قرآن سے ایمان بناخ و منسوخ ہے۔ اور نسخ وہ ہے  
کہ خدا تعالیٰ کسی کام کی بابت ایک حکم فرمائے۔ پھر اس کے بعد دوسرا حکم کرے  
جس سے پہلے منسوخ ہو چلا ہے۔ یعنی دوسرے حکم پر عمل کرنا واجب ہو جائے



اور پہلے حکم کا عمل اٹھ جائے) چنانچہ خدا تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا  
 ذَاخِرٌ مِّنَ الْمُنشَرِّ كَيْفَ يَكُونُ شَرْكِيْنَ سِوَاكَ وَكَرَدَانِي كَرُو۔ پھر فرمایا مشرکین  
 کے ساتھ قتال کرو، تو پہلا حکم اس دوسرے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ اور اس قسم کے  
 احکام قرآن میں بہت ہیں۔ اور معلوم رہے کہ نسخ احکام ہی میں ہوتا ہے نہ اطلاق  
 یا نقص حکایات میں نہیں ہوتا۔ اور احکام میں نسخ واقع ہونا یہ خدا تعالیٰ کی  
 حکمت محض ہے۔ اس سے اس کے علم میں تفاوت یا نقص عائد نہیں ہوتا۔ تعالیٰ  
 اَللّٰهُ عَنِ ذَالِکَ جَبَّ اُسُفْ اِسْمُ الْاِکْ اِسْمُ الْاِکْ اِسْمُ الْاِکْ اِسْمُ الْاِکْ اِسْمُ الْاِکْ  
 اس امر کی مقتضی تھی۔ اور پھر اس کو رد کر کے دوسرا حکم فرمایا۔ تو اس وقت اسی کی  
 ضرورت تھی۔ اور یہی دوسرا حکم بندوں کے حسب حال تھا۔ نسخ یا تو ایک گاہ کے  
 بالکل اٹھا دینے پر بولا جاتا ہے۔ یا اس میں تبدیلی واقع ہونے پر۔ یہ نسخ و تبدیلی  
 ایسی ہے۔ جیسے کوئی طبیب مریض کے لئے آج ایک دوا تجویز کرے۔ پھر دوسرے  
 روز مریض کی حالت کو دیکھ کر یا اس دوا کو بالکل ہی بند کر دے۔ اور بجائے اس کے  
 دوسری دوا لے۔ یا اسی دوا میں ضروری تغیر و تبدل کرے، پھر جس طرح طبیب کے  
 دوا کو بدل دینے میں اس کے علم طبابت میں کوئی تفاوت پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ  
 اس کا رد و بدل مریض کی موجودہ حالت پر منحصر ہے۔ اسی طرح مناسباً ہی کے علم  
 میں کسی حکم کے رد و بدل سے کوئی نقص عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بندوں کے حال کے  
 مناسب وقت ہوتا ہے۔

نسخ کا انکار یہودی کرتے ہیں۔ جس سے اُن کی بڑی غرض یہ ہے کہ حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو شریعتیں ظاہر ہوئیں۔ اُن کی تکذیب کی جائے کہ نسخ  
 احکام الہی میں ممکن نہیں۔ پھر جو اسے علیہ السلام کے بعد جو شرائع ظہور میں آئیں۔ وہ  
 سچی نہیں ہیں۔ ان ملائین کے عناد سے تعجب ہے کہ انہوں نے یاد ہو واس علم کے  
 کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں اُن کے پہلے انبیاء جو گزشتے ہیں۔ اُن کی شریعتوں  
 میں نسخ ہو گیا۔ پھر بھی نسخ سے انکار کیا۔ اکثر ایسے احکام تھے۔ جو موسیٰ کے قبل  
 جاری تھے۔ اور موسیٰ کی شریعت میں اُن میں تبدیلی و نسخ واقع ہوئی۔ مثلاً حضرت  
 یسوع علیہ السلام کی شریعت میں دو سینوں میں جمع کرنا جائز تھا۔ موسیٰ کی شریعت

موجودہ تو بیت و انجیل قابل اعتناء نہیں۔

میں حرام ہو گیا۔ اور بہت سے احکام بدل گئے، مثلاً بیت المقدس کے قبیل بنی اسرائیل کا قبلا منہ تھا۔ پھر حکم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرو۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلا کعبہ تھا۔ یہ اور اس کے سوا سب باتیں شیخ نہیں تو کیا ہے۔ وہ انھیں کی ایک جماعت جی شیخ کی منکر ہے۔ اور ان کا یہ انکار خلاف عقل و نقل ہے۔ چنانچہ آگے بیان ہو گا۔

اس مقام پر یہ بھی یاد رکھو کہ قرآن کے سوا جو کتابیں اس قسم کی باتیں کہہ رہی ہیں۔ ان کی تصدیق ہم پر لازم نہیں ہے۔ ان کتابوں کے مصنفین صرف ان باتوں پر اکتفا کرتے ہیں کہ ہم خدا کی تمام منجزات کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کی کتابوں کے اسی حالت پر نہ رہنا خاص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو حیات سے منسوب کیا۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ اپنے پاس سے چند باتیں فراہم کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہیں۔ اور بات کو اپنے موقع و محل سے پھرا لیتے ہیں۔ اور حق بات کو چھپا لیتے ہیں۔ پس ان باتوں کی تصدیق جو ان کے دلائل سے ہم کو پہنچی ہیں۔ رد انہیں۔ بالخصوص جب یہ کفار ہیں۔ اور کہنے والے جیسے کہ حق میں مقبول نہیں۔ تو خدا اور رسول کے حق میں بطور اولیٰ نہ مقبول ہو گی۔ علما کی ایک جماعت بیان کرتی ہے کہ یہ بات اب مخالف روایتیں ہو چکی ہیں کہ یہ لوگ جو ان امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس توریت ہے۔ تو مسلمانوں کو اس پر اعتناء نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہم اس میں مقازی موعسے اور قحطہ فرعون اور موسیٰ کے حالات اور ان کی مدت قیام درمیان بنی اسرائیل کے سوا کچھ نہیں پاتے۔ اور موعسے کی خبر و ناست میں بھی اختلاف پاتے ہیں۔ پس کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں کہ ان قسم کی کتاب کبھی توریت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کو موعسے علیہ السلام اور ان کے زمانہ انجیل کی خبر ہی یا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ قرین نصرت ہے۔ اور یہ امر کہ ان کے دلائل کے خلاف ہے جس کی تصدیق جس قرآن کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ ان میں کو اس میں ہی آسمانی کتاب ہوئے کی کوئی صلاحیت نہیں۔ بلکہ اس میں کفر و کذب ہے۔ کفر و کذب ایسا ہے۔ مثلاً باسم الہ ابنا بنی اسرائیل۔ ان میں اس کتاب کی باب۔ بیٹا اور بنی اسرائیل کے نام سے ابتداء کرتا ہوا۔



اور جیسا یا نا لوٹا۔ پس ان عیاراتوں اور اس قسم کی دوسری باتوں سے بچنا چاہیے۔  
 ایسی کتاب قائل استناد نہیں۔ بالخصوص جس میں نامائے نفس کے بارے میں قائلوں و  
 تحقیق کے اس پر اجماع کر لیا ہے کہ یہ روجہ انجیل صحیح انجیل نہیں ہے۔ البتہ اس میں  
 بعض قصص کے اور نیز رافعی بیت المقدس کے وقت عیسائیوں کے ہاتھ سے  
 جاتی رہی۔ پھر عیسائیوں کی ایک جماعت نے اپنی یاد و خیال سے اس کتاب  
 ترتیب دے کر اسی کا نام انجیل رکھ لیا۔ تاکہ لوگوں کی رغبت کشست نہ ہو۔  
 تقلیداً اسی کتاب کو انجیل مان لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی  
 کتاب کس طرح قابل تصدیق ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کا کہنا پڑھنا بھی کوئی فائدہ  
 نہیں رکھتا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریق درست ثابت ہوا  
 ہے کہ جب آپ نے امیر المؤمنین حضرت فاروق عظمی رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے پر  
 ایک دفعہ کہا: تو مجھے غصہ کے آپ کی رنگت و متغیر ہو گیا۔ اور بطریق توہین  
 فرمایا کہ کیا تم لوگ جہنمی ہیں یا پاک اور ملت حق پر ہو۔ اس کے متعلق یہ بھی  
 ہے: احسنوا کوثر اللہ فی الدن والآخر لکن لا یجوز ان یستبدوا بیدہ۔  
 نبوت و اولاد و کائن موشی حیاً ما و بعد و لا اثمابی یعنی کیا تم لوگ مشرک  
 ہیں جو حق پر ہو۔ میں تو تمہارے پاس ایک پاک دین پیدا آیا ہوں۔ اور اگر تمہیں  
 بھی کوثر ہوئے تو انہیں میری پیروی بغیر چارہ نہ ہوتا۔

## ایک اعتراض کا جواب

اگر اعتراض کیا جائے کہ جب ایسا تھا تو آنحضرت نے نہ ان کو  
 عذراں نہ مار کر نہ وقت نہیں گزرتا کہ اس مسئلے کا جواب دے۔ تو اس پر  
 یہ کہہ دینا چاہیے کہ اس مسئلے کو تو بیت میں حکم جیم ہونے کا تھا نہیں تھا۔ بلکہ  
 یہ مسئلہ ہی کہ جب آپ نے بیٹوں کی عورت کو جیم کا حکم دیا۔ تو یہودی عورت  
 نے کہنے لگے کہ تو بیت میں حکم نہیں ہے۔ عید اللہ عنہم اسلام سے کیا کہہ  
 بھول گئے ہیں تو بیت میں حکم جیم ہے۔ اس مسئلے پر اقامت حجت کے

خیال سے تو ریت منکوائی۔ اور یہودیوں کو آیت جہم دکھائی تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے  
کہ وہ اپنے خدا کے حق کرتے ہیں۔ اور آپ پر بذریعہ وحی یہ بات روشن ہو  
کہ تو ریت کی فلاں آیت منزل میں اشارہ ہے۔ اور فلاں آیت محرف یا خود ساختہ  
آپ کے سوا دوسرے کو یہ مرتبہ نہیں کہ وہ اصل بات معلوم کر سکے۔ اگر ہم ان کی کسی  
چیز کو قبول کر لیں۔ تو کو رائے تقلید منظور ہوگی۔ اور یہ وہ نہیں کہ پس ان کی مردود  
و موجودہ تو ریت کی تصدیق کسی طرح درست نہیں۔ اور اس کو خدا کی طرف سے  
سمجھنا جائز نہیں۔

## سائیں فصل

### روز آخرت پر ایمان لانے میں

ہم نے روز آخرت اور احوال عقیقی کا بیان کتب سماوی اور مسمیوں پر  
ایمان لانے کے بعد اس لئے کیا کہ مقدم ان دونوں چیزوں کا ہے۔ پھر آخرت  
پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اُمت کو انبیاء علیہم السلام نے توحید کے بعد ہی روز  
آخرت سے آگاہ کیا ہے کہ مذہب عالم کو نقطہ آغاز ہوگا۔ اور میرے پیچھے مخلوق پھر  
زندہ ہوگی۔ وہاں اُس کو اعمال کی جزا سزا دیے گی۔ اور دنیا کے کاموں سے باز  
پُرس ہوگی۔ تمام ادیان حقہ اس امر پر متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں  
خدا پر ایمان لانے کے ساتھ ہی روز آخرت پر ایمان لانے کا بیان کیا ہے۔  
چنانچہ فرمایا۔ وَقَاتِلُوا الَّذِينَ يَدِينُونَ بِاللَّهِ وَكَانَ الْآخِرُ مِنْهُمْ  
الْآخِرِ فرمایا کہ جو لوگ خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ ان کے  
ساتھ قتال کرو۔ اسی کے مثل اکثر آیتیں ہیں۔ ہم پہلے روز باز پسین کا ذکر کرتے  
ہیں کہ وہ کیسا ہے۔



## یوم آخرت سے مراد کیا ہے

یاد رکھو کہ آخرت سے مراد دنیا کا آخری دن ہے۔ اور دنیا کہتے ہیں۔

اس عالم کی صفت زندگی کو چنانچہ زُھْرَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اور مَا الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی پہلی زندگی کو دنیا فرمایا۔ دنیا کے معنی نزدیک تر کے ہیں۔ اور نزدیک تر سے یہ اشارہ ہے کہ وہ اول ہے اور اس لئے بھی کہ اُس کا زمانہ بقا قلیل اُس کے اور ایام بقا بلکہ آخرت کے اندر ہے۔ اور حشر بعد کی زندگی کو آخرت کہتے ہیں۔ کہ وہ مقابل اول کے ہے۔ اور نیز اس لئے کہ آخرت کے بعد کوئی دن نہ ہوگا۔ جیسا کہ دنیا کے بعد یوم آخرت کا ظہور ہوگا۔ اور یہ اُس کے عدم زوال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی آخرت کبھی ذیل زوال و انتقال نہ ہوگی۔ کہ اُس کے پیچھے کوئی دوسرا دن ظہور کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس جہان میں پیدا کیا۔ اور اس کو "نَشْأَةُ الْاُولَى" فرمایا۔ پھر اُس جہان میں قدرت کا ملکہ سے جب انسان کے کالبد خاکی کے ریزہ پڑے اور پوسیدہ اجزاء کو ایک جگہ جمع کر کے اُس میں روح ڈالیں اور بالکل دنیاوی صورت پر اُٹھائے گا۔ تو اس پیدائش ثانیہ کا نام "نَشْأَةُ الْاٰخِرَةِ" رکھا گیا۔ اور اس لحاظ سے کہ دنیا اس جہان کی حیات و زندگی کا نام ہے۔ اُن لُذائذ اور نعمتوں کو بھی دنیا کہتے ہیں۔ جو اس جہان میں پیوستگی و علاقہ رکھتی ہیں۔ اور جن سے انسان اپنی زندگی میں کامیاب اور برخوردار ہوتا ہے۔ پھر وہ آخرت میں ہے۔ جہاں لُذائذ اور ذبیحی نعمتیں کچھ نہیں رہیں گی۔ اور سب آخر اور تمام ہو جائیں گی۔

بعض کہتے ہیں۔ روزِ آخرت وہ ہے کہ اُس دن آسمان پھوٹ جائیگا۔ آفتاب لپٹ لپٹ لپٹا جائے گا۔ اور شیش روز کا وجود نہیں رہیگا۔ لیکن علمائے اہل سنت کے نزدیک جو بات ثابت کتاب و سنت سے بالاتفاق ثابت ہے۔ اُن پر نشانہ کر کے مذکورہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا۔ اُن کا قول یہ ہے کہ روزِ یازدہم وہ دن ہے کہ جب مخلوق مرکزِ زندہ ہوگی۔ اُس وقت دنیا کچھ باقی نہ رہیگی

اس واسطے کہ دنیا اس جہان کی صفتِ حیات کا نام ہے۔ جب حیات ہی باقی نہ رہی۔ تو دنیا کہاں اور اہل حق کا اجماع ہے کہ انسان دنیا میں ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب مرجاتا ہے۔ تو پھر کبھی دوبارہ دنیا کی زندگی حاصل نہیں ہوتی۔ جب حشر اموات ہوگا۔ تو اُس کے قبل دنیا کی ضروریات اور تمام وہ چیزیں جو دنیا میں ہیں۔ فنا ہو جائیں گی۔ اور انتہائے ایام کے بعد حشر ہوگا۔ پس یہی حشر آخرت ہے۔

## یوم آخر کی تفسیر

یوم آخر کی تفسیر آخر ایام دنیا پر نہ کریں۔ بلکہ اُن ایام چمک کریں۔ جس میں ترکیبِ عالم پست رہا ہے۔ اور جب ترکیبِ عالم ٹوٹ جائے اُس کو روزِ آخر کہیں اس صورت میں بھی یوم آخر اس معنی سے نہیں کہتے کہ اُس کے بعد دوسرا روز نہیں۔ بلکہ اُس معنی سے کہتے ہیں کہ اُس کے بعد کوئی روز ایامِ دنیا کی طرف نہیں ہوگا۔ اور اگر بھنی آدم کے آخر ایام کے لحاظ سے کہیں تو پہلے معنی غائب ہیں۔ بہر نوع روزِ آخرت کی تصدیق و اعتراف و اہل ایمان ہے۔

اب معلوم کرو کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اور اس کی تیرا دکان دنیا کی زندگی اور اعتقاد کرو کہ دنیا کی ابتداء ہے۔ کیونکہ تقدیر کی نہایت نہیں ہوتی۔ اور وہ تغیر پذیر بھی نہیں ہوتا۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ گرامی کی زبان سے ہمیں خبر دی ہے کہ اُس دن آسمان پھٹ جائیں گے۔ سورج اپنی تپانیاں جالیگا۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔ زمین کو بادل دیا جائیگا۔ اور پہاڑ بھٹی کے گالے کی طرح اڑنے پھریں گے۔ اور دریا مثل آگ کے گرم کئے جائیں گے۔ یہ اور ان کے سوا جو کچھ خدائے اقدس کے رسولِ برحق نے فرمایا ہے سب درست اور سچا ہے حقیقت میں ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے وعدے میں خلاف نہیں ہوتا۔ پھر جو شخص اُس کے حقیقی معنی کو سمجھ نہ سکے۔ اور ان علامات کے متعلق اپنی رائے و قیاس سے ظاہری معنی کے خلاف تاویل کرے۔ وہ اور جو شخص مطابق ان باتوں سے انکار کرے۔ وہ لوگ کفر میں پڑیں گے۔



یکساں ہیں۔ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ان چیزوں پر بھی ایمان ضرور ہے۔ جو اُس وقت ظاہر ہونگی۔ اور جو قرآنِ حدیث میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

## ساعتِ استعمال و معنوں میں ہوتا ہے

قرآن میں ساعت و معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک تو دنیا کے آخر دن پر۔ چنانچہ یَسْتَأْذِنُكَ عَنِ السَّاعَةِ آتَانِ مُمْسِكًا دُوسرے آخرت کے پہلے دن پر جیسے یَوْمَ يَقُومُ السَّاعَةِ يَقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ ط اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ جب ترکیبِ عالم ٹوٹ جائیگی۔ تو دنیا کی حالت بگڑ گئی ہو جائیگی، اس کے بعد دنیا کی موجودہ چیزیں بکلی نیست ہو جائیں گی۔ یا انہیں خدا تعالیٰ اسی حال میں چھوڑ کر دوسرے رنگ میں ظاہر کرے گا۔ اس کے متعلق حکم کرنا فیکہ نہیں۔ کیونکہ ہمیں اس باب میں کوئی خبر نہیں پہنچی۔ اور اُمم الکبیر میں بدولتِ غم کے گفتگو کرنا حرام ہے۔ بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ان چیزوں کو نیست کر دے۔ چاہے انہیں اعلیٰ حالت پر چھوڑ دے۔ اور تبدیلِ حالت کرے۔ فی الجملہ وہ قادر ہے۔ اس دن جو بگڑ دے چاہے کرے۔ اس کو ہر طرح اختیار ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَ یُحْکِمُ مَا یُرِیدُ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

## فصل اُٹھو بول

موت کے بعد جی اُٹھنے پر ایمان لانے میں

ہر زمانہ اور ہر قرن کے اہل حق کا بالاتفاق اس بات پر اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ پوسیدہ پڑیوں اور ریزیدہ کالبد کے اجزا کو جہاں کہیں وہ

ہوں گے۔ زیر زمین۔ قصر دریا۔ اور شکم حیوانات سے جمع کر کے اُن کو نبیوی کا لبد کی صورت میں جمع کرے گا۔ اور کالبدائے اموات میں اُن کی وہی روحیں جو اُن کو دنیا میں حاصل تھیں ڈالیں گے۔ پس تمام لوگ بامر الہی قبروں سے اور نیز اپنے اپنے مقامات سے اٹھیں گے۔ اور چھوٹے بڑے حتیٰ کہ وہ نیکے بھی جو شکم مادر میں روح سے بہرہ یاب ہوئے۔ اٹھ کھڑے ہونگے۔ بعثت پر ایمان لانے کے یہی معنی ہیں کہ ان تمام باتوں کی تصدیق و اعتراف کیا جاوے یہ باتیں قرآن کریم کی متفرق آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد ہیں۔ اور ہر عمر میں علمائے ربانی کا اجماع اس پر منعقد ہو گیا ہے اور ان علمائے بالاتفاق متکرران بعثت کی تکفیر کی ہے۔

## دلائل بعثت

بعثت بعد از مرگ کے دلائل قرآن و حدیث میں کثرت سے موجود ہیں۔ ایک جگہ فرمایا۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْصِيْهُم مِّنْ شَيْءٍ فَقَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُخْرِجَ الْمَوْتٰى بَلٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کیا جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور اُن کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا۔ وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ ہاں وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ ایک جگہ فرمایا اَفِيعٰنَا مَخْلُوْقَ الْاَوَّلِ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم پہلی مرتبہ خلق کے پیدا کرنے سے عاجز اور درماندہ نہیں ہوئے۔ تو کیا دوبارہ اسی خلق کے پیدا کرنے سے عاجز ہو سکتے ہیں۔ جب ایک چیز کا عدم سے ظہور میں لانا ہم پر آسان ہوا تو اُسی کا اعادہ کیونکر دشوار ہو سکتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ قَالَتْ مِّنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهٗوَدَمِيْمٌ مِّثْلُ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهٗوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ۔ یعنی کا فر کہتے ہیں کہ بوسہ سجدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا اے پیغمبر کہہ دو اُن کو وہ خدا ہے تعالیٰ زندہ کرے گا۔ جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ قرآن شریف میں دلائل بعثت بہت



ہیں۔ سب کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ اور ایمان داروں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اس واسطے کہ اس بیان سے ایسی حجتیں لازم آتی ہیں۔ جو جواب بدعشت کے کافی ہیں۔

## پہلی حجت

پہلی حجت یہ کہ آدمی ایک ارضی حیوان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زمین اور آسمان جو زمین کو محیط ہے۔ وہ آدمی سے بزرگ تر ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ اتنی بڑی حسرت والی چیزوں کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا۔ تو کیا آدمی کے پیدا کرنے اور اس کے اعادہ سے عاجز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں السَّالُوتِ وَالْأَرْضِیْنَ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ یعنی بیشک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمی کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔ تو جو خدا تعالیٰ قادر اتنا بڑا کام کر سکتا ہے۔ وہ انسان کے پیدا کرنے اور اس کو دوبارہ جلا کر اٹھا دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

## دوسری حجت

دوسری حجت یہ کہ کسی چیز کا اعادہ نشأتِ انسانی نہیں اس لئے کہ ابتدا سے زیادہ عجیب نہیں۔ کیونکہ ابتدا سے مدہم محض ہوتی۔ اور اس سے شے موبو و کا ہوتا ہے جس کے اجزاء و ذرات و ریح و غیرہ پہلے سے موجود ہیں۔ اور جب اُس پر تازیستہ کہ حق تعالیٰ آدمی کو مٹی سے پیدا کرے۔ پھر اُس کے خشک ہونے پر اس میں روح ڈالے۔ اور نطفہ روح کے بعد اس کی ستال کو گوشت پوست و خون و استخوان اور رگ پیپے بنائے۔ تو یہ بھی بطور ادنیٰ جائز ہے کہ وہی کمال بعد جب مرنے کے بعد خاک ہو جائے۔ تو اسی کا امید کو دوبارہ خاک سے پیدا کرے۔

قرآن میں اس قسم کی بہت دلائل ہیں جیسے مردہ زمین کا زندہ کرنا اور درختوں اور پیدگیوں وغیرہ کا بعد ان کے خشک ہونے پر رگ و پھل دینا۔

کے بعد سبز و شاداب اور ہر دہند کرنا یہ تمام باتیں بعث و نشور کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ مَا خَلَقْنَا اللَّهُ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَٰلِكَ لَحِثِي الْمَوْتِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ خدا کی آثارِ رحمت کی جانب نظر کرو۔ وہ مردہ زمین کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ بے شک خدا مردہ کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس پر مردہ کا زندہ کرنا کوئی دشوار نہیں ایک دوسرے مقام پر انسانی خلقت کی تفصیلی حالت بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے بعث پر دلیل قائم کی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ سُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ وَغَيْرِ مُخْلَقَةٍ خُلِقْتُمْ لِسُبْحٰنِ لَكُمْ وَلَقَدْ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ خَرَجُكُم مِّنْ بُطْنِ اُمَّهَاتِكُمْ لَتَنَبَّهْنَ اَشْأَءَ كُفِرْتُمْ مِّنْ يَّتَوَقَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّسْرِ اِلٰى اَزْوَاجِ الْعُمْرِ كَيْلًا يَعْلَمُ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا وَشَرٰى الْاَرْضَ مَعْمَدَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ذَٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ وَّاَنَّهُ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

ترجمہ۔ لوگو! اگر تم مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک کرتے ہو۔ تو تحقیق ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے مٹی سے۔ پھر نطفہ سے۔ پھر لہو جے ہوئے سے۔ پھر بونٹ صورت بنی ہوئی سے۔ اور بن بنی ہوئی سے۔ تاکہ بیان کریں ہم تمہارے واسطے اور پھر اوہیں تم کو رحموں میں جب تک چاہیں ایک وقت مقرر تک۔ پھر نکالتے ہیں ہم تم کو بچہ۔ تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے بعض وہ شخص ہیں کہ قبض کیا جاتا ہے۔ اور بعض تم میں سے وہ ہیں کہ پھیرا جاتا ہے طرف ناکارہ عمر اپنی کے۔ تاکہ نہ جانیں علم کے بعد کچھ اور دیکھتا ہے تو زمین کو خشک۔ پھر جب اتار تے ہیں اُس پر پانی۔ ہلتی ہے اور پھولتی ہے



اور اگاتی ہے۔ ہر قسم کی نفیس چیزیں یہ (تمام باتیں) دلیل ہیں۔ اس امر کی کہ اللہ وہی ہے۔ حق اور یہ کہ وہی جلالتا ہے۔ مردوں کو اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ کہ خدا اٹھاوے گا۔ اُن لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔

اس آیت میں کئی طریق پر جواز بعث و نشور پر حجت قائم کی گئی ہے جو اہل عقل کے لئے کافی و دافی ہے۔ ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے بعث پر استدلال کیا گیا ہے کہ انہوں نے خدا سے عرض کی

رَبِّ ارِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَيُوتَ اِنِّي اَرِى الْوَدَّاعِیْنَ اِیَّیْہِمْ وَ اَنَا مِنْہُمْ اَوْ اَمَّا اَنْتَ فَتَعْلَمُ الْغُیُوبَ

طرح زندہ کرے گا۔ (آخر قصہ تک) ایک دوسری جگہ حضرت عزیز یا کسی دوسرے شخص کا قصہ بیان کیا ہے کہ وہ ایک یران گاؤں سے گزے جو ڈھکیا تھا۔ اور وہاں کے لوگ مردہ پڑے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر براہِ تعجب کہا۔

اِنِّیْ یَحْیِیْ ہٰذَا اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَنْ تَعْلَمَ الْغُیُوبَ

اور نبی اسرائیل کی ایک قوم کا قصہ کہ موت کے ڈر سے اپنے شہر سے نکلے جب اُن کے بادشاہ نے اُن کو جہاد کی دعوت دی اور اُن کے باہر آنے کے سبب میں زمینِ اہل تاریخ کے اختلاف ہے، غرض جب یہ لوگ باہر آئے تو خدا نے انہیں مردہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر زندہ کیا۔ چنانچہ فرمایا

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰہُ مَوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاہُمْ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَنْ تَعْلَمَ الْغُیُوبَ

فرآنی سے دلائل بعث روشن نظر آ رہے ہیں۔ جو لوگ وجود صالح کے معتقد و معترف ہیں۔ اُن کے لئے یہ حجتیں کافی اور مسکت ہیں۔ مگر وہ لوگ جو صانعِ جل جلالہ کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ اُن کے لئے کوئی بھی دلیل اطمینان بخش نہیں۔ اور اُن کے جہل اور وقاحت کا کوئی بھی علاج نہیں۔

## منکرین بعث کا خیال فاسد

منکرانِ بعث سے ایک فرقہ ملاحدہ کا ہے۔ جو کہتے ہیں بعث بعد الموت غفلتِ محال ہے۔ یہ لوگ تناسخ کے قائل کہتے ہیں کہ بعث کے معنی ہیں

کہ دنیا ہی میں روح ایک کا لہر سے دوسرے کا لہر کی طرف منتقل ہوتی رہتی  
 رہے۔ اور وہ بھی بانڈاروں اور حیوانات لا عقل کی جنس میں ہیں جو جانور  
 ان کی روح کے مناسبتاً انتقال ہوتا ہے۔ اسی کے کا لہر میں انسانی روح جلوں کرتی  
 رہے۔ اگر اس کا لہر میں اس کو راحت نصیب ہوئی۔ تو یہ اس کی سعادت کا  
 پتہ ہے۔ اور اگر رنج ہوا تو شقاوت کا معاوہہ یہ سخن ایسا رکبیک ہے کہ اُسکی  
 جواب کی طرف توجہ کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہمارے مذکورہ بیان میں ہی  
 اللہ تعالیٰ کا جو اسب موجود ہے۔ مگر ان میں سے ایک گروہ خود کو دائرہ اسلام  
 میں داخل کرتا اور اس آڑ میں مسلمانوں کو فریب دیتا ہے۔ ضعیف اسلام ان کے  
 پیچھے فریب میں اگر راہ حق چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ ان کا قاعدہ ہے کہ یہ اسلام ہی کے  
 پروردگار ہیں چھپ کر قرآنی آیات اور احادیث میں اس منہم کے شبہات ڈالتے  
 اور ایسی تاویلات لایعنی کرتے ہیں جن سے ان کا مطلب اور ان کے عقائد  
 باطلہ کی سچائی ثابت ہو۔ ان کا قول ہے کہ آخرت ایک عالم روحانی ہے۔ اور  
 اسی طرح بہشت کی لازوال نعمتوں اور دوزخ کے دردناک عذاب کی تاویل  
 کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا فساد دین اسلام میں ان لوگوں کے مساوی سے زیادہ  
 اہم اور نقصان رساں ہے۔ چونکہ ہر مخالف اسلام گفتگو کرتے ہیں۔ ان کا  
 خون بہانا اور ان کے اموال کو مسلمانوں کے لئے غنیمت کرنا واجب ہے۔  
 اور ان کے مکائد و فریب کا رقع کرنا مخالفین اسلام کے اعتراضات اور  
 شکوک کے دفع کرنے سے زیادہ افضل اور باعث تائید دین حق اسلام ہے۔

## اہل اسلام کی ایک جماعت جو منکرین بعث

### کی جانب میل رکھتی ہے۔

اہل اسلام کی ایک اور جماعت ہے جو منکرین بعث کی جانب میل رکھتی  
 ہے وہ بعث بعد الموت کی قائل تو ہے۔ لیکن ان کا قول ہے کہ یہ ضروری  
 نہیں کہ بعث اموات انہیں فیوض کا بدول میں ہو۔ بلکہ ممکن ہے کہ ایک



شرح کے متعدد مقابل ہوں۔ اس قول میں بھی انکار بعثت اور ثبوت تناسخ کا  
 شائبہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ قول بھی مخالفین بحث کے موافق اور عامہ اہل اسلام  
 کے عقائد کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کی تمام آیات سے یہی ظاہر ہے۔ کہ  
 بعثت اسی دنیوی کا لہر کے ساتھ ہوگا۔ اسی کا لہر اور اسی روح کا اعادہ  
 کیا جائیگا۔ چنانچہ فرمایا۔ قَالُوا اِئْتِنَا بِآيَاتِنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَحِطًّا مَّا  
 اِئْتِنَا لَمَبْعُوثُونَ اَوْ اِيَّا عُنَا الْاَوَّلُونَ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ  
 دَاخِرُونَ ط کا فر کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے۔  
 تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے۔ یا ہمارے باپ دادا؟ اے نبی کہہ۔ وہاں۔ او  
 تم سب جمع کئے جاؤ گے۔

جناب نبی کریم علیہ التجیہ و التسلیم کے زمانہ میں منکرین محض اسی جیسے  
 بعثت کا انکار کرتے تھے کہ وہ اسی دنیوی کا لہر کے ساتھ اعادہ کو محال جانتے  
 تھے۔ چنانچہ ان کا قول یہ تھا۔ وَيَقُولُونَ اِئْتِنَا لَمَرْءٌ وَّ دُونَ رَفِ  
 الْحَاضِرَةِ اِئْتِنَا كِتَابًا مِّنْ غَيْرِكَ كَا فَرِ كَتْنِ هِي كِيَا هِم پھر پچھلے پاؤں  
 لوٹائے جائیں گے۔ کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں اس قدر ان باتوں کا کشف فرمایا کہ  
 تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔ اور جس نے آپ کے ثبوت کی تصدیق کی۔ اس  
 کے دل میں اس کے متعلق بھی کوئی شک نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ نے جواز بعثت کے باب میں کثرت سے دلائل قائم کئے  
 ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّشْرَكَ سُدًى كِيَا اِنْسَان  
 گمان کرتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑ دیا جائیگا؟ پھر بعثت کے باب میں حجت قائم  
 فرمائی۔ اَلَمْ يَكُنْ لَّنْفَنَةً مِّنْ مَّيْتٍ يُّمْنِي شَرَّ كَانْ عَلَقَةً  
 فَخَلَقَ فَسَوَّى كِيَا اِنْسَانٌ كَرِي مَبْنِي كِيَا لَطْفُهُ نَ تَحَا۔ پھر مٹی سے خلق  
 یعنی پٹھکی ہوا۔ پھر اس کو پیدا کیا۔ اور پورا انسان زریا مادہ بنا دیا۔ یہ تمام  
 باتیں اس امر کی دلیل ہیں۔ کہ وہ خدا مردہ کو زندہ کرے گا۔ وہ بعثت موات  
 پر پورا قادر ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنْ مَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا

وَأَتَّكُمُ الْيَتَامَا لَا تُجْعَلُونَ کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں عبث  
پیدا کیا۔ اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ نہ آؤ گے۔ ایک جگہ فرمایا کَمَا بَدَأْنَا  
أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْلُئِنَّا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ یعنی جس طرح ہم نے  
ابتداء میں پیدا کیا۔ اسی طرح اعادہ کریں گے۔ یہ ہم پر وعدہ ہے۔ بے شک ضرور  
ہم ایسا کرنے والے ہیں۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ بعثت اُس کی حکمت  
میں واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کو  
پیدا کیا۔ پھر بعض کو محاسن، اخلاق اور عبادت الہی میں مصروف و متقا و  
فرمایا۔ وہ مومن کہلائے۔ بعض اپنے اخلاق و مہمہ اور عصیان کاری کے باعث  
کافر ہوئے۔ پس اگر معاد نہ ہوتا۔ تو عابد و فاسق شاکر و کافر کے درمیان کیا  
تمیز ہوتی۔ اور یہ بات حکمت الہی سے بعید ہے۔ کہ وہ مومن و کافر مطیع و  
سرسکش عابد و مذنب ہیں کوئی فیصلہ نہ فرمائے۔ اور یہ کہ عابد کو ثواب ہے اور  
غیر عابد کو عقاب سے کوئی تعلق ہی نہ ہے۔

دوسری صورت سے یوں سمجھو کہ انسان مختلف الاحوال ہے۔  
بعض حالت اسلام میں بچ و شفت محنت و غم میں عمر بسر کرتے ہیں۔ اور  
بعض ایسے ہیں جو حالت کفر میں نوائے انکار اور بغایت خوش و خرم ہیں۔ پس  
ایک و زمیعا ضرور چاہئے کہ ہر ایک کے حق میں جزا و سزا کے مسئلہ کو محقق  
کے جیسا کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول کریم کی زبانی اس بات سے خبر  
دی ہے۔ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَوَّلَةِ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ  
الْحَسْرَةِ أَوْ يَوْمَ يُجْعَلُكُمْ يَوْمَ الْجَمْعِ أَوْ يَوْمَ يَقُومُ  
النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ اور یہ جائز نہیں کہ روح انسانی اس کالبد  
سے الگ ہو کر دوسرے کالبد میں ثواب و عقاب پلے۔ اس واسطے کہ  
کوئی روح بدوں کالبد کے کوئی اچھا یا بُرا کام نہیں کر سکتی۔ تو سزا و جزا  
کا اسی کالبد میں ہونا ضرور ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارجح کالبد اور  
کالبد بے روح سے امر و نہی اور وعد و وعید کا خطاب نہیں کیا ہے۔ بلکہ خطاب

انسان اسی کالبد میں اٹھایا جائے گا۔



دونوں پر وارد ہے۔ تو یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ فعل و خطاب میں دونوں شریک ہوں۔ اور مکافات ایک ہی پر عائد رہو۔ اسی واسطے یہ معلوم ہو گیا کہ ثواب عقاب کا تعلق بھی اسی روح اور اسی کالبد سے متعلق ہے۔ جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے \*۔

اس قدر بیان اہل اسلام کے رفع شبہات اور دفع دسوسہ کے لئے کافی ہے۔ اور جو شخص تصدیق رسالت کرتا ہے۔ اُس پر واجب ہے کہ وہ نبی کریمؐ کی عام اخبار کی بھی تصدیق کرے۔ اگرچہ عقل و حس اُس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز و قاصر ہو۔ اگر وہ قبول نہ کرے گا۔ تو دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔ لیکن وہ لوگ جو توحید و نبوت کے منکر ہیں۔ اور ساتھ ہی شر اجساد کا انکار کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں سے توحید و نبوت کے باب میں بحث کرنا چاہئے۔ جب اس میں ملزم ہو جائیں۔ تو حشر اجساد و اموات کو خود بخود قبول کریں گے۔

## نویں فصل

### آخرت کے احوال میں

قرآن و حدیث و اقوال علمائے سلف سے یہ بات بتواتر ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کی زندگی صورتِ اسرافیل کے نفخہ امات کے بعد تمام ہوگی۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اس نفخہ کو اتمام حیات و نبوی کا سبب قرار دیا ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے حضور پہنچتے ہی زمین و آسمان اور اُن میں جو کچھ ہے اُس کی ہدیت اور سختی سے سب فنا ہو جائیں گے۔ اَلَا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ نَفِخْ فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ یعنی جب نفخ صور ہوگا۔ تو زمین و آسمان کے تمام رہنے والے مر جائیں گے۔ مگر جس کو خدا چاہے وہ اس نفخہ امات کے

اثر سے مستغنی ہے گا۔ لفظا من شاء اللہ کی تفسیر میں علما کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون ہے۔ بعض کہتے ہیں بشعرا ہیں۔ چنانچہ خدا نے فرمایا  
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ آيَاتِ سَبِيلِ اللَّهِ أَنَّهُمْ آمَنُوا أَنَّهُمْ أَتَابِلَ الْخَيْرِ  
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ قرعین یہاں انہم اللہ من فضلہ  
یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہو سکے۔ انہیں مردہ گمان نہ کرو۔ بلکہ وہ زندہ  
ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق ملتے جاتے ہیں۔ خوش ہیں۔ اُس پر جو اللہ تعالیٰ  
ان کو اپنے فضل سے پہنچاتا ہے۔

مراد اس سے یہ ہے کہ وہ نعیم بہشت سے محفوظ و متمتع ہیں۔ اور اندر  
مرگ سے وارستہ نہ یہ کہ وہ مردہ نہیں ہیں۔ اور جیسا موت میں شامل ہیں۔ تو  
ضرور وقت بعثت تک زندہ رہیں گے۔ مہلت میں رہیں گے۔ اگر یہ تاویل کی جائے  
کہ شہداء کی روحیں نفخہ امتت سے قیامت میں آئیں گی۔ تو یاد رہے کہ شہداء اس فضیلت  
میں انبیاء سے اولیٰ تر نہیں ہیں۔ بلکہ انبیاء ان سے اولیٰ ہیں کہ زمین ان کے کعبہ  
کو نہیں کھاتی چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ حَزَمَ عَلَى الْاَرْضِ اجْسَادَ  
الْاَنْبِيَاءِ بے شک خدا نے بنیوں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ اور  
حدیث میں ہے۔ اَلْاَنْبِيَاءُ قَدْ تَلَوْا وَهُمْ يُصَلُّونَ انبیاء اپنی  
قبروں میں زندہ ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مراد اَلَا مَنْ  
شَاءَ اللّٰه سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چونکہ دنیا میں ان کو صغقہ یعنی  
کوہ طور پر بے ہوشی ہو چکی ہے۔ تو نفخہ امتت کے وقت وہ اس سے مستغنی  
رہیں گے۔ اور قافلہ میں کامیاب ہو سہے۔ کیونکہ نفخہ اول کے وقت جو صغقہ ہوگا  
وہ صغقہ موت ہے۔ اور جس شخص کی موت۔ نفخہ اول کے پہلے واقع ہوئی۔  
وہ اس استثنا میں داخل نہیں ہے۔ اور یہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا ہے کہ سب کے پہلے میں برسوخ میں آؤں گا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ  
موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ تو واضح ہو کہ یہ واقعہ بعثت کے بعد  
ہوگا۔ اور وہ نفخہ فرع ہے۔ اور یہ تو آنحضرت نے فرمایا انہیں کہ موسیٰ کو  
صغقہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ موسیٰ کو صغقہ نہیں



ہوا یا مجھ سے پہلے ہونٹا میں آگئے۔ اور اگر مراد اس سے صفت امانت ہیں۔  
تو مراد مولا سے اُن کی رُوحانیت ہوگی۔

بعض علما کہتے ہیں کہ مراد **إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ** سے ولدان حور و  
علمائے ہیں۔ اور نیز خازنان بہشت۔ اس دلیل سے کہ وہ سرور و لذت  
ہے۔ وہاں اندوہ رنج و غم مرگ سے کیا تعلق۔ لیکن یہ تاویل جب ٹھیک  
ہوتی کہ بہشت زمین و آسمان میں کہیں ایک جگہ ہوتی۔ اور جب خدا فرماتا ہے۔  
**وَجَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ** اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا  
عرض بھی آسمان و زمین سے چند گنا زیادہ ہے۔ تو وہ زمین و آسمان میں کس  
طرح ساکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ ایک جنت کی یہ صفت ہو۔

بعض علما کا بیان عرش مراد لیتے ہیں۔ اور جبریل و میکائیل اور وہ  
ملائکہ جو گرد و عرش کے عطف باتدھے بکھڑے ہیں۔ وہ نہ آسمانوں میں ہیں  
اور نہ ساکنان زمین سے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ عرش بھی ایک نلکے سے جو تمام  
آسمانوں کو محیط ہے۔ پس عالمان عرش اور جو گرد و عرش کے ایستادہ ہیں۔  
کس طرح ساکنان عرش سے خارج ہو سکتے ہیں۔ غرض یہ تاویلات و مرادات جیسا  
کہ اُن کی تردید سے ثابت ہوا۔ اس قابل نہیں کہ اُن میں سے کسی ایک پر قطع او  
یقین کر لینا چاہئے۔ اور ہم نے اسی واسطے اس تقریر کو وسعت دی ہے کہ  
لوگ **إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ** کی تعبیر نہ کریں۔ اور صرف یہ اعتقاد رکھیں کہ  
کوئی بھی ایسا شخص ہوگا۔ جو نفی و امانت کے ساتھ موت سے  
محفوظ رہے گا۔ اس کا صحیح عالم خدا تعالیٰ کو ہے۔ اور یہ بھی یقین رکھیں کہ وہ  
شخص ساکنان آسمان و زمین سے ہوگا۔ کیونکہ استثناء اس امر کو ظاہر کرتا ہے  
تعبیر کے متعلق حضرت نبی کریم سے کوئی شخص صریح وارد نہیں ہوئی۔ اور  
تاویل کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس کا علم نہیں ملا کہ وہ شخص قسم ملا کہ سے  
ہے یا جن یا نوع انسان سے۔ پھر یہ بھی یقین نہ کرنا چاہئے کہ وہ شخص موسیٰ  
بالکلیہ بچارہ ہوگا۔ اور حکم فنا اس پر جاری نہ ہوگا۔ بلکہ اگر نفی و امانت سے  
اُس کی موت مقدور نہیں تو کسی دوسرے سبب سے یا بلا سبب اُس پر موت وارد

ہوگی، بات یہ ہے کہ نفی مرگ سوائے خدا کے کسی پر روا نہیں ہے۔ اور اُس کو کسی مخلوق کے حق میں مستحیل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر بھی اگر خدا تعالیٰ کسی خالق کو موت سے محفوظ رکھنا چاہے۔ تو وہ اس پر قادر ہے۔ مگر اکثر علما کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی متنفس اور مکلف موت سے مستگار نہیں۔ اور موت ایک ذریعہ اور وسیعہ، اس جہان سے اُس جہان کی طرف انتقال کرنے کا (صوفیہ کہتے ہیں کہ موت حبیب کو حبیب کی طرف پہنچاتی ہے)۔

حدیث شریف میں کہ موت سے کوئی محفوظ نہیں۔ بلکہ ہوں یا اور کوئی قسم، ملک الموت اور میکائیل وغیرہما کی روح بھی قبض کی جائیگی۔ اور سب کے بعد جبریل علیہ السلام کی وفات ہوگی۔ اور یہ سب اسی وقت زندہ ہوں گے۔ اس خبر میں اگر مشرک یا کسی سے پائے جائیں۔ تو کسی مسلمان کو اس میں تردد نہ کرے۔ درست نہیں۔ بہر حال اعتقاد رکھے کہ موت سب کے لئے اور نیز فرشتوں کے لئے روا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بلکہ سے نفی مرگ کرے۔ تو وہ ضال است ہے۔

نفرا ماتت کے بعد نفخہ اُٹیا ہوگا۔ جس کے سبب تمام مرشدی اُنہیں گے ان دونوں کی درمیانی مدت یعنی فاصلہ کو برزخ کہتے ہیں۔ اور برزخ نہ دنیا سے ہے نہ عقبی سے۔ بلکہ وہ ایک فاصلہ ہے درمیان دونوں نفخوں کے۔ قبض روح کے بعد سے ہر انسان نفخہ اُٹیا تک برزخ میں ہے۔ خواہ قبر میں ہو یا کسی دوسری حالت میں)۔

## سوال منکر و نکیر

برزخ میں جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ سوال منکر و نکیر ہے۔ برائے وقت ہوتا ہے۔ جب مردہ کو قبر میں رکھتے ہیں۔ اور روح انسانی پہر اپنے کعبہ نما کی طرح نمودار کرتی ہے۔ تو منکر و نکیر دونوں فرشتے حکم رب علیل قبر میں آکر اُس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ اور اس مردے پر میرے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان کیا تھا ہے۔



ان سوالات کے جواب میں اگر بندہ کامیاب ہو تو عذابِ نسی سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اُس کی رُوح کو بہشتِ بریں میں بھیج دیتے ہیں۔ اور اگر بندہ اہل شقاوت سے ہے۔ اور ٹھیک جواب اُس سے نہ پڑا تو اُس پر عذاب گہوارہ ہوتا ہے۔ سوال نکیر بن منکھٹ قبر اور عذابِ قبر حق ہے۔ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہ آیت **النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا** عذابِ قبر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ان سب پر ایمان لانا واجب ہے اور جو شخص مر گیا۔ وہ زمانِ بعثت تک برنج میں ہے۔ چنانچہ آیت **كريمه و من وراءهم زخ** اِلٰی **يؤمر يدعون** اس پر دال ہے۔ لیکن وہ زمانہ جس کو مطلقاً برنج کہتے ہیں وہ زمانِ بین النفتین ہے۔ اُس کی مدت کے متعلق حدیث میں لفظ چہل واقع ہے۔ یہ دوں تشریح اس امر کے کہ مراد اُس سے چہل روز ہیں۔ یا چہل ماہ یا چہل سال۔ اکثر علما اس سے چہل سال مراد لیتے ہیں۔ شاید اُن کی نظر سے کوئی حدیث گزری ہو۔ یا کتبِ انبیاء سے انہیں یہ بات جو اُن کی نظر میں قابلِ اعتماد ہو۔ معلوم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے دونوں نفخوں کی درمیانی مدت میں یوسیدہ ہڈیوں اور گرے پڑے خاک میں ملے ہوئے اجزائے جسم کو ہر جگہ سے جمع کرے گا۔ خواہ وہ آگ میں جلا ہو، یا پانی میں غرق ہو، یا ہوا میں اڑ گیا ہو، یا آفتاب میں خشک ہو گیا ہو، یا خاک میں گل سٹر گل گیا ہو، یا شکم حیوانات میں مضمم ہو گیا ہو، یا غرض تمام اجزاء کو فراہم کرے گا۔ حتیٰ کہ ہمیں سے ایک نوزہ نہ چھوڑا جائیگا۔ پھر انسانی کالبد کو اُسی ذبح و ہیئتِ نخستیں پر جو اُس کو دنیا میں حاصل تھا۔ ترکیبِ ترتیب یا جائے گا۔ اگر کسی کالبد کا عضو یا حصہ دنیا میں قطع ہو گیا ہو۔ تو اُس کے ہمراہ اعادہ کیا جائے گا۔ انسان جیسے اٹھیں گے۔ تو غیر مختون اٹھیں گے۔ پھر جب زمانہ برنج کا گزر جائے گا تو حضرت اسرارِ نبیل حکمِ ربیبِ جنیل دوبارہ صبرِ بھو تکیں گے۔ اور فیضِ اعلیٰ ہوگا۔ ارواحِ سب کی سب صبرِ اسرارِ نبیل میں جمع ہوں گی۔ لفظ صبر کے ساتھ ہی تمام روحیں نکل پڑیں گی۔ اور اپنے اپنے کالبدوں میں داخل ہوں گی۔

اُس وقت ہمارا الٰہی سب لوگ زندہ ہونگے۔ چنانچہ سُورۃ یٰسّٰیہ ۱۰۱-۱۰۲ میں فرمایا ہے  
 اٰخِرٰی فَاِذَا هُمْ بِرَبِّہُمْ یُنْظَرُوْنَ اِنَّ رَبَّہُمْ لَہٗۤ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ سُدُوْرٍۭ  
 کہ وحوش کا حشر کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے  
 دن حیوانات کے درمیان حکم قصاص جاری کرے گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی شاخدار  
 جانور نے حیوان بے شاخ کو مارا ہوگا۔ تو اُس کی قصاص بھی دلا یا جائیگا۔ یہیں سے  
 معلوم ہوا کہ وحوش و بہائم کا بھی حشر ہوگا۔ لیکن حیوانات کا حشر اس لئے  
 کہ وہ مکلف نہیں ہیں بقایا ثواب و عقاب کی غرض سے نہ ہوگا۔ بلکہ صرف قصاص  
 کے لئے ہوگا۔ جب یہ ہو لیا گا تو بلا شدت موت اور سختی جان کنی کے اُن پر حکم  
 موت صادر ہوگا کہ خاک ہو جاؤ۔ وہ سب کے سب خاک ہو جائیں گے۔  
 چنانچہ حدیث میں ہے۔ شُعْبَةُ یُقَالُ لَهَا کُوْنُوْا شُرَابًا۔ اور ممکن ہے کہ وحوش  
 کے حشر میں اس کے سوا کوئی دوسری حکمت الٰہی ہو۔

### ساہرہ کی تفسیر

یہ حدیث کے بعد اللہ تعالیٰ نے خلق کو ہر جگہ سے اٹھائے گا۔ اور حشر میں  
 جو موقف عرض حساب ہے۔ سب کو جمع کرے گا۔ اس موقف کا نام ساہرہ ہے چنانچہ  
 فرمایا۔ فَاِذَا هُمْ بِالشَّاهِرَةِ لَنَسُوْنَ ہاہرہ رُفَعِیْہُ زَمِیْنٍ کُوْنُوْا کُوْنُوْا  
 شاید اس سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ شکم زمین سے سب کو رُفَعِیْہُ زمین پر جمع  
 کرے گا۔

بعض علما کہتے ہیں کہ شاہرہ بیت المقدس کے پاس ایک جگہ ہے کہ حشر میں  
 ہوگا۔ اور حدیث میں آیا ہے عَلَیْکُمْ بِالشَّامِ اَرْضُ الْحَشْرِ اگر اس حدیث  
 میں شہر اطمینان سے پائے جائیں۔ تو اُس کی وجہ یہ ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس زمین کو  
 حشر کے واسطے فراخ کرے گا۔ یا زمین کو کھینچنے کی وہیں سے ابتدا ہوگی۔ حدیث  
 میں بھی آیا ہے کہ قیامت کے دن زمین کھال کی طرح کھینچ جائیگی۔ اور حدیث  
 میں ہے کہ حساب عرض کے روز خلائق کو جس زمین پر جمع کریں گے۔ وہ زمین چاندی  
 کی ہوگی۔ اُس زمین پر کوئی گناہ نہیں ہوا ہوگا۔ لیکن بیت المقدس کی زمین تو



اس صفت کی نہیں۔ اور نہ اس میں خلق اولین و آخرین کے جمع ہونے کی گنجائش ہے۔ پس جیسا ہم نے بیان کیا۔ اس کے معنی وہی لینا چاہئے۔ اور شاید کہ آخرت نے ارض عشرہ کو ارض مقدس فرمایا ہو۔ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کفر معاصی کی آلودگی اور شرک کی نجاست سے پاک فرما کر دوسری ہیئت پر نمودار کریگا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَيَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضَ خَيْرَ الْأَرْضِ. یعنی قیامت کے دن زمین کی موجودہ ہیئت بدل دی جائے گی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس روز پہاڑ اور زمین شکستہ ہو جائیں گے۔ وَخَمَلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ قَدْ كُنَّا دَكَّةً وَاحِدَةً پس پہاڑ پنبہ حلاج کی طرح ہو جائیں گے۔ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ اور مثل ہبا۔ منشورہ کے ذرہ ذرہ ہو جائیں گے وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بُسًّا وَكَانَتْ هَبَاءً مُبْتَثًّا پھر اپنے حال سے پراگندہ ہو جائیں گے وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا پھر غبار کی طرح ہوا میں اڑیں گے۔ اور چونکہ یہ غبار نہایت کثیف اور بہت شعلہ ہوگا لہذا لوگ پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ یہ اپنی اصلی حالت پر کھڑے ہیں وَشَرَى الْجِبَالُ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ ثَمَرٌ مِّنَ النَّخْلِ يَبِثُّ أَيْسَ ہو جائیں گے کہ دیکھنے والا دور سے گمان کریگا کہ یہ اپنی پہلی حالت پر کھڑے ہیں۔ حالانکہ وہ ابر کی طرح اڑتے ہوں گے۔ جیسے سراب کہ دور سے پانی خیال کیا جاتا ہے لیکن قریب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریت ہے جھکتا ہوا۔ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا کے یہی معنی ہیں۔

پہاڑوں کی ترکیب و انقار کی بابت جو بیان کیا گیا۔ ظاہر قرآن حدیث سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ مختلف پہاڑوں کی مختلف صفات ہوں۔ یعنی بعض پہاڑ خوردہ ہوں۔ اور بعض مثل غبار کے اڑیں۔ علیٰ ہذا القیاس جیسا آیات بالا میں مصرح ہے سمجھنا چاہئے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض اصحاب کو جبال کی نسبت اشکال پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن پہاڑوں کے انقار میں یہ ترکیب کیسے ہوگی۔ لہذا ہم نے دونوں باتیں بیان کر دیں۔

جب پہاڑوں کی یہ کیفیت ہوگی۔ اور گرہوں کو بھر دیا جائے گا۔ اور  
 ٹیلاؤں کو پست کر کے زمین کو پاموں کی طرح ہموار و برابر کر دیا جائے گا۔ اُس میں  
 کوئی تشدیب و فراز نہیں رہے گا۔ چنانچہ فرمایا فَبَدَّلْهُمَا قَاعًا صَفْصَفًا  
 لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا۔ اور زمین کے اور نیز و درخ پر کے حجاب اُٹھائے  
 جائیں گے۔ اور درخ ظاہر ہو جائے گی۔ وَبَدَّلْ زُلَّةَ الْجِبَالِ لَمَنْ يَرَىٰ  
 اور ایسا ہو گا کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ افلاک نیست و نابود ہو جائیں گے  
 آفتاب لپیٹ لیا جائیگا۔ اور آسمان طے کر لیا جائیگا۔ تو مخلوق موقوف عرض میں  
 کھڑی ہوگی۔ جب اس طرح کھڑے کھڑے ایک غرہ دراز گذر جائے گا۔ اور لوگ  
 عاجز آ جائیں گے اور تشنگی و تپش اُن میں پوری طرح سرایت کرے گی تو خلائی بحیر  
 و اُحلح تمام حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے۔  
 اور اُن کو اپنا شفیع بنائیں گے۔ تاکہ درمیان خلالتی کے حکم کیا جائے۔ آدم حضرت  
 نوح کی طرف بھیجیں گے۔ اور نوح حضرت ابراہیمؑ کی طرف اور ابراہیمؑ حضرت  
 موسیٰؑ کی طرف اور موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ کے حوالہ کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰؑ  
 علیہ السلام ہمارے نبی مختار حبیب کردگار شافع المذنبین رحمۃ اللہ علیہم حضرت  
 احمد مجتبیٰ مختار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و صحابہ و علیٰ اجمعین  
 الانبیاء و المرسلین کے حوالہ شفاعت خلالتی کا کام کریں گے۔ پس حضور  
 نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام خلالتی کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور انہیں تپش و  
 حرارت روز قیامت سے نجات دلائیں گے۔ چنانچہ حدیث درست سے لیا  
 ہی ثابت ہے۔ پھر ہمارے اعمال خلالتی دائیں اور بائیں طرف سے دانہ ہوں گے  
 اہل سعادت کے دائیں ہاتھ میں ہمارے اعمال دیے جائیں گے۔ اور اہل شقاوت  
 کے بائیں ہاتھ میں پھر ہر ایک کو اپنے اعمال نامہ کے پڑھنے کا حکم ہوگا۔ کہ  
 اقْرَأْ كِتَابًا كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ حَسِيبًا اور نامہ اعمال کے  
 پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ لوگ جب زندہ ہوں گے تو اپنے دنیوی اعمال کو  
 فراموش کر جائیں گے۔ انہیں معلوم نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال کا  
 احصا کیا یا نہیں۔ جب یہ نہیں روز قیامت کی تکلیف و حرارت محسوس ہوگی۔ تو

فَاتَّقُوا اللَّهَ  
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ  
 اتَّقُوا اللَّهَ  
 حَقَّ اتَّقَاةٍ  
 فَإِنَّكُمْ عِنْدَهُ  
 جَمِيعُ أَعْمَالِكُمْ



حیران و متعجب ہوں گے کہ اس شدت مصائب باعث ہے! اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال نامے اُن کے ہاتھ میں لکھا کہ وہ پڑھ کر خود معلوم کر لیں کہ انہوں نے دنیا میں کیا کچھ کیا ہے۔ نیک لوگ اپنے اعمال پڑھ کر خوش ہونگے۔ اور بد لوگ رنجیدہ اور ترسناک نیکیوں کے لئے شگواں نیک ہوگا۔ اور بدوں کے لئے فال بد یہی اعمال نامے ثواب و عقاب کی ایک علامت ہوگی۔ اور یہ بات بقواسے قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ خلائق کے نامائے اعمال ظاہر کئے جائیں گے۔ انہیں مخلوق نامائے اعمال تیسرے بد تحریر ہونگے۔ لوگ پڑھ کر خود ہی اپنے اعمال سے واقف ہو جائیں گے۔

اصل حقیقت یہ ہے جو مذکور ہوئی۔ اس کے سوا ظاہر آیات و احادیث کو حقیقت سے مجاز پر لے جانا درست نہیں۔ اگر کوئی شخص ان نصوص کی تاویل مجاز پر کرے۔ تو اس کو گمراہ و مبسوط سمجھنا چاہئے کہ ایسا آدمی منکرانِ حشر و اجساد کی تائید کر رہا ہے۔ اُس کو حقیقت اسلام سے کوئی حس نہیں۔

## نامہ اعمال پڑھنے کے بعد محاسب ہوگا

اعمالِ اعمال کے بعد محاسب ہوگا۔ اُس کی دلیل یہ آیت ہے۔ وَ أَقَامُوا وَاقٍ كِتَابٍ يَمِيزُ فِيهِمْ فَعُودٌ يُحَاسِبُ حَسَابًا يَسِيرًا اٰی  
یعنی وہ شخص جس کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں یا جائے گا۔ اُس سے آسان طریق پر حساب لیا جائیگا۔ اور حساب کے وقت انبیاء علیہم السلام اور نیز شہداء حاضر و موجود ہونگے، وَ جِئْتِ بِالْأَشْهَادِ اٰی اور مراد شہداء سے کتابتِ اعمال خلائق ہیں۔ اُس ان فرشتے لوگوں پر آشکارا ہونگے۔ یَوْمَ  
یَسْرُونَ السَّعَادَ یُکْتَبُ لَآبَشَرِی یَوْمَئِذٍ لِلْجُرْمِ اٰی انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ خدا کی جانب سے جو کچھ ہم پر نازل ہوا۔ ہم نے تم کو پہنچا دیا۔ اور فرشتے خلائق کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ چنانچہ فرمایا یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْکُمْ  
السَّعَادَةُ اٰی ان یَوْمَ وَاَرْجُلُهُمْ یَمُتَا کَا تُوَا یَا سَیْبُوْنَ وَاَقَالُوْا  
لِجَاوِ وِہِمْ لَمْ تَشْهَدُوْا مَا کُنَّا نَاوَا لَظَنَّا اِنَّکُمْ لَفِیْ اَنْطَقِ

کلمہ شہیدی یعنی اُس راز انسان کی زبانیں ماتھ اور پاؤں انسان کے کسب متعلق  
گواہی دیں گے۔ انسان کہیں تک تم نے ہم پر کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گے خدا نے ہم کو گواہی  
بخشی جو ہر چیز کو گواہی بخشنے والا ہے۔ یہ گواہی اُن لوگوں کے حق میں ہوگی۔ جو  
کتابان اعمال کی گواہی کا اعتراف و تصدیق نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کے  
اعمال سے اُن کے اعمال کے متعلق گواہی دلوے گا۔ پھر تو اُن کو کوئی چارہ کار  
باقی نہیں رہے گا۔ اور ممکن ہے کہ گواہی اعضا اُن لوگوں کے حق میں ہو جو بلا انہیں  
عقوبت بد اعمالیوں میں مبتلا رہتے تھے۔ اور اعمال بار آتشکار اور بدو خلق  
کرتے تھے۔ لہذا خدا تعالیٰ اُن کی زیادتی عقوبت کو اُن کی اعضا کی گواہی سے  
آتشکار کرے گا۔ اور اُن کے افعال خواہش کو اس طرح فرمائے گا کہ اُن کے اعضا  
ہی اُن کی بد اعمالی کی شہادت دیں گے۔

## حساب کے معنی و تفصیل

حساب کے معنی ہیں کہ پندرہ کو اس کے اعمال پر مطلع کیا جائے۔ اور اُس پر  
روشن کر دیا جائے کہ اُس نے اپنی مدت حیات میں کیا عمل کئے ہیں غرض مخلوق  
کے اعمال نیک و بد سے ایک ذرہ فرو گذاشت نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا وَ اِنْ كَانَ  
عِشَاءَ مَرَّتْ مِنْ حَرْدٍ اَتَيْنَاهَا وَ كَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ یعنی اگر رات  
کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اُس کا حساب لیں گے۔ اور ہمارا حساب لینا  
کافی ہے۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ حساب تمام خلایق کا اُس کے علم میں ایسا ہے  
جیسا ایک آدمی کے حساب جس طرح تمام مخلوق کی خلق و بعثت اُس کے نزدیک  
ایک آدمی کی خلق و بعثت کے مانند ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَا خَلَقَكُمْ وَاَنْتُمْ  
بِعَشْرَةِ اَیَّامٍ اَوْ اَرْبَعٍ وَاَحَدَةٍ تَهَارُونَ سَبَّحْ لِلَّذِي خَلَقَ وَ بَعَثَ اَیَّامٍ  
کی خلق و بعثت کے ہے۔ اور محاسب کی صفت کے متعلق قطع کرنا ٹھیک نہیں  
کہ کس طرح ہوگا۔ لیکن بعض علما فرماتے ہیں کہ تمام مکلفین کا حساب ہوگا جیسا  
ہم نے بیان کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حسب امر الہی قرشتے خلق کا حساب کریں گے  
اور ہر ایک کے حساب پر ایک فرشتہ مقرر کیا جائے گا۔ اس طرح تھوڑی سی



موت میں سب کا حساب طے ہو جائے گا۔ بعض علما کہتے ہیں کہ جب قرآن سے  
 یہ امر ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں سے جو مستوجب سخط و عذاب ہیں۔ بات نہیں  
 کریگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ ان اصحاب سے جو مستحق ثواب ہیں خوشنود  
 ہوگا۔ اور بروز قیامت ان سے باتیں کریگا۔ اور بندہ اور خدا کے درمیان کوئی  
 ترجمان نہ ہوگا۔ پس مستوجبین سخط و غضب کا حساب فرشتوں کو تفویض ہوگا۔  
 ان صورتوں کے مذکورہ بالا میں کوئی تعلل و تنقص نہیں ہے۔ تاہم کسی ایک  
 بات پر قطع کرنا درست نہیں۔ یعنی تعین کے ساتھ کہنا درست نہیں۔ کہ محاسب  
 اسی طرح ہوگا۔ دوسری طرح ان میں۔ اور قرآن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گروہ  
 بے حساب بہشت میں جائے گا۔ یہ متوکلین کا گروہ ہے۔ ایک دوسرے گروہ کا  
 حساب نہایت آسان لیا جائے گا۔ اور بعض کا حساب سختی اور ازو یاد عتاب کے  
 ساتھ ہوگا۔ اور بعض کے حساب میں نہایت شدت کی جائیگی۔ اس فریق میں  
 فساق اہل ایمان بھی شامل ہوں گے۔ اور اکثر کفار۔ پس حساب میں تین قسم کے  
 لوگ ہونگے۔ مومن، فساق، کفار، اگرچہ فاسقوں کے حساب میں شدت ہوگی  
 لیکن کفار کے برابر نہیں۔

## جنت و دوزخ میں بعض مومنین و کفار کا حساب

### داخل ہونا

بعض علما یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح خاص مومنین کا بے حساب داخل  
 بہشت ہوتا احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ بعض کفار جو غضب  
 الہی سے قریب تر ہیں بے حساب دوزخ میں ڈالے جاویں۔ لیکن ان آیات سے  
 جو دوزخ انہما کے باب میں آئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام کفار کا حساب  
 یکساں ہوگا۔ ایک آیت میں ہے **فَوَرَبِّكَ لَنَسْفَعُنَّكَ اَجْمَعِينَ**  
**نَسْفَعُكَ** کا لفظ **نَسَفَعْنَا** سے ہے۔ یعنی تیرے رب کی قسم ہم تو ان سے ان کے اعمال  
 کی بابت حال ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا۔ **وَنَفِثْنَاهُمْ مَسْخَرَاتٍ**

مَا لَكُمْ لَا تَنَابَرُونَ مَعْنَى أَنْ كُوْطِرَ اَوْ - وہ سوال کئے جائیں گے۔  
 تم کو کیا ہو گیا کہ ایک دوسرے کی یاری نہیں کرتے، اور بعض علما جو بے حساب  
 بعض کفار کے دخول جہنم کے قائل ہیں۔ اُن کا استدلال اس آیت سے ہے  
 وَلَا يُنْتَلَى عَنْ ذُنُوبِهِمْ الْجَنَّةُ مُنًى یعنی مجرم لوگ ان کے گناہوں  
 سے سوال نہیں کئے جائیں گے۔ وہ بے حساب اہل جہنم ہونگے۔ ان دونوں  
 آیتوں میں شائبہ یوں ہو سکتی ہے کہ جس جگہ فرمایا کہ مسئول ہیں۔ تو مراد اس  
 سے یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی بابت سوال کئے جائیں گے۔ اور جہاں فرمایا  
 کہ ان سے سوال نہ ہو گا۔ تو مراد یہ ہے کہ دوسرے گناہوں کے متعلق سوال نہ  
 ہو گا۔ کیونکہ جب اصل کفر ثابت ہو گیا۔ تو عذاب و نزع کے مستوجب ہو چکے۔  
 اور شاید یہ مراد ہو کہ فرشتے کفار کی پیشانی سے معلوم کریں گے کہ یہ کافر ہیں۔ پھر  
 سوال کی حاجت نہ ہو گی۔

## وزن اعمال کا بیان

محاسن کے بعد وزن اعمال ہو گا۔ اور اس سے یہ غرض ہے کہ اندازہ عمل  
 ظاہر ہو جائے۔ اور نیکی و بدی میں تفاوت معلوم ہو جائے کہ زیادتی کس میں ہے  
 اس واسطے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں حسنات کی صفت گردانی اور سیئات کی  
 صفت سبکی کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ فرمایا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ  
 هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور عین لوگوں کی میزان عمل جیسے سکر بالکل خالی ہو گی۔ وہ  
 ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ چنانچہ فرمایا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ  
 الَّذِينَ خُسِرُوا أَنفُسُهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ احادیث  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اگر وہ کسی سوا تیسرا گروہ بھی ہو گا۔ جو صرف اصل  
 ایمان رکھتا ہو گا۔ اور تمام شر معصیت میں مبتلا رہا ہو گا۔ اس واسطے وہ مستوجب  
 عذاب ہو گا۔ کہ اس سے اعمال حسنہ چھوٹ گئے۔ اور عیب خدا تعالیٰ نے فرمادیا  
 ہے کہ ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی کا بھی وزن ہو گا۔ اور نیکی و بدی سے کچھ  
 بھی بدوں و وزن نہیں چھوڑا جائے گا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اس تیسرے



گروہ کے اعمال کا بھی وزن ہوگا۔ اس طرح وزن اعمال میں تین قسم کے لوگ داخل ہیں۔ سابقین، متلطین اور کفار اگر کوئی معتزض ہو کہ جب کفار قیامت میں رحمت سے بے نصیب ہیں۔ اور ان کے پاس ساری حسنات بھی نہیں۔ تو وزن سے کیا فائدہ؟

جواب یہ ہے کہ چونکہ کفار بھی حالت کفر میں ایسے اعمال مثل صدقہ رحمی ہمدی۔ رحم اور سخاوت وغیرہ کرتے ہیں جو اگر حالت اسلام میں کرتے۔ تو موجب تقرب ہوتا۔ لہذا وہ اپنے ان اعمال حسنة کی نسبت خیال کرتے ہوں گے۔ کہ انہیں ان کے اعمال کا اجر ملے گا۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے تمام اعمال صالحہ کو میزان کے ایک پلٹے میں ان کے کفر کو دوسرے پلٹے میں رکھ کر وزن کرے گا۔ تو کفر کا پلٹا جھک جائیگا۔ اور اعمال مذکورہ کا پلٹا انتہایت حقیف اور سبک ہو جائے گا۔ جو صاف دلیل اس امر کی ہے کہ حالت کفر میں اعمال حسنة مطلقاً مفی نہیں ہو سکتے۔ یہی بات کافروں کے جتانے کے لئے ان کے اعمال کا وزن ہوگا۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انہوں نے دنیا میں جو اعمال یہ گمان اجر کئے تھے۔ وہ آج ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ وَ تِلْكَ اٰیَاتُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ عَمَلِہُمْ فَاَعْمٰوْا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ وَ تِلْكَ اٰیَاتُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ عَمَلِہُمْ فَاَعْمٰوْا۔ دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کفار حسنات تو رکھتے ہی نہیں البتہ عذاب میں مشاومت درجہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ارہے۔ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرَجٰتِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّٰرِ یعنی منافق و درجہ کے ذرہ بزرگ بھی ہیں اور اس معنی سے بھی کہ بعض کفار ایسے ہیں۔ جو صانع عالم کا انکار کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ صانع عالم کا اثبات تو کرتے ہیں۔ لیکن توحید کی راہ سے نہیں۔ بلکہ بطریق کفر و شرک پس یہ دونوں گروہ باہم برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح بعض بت پرست ہیں۔ بعض توحید کے معتقد ہیں۔ مگر انکار رسالت کرتے ہیں۔ یہ بھی کیسا نہیں ہو سکتے۔ پھر جب اعمال و اعتقاد میں کیسا نہیں ہیں۔ تو عذاب میں کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح وزن اعمال ہوگا۔ تاکہ ان کے عذاب کا درجہ بقدر ان کے اعتقاد کے ظاہر

روشن ہو جائے ۔

میزان پاک نفوس کے وزن اعمال میں بھی یہی فائدہ متصور ہے۔ جنہوں نے شر بھر کوئی یراکام نہیں کیا ہوگا۔ اور ہمیشہ نیکی اور تقرب الی اللہ کی جانب جھکے رہے ہونگے ۔

لیکن اس باب میں کہ وزن اعمال کیونکر اور کس طرح ہوگا۔ علمائے کرام نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ اور جو کچھ قرآن و حدیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قیامت میں حقیقتاً وزن اعمال کے لئے ایک میزان ہوگی جس کے حسب معمول دو پڑے ہونگے۔ ایک ثورانی۔ دوسرا ظلماتی۔ پہلا حسنات کے لئے اور دوسرا سیئات کے لئے۔ کیفیت وزن کے متعلق دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا مار سے اعمال کو بمقدار ان کے درجات ثواب و عتاب کے ایک ہی سنجے لگے گا۔ اعمال خواہ یکہ ہوں یا پورے محسب ہونگے، اور اس طرزی سے نیکی اور بدی کا وزن بڑی آسانی سے ہو جائیگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حسنات کو باندازہ حسنات گراں کر دیا جائے گا۔ اور سیئات کو بقدر سیئات خفیف۔ یہ دو وجہ پہلی وجہ سے اولیٰ تر اور قرین قیاس ہے۔ اور نیز اس وجہ سے کہ اس بارہ میں حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث درست و صحیح وارد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن تانچے پر وزن میزان کے ایک پڑے میں رکھینگے۔ اور صرف ایک چھٹا سا پڑا جس پر کلمہ شہادت **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** لکھا ہوگا۔ دوسرے پڑے میں رکھیں گے تو یہ خفیف شہادت وزن میں ان تمام سجدات پر غالب اور سب پروانوں پر راجح ہوگا۔ اور وہ تمام سجدات خفیف اور سبک ہو جائیں گے ۔

بعض دوسرے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ وزن اعمال کا ذکر جو قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض اعمال کو بعض دوسرے اعمال کے ساتھ برابر کریں گے۔ اور ان کی زیادت و نقصان اس طرح معلوم کر لیں گے، وہی برابر کرنے اور اعمال کے برابر جانچنے اور نیکی و بدی میں سے ایک کو دوسرے



پر غالب سمجھنے کی کیفیت تو آج ہم کو اُس کے جاننے کی کوئی سبیل نہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کس طرح اعمال طائع و معالج میں حساب فرمائے گا۔ یہ تاویل اگرچہ احتمال قبول رکھتی ہے۔ لیکن ہمیں زیبا نہیں کہ بے دلیل قاطع اور حجت ماطع کے خدا اور رسول کے کلام کی اس طرح تاویل کریں۔ کیونکہ ہماری عقلیں اُس کی کیفیت جاننے سے محض عاجز و درماندہ ہیں۔ اور اس منہم کی تاویلات کے جواب میں ہمیں علمائے اسلام کے اس فرمان پر بلا حجت عمل کرنا چاہئے۔ کہ جو کچھ ہم کو خدا کے رسول کی طرف سے بطریق صحیح پہنچے۔ ہم اس کو بلا چون و چرا قبول کر لیں۔ اگرچہ انسانی عقول اُس کی دریافت ماہریت اور کما ہی تحقیقت سے عاجز ہوں اور اگر اس باب میں کوئی شخص مخالف ملت اسلام گفتگو کرے۔ تو پہلے اُس کے ساتھ توحید و نبوت کے باب میں کلام کرنا چاہئے۔ جیسے توحید و نبوت کا اعترا کر لیگا۔ تو اسلام کے تمام مسائل کا مستند ہو جائے گا۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ وزن سنات کا اعتبار رضائے باری تعالیٰ اور ذرات سیئات کا اعتبار سخطا باری تعالیٰ کے لحاظ سے ہوگا۔ مثلاً ایک مومن ہے کہ نیکیاں کرتے ہیں اُس کی غرض محض جناب باری تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی ہے۔ اور اُسی کی دوستی کو وہ اپنا غایت مقصود سمجھتا ہے۔ اور حیلہ شراط دوستی اور اطاعت و متابعت رسول کو بوجہ حسن اکمل بجا لاتا ہے۔ پھر باوجود اس کے اُس کے خدا سے اور عدم قبول طاعات و عبادات سے ترساں و ازاراں رہتا ہے۔ دوسرا مومن ایسا ہے جو ترس عقوبت و رعایت آداب سنن سے عبادت تو کرتا ہے۔ لیکن وہ حضور دل سے غافل ہے۔ اور اس سے بھی اندیشناک ہے کہ شاید اُس کے اعمال مقبول نہ ہوں۔ پس ظاہر ہے کہ ان دونوں شخصوں کے عمل صورت میں یکساں ہیں۔ لیکن ایک کا عمل محض رضا جوئی خدا تعالیٰ سے ہے اور دوسرے کا عمل حضور دل سے خالی اور وہ بھی بخوف عذاب الہی۔ پس ان کے اعمال میں فرق بین ہے۔ تو تو اب میں بھی تفاوت ضرور ہے۔ اسی لحاظ و اعتبار سے اُن کا وزن اعمال بھی ہوگا۔ کیونکہ وزن بحسب ظاہر اعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ بحسب محل و موقع رضائے الہی جل جلالہ۔

اسی طرح سیئات میں مثلاً ایک شخص گناہ کرتا ہے۔ اور اُس سے محبت پرکرتا ہے۔ اور معافی کی جانب لیر ہے۔ اور نہی خدا تعالیٰ سے غافل اور عقوبت الہی سے بے خبر ہے۔ اور عاقبت سے خوف نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے بڑے اعمال پر شاد و خرم ہے اُس کے مقابل دوسرا شخص ایسا ہے جو گناہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ میں بُرا کرتا ہوں اور اُس سے ڈرتا ہے۔ اور توبہ کرتا ہے۔ اور دل تنگ ہوتا ہے۔ اور اُس حال میں کہ یہاں ان طبع توبہ کی طرف ہوتا ہے۔ تو ضرور اس دوسرے کے گناہ سزا اور عقوبت میں چلے کی نسبت کمتر ہیں۔ پس اس کا وزن سیئات بھی اسی اعتبار سے ہوگا۔ اسی پر دوسری صورتیں قیاس کر لینا چاہئے۔

### صراط کا بیان

وزن اعمال کے بعد صراط پر گزرنے کا موقع پیش آئے گا۔ اور صراط ایک سمت ہے۔ جو موضع عرصات و حساب کی زمین پر نکلا ہر ہوگا۔ یہ راستہ حقیقت میں ایک پل کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ جو دوزخ پر رکھا ہوگا۔ جتنی جنت میں اسی پل کے ذریعہ پہنچیں گے۔ اور اسی پل کے تحت میں دوزخ ہوگی۔ اسی واسطے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراط کو جس طرح فرمایا ہے۔ یعنی دوزخ کا پل۔ اور قرآن نے ہم کو خبر دی ہے کہ بہشت سدۃ المنتہی کے نزدیک ہے۔ اور حدیث سے معلوم ہوا کہ سدۃ المنتہی آسمان پر ہے عرش کے نیچے، پھر قرآن و حدیث سے روشن ہوتا ہے کہ دوزخ اس جہان کے نیچے ہے۔ جس طرح جنت اوپر ہے۔ قیامت کے دن سب آسمانوں کو لپیٹ لیں گے۔ تو جنت آشکارا ہو جائے گی۔ اور جنت کے درجات ہیں۔ ایک کے اوپر دوسرا موافق درجات اہل بہشت کے۔ جو اُن کی طاعت و عبادت کے لحاظ سے اُن کو دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ روز قیامت جنت کو اہل جنت کے قریب کرے گا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَأَزَلَّیٰفَاتِ الْجَنَّۃِ لِلْمُتَّقِیْنَ عَنِیْزٍ اِیْسٰی طرَحِ حَبِیْبِیْنِ کی موجودہ صورت و شکل بدل دی جائیگی۔ اور اُس کے جوابات جس کے سبب اُس میں تشبیہ قرار پایا جاتا ہے۔ اٹھائے جائیں گے۔ تو دوزخ ظاہر ہو جائیگی۔ چنانچہ فرمایا۔ وَبِیْ سُرَّتِ الْجَحِیْمِ لِمَنْ یَّیْسٰی اُس وقت لوگ موقف عرش



حساب میں مجتمع ہوں گے۔ اور آنکھ لیکہ جنت اُس کے اوپر اور دوزخ اُن کے نیچے ہوگی، پھر لوگوں کو صراط پر سے گزرنے کا حکم ہوگا جس کے ذریعہ جنتی جنت میں پہنچیں گے، اور دوزخی دوزخ میں گریں گے۔

اور واضح رہے کہ صراط پر سے ہر ایک شخص گزرے گا۔ خواہ کسی درجہ کا انسان ہو۔ کسی کو اس سے چارہ نہیں۔ جیسا قرآن کریم میں وارد ہے۔ وَلَا تَكُونُوا مِثْلَ الَّذِينَ إِذَا دَارُوا دَارُوا عَلَىٰ رِجْلَيْكَ خَتْمًا مُّضْطًّا پس جو لوگ پاک ہیں اور قادرِ سلیم بے آلائش گناہ کے خدا کے پاس بیکر آئے ہیں۔ انہیں جہنم سے کوئی آسیب گزند نہیں پہنچے گا۔ اور جو لوگ گناہگار اور مستوجب عقوبت و سخط الہی ہیں۔ وہ جہنم میں گریں گے۔ پھر ان میں وہ لوگ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے دوزخ سے نجات پائیں گے، اور اہل شرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور صراط پر گزنا بلحاظ طاعت و عبادت کے ہو گا۔ جیسا حدیث شریف میں آیا ہے۔ بعض بھلی کی طرح عارفۃ العین میں گزریں گے بعض مثل ہوا کے۔ بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح۔ بعض مانند تیز و تند انسان کے۔ بعض جھوٹ تیر سربلے اس کے غرض گزرنے کی حالتیں مختلف ہوں گی۔

حدیث میں صراط کی صفت اس طرح آئی ہے کہ اس کا اوپر کا سرا جنت کی طرف ہو گا۔ اور نیچے کا سرا جہنم کی طرف۔ یہ ہمارے اس بیان کی دلیل ہے کہ صراط ایک مستقیم راستے کی جانب کھنچا ہوا ہے۔

اہل حق کا مذہب ہے کہ عراطا کا رستہ محسوس ہو گا۔ لوگ اُس کو بھٹیم سمجھیں گے۔ ادیانِ حقہ سابقہ بھی اس کے مؤید ہیں۔ اور پیغمبروں نے اسی طرح اپنی امت کو خبر دی ہے۔ پھر سب کے بعد حضرت خاتم الانبیاء علی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عراطا کے متعلق ہمیں یہی خبر پہنچائی ہے۔ اور اس خیر کو ایسا صاف و صریح بیان فرمایا کہ اُس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہی۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ یہ اور تمام احوالِ آخرت اعمیانی و حقیقی ہیں۔ نہ خیالی و مجازی آنحضرتؐ کا فرمانا بجا اور حق ہے۔ اور اُس کا قبول کرنا حقیقت کے طور پر تمام امتِ مرحومہ پر فرض و واجب ہے۔

## صراط کے متعلق ایک لطیف بیان

اور یہ جو ایک حدیث میں ہے کہ صراط ایک پل ہے۔ بال سے زیادہ باریک اور تلواریں سے زیادہ تیز آدق من الشَّعْرِ وَأَحَدًا مِّنَ الشَّيْءِ الْخَفِيِّ بعض علمائے اپنے اعتقاد ناموں میں اس کو اسی طرح یا د کیا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیثوں کو جو اس باب میں اوپر بیان ہوئیں۔ لیکن تحقیقات امور عقیدتی کا جاننا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان و نقل پر موقوف ہے۔ تو اس معاملہ میں ایسی حدیثوں پر یقین و اعتماد کرنا چاہئے۔ جو روایت و درایت کے لحاظ سے صحت کو پہنچی ہوں۔ اور ان احادیث کو جن کی صحت میں علما کا اختلاف ہے۔ احادیث متفقہ کے ہم مرتبہ نہ سمجھنا چاہئے۔ پس آئمہ حدیث و حفاظ نقل کرتے ہیں کہ آدق من الشَّعْرِ الی حدیث وصف صراط میں ثابت نہیں ہے۔ نیز حدیث میں ایسا آیا ہے کہ ملائکہ صراط کے دونوں جانب کھڑے ہوں گے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ صراط کے بین و بیار قلابوں میں ہوں گی۔ جن سے لوگوں کو پکڑینگے۔ بعض لوگ صراط سے اسی طرح گذر جائیں گے کہ انہیں کوئی آسیب نہیں پہنچے گا۔ اور بعض اُن قلابوں سے خستہ و زخمی ہو جائیں گے۔ تاہم دوزخ میں گرنے سے محفوظ رہیں گے، لیکن بعض ایسے ہوں گے جو قلابوں سے کچھ بچ کر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ بعض لوگ قلابوں تک نور میں غرق ہوں گے۔ بعض صراط پر سے زندہ و سلامت گذر جائیں گے پس پیٹ کے پل چل کر پار ہوں گے۔ یہ تمام باتیں حدیثوں میں ہیں جن سے صراط کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ اب ان احادیث کے بہتے آدق من الشَّعْرِ والی حدیث کہاں تک تسلیم کی جاسکتی ہے۔ لہذا ہمیں یوں تاویل کرنا چاہئے کہ مراد اس حدیث سے یہ کہ صراط پر سے گذرنا اس قدر مشکل ہے جیسے کسی ایسی چیز پر سے گذرنا جو بال سے باریک اور تلواریں سے تیز ہو۔ اور اس کی تنگی و وسعت بقدر طاعت و معصیت کے ہوگی۔ اور یہ جو کہا کہ تلواریں تیز ہے۔ یعنی اُس پر سے گذرنا اہل سعادت کے لئے آسان ہے۔ مگر اہل شقاوت



کے لئے تلواریں تیار ہے۔ اگر عوام مسلمانوں کی فہم اس اور اک سے قاصر ہو تو انہیں اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اگر یہ حدیث حضرت رسول خدا سے بطریق صحت مروی ہے تو بلاچون و چرا اُس کو تسلیم کرتے اور اُسے حق جانتے ہیں۔ اور اگر ہماری فہم میں آنحضرت کے بیان میں کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ ہماری کوتاہی فہم سے ہے۔ آپ کے بیان میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

## جنت و دوزخ کی تعریف

شرائط کے بعد دوزخی دوزخ میں جائینگے۔ اور جنتی جنت میں۔ بہشت ایک عالم روحانی ہے۔ خرم و شادابِ احسن آرام سے بھرا ہوا۔ اُس کی روحانیت اور جسمانیات غایت لطافت و کمال و لذت پر ہوگی۔ وہاں پر کما مرانی و عیش کے تمام اسباب مہیا و آمادہ ہوں گے۔ اور تمام جسمانی و روحانی لذتیں وہاں میسر ہونگی۔ جنت کے ساکنین کو کسی قسم کا رنج و الم نہیں ہوگا۔ اہل جنت اور نعمت لئے جنت کو کبھی زوال و فنا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور طاعت گزاروں کے لئے بہشت کو آمادہ و مہیا کر رکھا ہے۔ وہ اس وقت موجود و مخلوق ہے اُس کے درجات بہت ہیں بعض درجات بعض سے ارفع و افضل ہیں۔ یہ درجات باندازہ طاعت و عبادت کے اہل جنت کو فیض ہونگے۔

اور دوزخ عالم ظلمانی کا نام ہے۔ جو آتش سوزاں سے بھری ہوئی ہے اور جہاں مصائب و ناخوشی کے تمام اسباب مہیا و موجود ہیں۔ اور تڑپ کے عذاب جسمانی و روحانی اہل جہنم کو پہنچیں گے، مثل جنت کے دوزخ کے بھی درجات ہیں و درجات وہ درجے ہیں۔ جو پستی کے لحاظ سے ہوں۔ ایک کے نیچے ایک۔ جس طرح درجات وہ درجے ہیں۔ جو بلندی کے لحاظ سے ہوں۔ ایک کے اوپر ایک۔ دوزخ میں سخت ترین اور صعب ترین عذاب ہوگا۔ وہاں کے ساکنین کو کبھی اور کسی وقت آسائش و راحت کی صورت نہ دکھائی دیگی۔ اور کبھی عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دشمنانِ خدا و رسول اور منکرانِ توحید و رسالت کے لئے ساختہ و آمادہ کیا ہے۔ جس آدمی کی موت کفر و شرک پر ہوئی۔ وہ کبھی عذاب دوزخ

سے نجات نہیں پائے گا۔ لیکن عصات گناہ گاران ایمان سے جو لوگ اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں ڈالے جائیں گے، اگرچہ ان کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں لیکن ایک مدت معین کے بعد آخر کار دوزخ سے نجات پا کر حبیب میں ہمیشہ ہمیشہ آرام و طہینان تمام رہیں گے۔ آخرت کے یہ تمام حالات قرآن و حدیث سے مستفاد ہیں۔ جن پر تمام اہل حق کا اجماع و اتفاق ہے۔ ان پر ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا ہر ایک مومن پر فرض ہے۔ ورنہ ناقص ہے گا۔

## دسویں فصل

### قیامت کی شرطوں کے بیان میں

ہم نے اس فصل میں قیامت کی شرطیں اور وہ نشانیاں جو قیامت کے پہلے ظاہر ہونگی۔ تفصیلاً بیان کرنا اس لئے مناسب جانتا کہ آیات قیامت میں سے بعض ایسی ہیں۔ جو معمود و معتاد خلق نہیں۔ پس وہ لوگ جو ایمان بالغیب لائے ہیں۔ اور ان سے آیات عجوبہ مخفی ہیں۔ وہ جب ان آیات کا ذکر سنتے ہیں تو یا تو قطعاً ان کے وقوع سے انکار کرتے ہیں۔ یا ایسی تاویل کرتے ہیں۔ جس سے حقیقت الامر پوشیدہ ہے۔ اور مجاز پر حل کیا جائے۔ اس تاویل فاسد سے ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ عوام مسلمانوں کو راہ حق سے بہکا دیں۔ اور خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے متعلق ان کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیں۔

ایک بات یہ ہے کہ اکثر اصحاب شرائط ساعت کی تفصیل نہیں جانتے، اور اگر وہ علما سے ان آیات کا تذکرہ سنتے بھی ہیں تو ان آیات میں جن کا قبیل کرنا واجب ہے اور ان آیات و شرائط میں جن کے وقوع میں ایک گونہ تردید ہے کوئی فرق نہیں کر سکتے۔ پس صحیح و غیر صحیح اور ضروری و غیر ضروری سب پر یکساں



ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ نہ تو مراد خداوندی اور بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھتے ہیں۔ اور نہ ان کے اخبار میں تمیز و شناخت کر سکتے ہیں کہ قابل قبول کون ہیں۔ اور قابل رد کون۔ انہیں صرف سنی سنائی رطبت یا بس باتوں پر تقلید و اعتقاد اُیا ان لانا آتا ہے۔ اور بس۔ لہذا ہم نے ان وجوہات مذکورہ کی بنا پر محض مصلحت مسلمانوں پر نظر کرتے ہوئے شرائط و آیات ساعت کو تفصیل اس طریقہ پر بیان کر دیا۔ جس سے غٹ زمین اور صحیح و غیر صحیح میں صاف طور پر فرق ظاہر ہو جائے۔ اور عامۃ المؤمنین عامیانہ اعتقاد کی خرابی کے سبب گمراہی میں نہ پڑیں وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ وَالْمُتَعِنُّ ط

## قیامت کی علامتیں بہت ہیں

قیامت کی علامات بہت ہیں۔ ان میں سے بعض ظاہر ہو گئیں جن میں حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور سب سے بڑی اور بین علامت قیامت کی ہے۔ پھر معجزہ شق القمر۔ اور بعض ایسی ہیں۔ جو قرن بعد قرن ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے نقصان علم، کثرت جہل، رفع امانت، ظہور فتن، غلبہ جملہ و گناہ گاراں، اشاعت مزامیر و معازف، شراب نوشی، امارت حمقا و کو دکاں، طوائف الملوکی، پچھلے لوگوں کا اگلوں پر لعنت کرنا۔ اور ان کے سوائے جو کچھ احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی ہیں۔ سب رستہ نجا و حق ہیں۔ ان میں سے اکثر ظاہر ہو گئی ہیں۔ اور باقی وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اور ہوتی رہیں گی، لیکن ہمارا قصداً اس فصل میں ان چھوٹی چھوٹی علامات کا گنانا نہیں ہے۔ ہم یہاں علامات عظیمہ اور بڑی بڑی نشانیوں اور شرطوں کا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جن کی نسبت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ قرب قیامت کے وقت ظاہر ہونگی۔ جیسے غروج و جال و یا جوج و ماجوج وغیرہ۔ اور ان کو شرائط ساعت کہتے ہیں۔ اس جہ سے کہ جب تک یہ باتیں ظاہر نہ ہو جائیں۔ مدت حیات دنیا تمام نہ ہوگی، اور ہم نے اس سے

لے مزامیر و معازف کے بیان ایک ایف بحث دیکھئے۔

قبل کی فصل میں بیان کر دیا۔ ہے کہ قرآن میں ساعت کا استعمال دو معنی پر ہوا ہے۔ ایک دنیا کی آخری ساعت پر جب نفخہ اُٹا کر امت پھینکا جائے گا۔ اور شراط اسی ساعت سے متعلق ہیں۔ دوسرے ساعت کا اطلاق اُس وقت پر ہوا ہے۔ جب حضرت اسرافیل نفخہ اُٹا کر جیسا پھونکیں گے، اور تمام خلق زندہ ہوگی۔ اور جملہ اشراط ساعت سے

ظہور حضرت مہدی علیہ السلام کا ہے۔

مہدی ایک مرد ہوگا۔ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ذریت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اُس کا نام محمد اور اُس کے باپ کا نام عبد اللہ ہوگا۔ دنیا کو عدل سے بھر دیگا۔ جس طرح وہ اُس سے پیشتر ظلم و ستم سے بھری ہوگی شرع محمدی اور طریق و آئین احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق خلق اللہ کی وادری کرے گا۔ اور دین حنیفی کا سچا نمونہ ہوگا۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ لَا مَہْدِیَ إِلَّا عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ مراد اس حدیث سے نفی مطلق نہیں ہے بلکہ نفی تضیّد مراد ہے۔ معنی یہ ہیں کہ کوئی مہدی تضیّدت میں مثل عیسیٰ ابن مریم کے نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کہتے ہیں۔ لَا فَتٰی إِلَّا عَلِیُّ بْنُ ابْنِ حِوَانٍ شجاعت میں غلیّٰ کے برابر نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ علی ہی صرف ایک جوان ہے دنیا میں کوئی جوان ہی نہیں۔ اسی طرح فارسی میں کہتے ہیں۔

”مروندیست الافلاک و شہر نیست الا بغداد“

پس انہی اعتبارات سے اوپر کی حدیث کے معنی کرنے چاہئیں کہ کوئی مہدی تضیّدت اور برائی میں عیسیٰ ابن مریم کے برابر نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قواعد شریعت منسوخ ہو گئے۔ اور اُن کا زمانہ نبوت منقضی ہو گیا ہے۔ اور وہ جناب نبی کریم کے دین و آئین اور شریعت حق کے مطابق کام کریں گے۔ اور اسی دین کے ایک پیرو اور مقلد کی حیثیت میں آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ پس اُن کا طریق اس دین میں خلفائے اُمت کی طرح ہوگا۔ جن کو خدا نے راہ حق بتا دی ہے۔ اور وہ عامہ مسلمین کو خدا کی طرف بلا تے ہیں۔ یہ امر اس حدیث سے روشن ہو گیا کہ اس اُمت کے مہدیوں

ظہور نام مہدی علیہ السلام

لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم کے معنی



ہیں جو اتباع سنت و سیرت نبوی ہیں اور ممانعت بخلافت کے سدا انجام میں  
 یہ وہ وجہ کامل ہیں۔ کوئی ممدی حضرت عیسیٰ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ  
 وہ پیغمبر مرسل ہے (اگرچہ اس وقت فاسائے اُمرت کی صورت میں نازل ہوا  
 ہے) \*

ہمیں لازم ہے کہ حدیث کلامِ مہدیؑ کی تاویل اسی طریق پر کریں  
 تاکہ ممدی کے باب میں جو احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ وہ فرزندِ انِ فاطمہ سے  
 ہوں گے، اور اس حدیث میں تعارض و اختلاف واقع نہ ہو (اور یہ نہ سمجھا  
 جائے کہ ممدی و عیسیٰ ایک ہی شخص ہے۔ وہ شخص جدا جدا نہیں جیسا کہ  
 مرزا یثیوں نے سمجھا رکھا ہے۔ ویسے حاشیہ) اس لئے کہ ممدی کی ذیت  
 فاطمہ سے ہونے کی حدیث درست اور بطریق متعدد ممدی ہے حتیٰ کہ اُس  
 کے جنس میں تو اتر ثابت ہے۔ پس اس طرح تاویل کرنے سے دونوں حدیثیں  
 اپنی اپنی جگہ پر قائم رہ سکتی ہیں \*

حضرت ممدی رضی اللہ عنہ کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔  
 ایک یہ ہے کہ اُن کا ظہور مکہ میں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ شام کی طرف سے ایک  
 لشکر ممدی سے لڑنے کو آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو موقعِ بیدار میں زمین میں  
 دھنسا دیگا۔ اور حدیث میں ہے کہ تسلطِ نبیہ کی فتح ممدی کے ہاتھ سے ہے  
 اور میرزا جیل الدلیم جو محدثوں کا مسکن ہے آپ ہی فتح کریں گے، اور حدیث  
 میں ہے کہ ممدی فرزندِ انِ حسنؑ سے ہوگا۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ کریم نامی ایک  
 گاؤں میں جو مضافاتِ یمن سے ہے اُس کا ظہور ہوگا۔ اس وقت علاقہ یمن میں  
 اس نام کا کوئی گاؤں نہیں ہے۔ شاید کسی زمانہ میں ہو۔ لوگ اُس کا اصل نام  
 بھول گئے ہوں اور بجائے اُس کے بکشتہ کہنے لگے ہوں یا آئندہ اس نام کا  
 کوئی گاؤں آباد ہو جائے۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ ایک بار کاٹکڑا اُس کے سر پر  
 سایہ کئے ہوگا۔ اُس ایر میں سے ایک فرشتہ نذا کریگا۔ ہذا اولی اللہ  
 المہدیؑ فأتبعوہ یہ ممدی خدا کا ولی ہے اس کی متابعت کرو۔ ایک

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب

حدیث میں آیا ہے کہ اُس کی پیشانی پر ایک نشان ستارہ درخشاں کی طرح چمکتا ہوگا \*

## اس باب میں اخبار منقولہ کا درجہ

یہ اخبار جو ہم نے نقل کئے صحت و شہادت میں اس درجہ نہیں کہ ان پر اعتقاد رکھی کیا جائے۔ مگر ایسے بھی نہیں کہ ان میں طعن درست ہو۔ پس ان میں جو درست ہیں۔ ان پر ایمان و اعتقاد واجب ہے۔ اور جن اخبار میں کسی قسم کا وہن یا شبہ ہے ان کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اگر حدیث ہے تو اس پر ہمارا اعتقاد ہے۔ اصل حدیث میں شبہ نہیں۔ اگر غلطی ہو تو ناقل کی جانب سے ہے \*

ظہور مہدی اگرچہ خوارق و عادات سے ہے جیسی مغربی طبع آفتاب لیکن ہم نے اس خیال سے بیان کر دیا کہ اشراط ساعت جاننے کے بعد لوگوں کو اخبار مہدی کے متعلق غلطی نہ ہو۔ اور اگر اشراط ساعت کے پہلے کوئی مدعی دعویٰ مہارویت کرے تو اُس کی دعویٰ ناقابل قبول ہو، اور مسلمان اُس کے فتنہ سے محترز رہیں۔ کیونکہ زمانہ گذشتہ میں چند مرتبہ ایسا ہی فتنہ اٹھا ہے کہ فتنہ پروازوں اور ریاست خواہوں نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور چند جہلا اور نادان مسلمانوں کو اپنا پیرو بنا کر امن عامہ میں خلل ڈالا۔ آخر بڑی خواری کے ساتھ واصل جہنم ہوئے \*

## مہدی کے باب میں شیعہ کا خیال

دوسرے یہ کہ عام مسلمان اباطیل اہل تشیع کے فریب میں نہ آجائیں جنہوں نے سامانِ جہالت و عنصوبیت جمع کر رکھا ہے۔ نیز باطنیہ فرقہ کی ضلالت و گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ جو غایت درجہ بد باطن اور فریبندہ فرقہ ہے \*

منتشبعہ کہتے ہیں کہ مہدی محمد عسکری ہے۔ انہوں نے اُس کا نام



صاحب الزمان رکھتا ہے۔ وہ دو سال کا تھا کہ وفات پائی، کوئی عالم بلا کہ کوئی عقل  
اس بات پر یقین نہیں کریگا۔ بھلا اہل اسلام سے ممکن ہے کہ ایسی جاہلانہ باتوں  
پر التفات کریں۔ اور سمع قبول میں ان کی مخرقات کو جگہ دیں۔ اس قسم  
کی باتیں مدیقوں کی خرافات اور متوہات سے ہیں۔ جیسے میمون قداح اور  
ابو سعید خرازی اور اس کے بیٹا وغیرہم، ان کا ارادہ اس سے یہ تھا کہ عام مسلمانوں  
میں تفرقہ و جدائی ڈالیں۔ اور سادہ دل کینہ اوگوں کو اپنا ہم خیال بنائیں۔ اور  
احکام شرع کو اس اہی طریقہ پر ان میں پھیلائیں، اور اہل علم کو مسلمانوں کی نظر  
میں متہم اور بے وقار کریں۔

میں نے دنیا میں اس قسم سے بدتر اور نادان کوئی فرقہ نہیں پایا۔ جو  
ایسے بے حال اور بہبودہ انسانوں سے اپنا مطلب ثابت کرتا اور مسلمانوں میں  
تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔ اور منشا دعوت باطنیوں کا یہی خرافات ہیں۔ پس یہ بدو  
کو ان باتوں پر کوئی توجہ نہ کرنی چاہئے، اس واسطے کہ ان کی باتوں میں سراسر  
مخالفت احادیث صحاح اور اجماع اُمت کے دھرا ہی کیا ہے۔

اب ہم دوسرے احوال کا بیان کرتے ہیں۔ جو نو اور حالات اور معطلات  
وقائع سے ہیں۔ اور ان میں اکثر خوارق و عادات سے ہیں۔ میں نے ان حالات  
کو حدیث ابوسیرہ اور حدیث خلیفہ ابن اسد رضی اللہ عنہم میں یکجا پایا ہے،  
ان کی حدیث درست حدیث ہے، اور دوسرے احادیث میں متفرق آیا ہے۔  
ان آیات میں سے بعض وہ ہیں۔ جو قرآن سے ثابت ہیں۔ اور بعض دوسری حدیثوں  
کے ذریعہ تواتر کو پہنچے ہیں۔ بایں وجہ کہ تواتر ان کی جنس میں ثابت ہوا ہے،  
ابوسیرہ کی حدیث اسی طرح ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
غرفہ سے ہماری باتوں پر اطلاع پائی۔ اور ہماری طرف نظر کی۔ اور فرمایا۔ مَکَا  
تَذْکُرُونَ وَمَا تَسْأَلُونَ کُنْ بَاتُونَ مَا ذُکِّرْتُمْ هُوَ، اور کیا کہہ رہے ہو،  
قُلْنَا السَّاحَتَ یَا رَسُوْلُ اللہ ہم نے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ اَنْجَالِنِ تَقُوْمُ حَتّٰی تَرُوْا  
حَمَشَرَ اَیَاتِ خُسْفًا بِالْمَشْرِیْقِ وَخُسْفًا بِالْمَغْرِبِ وَخُسْفًا

بجزیرۃ العرب ویا جوج و ما جوج و دابة الارض و الدخان  
و الدجال و نزول عیسیٰ ابن مریم و طلوع الشمس من مغربها  
و ناراً تخرج من قعر عدن۔ یعنی قیامت قائم نہ ہوگی۔ جب تک اس  
کے پہلے دس علامتیں نہ دیکھ لو، مشرق و مغرب کی زمین کا دھنسا۔ اور  
جزیرہ عرب کا دھنسا۔ اور یا جوج و ما جوج کا۔ اور دابة الارض کا نکلنا ہر ہونا۔ اور  
دخان اور دجال کا ظہور، اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول اور آفتاب مغرب  
کی جانب سے طلوع ہونا۔ اور قعر عدن سے آگ کا نکلنا۔ اس حدیث میں  
ان دسوں علامتوں کو اسی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ اور صحاح میں دوسری  
ترتیب ہے۔ لیکن نفس آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور یاد رہے کہ اس حدیث میں جو دس آیتیں مذکور ہیں۔ ان کا ظہور  
اسی ترتیب سے نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ احادیث صحاح سے معلوم ہوا ہے کہ  
یا جوج و ما جوج کا خروج نزول عیسیٰ کے بعد ہوگا۔ لیکن ہم ہر ایک بیقات او  
اس کی کیفیت کا بیان بوضوح تمام کئے دیتے ہیں۔ جن کا ذکر اس حدیث میں  
آ رہا ہے۔ تاکہ اہل ایمان کے اعتقادات اس باب میں راسخ ہو جائیں اور  
ان کے قدم جاوہ اعتدال سے نہ ڈل گائیں۔

## دجال کا بیان

خوف سہ گمانہ جو حدیث میں مذکور ہے۔ ان کی بابت احادیث سے  
معلوم ہوا۔ کہ ان کا وقوع ظہور مہدی کے بعد ہوگا۔ یعنی اس وقت جب تمام کی  
شکر حضرت مہدی کے ساتھ جنگ کرنے آئیگا۔ جس طرح اوپر ذکر ہوا۔ اور بعد  
ظہور حضرت مہدی علیہ السلام کے اور فتح قسطنطنیہ کے ترویج و جال ہوگی۔  
دجال نبی آدم کی قسم کہ ایک مرد ہے۔ جو ہمیشہ سے نیچے کا۔ اس کی ایک آنکھ  
میں ٹینٹ نکلا ہوگی۔ مثل دانہ انگور پختہ کے، اور اس میں اختلاف ہے۔ کہ  
اس کی سیدھی آنکھ کافی ہوگی یا الٹی، اس باب میں کسی ایک پر قطع کرنا جائز  
نہیں۔ صرف یہ اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ یہ عورتی کسی بھی ایک آنکھ سے



اندھا ہوگا۔ حدیث میں اختلاف۔ ادیان حدیث کی غلطی سے واقع ہو گیا ہے حدیث  
کو راویوں نے خوب ضبط نہیں کیا ہے۔ اسی اسطے راستہ چپ کے قرار دے  
میں غلطی واقع ہوئی۔ ورنہ بیان نبوت ایسی متضاد باتوں سے پاک ہے۔ حضرت  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اس کی صفت بیان  
کر دی ہے۔ لیکن اس کے وقت خروج کو کسی تاریخ کا متعین نہیں کیا ہے اس حدیث سے  
کہ وہ اس کے لئے مامور نہیں تھے۔ تاہم اس کے خروج کے آثار و قرائن بتا دیئے  
ہیں اور فرمایا ہے کہ لوگ اس کے خروج کے قبل تین خشک سالیوں میں مبتلا ہوں گے  
پہلے سال معمول سے ایک ثلث کم بارش ہوگی۔ اور غلہ وغیرہ بھی ایک ثلث کم پیدا  
ہوگا۔ دوسرے سال دو ثلث کم واقع ہوگی۔ اور تیسرے سال نہ بارش ہی ہوگی۔  
اور نہ نبات ہی اگیگی۔ پس اس حال میں دجال خروج کرے گا۔ اس کے ساتھ ہدایت  
سے شبہ ہاتھ اور سحر مائے عظیم ہوں گے۔

اور حدیث میں یوں آیا ہے کہ دجال ایک قوم کو دعوت کریگا۔ تو وہ  
اُس کی خدائی پر ایمان لے آئے گی، اور حدیث میں ہے فیا مہر السماء  
فیطرۃ الارض فینبت یعنی بارش کا حکم کرے گا تو پانی برسیگا۔ اور  
زمین کو سبزہ اگلے گا حکم کرے گا۔ تو سبزہ پیدا ہوگا۔ چونکہ قوم اُس وقت  
قحط عظیم میں مبتلا ہوگی۔ پس جہاں دیکھ کر اس پر ایمان لے آئے گی، اور  
حدیث میں ہے کہ دجال چالیس روز کی مدت میں تمام زمین کو طے کرے گا۔ اور  
تمام شہروں اور دیہاتوں میں گھوم آئے گا۔ مگر مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں  
ہو سکے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ دجال کا مقام خروج مغرب ہے۔ دوسری حدیث  
میں ہے کہ وہ مشرق سے نکلیگا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ قحط کی تکلیف سے  
چار پائے ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ وہاں پر آکر کھے گا کہ اگر میں تمہارے اونٹوں  
کو زندہ کر دوں۔ تو تم مجھے اپنا پروردگار اور خدا یقین کر دو گے۔ لوگ کہیں گے ہاں  
پس شبیا طین کو ان کے اونٹوں کی صورت پر متشکل کر دیگا۔ پھر ایک دوسری قوم  
پر آئے گا۔ جن کے باپ بھائی ہلاک ہو گئے ہوں گے، ان سے بھی یہی کہے گا۔

جس کا جواب اُس کے موافق ملے گا۔ پس وہ شیاطین کو اُس کے باب بھائیوں کی صوفت پر متسلک کرے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص دجال کی صفت کا مدینہ میں ظاہر ہوگا۔ وہ لوگوں سے کہے گا کہ اگر میں ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کروں۔ تو تم مجھے پروردگار یقین کرو گے، لوگ کہیں گے ہاں۔ پس وہ ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کرے گا۔ تو وہی شخص جو اُس کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ دجال سے کہے گا کہ میں تجھے خوب جانتا ہوں ایسا کہ اس سے پہلے آگاہ نہ تھا۔ وہ پھر اس کو مار ڈالنا چاہے گا۔ تو اُس وقت اُس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اور یہ علامت ہوگی اُس کے کذب دعویٰ خدائی کی۔ اور حدیث میں ہے کہ دجال کے ہمراہ بہشت و دوزخ ہوگی۔ لیکن اس کی بہشت حقیقت میں دوزخ ہوگی۔ اور اس کی دوزخ حقیقت میں بہشت۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اُس کے ساتھ آگ اور پانی ہوگا۔ لیکن لوگ جس کو پانی گمان کریں گے، وہ آتش سوزاں ہوگی۔ اور جس کو آگ تصور کریں گے، وہ حقیقت میں آب سرد ہوگا \*

## دجال کے متعلق احادیث اور ان کا مرتبہ

دجال کی صفات و وقائع کے باب میں جو احادیث اور پرندہ ذکر ہوئیں۔ ان میں بعض ایسی ہیں جن میں اختلاف ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جن میں کوئی اشکال نہیں۔ پس ان ہر دو قسم کا بیان ضروری ہے۔ تاکہ خصمان شریعت اور مجتہدین معلومہ طبیعت عوام مسلمانوں کے اعتدال کے لئے ایک دستاویز بنالیں۔ اور دعویٰ تناقض اور علت شہرت سے اخبار غیب کو جو صاحب عالم غیب صاۃ اللہ و سلامہ نے پہنچائے ہیں۔ رد نہ کریں۔ کیونکہ ملاحدہ جو دین حق کے دشمن ہیں۔ اور فلاسفہ جو منکران اخبار غیب ہیں۔ ہمیشہ ایسے موقع کے منتظر رہتے ہیں۔ و اللہ ناہی دینہ و مظلوم حجتہ ولو کسرتہ المشرکون \*

لیکن ان احادیث میں سے جن میں نقل طریق سے اختلاف ہے۔ ایک حدیث یہ ہے کہ اُس کی چشم راست اعمور ہے۔ اور دوسری حدیث میں



و جال کی چشم چپکا اعور ہوتا مذکور ہے۔ پھر بعض نے بے تعین اس کی آنکھ کے اعور ہونے پر اقرار کیا ہے۔ پس ان ہر سہ بیانات میں صرف ایک ہی درست و صحیح ہو سکتا ہے۔ باقی غلط۔ اور چونکہ سیدھی آنکھ کے اعور ہونے کی طرف اکثر اصحاب گئے ہیں۔ لہذا ہم اسی پر اعتبار کرتے ہیں کہ وہ اعور ہے۔ اور راست یا چپ پر قطع نہیں کرتے۔ کیونکہ حجت اختلاف سے اصل بات پر جرح لازم آتی ہے۔

دوسری اختلافی بات یہ ہے کہ اُس کی مدت قیام چالیس روز ہوگی اور حدیث اسما بنت زید بن الاسلم الانصاری میں چالیس سال مذکور ہیں۔ لیکن اسما بنت زید کی حدیث صحت و شہرت اور اتفاق روایات عدول میں چالیس روز والی حدیث کے برابر نہیں۔ اس کو اصحاب بزرگ کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ اور ضرور یہ اصحاب عنبط و حنظلہ اور احتیاط میں ایک عورت سے اولیٰ تر ہیں۔ اس سبب حقیقت میں اس کی مدت قیام چالیس روز ہی ہوگی۔ چالیس سال کا ذکر ایک دہن اور بے بنیاد بات ہے۔

تیسری بات یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ دیار مغرب میں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ مشرق کی جانب سے غروب کرے گا۔ اس میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ وہ مغربی جزیرہ سے جو اُس کا محسوس ہے۔ مخلصی پاکر مشرق میں آئے گا۔ اور خراسان کی طرف سے ظاہر ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ کہ فرمایا وہ دریائے مغرب بلکہ دریائے یمن میں ہے۔ یہ ہے کہ وہ جزیرہ بحرین من بحانب مغرب ہوگا۔ اس سے مراد حضرت رسول خدا کی صرف تعبیر و جال ہے۔ اس کے ظاہر کرنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلحت نہ دیکھی ہوگی یا اُس کے پوشیدہ رکھنے میں مصلحت ہوگی۔ کشف و اظہار کو خلافت مصلحت سمجھا ہوگا۔

## و جال کی صفت میں ایک اشکال

و جال کی صفت میں ایک بڑی اشکال یہ ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ

کی اضافت اُس کی طرف ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ وصال ایک شخص کو قتل کر کے  
پھر زندہ کریگا۔ حالانکہ زندہ کرنا صرف خدا تعالیٰ کا ہی فعل و قدرت ہے،۔  
جواب یہ ہے کہ ہم نے قطعی دلائل سے سمجھ لیا ہے کہ مجبی و محبت یعنی زندہ  
کرنے والا اور مارنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔ جل جلالہ۔ اس کی اضافت  
دوسرے کی طرف محض سبب کے لحاظ سے ہے جس طرح احیاء مردگان کی اضافت  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ کی دعا احیاء کا سبب  
واقع ہوتی تھی، پس جب حکمت الہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اُس مقتول کے زندہ  
کرنے میں وصال ملعون کی مراد حاصل ہو جائے۔ اس واسطے احیاء کی اضافت حجازاً  
اُس کی طرف کی گئی۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے باوجود اس کے قصائے حاجت کے  
مردہ کو زندہ کرنے میں بھی ایک دلیل اُس کے بظاہر عوام پر قائم کر دی۔ وہ یہ  
ہے کہ وصال اُس شخص کو پس نے اُس کو زندہ بھیجے ہوگا۔ پھر مار ڈالنا چاہیگا  
تو اُس وقت اُس کے قتل پر ہرگز قادر نہ ہوگا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جب وصال  
مار ڈالنے پر جو قدرت بشر سے ہے۔ قادر نہ ہوا تو احیاء پر جو خاص خدا نے  
تعالیٰ کا فعل ہے۔ استقلالاً کس طرح قادر ہو سکتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ  
احیاء موتی اُس کے اختیار و قدرت سے ہرگز نہ ہوگا۔ لہذا احیاء کی اضافت  
اس کی طرف مجاز ہے۔ ورنہ حقیقت میں نہ اُس پر قادر نہیں۔

## ایک اور شکل

ایک اور اشکال یہ ہے کہ جب یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ مدعی نبوت کی  
کسی ایسے فعل سے جس کی مثل سے مخلوق عاجز ہو۔ مدد کرے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا  
ہے کہ احیاء مردہ سے مدعی ربوبیت کی مدد کرے، اور مردہ کا زندہ کرنا اُس کے  
اختیار میں دیے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کا دعویٰ ایسا امر کے  
متعلق ہوتا ہے جس کا وجود بشر میں ممکن ہے۔ اُس کے صدق و کذب کا  
علاہہ خدا کو ہی ہونا ہے۔ لہذا ہر اُن کے دعویٰ کو چھوٹا کرنے کی دلیل نہیں ہوتی



پس اگر کوئی دلیل مدعی نبوت کے سچا یا جھوٹا کرنے کی ہے۔ تو یہی کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی ایسی دلیل یا ایسا فعل خارج عادت پیش کرے جس کے جواب اور مقابلہ سے اُس زمانہ کے لوگ یا تمام خلق عاجز و درماندہ ہو۔ پس اگر مدعی نبوت کی دلیل یا فعل اُس کے کہنے کے مطابق ظاہر ہوا۔ تو اس کی نبوت کے برحق ہونے میں کلام نہیں۔ اور اگر اُس کے خلاف ثابت ہوا تو مدعی نبوت کا دسیہ بھانپ جائے گا۔ جو یہ دلیل ہی شناخت و تمیز نہیں جادتی و کاذب کے ذریعہ ٹھہری۔ تو ظاہر ہوا کہ جھوٹے مدعی نبوت کی امداد اُس کی نبوت میں منجانب اللہ کبھی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہو تو اُس کی نبوت کے سچا ہونے میں کوئی شک نہ ہے۔ اور جھوٹے نبی کو جھوٹا سمجھنے میں بڑی سخت و تپش آئے۔ اور داعی ایمان کی داعی کفر سے تمیز نہ ہو سکے۔ اور یہ اقتضائے حکمت الہی سے بعید ہے۔ تو یاد رہے کہ جھوٹا مدعی نبوت کی امداد معجزہ کے ذریعہ ہرگز اور کسی نوع جائز نہیں ہے۔

اور یہ بات مدعی ربوبیت میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایسے امر کا دعویٰ کرتا ہے جس کی نظیر اُس کے امثال میں مستحیل ہے۔ اگر مدعی محدث ربوبیت کی قابلیت رکھتا تو تمام محدثات بھی اس قبیل سے ہوتے، اور محدث فی نفسہ دلائل حدوث اور امارت ضعیف سے کسی وقت متنازع نہیں ہے۔ پس یہی حالت اُس کے کذب و عجز کی نشاۃ ہے۔ بالخصوص مجال میں تو یہ بات بطور اولیٰ موجود ہے۔ اس لئے کہ وہ مرتبہ بشریت میں بھی نقصان رکھتا ہے۔ اور کسی ذی نعم سے پوشیدہ نہیں کہ وہ اگر اپنے دعویٰ ربوبیت میں صادق ہوتا۔ اور حقیقتاً احیا نفس اس کی قدرت میں ہوتا۔ تو بطریق اولیٰ اپنی چشم کور کے روشن کرنے پر قادر ہوتا۔ چنانچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں و مجال کے باب میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو انبیائے سابقین میں سے کسی نے بیان نہیں کی۔ اَلَا شَہُ اَعُوذُ وَاِنَّ دَشْکُ لَیْسَ بِاَحْسَنِ رِیاءٍ وَرُکَّہُ کہ وہ آج ہے۔ اور تمہارا پورا دھڑا نہیں ہے۔ اس حدیث میں اس باب اشارہ ہے کہ ایک ایسا بشر جو مرتبہ بشریت میں بھی کمال و کمال

نہیں رکھتا۔ رب ہونے کی کیونکر قابلیت رکھ سکتا ہے۔ رہی دجال کی تسلیط و تمکین۔ تو اس میں یہ حکمت ہے کہ انسان اپنی عقل سے جان لے کہ وہ کاذب ہے۔ اور اُس کے فتنہ سے سالم و سلامت رہے۔

ہماری اس تقریر کے بعد مخالفین و منکرین کو ہرگز عوام مسلمانوں کو فریب دینے کی جرأت نہیں رہے گی، ہم نے دلائل قاطعہ اور حدیث نبوی سے ثابت کر دیا ہے کہ دجال کے باب میں جو اشکال وارد کی جاتی ہیں۔ وہ چند اں پائدار و مستحکم نہیں ہیں۔ اور یہ کہ اُس کے جواب نہایت آسان ہیں۔ بات یہ ہے کہ خروج دجال اور اُس کے تسلط میں خدا کی جانب سے بندوں پر ایک ابتلاء عظیم ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس میں اُس کی کیا حکمت ہے۔ انسان کو کیا مجال کہ بدوں اُس کی توفیق کے اُس کی غیب اور پوشیدہ حکمتوں کے راز کو معلوم کر سکے۔ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ فِي خِلَافِهِ بِمَا يَشَاءُ۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

دجال لعین کے خروج اور اُس کے فساد فی الارض کے بعد حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ افضل الصلوٰۃ آسان سے نزول فرمائیں گے، جناب نبی کریم سے پسند صحیحہ ثابت ہے کہ قریب ساعت کے وقت جناب عیسیٰ علیہ السلام سے نزول فرما کر دجال کو قتل کریں گے، اور زمین کو دجال اور اُس کے متبعین کی خباثت و فساد سے اور یہودیان بے دین کی ناپاکیوں اور گندگیوں سے جو حضرت عیسیٰ کے قتل کرنے اور مصلوب ہونے کے مدعی ہیں۔ پاک کریں گے۔

حضرت عیسیٰ کے نزول میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ جب انقرض عالم کی مدت قریب ہوگی تو چونکہ عیسیٰ نبی آدم سے ہیں۔ (اُن کو خدا نے کفار کے شکر سے بچا کر ایک مدت معین کے لئے آسمان پر اٹھا لیا ہے) اور کوئی انسان آسمان پر قوت نہیں ہوگا۔ بلکہ زمین پر مریگا۔ چنانچہ فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ

اے ہم نے اس مٹی سے تم کو پیدا کیا۔ اور اس مٹی میں تم کو پسائیں گے۔ مدد و سروری بار اس مٹی سے تم کو نکالیں گے۔



وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ هِیَ جَب حَضْر  
عیسیٰ کی اجل مقررہ اختتام کو پہنچے گی، تو اللہ تعالیٰ اُن کو زمین پر نازل کرے گا  
تاکہ موت انہیں زمین پر پالے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی۔  
انہیں ساحر و جادوگر بتایا۔ اور اُن کے قتل کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ نص قرآنی  
سے یہ امر ثابت ہے، اللہ تعالیٰ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا  
اُن کے صفو و حال پر رستم مذلت کھینچے گا۔ اور حضرت عیسیٰ کے نزول کے ذریعہ  
دین حق کو عزیز فرمائے گا۔

یہودیوں کی سلطنت زمین کے کسی حصہ پر نہیں، وہ ہمیشہ ذلیل و  
خوار رہے۔ اور اس امر کے منتظر کہ انہیں فرصت ملے۔ سچ اللہ کہ انہیں کبھی  
فرصت و فراغت امور دینی میں نصیب نہ ہوگی، حتیٰ کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام  
نزول فرمائیں گے۔

جب دجال لعین ظاہر ہوگا۔ تو یہ خبیث اُس کی متابعت کریں گے۔ او  
اور شومی تکذیب مسیح ہادی کے سبب جس کی تصدیق واجب ہے۔ اور اُس کے  
معجزہ کو سحر کے ساتھ تعبیر کرنے کی بدبختی کے بدلہ میں سحر دجال کو قبول کر لیں  
پس اللہ تعالیٰ اُسی برگزیدہ بندہ کو جس کی یہ تکذیب کرتے تھے۔ ایسے وقت  
میں جب اُن کا خیال تھا کہ اب ہم نے فرصت حاصل کر لی۔ اب ہمیں چاہئے  
کہ مسلمانوں اور دینداروں سے انتقام لیں۔ یہودیوں کی تخریب اور ہلاکت  
کے لئے بھیجے گا۔ اور اس طرح وہ اس کی ذات مقدس کی ہلاکت کا دعویٰ  
کرتے تھے۔ اُس کے ہاتھ سے اُن کو ہلاک کرادیگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موافق نص قرآنی اور احادیث نبوی کے  
ایمان لانا چاہئے، اور یہ بھی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام  
آسمان سے نزول کریں گے۔ تو وہ احکام شریعت غرائے محمدی کے تابع ہونگی  
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام خلافت کی طرف  
مبعوث کیا ہے۔ پس واجب ہے کہ اُس وقت حضرت عیسیٰ اپنی شریعت

سے درگزر کر کے شریعت میری کے تابع ہوں۔ اس معنی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت  
 اُن کے رفع الی الشان تک محدود تھی۔ اس کے بعد جب شریعت نبوی صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی اشاعت ہوئی۔ تو تمام انسان جن پر آپ کی شریعت کی  
 متابعت و اطاعت واجب ہو گئی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیا ہیں۔ آپ کے بعد  
 کسی نبی کا ہونا ممکن نہیں۔ اگر کوئی مدعی دعویٰ کرے تو باطل ہے۔ آپ نے  
 خود فرمادیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ حُتِّحَرِّی النَّبِیُّوْنَ اَبَیْتُ  
 تو واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اُس وقت نبی نہ ہوئے، اُن کا اصل کتابِ سنت  
 پیغمبر آخر الزمان کے موافق ہوگا۔ اور اسی معنی میں فرمایا آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم نے لو کان مٹو سالی حیا ما وسعہ الا اتباعی  
 کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری متابعت کے بغیر جان  
 نہ ہوتا۔

اگر سوال کیا جائے کہ حدیث نو اس بن معان میں بعد وصف و حال  
 اور اُس کے ہلاک ہونے کے آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کی ایت فرمایا۔ یَقْتَرُ  
 یَا بَ الدَّارِ کہ وہ انصاف کا دروازہ کھولیں گے۔ کَمَا فِی اَصْلِ الْحَدِیْثِ  
 اور اسی حدیث میں حضرت عیسیٰ کو نبی اللہ کہا۔ اور وہ دوسری جگہ فرمایا فِی رَجَبِ  
 نَبِیِّ اللہ اس پر حضرت عیسیٰ کی نبوت ثابت ہے۔ اور تم اُن سے نفی  
 نبوت کرتے ہو۔

جواب یہ ہے کہ ہم وحی شریعت کی نفی کرتے ہیں نہ الہام الہی کی۔ اور  
 ہم آخر زمانہ میں یعنی آنحضرت کے بعد حکم نبوت کی نفی کرتے ہیں نہ اُمم نبوت  
 کی۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو نبی اللہ کہتے ہیں۔ اور نیز دوسرے انبیا کو باعتبار  
 شرف کے نبوت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس معنی سے حضرت عیسیٰ کو بھی  
 نبی اللہ کہا گیا۔ کیونکہ وہ واقعی نبی ہیں۔ اگرچہ اُس وقت اُس کی نبوت کا  
 حکم منقطع ہو گیا ہے۔ اسی اعتبار سے دوسرے انبیا کو بھی نبی اللہ کہتے ہیں  
 اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے۔



## خروج یا جوج و ماجوج

بعد نزول عیسیٰ و ہلاکت دجال اور اُس کے تابعین کے خروج یا جوج و ماجوج ہوگا۔ اور یہ نسل بنی آدم سے دو قسم کے لوگ ہیں۔ جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ اُن کی زیادتی سے مَوتے زمین کا کوئی حصہ بلکہ کوہ و دھاموں تک خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ حَتَّىٰ اِذَا فُتِحَتْ يَابُجُوجُ وَ مَا جُوجُ وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَذْبٍ يَنْسِلُوْنَ مراد فتح یا جوج و ماجوج سے اُن کی دیوار کا کھلنا ہے جس میں وہ محصور ہیں۔ اور جس کو فدا القربین نے اس لئے بنایا تھا کہ خلق خدا اُس کے فساد و فتنہ سے محفوظ رہے۔ یا جوج و ماجوج کی اصل حقیقت یہی ہے۔ اس کے خلاف تاویل کرنا گمراہی و ضلالت ہے۔ یا جوج و ماجوج کے خروج کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مومنین کے ہمراہ کوہ طور میں سترہویں ہونگے۔ جس وقت آپ کو ان کے فساد کی خبر پہنچے گی۔ تو آپ اور آپ کے ہمراہی جملہ اہل ایمان یا جوج و ماجوج کی ہلاکت کے لئے جناب باری میں دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر پرست دعائے عیسیٰ اور اُن کے ہمراہین کے سب کو عارضہ طاعون میں نفا کرے گا۔ طاعون ایک مرض ہے جس میں مریض کو شدت کا بخار چڑھتا ہے۔ اور اکثر وقت بن گوش زبر نفل اور بن ران میں سے کسی ایک جگہ یا سب جگہ گلٹیاں نمودار ہوتی ہیں۔ یہ مرض نہایت مہلک لا علاج اور خالق خدا پر ایک عام مصیبت ہے اَعَاذَنَا اللّٰهُ وَ جَمِيعُ الْمُسْلِمِيْنَ بِمِنِ السَّاطِعُوْنَ بِحُسنِ التَّوْبَةِ وَ اِلٰہِ الْاَنْجَاد۔ (امین) ۵

## مغرب سے طلوع آفتاب

اثر طاعون میں سے ایک بڑی شہ طاعون یا آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوتا ہے۔ اور مراد اس آیت سے یہی ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّاتِيَهُمُ الْمَلَاٰئِكَةُ بِكُمْ اَوْ يَّاتِيَتْ بَعْضُ الْاَيَاتِ كَمَا يَكُنِ اِس

اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے یا تیرے پروردگار کی بعض آیات آئیں۔ مراد یقیناً آیات ربک سے آفتاب کا جانب مغرب سے نکلنا ہے۔ اور یہ امر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا۔ اُمّت کو جناب نبی کریم سے ایسا ہی پہنچا ہے۔ اس کا منکر کا فر ہے۔ اس لئے کہ اس سے قول پیغمبر کی ترویج پائی جاتی ہے۔ اور تصدیق ان تمام باتوں کی جو نبی صادق و صدوق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہیں پہنچیں ہم پر واجب ہے۔ اگرچہ وہ مخالف عقل اور خلاف معقول و معبود ہوں۔ اور یہ نشانی بھی انہیں امور سے ہے، اس پر بھی جو شخص اس بات کو مستحکم جانے۔ اگر وہ دیندار ہے تو اس کو اپنے دین کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ جب اپنے دین میں دیکھے کہ بعد حشر خلافت کے آفتاب کو بلندی سے پستی کی طرف پھینک دیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ جب آفتاب کو مع تمام افلاک کے لپیٹ لیں گے۔ تو اُسے چاہئے کہ طلوع آفتاب از جانب مغرب کو بھی مستحکم خیال نہ کرے۔

انسان جب پانچ ستاروں، زہرہ، مشتری، عطارد، مریخ اور زحل کی طرف نظر کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے سیر و رفتار کی ایک حد اور وضع مقرر فرمادی ہے کہ وہ کسی حالت میں اپنی حد اور وضع سے تجاوز نہیں کرتے، پس اسی طرح خدا تعالیٰ قیامت کے قرب میں آفتاب کی حرکت و سیر کو پھرا دیگا۔ اور بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے طلوع فرمائے گا۔ لیکن یہ بات اتنی ہے کہ ستاروں کی رفتار و سیر کا علم لوگوں پر اُس وقت ظاہر ہے، اور اقتراب ساعت کے وقت طلوع آفتاب از جانب مغرب کا حال و علم اُس نے کسی حکمت سے بندوں پر ظاہر نہیں فرمایا۔

آفتاب کی رفتار بدل دینے میں منجملہ ہر بت سی پوشیدہ حکمتوں کے ایک حکمت یہ ہے کہ جب انتظام ترکیب عالم فساد کو پہنچے گا۔ اور لوگ بُرائی و بدی پر مصر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس بڑی آیت کے ذریعہ مخلوق کو متنبہ فرمائے گا کہ نقص ترکیب عالم اس پر آسان و اکتون ہے۔ اور یہ کہ دنیا کا کام انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ اور یہ کہ قیامت کے باب میں جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے خلق



خدا کو پہنچا یا ہے۔ تمام درست و سچا ہے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب اس شہر ط  
شامت ایک ایک آخر زمانہ میں ظاہر ہوگی۔ اور لوگ اسی طرح پاری و صلاحت  
پر قائم رہیں گے، تو یہ آریہ کریمہ برای الدین ان پر ظاہر ہوگی۔ اس عقوبت میں کہ  
جب ایمان بالغیب با اثر نہیں رکھتے۔ تو اس باطنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ لیکن  
اس وقت کا ایمان مطلق مفید نہ ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ یَوْمَ یَأْتِ  
بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ  
مِنْ قَبْلُ یعنی جس دن تیرے رب کی بعض آیات ظاہر ہوں گی۔ تو کسی  
شخص کو اس کا ایمان لانا اس وقت نفع نہ دیگا۔ جو اس سے پہلے ایمان  
نہیں لایا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ رات جس کی صبح کو آفتاب مغرب  
طلوع کریگا۔ نہایت دراز ہوگی۔ لیکن اُس کی ورازی سولے تہجد گزاروں کو  
اصحاب اوراد کے کسی کو محسوس نہ ہوگی۔ جب یہ لوگ اپنی عبادت و اوراد سے  
قانع ہو کر منتظر صبح کے ہونگے، مگر صبح نمودار نہ ہوگی۔ اُس وقت اُن کی حیرت  
کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ اور گہرا کر پھر طاعت و خیر میں مشغول ہو جائیں گے۔  
پھر صبح کا انتظار کریں گے۔ اور جب صبح کا طلوع نہ ہوگا۔ تو خیال کریں گے کہ  
کوئی امر عظیم اور حادثہ جہم ظاہر ہونے والا ہے۔ لہذا دعا و استغفار میں  
سر بسجود مصروف ہونگے کہ اتنے میں جانب مغرب کے آفتاب طلوع کریگا۔ اس  
حال میں کہ نور و روشنی سے بالکل خالی ہوگا۔ اور تمام لوگ اُس کو مشاہد کریں گے  
یہی وہ وقت ہوگا کہ کفار کا ایمان اُن کو مستطیع نہیں نہ ہوگا۔ اور حدیث  
کے مطابق آفتاب صرف ایک دن مغرب سے نکلے گا۔ یہی درست ہے  
اس میں شک نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آفتاب متوازی تین دن تک  
مغرب سے نکلے گا۔ پھر اپنی عادت محمود کے مطابق مشرق سے نکلتا رہیگا۔  
اور باقی ایام دنیا تک اُس کا طلوع و غروب اسی طرح معمول ہوگا۔  
رات کے دراز ہونے کا بظاہر یہ سبب ہے کہ جب مغرب سے  
آفتاب کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہوگا۔ تو آفتاب نازل سے مستوری

چاہے گا۔ اُس کو اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور حکم ہوگا کہ جس رستہ سے آیا ہے اسی رستہ سے پلٹ جا۔ اور آیت یٰٰذَا بَیِّنَاتٌ لِّبَعْضِ الْآيَاتِ دَلِيلٌ کی تائیل میں علمائے ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض ظاہر آیت پر تمسک کر کے کہتے ہیں کہ مغرب سے طلوع آفتاب کے وقت کسی فرد بشر کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ یعنی جو شخص مغرب سے آفتاب طلوع ہونیکے پہلے توبہ کر چکا۔ اللہ اُس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

دوسری حارث میں ہے۔ لَا يَنْقُطُ مِنَ التَّوْبَةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا توبہ منقطع نہ ہوگی۔ جب تک آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع نہ کرے، ان کے سوا اس معنی میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں یہ حکم ان لوگوں کے لئے وارد ہے۔ جنہوں نے اس آیت کا مشاہدہ کیا۔ اور بعد مشاہدہ کے ایمان لائے۔ لیکن وہ اصحاب جو اس آیت کے ظہور کے بعد پیدا ہوئے۔ یا اس آیت کے وقت مکلف نہ تھے۔ اور حدیث کو نہیں پہنچے تھے۔ اس آیت کے حکم سے خارج ہیں۔ (یعنی توبہ ان کے حق میں مفید ہے) اور اصول دین کا اقتضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یسندوں کو ایمان کی طرف دعوت کرے۔ اور وہ قبول کر لیں۔ تو ان کا ایمان احتیاطی نہ ہوگا۔ ضرور قبول ہوگا۔ مگر جب یہ کہیں کہ اس آیت کے بعد دنیا کی بارت مقتضی ہو جائیگی) اور میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے جو عمر رسیدہ اور بوڑھا ہوگا۔ سوال کرے گا کہ تم کب پیدا ہوئے۔ تو وہ جواب میں کہے گا۔ اُس وقت جب آفتاب مغرب کی طرف سے نکلا تھا۔

اور اس امر کی دلیل کہ یہ حکم انہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اس وقت بحالت بلوغ مکلف بالشرع تھے۔ اور باوجود اس کے ایمان نہیں لائے۔ یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کی پہلی علامت مغرب سے طلوع آفتاب ہے۔ تو لامحالہ خروج و قبال اس کے بعد ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ



کا نزول حُج دجال کے بعد ہوگا۔ اور زمانِ عیسیٰ علیہ السلام میں ایمان مقبول ہے۔ پہلی اس آیت کے ذرائع من اهل الكتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ اور کوئی اہل کتاب سے نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لائے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ ایمان تو لائینگے مگر مقبول نہ ہوگا تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ حبشیہ کو موقوف کریں گے۔ یضَع الجزیۃ اور اس کے یہ معنی ہیں کہ لوگ ایمان لانے پر راضی ہونگے۔ جزیہ دینے پر راضی نہ ہونگے۔ پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ مراد اس آیت سے کہ آیاتِ سماوی میں سے پہلی آیت مغرب سے آفتاب نکلتا ہے یعنی پہلی آیت جو اختلالِ نظامِ افلاک و ستارگان سے مشاہدہ ہوگی۔ وہ یہ آیت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بیشک اس کا احتمال ہے۔ لیکن حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ تین چیزیں ہیں۔ جب وہ ظاہر ہو جائیں گی۔ تو کافر کے لئے ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔ اول مغرب سے آفتاب نکلتا۔ دوسرے دجال کا خروج۔ تیسرے دابة الارض کا پیدا ہونا۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ خروجِ دجال نزولِ عیسیٰ سے قبل ہوگا۔ اور ہم بدلائل یہ بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں ایمان مقبول ہوگا۔

اگرچہ یہ پہلی وجہ پر ترجیح رکھتی ہے۔ تاہم کسی ایک بات پر حزم اور قطع کر لینا درست نہیں۔ کیونکہ اس باب میں کوئی بھی ایک نقل جو موجبِ علم نہ ہوئی ہو نہیں دیکھی گئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ پہلے کس آیت کا ظہور ہوگا۔ صرف اتنی بات احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں آفتاب مغرب سے طلوع کریگا۔ اس وقت ایمان مقبول نہ ہوگا۔ مگر اس کے وقت کے متعلق ہم کو یقینی علم نہیں۔ احتمال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پہلے ہو یا ان کے بعد جب ان کے تمام ہمراہین اور مطیعین وفات پا جائیں۔ اور خلق سے تارہ فساد و فسادِ شرارت منطقی نہ ہو۔ بلکہ لوگ اسی طرح فساد و عناد پر ستم رہیں۔ تو غضبِ الہی جوش میں آئے۔ اور ان کو عذاب دینا ضرور ہو۔ اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے۔ پھر ان کا ایمان مقبول نہ ہو جس طرح دوسری امتوں کو ایمان باس مقبول نہیں۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُ قَوْمًا ذُفْرًا سَمًّا رَأَوْا بِكَ سَدَّ يَحْنِي أَنْ كَوَانِ كَمَا إِيَّانِ  
لَا نَأْفَعُ زَنْجِي كَمَا جَبَّ أُنْهَوْنَ فِي هَمَارِ عَذَابٍ وَيَكُونُ لِيَا - سَدَّتِ اللَّهُ السَّقَى قَدْ  
خَلَّتْ وَخَسَّ هَذَا لَكَ الْكَافِرُ دُونَ

وابتداء الارض كان مائتاً

ایک اور نشانی زمین سے دابۃ الارض کا نکلنا ہے۔ جو نصی قرآنی سے ثابت ہے۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی فَاِذَا اَوْقَعَ الْقَوْلُ عَلٰی رُءُوسِهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً اُكْرَهُنَّ تُكَلِّمُهُمْ عَنْهَا يَعْنِيْ جِب ہمارا عذاب اُن پر واقع ہوگا۔ تو ہم اُن کے لئے دابۃ الارض نکالیں گے۔ جو اُن سے کلام کریگا۔ جیسے ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کو پتھر سے نکالنا تھا۔ دابہ اور اُس کے حالات میں اخبار کثیر وارد ہیں۔ لیکن اس وجہ سے کہ وہ معتد اور موجب علم ضروری نہیں۔ ہم اس بیان سے درگزر کرتے ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں پر اتنا واجب ہے کہ وہ زمین سے دابۃ الارض کے نکلنے اور اُس کے گویا ہونے کا اقرار کریں۔ اور یہ کہ وہ انتراب ساعت کے وقت خروج کریگا۔ حدیث میں ہے کہ دابۃ الارض کا نکلنا اور مغرب سے آفتاب کی طلوع ہونا قریب قریب ہوگا۔ یعنی ایک نشان کے ظاہر ہوتے ہی دوسرا نشان ظاہر ہوگا۔ اور یہ دلیل ہے اس تاویل کی جو اوپر بیان ہوئی۔ کہ آفتاب کے مغرب سے نکلنے کو سماوی آیات کے لحاظ سے پہلی آیت کہنا مناسب ہے۔

درخان کا خطا ہرگز

ایک اور نشانی وہاں ہے، اور وہ ایک گھٹا ٹوپ اندھیرا کھٹنے والا  
 وہو اں ہے۔ جو آسمان سے زمین تک تمام چیزوں کو گھیر لیگا۔ جس سے لوگوں  
 کا دم گھٹنے لگے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ یَوْمَ يَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ  
 حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہاں کی غلامت رسول خدا  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اندر گئی۔ اُس وقت ایک سخت قحط پڑا تھا۔



جس سے کفار زمین پر دھواں دیکھتے تھے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِتَاوِیْلِهِ ۔

## آگ نکلتا

ایک اور نشانی قصر عدن سے آگ کا نکلنا ہے جس کی روشنی موانع شام تک پہنچے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آگ لوگوں کو مقام رست خیز میں لے جائیگی۔ ایک روایت میں قیامت گماہ کا ذکر ہے۔ اور جہاں کہیں آگ رہینگے۔ یہ بھی اُن کے ساتھ رہے گی۔ رات میں کسی وقت اُن سے جدا نہ ہوگی۔ احادیث درست اُس پر ایمان لانا ثابت ہے۔ لیکن یہ حدیث چند طریق پر مرذی ہے کہ اُس کے بعض حصوں پر اشکال وارد ہوتی اور بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اُس پر صحیح طریق پر تقریر کرنا درست ہے۔ تاکہ کوئی مبطل عام مسلمانوں پر کوئی شبہ پیدا نہ کرے۔ اور اپنے عقائد فاسدہ کے پھیلانے میں اس کو ایک وسیلہ نہ گردانے ۔

## احادیث خرج نار میں ایک اشکال

اشکال یہ ہے کہ ایک حدیث میں قصر عدن کی آگ کو آخر آیت کہا گیا ہے ایک روایت میں میں سے اُس کا نکلنا بیان ہوا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ نَارٌ تَخْشَعُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ۔ یعنی قیامت کی شرط وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لیجائے گی۔ اگرچہ لفظ اول و آخر میں روایت سے غلطی واقع ہونا مستبعد نہیں ہے (یعنی ممکن ہے کہ راوی اول کی جگہ آخر یا آخر کی جگہ اول کہہ گیا ہو) لیکن چونکہ دونوں حدیثیں درست ہیں۔ اور ایک ہی خبر میں جناب نبی کریم سے اختلاف واقع ہوتا رہا نہیں پس صواب یہ ہے کہ دونوں ثبوت کو اس طور سے صاف کر دیا جائے کہ اُن میں تناقض نہ ہے۔ لہذا۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں دو واقعات علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی وہ آگ جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اٹھا لیجائے گی

اور جس کو اشراط ساعت کی پہلی شرط فرمایا ہے۔ یہ دوسری آگ ہوگی۔ اور وہ آگ جو قعر عدنان سے نکلے گی۔ اور جس کو آخر آیات فرمایا ہے۔ یہ دوسری آگ ہوگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موتی کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ میں سے نکلنے والی آگ جو آخر آیات ہے حقیقت میں آگ ہوگی۔ اور دوسری آگ جو اول اشراط ساعت ہے۔ مراد اس سے فتنہ اتراک ہوگا۔ کہ ہمارے زمانہ میں ظہور کریں گے، اور لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف کھینچ لے جائیں گے عایت شدت فتنہ اور خلق کے ہلاک ہو جانے اور شہروں کے متاسل ہو جانے کے سبب اس کو آگ سے تشبیہ ہی گئی ہے۔ چنانچہ قاعدہ ہے کہ غرب حرب کو آگ سے تشبیہ کرتے ہیں۔ اور پھر اس قوم کا فتنہ تو حقیقت میں آگ کی طرح شہروں کو خراب کرنے والا اور مخلوق کو تباہ کرنے والا ہوگا۔ جس سے دنیا چیخ اٹھے گی۔

اگر سوال کیا جائے کہ اشتقاق قرآن اول اشراط ساعت ہے اور وہ زمانہ رسول میں ظاہر ہو گئی۔ ائمہ حدیث ابن مسعود سے تسک کرتے ہوئے کہتے ہو۔ کہ دخان کا واقعہ زمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گذر گیا۔ تو قیامت کی پہلی شرط یہ ہوئی۔ پھر وجہ اس حدیث کی کہ احوال اشراط الساعۃ نارا یحشر الناس من المشرق الى المغرب کس طرح ہوگی۔

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اشراط ساعت متعدد ہیں۔ بعض ان میں سے وہ ہیں۔ جو زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ظاہر ہو گئیں۔ بعض وہ جو آپ کے بعد ظاہر ہوئیں۔ اور آخر زمانہ میں جب اُمرت کے احوال میں تغیر و تبدل اور فساد و خرابی واقع ہوگی۔ اُس وقت متعاقباً اور متوالی ظاہر ہونگی۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ وایات یتتابع کتتابہم النظم قطع سلسلہ تو اس آگ کی علامت کہنا اس لحاظ سے ہے کہ یہ پہلی آیت ہوگی، ان آیات سے جو آخر زمانہ میں وقت تغیر و تبدل احوال خلایق کے ظہور کریں گی۔



اور اس حدیث میں کہ ایک آگ بین سے ظاہر ہوگی۔ اس جہت سے اشکال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ جب تک دس آیتیں ظاہر نہ ہوں۔ قیامت قائم نہ ہوگی، ان میں سے ایک قرع آتش ہے۔ قعر عدن (بین) سے پھر اس حدیث میں فرمایا کہ یہ آگ خالق کو مقام محشر میں لیجائے گی۔ ثقیل معہم حیث ما قالوا وبانت معہم ایما بآتوا یہ حالت تو حشر کے بعد ہوگی۔ اور حشر بعد قیامت کے ہوگا۔ پس اس آگ کو اشرط ساعت سے کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ شرط کا ساعت پر مقدم ہونا ضرور ہے۔ ہم کہتے ہیں احتمال ہے کہ وہ آگ بین سے ظاہر ہو جائے اس کے بعد حشر قائم ہو۔ اور آگ حشر کے بعد تک اپنی حالت پر رہے۔ پھر اسی آگ کو اہل شقاوت کا سائق کر دیا جائے کہ انہیں دوزخ میں لے جائے۔ اور زمین محشر تک کسی جگہ ان سے جدا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ وَ تَحْشُرُ بَقِيَّتَهُمُ النَّارَ وَ ثَقِيلٌ مَعَهُمْ حَيْثُ مَا قَالُوا وَ بَانَ مَعَهُمْ أَيْمَانُ مَا قَالُوا وَ تَصْبِعُ مَعَهُمْ حَيْثُ أَصْبَحُوا وَ تَمْشِي مَعَهُمْ حَيْثُ مَشَوْا۔

اشرط ساعت کے یکے بعد دیگرے ساعت بعد ساعت اور نزول بعد نزول ظاہر ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے امارات و آثار مرگ و ممیدم بیمار پر ظاہر ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ توبہ کرے۔ اور خدا کی طرف رجوع لائے اور افعال بد سے تائب ہو۔ اور استعداد موت حاصل کرے۔ اور حق و حقیقت سے بچا لائے۔ یہی حال اشرط ساعت کا ہے۔ تاکہ لوگ علامات قیامت دیکھ کر توبہ کریں۔ اور اپنی باقی زندگی میں مستعد تقائے ربانی ہوں۔ اور امید اپنی اس وارفتا سے اٹھادیں۔ اور اہل ایمان یہ آیات دیکھ کر مؤید بزیاوتی یقین ہوں۔ اور جو کچھ بحکم خدا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور منکرانِ بعثت و نبوت

سے جہاں وہ اوپر کو آرام کریں گے۔ وہ بھی وہیں ٹھہریں گی۔ اور جہاں وہ رات کو سوئیں گے۔ تو وہ بھی وہیں رات گزاریں گی۔

یَرْحِمُهُ قَاتِلُهُ قَاتِلُهُ هُوَ - وَادُّدُ يُجَكِّدُ فِي خَلْقِهِ مَا يَشَاءُ وَابْقَعِلْ مَا  
يَسِيدُ وَهُوَ حَسْبُنَا وَنَحْمَدُ الْوَكِيلَ \*

~~~~~

تیسرا باب

اعتمادی مسائل کے بیان میں بحسب کتاب و سنت

و جمیع اُمت

اس باب میں چند ایسے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن سے واقف
ہونا نہایت ضرور اور اصول دین سے ہے۔ اور ان کے نہ جاننے سے
مطلقہ بدعت و ضلالت میں اور مسالک فتن و ہلاکت میں گرنے کا خوف
ہے۔ اس کو دس فصلوں میں ایسے عمدہ طریق پر علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے
کہ اس کے سمجھنے میں مطلق وقت نہ ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے مسائل
امارت اور احکام و قضایا متعلق ہیں۔ اور اسی سے صلاح و فساد اُمت
متوفا ہے۔ *

پہلی فصل

جو ابامرت کے بیان میں

امارت کے وجوب میں حسب ذیل دلائل پیش کئے جاتے

ہیں۔ *

وجوب امامت کے وجوہات و دلائل

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اتباع و حقوق، امامت حدود، امر معروف، نہی منکر، ظالم سے داد و مظلوم لینے، دشمنانِ خدا و رسول کے ساتھ جہاد کرنے، بیضہ اسلام کو انتشار و فساد اور غلبات و دشمنی سے نگاہ رکھنے، مسلمانوں کے دما و خرچ اور اموال کی محافظت کے لئے فضیلتِ ولایت مقرر و قائم کرتے، خداوندانِ اموال سے پوری زکوٰۃ لینے اور مستحقین کو پہنچانے۔ خراج و محاصل وصول کر کے مسلمانوں کو مصالح دینی و دنیوی میں صرف کرنے وغیرہ وغیرہ میں سعی و بلیغ کرتے رہیں۔ اور کبھی اور کسی وقت اس فرض سے غافل نہ ہوں۔ پھر یہ کام ایسے ہیں جن کا نفاذ و اجرا بدولت ایک ایسے امام کے مقرر کئے جس کے نسب تعین پر اہل اسلام متفقہ الکلمہ ہوں۔ اور جو ان احکام کی تہید اور ان قضایا کی تمییز کی پوری قدرت و صلاح رکھتا ہو، نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ انسانی رائیں باہم مختلف اور ان کی خواہشات و ہوا یا تنوع اور متعید ہیں۔ پس ان کے نفوس بے رجز و راجد اور بغیر حاکم ظاہر کے جو انہیں کی اتفاق رائے سے قائم و منسوب ہو۔ ہرگز سب سے رستہ پر نہیں رہ سکتے۔ اسی واسطے بندوں پر اور بالخصوص اہل علم پر واجب ہوا کہ جناب نبی کریم کی وفات کے بعد اس امر پر قیام اقدام کریں۔ کیونکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر اہم پر اپنے سامنے کسی کو مقرر نہیں فرمایا۔ اور انصرام امور اہل اسلام کا اصحابِ رائے پر چھوڑا۔ تو مسلمانوں کو چاہئے کہ جس شخص کو دینی و دنیوی اور سیاسی امور میں ممتاز دیکھیں اس کو اتفاقِ باہمی سے اپنا امام مطاع اور مرجع امور قرار دیں۔ تاکہ ادا سے فرائض کے طریق اور نفاذ امور میں کوئی دوگت نہ رہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ خدا تعالیٰ نے بندوں پر کوئی کام فرض کیا ہو اور اس کے ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ نکالی ہو۔ جناب رسول خدا کے بعد ہر وقت اس کا یہی حکم ہے۔ اور اگر امام برحق جس کو باستحقاق شریعی

امامت پہنچی ہو، اپنا جانشین کسی دوسرے شخص کو کر دے۔ (اگر میرے بعد فلاں شخص امام ہوگا) تو اس وقت مسلمانوں کے ذمہ سے یہ فرض اٹھ جائے گا۔ لیکن جس حالت میں امام موجود اپنے روپر کسی کی امامت پر نص نہ کرے، تو اس صورت میں مسلمانوں پر نصب امام واجب ہے۔ چنانچہ بیان ہوا اس امر میں ہرگز تفصیر نہ کریں۔ حدیث میں وجوب امامت کی بہت دلیل ہیں۔ از انجملہ حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَتُهُ مَاتَ مِيتَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ دوسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الْاِمَامُ جَنَّةٌ يَقَاتِلُ مِنْ دِيارِ يَمَنہ تیسری حدیث خدیجہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جب انہوں نے حدیث فتنہ منیٰ تو عرض کیا: یا رسول اللہ فماتنا من فی ان اور کتنی ذالک قال تلزم جماعت المسلمین وَاِمَامُہُمْ یعنی اے خدا کے رسول جب یہ مانے مجھے پالے۔ تو میں کیا کروں۔ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑو۔

اور جملہ دلائل وجوب کے ایک بڑی دلیل صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہے کہ بعد وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جب ہاجرین و انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، اور ہاجرین نے طلب بیعت کی تو انصار کہا منا امیر

۱۔ امامت اور امت پر بیعت کے دو چہرے ہیں ایک دیکھو تکلمہ صفحہ ۲۳۷

۲۔ امام ایک ٹٹا ہے۔ جو غیر مطیعوں کے ساتھ قتال کر کے مطیعوں کو بچاتا ہے۔

۳۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور ان کے پیروں نے جناب رسول خدا کی میت کو بلا کفن و دفن چھوڑ کر یہ بیعت حصول ریاست سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ انہیں اتنا ہوش نہیں کہ نصب امام و خلیفہ الٹا ضروری ہے کہ بدو اس کے انتظام دین اور اتفاق سامعین ممکن نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی دنیوی حاکم فوت ہو جاتا ہے۔ تو جب تک اس کا جانشین نہیں بنا لیتے تب تک اس حاکم کی تجویز و تکفیل نہیں کرتے کہ مبادا کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ اور اس کی دیباہیوں و حاکم کے دشوار ہو۔ پھر دنیا اور دین کے اتنے بڑے بادشاہ کے وفات کے وقت جس کی ذات گرامی دین و دنیا کی صلاح و سداد کے متعلق کیونکر ایسا نہیں کیا جاتا۔ جیسا صحابہ کرام نے کیا۔ دوسرا امر نصب امام کی ضرورت پر (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۷)

و آمیز منکم یعنی ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مہاجر و انصار سب نے نصب امام کو ضروری سمجھا اور سب بلا اگر اہ نصب امام پر مجتمع ہوئے، آخر باجماع جماعت صحابہ حضرت ابو بکر رضی امیر اور امام اور خلیفہ جماعت مسلمین کے منتخب ہوئے + دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے نزدیک بحضور جماعت مسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تجویز کیا۔ بعض نے اعتراض کیا کہ اے ابو بکر خدا کو کیا جواب دیگا جب وہ پوچھے گی کہ سخت ترین مروجہ کو تو نے خلیفہ تجویز کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں خدا کو جو اب نے دنگا کہ میں نے بہترین اہل اللہ کو خلیفہ کیا ہے۔ اہل مکہ کو یہ یہ لوگ اہل اللہ کہا کرتے تھے +

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نصب خلیفہ کے لئے درخواست کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ زندہ گی میں عہد کر سکتا ہوں۔ لیکن بعد مرگ کے ذمہ نہیں لیتا۔ لیکن تم ان چھ شخصوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینا۔ چنانچہ ان چھ آدمیوں کا شور مچا مقرر کیا۔ عثمان رضی علیہ السلام، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ، اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ۔ عَنِہُمْ اَجْمَعِیْن۔ یہ تمام بیان اجماعی ہے۔ صحابہؓ سے وجوب امامت پر +



(بقایا حاشیہ صفحہ ۲۳۶ سے)

یہ داعی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر وفات سنتے ہی باقی مہاجرین و انصار حضور ریاست و حکومت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جب حضرت ابونعبہؓ و رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ خبر پہنچی کہ لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں۔ اور خلافت کیلئے جھگڑا کر رہے ہیں۔ حضرت شیخین مجبوراً وہاں تشریف لے گئے۔ تاکہ کوئی فتنہ اُمت میں پیدا نہ ہو۔ خود جناب علیؓ بھی اپنے چند بھتیحوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے اپنی خلافت کو منہ لانے کے منصوبے کر رہے تھے، پھر شیخین نے کیا تو کیا کر لیا +

دومری فصل

امامت کے شرائط میں

علمائے زمانے ہیں۔ امامت کی تین شرطیں ہیں۔ علم۔ عدالت اور شجاعت۔ بعض علماء قوت و قہر کو بھی شرائط امامت سے کہتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اگر امام قوی و قاهر نہ ہوگا تو استیغاب حقوق اور اقامت حدود کیونکر کر سکیگا۔ ایک اور بھی شرط ہے۔ جن میں علماء باہم مختلف ہیں۔ اور وہ امام کا قریشی ہونا ہے۔ جمہور اہل حدیث کا اسی پر اتفاق ہے۔ بدلیل حدیث الائمہ من قریش کے، ابو حنیفہ کے مذہب میں بروایت شاذ غیر قریشی کا خلیفہ و امام ہونا روا ہے۔ تو معنی حدیث کا حمل اس صورت میں یا بروجہ استحباب ہوگا۔ یعنی قریش کی امامت غیر قریشی سے اولیٰ ہے۔ بجائے کہ اُس میں شرط امامت پائی جائے۔ یا یہ کہ حدیث خبر کے طور پر واقع ہوئی ہے یعنی حضور نے فرمایا کہ امام قریش سے ہونگے، اگر مراد خبر ہے تو ایسا ہی ہوگا۔

کتنے لوگوں کے اتفاق سے امام قائم ہو سکتی ہے؟

پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کتنے لوگوں کے اتفاق و رضامند سے بیعت منعقد ہو سکتی ہے۔ ہم نے بمقتضائے حدیث و اصول شریعت کے سب سے زیادہ موافق قول یہ پایا ہے کہ جب چالیس مرد اہل رائے و شوریٰ اور خرد و تدان تمیز و عدالت سے کسی ایسے شخص کی بیعت پر مجتہد امامت ہو۔ اتفاق کر لیں۔ اور ان میں ایک ایسا عالم بھی ہو جو قضا کی قابلیت رکھتا ہو۔ تو ان کے اتفاق و مشورت سے بیعت منعقد ہو جاتی ہے۔ اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ اور چاہے کہ عالم مذکور بیعت کی ابتدا کرے۔ پھر دوسرے سے لوگ بیعت کریں۔

امامت میں عصمت شرط نہیں ہے۔ یعنی امام کا معصوم ہونا شرط امامت نہیں ہے۔ یہ شرط تشیعہ لگاتے ہیں۔ جن کا قول اس باب میں کوئی بنیاد و ثبوت نہیں رکھتا۔ جس طرح دوسرے مسائل میں جو مخالف اہل سنت و جماعت ہیں ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں شیعہ کی تردید

تشیعہ کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس کے اصلاح و تقویٰ کے باعث اہل اسلام اس کے فسق و فجور سے بچیں۔ پھر جو شخص اس قابل نہ ہو۔ تو اس کو ہرگز حکم و ولایت و امامت میں نصب نہ کرنا چاہئے کہ اس صورت میں عباد و بلاد میں تباہی و فساد دینی و دنیوی انتہا تک پہنچے گی۔ امامت کے لئے عصمت کے شرط نہ ہونے پر یہ دلیل ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے بالتفہیم اپنی ذات کو شر شیطان سے سلامت و مامون فرمایا ہے۔ مَا مِنْكُمْ اِلَّا وَقَدْ وَكَلْتُمْ مِنْ الْجَنِّ قَالُوا لَا اَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ دَلَّيْنَاكَ اِنَّ اللَّهَ اعْلَمُ نِي فَاسْلَحْ یعنی تم میں سے ہر ایک شخص پر حق کی قسم ایک مصاحب مؤکل کیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر بھی۔ فرمایا مجھ پر بھی۔ مگر خدا نے میری امداد فرمائی تو وہ اسلام لے آیا۔ یہ حدیث صاف اس امر کی دلیل ہے کہ سوائے انبیاء کے کوئی معصوم نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ کہ نبوت موجب اقتدائے نبی کے ہر ایک قول و فعل پر علی الاطلاق تسلیم کرنا فرض ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فعل اور کسی قول کے متعلق کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا۔ اور کسی کو جائز نہیں کہ اس کی مخالفت کرے۔ یا اس میں شک لائے۔ پس نبوت کے لئے عصمت شرط ہے۔ تاکہ بندگان خدا اقتدا میں انبیاء کی طرف سے کراہت اور نفرت کا اظہار نہ کریں۔ اور امامت کا حکم ایسا ہے۔ جیسے حکم امامت اور قضا و الامانت کا۔ اور ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں میں عصمت کا ہونا شرط

نہیں۔ پس امامت کے لئے بھی عصمت شرط نہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اُس سے مفسدہ پیدا ہوتے کا خوف ہے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب قاضی شرب کرتے ہیں۔ اور قاضی معصوم نہیں ہوتا۔ تو جو خرابی امام کی عدم عصمت کے صورت میں واقع ہونے کا خوف تھا۔ اُس کا انسداد نہیں ہوا۔ اگر کہیں کہ امام اُس کی تسدید و تقویم کر سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ امام مشرق میں ہے۔ امد اُس کی طرف سے ایک حاکم مغرب میں ہے۔ پھر اگر حاکم کی ذات سے کوئی حادثہ و مفسدہ پیدا ہو۔ یعنی وہ حکم میں خطا کرے۔ تو خطا حاکم و امام دونوں کی سمجھی جائے گی۔ امام کی تو اس جہت سے کہ اُس نے خطا کار اور غیر معصوم کا تقرر کیا۔ اور حاکم کی اس سبب سے کہ اُس سے خطائے فاحش سرزد ہوئی۔ اب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ غیر معصوم سے جس قسم کی خرابی سرزد ہونے کا احتمال تھا۔ وہی خرابی معصوم سے سرزد ہو گئی۔ پھر معصومیت کہاں رہی۔

روافض کی یہ تمام باتیں عصمت کے متعلق بیکار اور پوچ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان فضولیات میں پڑ کر کتاب کی ضخامت بڑھا دیں۔

اختلاف مابین علی و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ان کے مخرقات کا سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک پہلے امام معصوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اور اُن سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں۔ جس میں وہ دعویٰ امامیت و معصومیت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے امام منصوص اور پہلے معصوم ہیں۔ اُن کا علم و فضل بھی بقول روافض کے برتر اور مانوق تمام آئمہ اور اولیا اور اوصیا کے ہے اور یہ بھی روافض بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت عید اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابن عم تھے۔ اور نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تابعین اور اہل بیت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دفعہ جناب علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حجاز و یمن اور بصرہ اور بلخقات بصرہ کے حاکم و والی رہ چکے ہیں۔ پھر باوجود اس کے اکثر اجتہادی مسائل میں جناب علی رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف موجود ہے

حضرت علیؓ کا مذہب تھا کہ اگر کسی سے کوئی حدیث سنتے تو جیت تک اس کو قسم
 دلاتے قبول نہ کرتے۔ حالانکہ مذہب ابن عباسؓ بلکہ جمہور صحابہ و تابعین کا اس
 کے خلاف ہے۔ الغرض بہت سے مسائل میں مابین ان ہر دو اصحابؓ کے اختلاف
 موجود ہے۔ جس کا استنباط متعدد ہے۔ اور حجت کے لئے اتنا ہی کافی ہے
 حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ و امام معصوم ہوتے تو حضرت ابن عباسؓ
 مسائل مذکورہ وغیرہ میں کبھی ان کا خلاف نہ کرتے۔ بلکہ اختلاف جائز ہی ہوتا۔
 کیونکہ جو آدمی خطا سے معصوم ہے اس کی مخالفت معصیت میں داخل ہے اور
 اگر خود حضرت علیؓ اپنے لئے عصمت کو واجب جانتے۔ تو وہ اس امر کو کیونکر جائز
 سمجھتے کہ جو شخص مسائل متعدد میں ان کے خلاف مذہب کرتا ہے۔ اسی کو اپنی
 جان نبی کے عام مسلمانوں پر حاکم اور والی کر رہے ہیں۔

مسئلے چھبہ بنت یہ ہے کہ یہ لوگ جو امام میں عصمت کے مدعی ہیں۔ ان کے
 کے باب میں ان کا مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ پر صلاح بندگیاں کی رعایت واجب ہے
 اور ان کے گمان میں امام معصوم معطلات مصالح بندگیاں سے ہے۔ بلکہ بندوں
 کی تمام تر خوبیاں اور مستحبتیں اسی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ پھر ان کا قول ہے
 کہ خداوندان عصمت سے صرفہ و آدمیوں نے خلافت کی ہے۔ جناب علیؓ اور امام
 حسنؓ علیؓ اللہ عنہما۔ اور دونوں حضرات کا زمانہ خلافت پانچ سال دو ماہ تھا۔ اس
 اعتبار سے ان کا مذہب ثابت ہے کہ ان میں انہیں پر حجت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم کہتے
 ہیں کہ اتنے زمانہ دراز تک جس کو تین سو بیس برس ہو گئے۔ وہ امام کہاں ہے
 جن کی بابت ہمارا گمان ہے کہ بدول وجود ایسے معصوم امام کے عالم کا اصلاح
 پذیر ہونا ممکن نہیں۔ اور بغیر ان کے قنایا و احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ انہی
 مدت گذر جائے، اور کوئی عید و جامعہ منعقد نہ ہو۔ اور نہ دوسرے احکام
 شرع جو حکام کے حکم سے وابستہ ہیں مستقیم رہیں۔ اس سے زیادہ کونسا گناہ ہوگا
 کہ کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ یہ ائمہ جو ہمیں امام ہیں۔ اس قدر قرون دراز
 تک مملکت و گمراہی پر مجتمع تھے۔ اور ان کے احکام و قنایا اور جمہور و جماعت
 اہل ادب تو ایک ہزار سال سے بھی زیادہ رہتے ہیں۔

بیکہ درست نہ تھا۔ حالانکہ حدیث میں ہے۔ من تجتمع امتی علی الصلوة میری امت ہرگز ضلالت پر مجتمع نہ ہوگی۔ اور فرمایا کلا ینال طائفۃ دین امتی ظاہرین علی الحق اور ایک دایستہ میں ہے۔ یقاتلون علی الحق حتی یأتی أمر اللہ یعنی میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ ظاہر و غالب ہوگا وہ حق پر قتال کریں گے۔ حتی کہ خدا کا حکم (قیامت) آجائے گا۔

پس یہ گروہ کون ہے۔ اور جب سب سے سب بطل پر ہیں۔ تو وہ لوگ جن کی صفت حدیث میں آئی ہے۔ کہاں ہیں۔ تمہارے امام کا تو نشان و اثر تک دنیا کے پردہ پر نہیں۔ پھر تمہارے زعم بطل کے مطابق اس طرح امت کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور رعایت اصلہ کا خیال قاسد کہاں قائم رہ سکتا ہے۔

شیعوں کے اقوال کا فساد و بطلان

جو شخص ان امثال و نظائر پر غور کرے گا۔ اس پر اس قوم کا فساد و فساد فوراً ظاہر ہو جائیگا۔ ہم نے محض اس خیال سے ان کے چند نظائر بیان کر دیئے ہیں۔ تاکہ عوام پر ان کا دعویٰ کا بطلان روشن ہو جائے۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی خرافات کا کوئی وزن و وقار نہ رہے۔ اور غیر انبیاء میں عصمت کے دعویٰ کو محض اہی اور لغو سمجھیں۔ اصل یہ ہے کہ انہوں نے امامت میں عصمت کی قید بڑھانے سے چاہی ہے کہ اہل سنت و جماعت کے تقاضاؤں اُن کے ٹھنایا اور احکام شریعت میں فساد ڈالیں۔ اور یہ باطلیوں کا ایک بڑا فریب کبیر ہے۔ اُن کے دعوات خدا اُن پر لعنت کیسے تمام اطراف عالم میں اس بیہودہ عقیدے کو انواع و اقسام کے مکائد و فریب پھیلایا ہے۔ اور اس طرح خدا کی ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کر رکھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا امام معصوم کو روا ہے۔ اس قسم کے اور بہت سے خرافات بکتر ہیں۔ اور نسبت اُس کی اپنے اوصیاء کی جانب کرتے ہیں۔ یہ بیہودہ فرقہ اپنے کو اسمعیل ابن جعفر رضی اللہ عنہما کی یا نائب منسوب کرتا ہے۔ اور وہ ان کی تفسیح

مام اہل سنت کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔ اس دعویٰ کا منشاء مشکوٰۃ و عتباتین سے ہے۔ اور فقط باطنی بھی انہوں ہی نے اپنے منہ پر کے لئے اختراع کیا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے گوشوں زبان کو اس بدعت عظیمہ کی آلائش سے محفوظ و مامون رکھیں۔ واللہ منقذ من الضلال ۵۰

تیسری فصل

اس بیان میں کہ بعد حضرت نبی کریم علیہ السلام کے

خلیفہ حق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے

نام زایا اللہ قطع نظر کرنے ہم کہتے ہیں کہ معتبر اور معتبر علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم سے خلافت کے باب کوئی شخص علی و حضرت نہیں پائی گئی۔ نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے اور نہ ان کے سوا کسی دوسرے شخص کے لئے۔ ہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نص و حق بکثرت موجود ہیں یہ حال اس باب میں اہل سنت و جماعت کا بڑا تسکین و اجماع اُمت پر ہے۔ رہا نص و حق کا اظہار تو اس کو قرآن و حدیث سے بعض علماء تا کید جہت کے طور سے اور نیز بسبب کثرت اہل کے بیان کرتے ہیں۔ ورنہ اجماع کے ہوتے کسی دوسری دلیل کی مطلق حاجت نہیں ہے۔

اخبار متواترہ کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابہ ہجرت و انصار جن میں بڑے جلیل القدر علماء و فضلاء اور ثوابتہ مقدس و متوہج حضرات شامل تھے۔ یقینہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ اور بعد بحث و مباحثہ و امتحان نظر کے تمام حاضرین نے بصدق دل و یسب خاطر

بالا اتفاق آپ کی خلافت حق کو تسلیم کیا۔ اور جہاں اجماع کبار نے آپ کی بیعت
اور قبول امامت و خلافت سے شرف و زانی سے کسب و نرازی حاصل کی۔ ظاہر
ہے کہ ایسے عظیم الشان مجمع کا جو اسی منزل و مقصد و غرض سے بھرا ہوا تھا۔
ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت پر اتفاق کرنا سوائے حق کے نہیں ہو سکتا۔
اس واسطے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ لن یجتمع امتی حتی
الصلوات کہ میری امت نہ اس وقت پر مجتمع نہ ہوگی۔ پھر سب پہلا اور معظم
تریں واقعہ جس پر اہل بیت علیہم السلام و آلہ وسلم کے صحابہ کرام نے اتفاق و
اجماع کیا وہ خلافت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی واقعہ ہے۔ اس خلافت
حق کے منکر جو محض بوجہ عناد و عداوت تھی ایسی منافق و مشرک اجماع اور ایسی
روشن نما ہر اور سچی حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ مثلاً یا یہی اسے مطلق اور کرمادر
زاد کے ہیں جو بسبب کوری و نابینائی کے روز روشن میں اشیا موجودہ کی فعلیت
دیکھنے سے محروم ہے۔ ان کے اس انکار سے سوائے اس کے کہ قول پیغمبر کی
ترویج اور صحابہ کرام پر طعن و تشنیع وارد ہو۔ اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ لیکن ان
ملاحضہ و ملاحظہ کی ترویج و تکرار سے نہ تو کلام اقدس حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم کی ترویج ہو سکتی ہے۔ نہ حضرت ائمہ اہل بیت علیہم السلام حالانکہ شریعت نبوی
کے اجماع کی تکذیب ممکن ہے۔ یہ لوگ اس انکار سے اجماع کے مخالف ہوئے
ہیں۔ جو اصول دین اور ارکان شریعت سے ہے۔ اسی انکار کی وجہ سے ان کو
قریب بہ کفر کہا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَ مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ فَاُولَٰئِكَ
مَّا كُونُا وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ خُذْرًا ذَرْوْا سَبِيلَ الْمُسْلِمِينَ اور جو شخص بعد از ظاہر
در روشن ہونے ہدایت کے سبیل سے انحراف کرے اور سبیل مسلمانوں کے
رستے سے الگ چلتا ہے۔ ہر اُس کو کفر کی طرف پھر لے جاتے ہیں۔ سادہ و سہل
ذال دیتے ہیں۔ اور جنہم پر انکار کیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اس آیت کی
رُوسے اجماع کی مخالفت کفر ہے۔

منکر امامت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز و سر نہیں

میں نے بعض علمائے اہل النہر کے فتاویٰ میں لکھا دیکھا ہے کہ خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے منکر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کینہ کد انہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔ یہ بدعتی لوگ بعض عناد کی وجہ سے یاقین کہتے ہیں۔ اور احادیث صحیحہ کا مقابلہ کرتے اور علمائے اسلام جو اسامین شرع ہیں ان کی تکذیب ثواب جانتے ہیں۔ پھر باطل چیزیں جھوٹی حدیثوں سے جمع کر کے اور ان میں اپنی کہانیاں ملا کر عام اہل اسلام کے سامنے لاتے ہیں۔ اس پر بھی جب ان کے عقائد قاسدہ کا رواج اور ان کی بیہودہ گوئی کی کوئی وقعت نہیں ہوتی تو وہ احادیث جو جناب امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں یاد کرتے ہیں۔ اور اپنی مطالب برآری کے موافق ان کی تاویلات گڑھ لاتے ہیں۔

ہم اس مقام پر بالاختصار نمونہ اس قسم کی چند حدیثیں بیان کر کے ان کا جواب دیتے دیتے ہیں تاکہ ذی علم حضرات اسی سے ان کے دعویٰ اور عقل و علم کی حقیقت سمجھ لیں۔ ہماری غرض اس سے صرف مسلمانوں کے اور بالخصوص ان کے حال پر شفقت مسلمان ہے۔ اُس میں ہوا اسے نفسانی اولت حضرت ابی کو ہرگز دخل نہیں۔ اور نہ کبھی ہمارا یہ خیال ہوا ہے۔

مطالعہ اہل تشیع اور ان کا جواب

قرنہ تشیعہ چند وجوہات سے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے باب میں بحث کرتے اور کئی حیلہ حوائے پیش کر کے اسحاب کرام پر طعن کرتے ہیں۔ اقول یہ کہ بعض صحابہ کو بنو ہاشم کی عداوت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور بعض پر جناب علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی کا الزام لگاتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے چند قراہت والوں کو جہاد میں جناب سول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہ کر قتل کیا تھا۔ اس سبب سے صحابہ جناب علی رضی اللہ عنہ کے دشمن ہو گئے۔

دشمن تھے۔ اس لئے کہ صاحب کی خدمت میں اس کا رشتہ واروں کو جو کہ فرقے میں کیا تھا۔ پروا نہیں کی کہیں نہ رہتی اور جو بے دینی تھے اور ایسی بات ہے کہ کوئی جو اس سے بدل دشمن بھی اس کا اعتبار نہیں کر سکتا اس لئے کہ جب صحابہ کرام کو یہ ہو گیا اس دشمن کے جانتے ہیں کہ انہوں نے دشمنوں میں خیال سے کہ علی غلے ان کے کہ فرشتہ واروں کو قتل کیا۔ ان کی طرف سے کہ وہ دشمن کی۔ اور بدل کی شہرت فرمائی۔ اور مخالفت رسول پر آواہ ہوئے۔ پس سے مخالفت اور پر تشیع امامت اور تو ایسی چیزیں ہر جگہ ہیں ان کے ایمان میں شک ہے۔ بلکہ سر سے سے یہ یمن ہی نہیں ہو سکتے۔ اور اس صورت میں وہ صرف علی غلے دشمن نہیں۔ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہوئے۔ (معاذ اللہ عنہما)

حضرات علماء پر پوشیدہ نہیں کہ روافض نے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے اپنے اس بیان سے صحابہ کرام کو تھاق اور کھسکے مسموم کیا ہے۔ بلکہ ایسی ستورہ قوم پر جنہوں نے اپنے ال جان سے راہ حق میں کو دشمن اور حضرت رسول خدا کی غایت دوستی سے اپنے خویش و اقارب اور شہرت کو دشمن جانا اپنے وطن کو چھوڑا اور تھائی پر ہنگامی امور کی حالت میں حضرت رسول خدا کے ساتھ شاہد ہوئے ہیں حاضر ہے۔ اور راہ حق میں تلواریں اٹھا کر اپنے خویش، عزیزوں، اور باپ، بھائیوں کا خون بہایا۔ یہ نہایت لگائی جا سکتی ہے کہ وہ دشمن طبیعت و طبیعت جاہلیت کے واسطے دوست خدا کو دشمن سمجھیں۔ اور حق والی حق کو مذول کریں۔

حضرت ابو عبد اللہ بن الجراح کی فدائیت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طبیعت کے وقت پر علمائے انبیاء اور خداوندان عالم عقہ حاضر تھے۔ ان میں ایک حضرت ابو عبد اللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ رسول خدا نے ان کو امین الامت کا خطاب دیا تھا۔ اور ہر جگہ رہنے اپنے باپ کو قتل کر کے اس کے سر خنجر سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس لائے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہذا راس الشیخ الکافر کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص جو راہ حق میں اپنے باپ کا سر کاٹنے سے مورخ نہ کیے وہ باطل کے ساتھ شریک رہ کر کتمان حق کرے۔ اور ایسے موقع پر جہاں تمام امت محمدیؐ کی ہلاکت متصور ہو۔ کلمہ حق سے خاموش رہے۔

خیر اگر رد افضل مہاجرین پر نبی ہاشم کی عداوت کی تہمت لگاتے ہیں تو انصار کی بابت کیا کہتے ہیں۔ جو نہ نبی ہاشم سے دشمنی رکھتے تھے اور نہ جناب علیؑ سے۔ بلکہ انہیں تو بنی عبدالمطلب کی خوشی حاصل تھی۔ پھر مدینہ میں ان کو مہاجرین سے کوئی خوف بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ ہر طرح اُن پر غالب تھے۔ انہوں نے بیت کے باب میں منازعت بھی کی۔ کہ ایک امیہ ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے منا آ میں متکرام ہیں اور اس سبب یہ تھا کہ انہوں نے خلافت کا قیاس قوم اور ریادت قبیلہ پر کیا۔ عرب دستور تھا کہ ہر قبیلہ کا حاکم اُسی قبیلہ سے ہوا کرتا تھا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجت کیساتھ انصار کو ملزم کیا۔ اور منبر آیا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ایام مرض میں ابوبکرؓ کو نماز میں سامانوں کا پیشوا کیا۔ اور نماز ایک تنوں اور معظموں پر ہو رہی ہے۔ آنحضرتؐ نے نماز میں ابوبکرؓ کو اپنی جگہ پر کھڑا کیا۔ اور خود اُمتا فرمائی۔ تو پیغمبر علیہ السلام جس بزرگ ترین شخص کو دین میں آگے کریں۔ کوئی شخص اُس کو پیچھے نہیں کر سکتا۔

دوسرے یہ کہ جناب رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام مہاجرین سے تھے تو اُن کا خلیفہ بھی مہاجرین سے ہونا چاہئے۔ اور بہترین مہاجرین وہ ہیں جس کو پیغمبر علیہ السلام نے نماز میں مقدم اور آگے کیا۔ غرض اس منازعت کے بعد تمام انصار نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی متابعت مصداقت کی۔ اگر اس قضیہ میں کچھ بھی حیف و زیادتی ہوتی۔ تو انصار کبھی موافقت نہ کرتے۔

راغبی کہتے ہیں کہ اس معاملہ سے انصار کو کوئی نسبت نہ تھی۔ وہ حضرت علیؑ کے طرفدار تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ ہو کر لڑائی کی۔ اور معاویہؓ کو معزول کرنا چاہا۔ رہم کہنے

ہیں کہ زمان خلافت علیؓ میں معاویہؓ کی اعتزال کی خواہش جو انصار کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ اور جس کو انہوں نے حضرت علیؓ کی مدد کر کے علمی طور پر ظاہر بھی کر دیا۔ ان کی یہ خواہش بجا تھی۔ اس لئے کہ اُس وقت خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے۔ اور خلیفہ وقت کے مخالف سے لڑنا کسی صبرت میں مذموم نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو جو انصار نے بعد بحث و مباحثہ کے بخوشی تمام منظور کر لیا۔ یہ بھی دلیل ہے اس امر کی کہ خلافت ابوبکرؓ انصار کے نزدیک بھی خلافت حقہ تھی۔ ورنہ اُن کی خلافت جاہلانہ و غاصبانہ ہوتی۔ تو انصار اُس کو کبھی تسلیم نہیں کرتے۔ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو انہوں نے نہ مانا۔ وہ ضرور اپنی جماعت کثیرہ اور قوت عظیمہ کے ساتھ فوراً مقابلہ کو مستعد ہو جاتے)۔

روافض کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انصار نے باوجود جاننے اس امر کے کہ ابوبکرؓ کی خلافت مستحقاق نہیں ہے۔ خوف کے مارے امر حق کو چھپایا۔ بدلیل اس کے کہ انصار اُس وقت قوت مال اور کثرت تعداد میں مہاجرین سے غالب تھے۔ اور ابوبکرؓ تو خود ایک مرد ضعیف تھے۔ مدینہ میں ان کا قبیلہ کوئی بڑی نشان و شوکت نہیں رکھتا تھا۔ اور بنو ہاشم بھی بنو تمیم سے زیادہ استبداد و غلبہ رکھتے تھے۔ نیز ابوبکرؓ ایک رویش آدمی تھے۔ یہ بھی خیال نہیں ہو سکتا کہ لوگوں نے زرو مال کے طمع سے اُن کے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور خلافت ابوبکرؓ پر اتفاق کر لیا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی ذی عقل باور نہیں کر سکتا۔ کہ ایسے اچھے ترین میں اتنی بڑی مقدس جماعت میں ایک مرد خدا بھی ایسا نہ تھا کہ ابوبکرؓ کی غیر استحقاقی ثابت کر کے اُن کی خلافت کا انکار کرتا۔ اور کلمہ حق سے خاموش نہ رہتا۔ حالانکہ اس بڑے مجمع میں ایسے جلیل القدر صحابی اور مقدس نفوس موجود تھے کہ خداوند عالم نے قرآن کریم میں اُن کی مدح فرمائی ہے۔ اس سے صاف روشن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ ہونا محض اُن کے استحقاق کے سبب تھا۔ کہ بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و ریح، تقدس و خیریت

اور معاملہ فہمی میں اُن سے بہتر کوئی شخص مدینہ میں کیا ساری دنیا میں موجود نہ تھا۔
اور اُن کی مقدس و مکرم ذات میں امامت کے جملہ شرائط موجود تھے۔

اہل تشیع کا اعتراض اور اس کا جواب

بھلا ردائض کہتے ہیں کہ اُس وقت شرائط امامت سوائے علیؑ کے
کسی میں نہیں پائے جاتے تھے۔ اس کا جواب ہم اجماع اُمت کے استدلال میں
دے چکے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر ابو بکرؓ میں شرائط امامت و معرفت کامل موجود نہ
ہوتی۔ تو صحابہ کھاتہ بڑے مقدس گروہ کا اجماع اُن کی خلافت پر ہرگز منع نہ ہوتا
پھر اجماع بھی وہ جو بعد امعان نظر و بحث و مباحثہ کے قائم ہوا تھا۔ یہ اجماع وہ
تھا جس میں صلاح دین۔ صحت عقائد۔ یہودی خلائق و جمہور اُمت متصور تھی
اس پر بھی اگر کوئی جاہل تابع ردائض اس کا قائل و معترف نہ ہو۔ تو حضرت
ابو بکرؓ کے استحقاق اور اُن میں وجود شرائط امامت کے ثبوت میں یہ دلیل
کیسی لا جواب ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ
مرض میں ابو بکرؓ کو نمازیں میں امام بنانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ مرد ایسا بکر
فلبصل بالناس یعنی ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں کیا پیغمبر
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے ممکن ہے کہ وہ غیر مستحق اور غیر
مشرط بالامامت شخص کو امام بننے کا حکم دیں۔ حاشا وکلا۔ حضرت رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیم حضرت ابو بکرؓ کے لئے امامت کے مسئلہ میں تھا
اس امر کی دلیل ہے کہ ابو بکرؓ میں شرائط امامت پوری طرح موجود تھیں۔
وہ علم دیانت، امامت اور تمام فضائل خیر میں سرسے مقدم تھے۔ اس لئے
ان کو امامت میں مقدم کیا گیا۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ امامت کو ایسا ایسی چیز کا حکم کریں
جس سے وہ خود مخالف ہوں۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ خلافت کی بیانت نہ رکھتے
ہوں۔ اور خود اُن کو تقدیم کا حکم فرمائیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ حضرت
ابو بکرؓ علم، صلاحیت، عدالت، ورع وغیرہ میں تمام صحابہ میں کامل تر تھے،

اور صحابہ کرام اجتہاد و اختیار خلیفہ میں مصیب تھے ۔

موجبات تفضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیگر موجبات تفضل میں بھی حیلہ صحابہ رضی اللہ عنہ سے شامل تھے۔ چنانچہ موجبات تفضل سے پہلی بات تقدیم اسلام ہے تو اس امر میں کسی عالم کو اختلاف نہیں کہ اسلام ابوبکر علی - زبید، اور خدیجہ رضی اللہ عنہم کا سب سے اول تھا۔ ان چار حضرات کے تقدیم اسلام کے باب میں احادیث وارد ہیں۔ مگر تقدیم اسلام حضرت ابوبکر کی حدیث کی اسناد جیسی جمید اور درست نہیں۔ اس درجہ باقی ہر سہ حضرات کی حدیث اسلام کی اسناد جمید نہیں ۔

اگر کہا جائے کہ جب پہلی دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام غار حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سورہ اقرآن لیکر نازل ہوئے اور آپ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فوراً اس کی تصدیق کر لی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام حضرت ام المومنین خدیجہ کا سب سے اول ہے ۔

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ کسی حدیث معتبر سے تو یہ بات ظاہر نہیں ہوتی ہاں اس کا احتمال ہے۔ اور لفظ احتمال کو ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ اُس وقت جبریل نے آنحضرت سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں جبریل ہوں۔ اور خدا کا فرستادہ اُس وقت نہ حضرت نے ان کو پہچانا۔ جس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور سورہ اقرآن کی ابتدائی چند آیات پڑھیں۔ تو آپ پر دہشت طاری ہو گئی۔ اور آپ گھبراتے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہ کے پاس آئے، اور اس بات کا ذکر کیا۔ تو خدیجہ نے آپ کی تسلی فرمائی۔ اور آپ کی بات کو سچا جانا اُس وقت آپ منجانب اللہ دعوت پر مامور بھی نہ تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ مامور بدعوت ہوئے۔ تو پہلی مرتبہ دعوت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی جس کو انہوں نے فی الفور قبول کر لیا۔ اور اسلام میں شامل ہو گئے باوجود اس کے اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ آپ کے سوا اسلام میں باقی تینوں

میں سے کسی کو تقدم تھا۔ تو اس سے کوئی اُن کی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت خدیجہ عورت ذات تھیں۔ اُن میں آنحضرتؐ کی رائے کو دفع کرنے کی قوت و مجال کہاں ہو سکتی ہے۔ نہ وہ حضرت رسولؐ خدا کو ابتداء کی حالت میں دعوت کے بارے میں کوئی مدد پہنچا سکتی تھیں۔ اور جناب علی رضی اللہ عنہ ایک صغیر سن بچے تھے۔ اُن کا اسلام اُس وقت دعوت میں کیا مدد کر سکتا تھا اور موجب تقویت ہو سکتا تھا۔ (بچوں کی عادت ہے کہ وہ جس کی صحبت و تربیت میں رہتے ہیں۔ اور اُس کو کوئی کام کرتے دیکھتے ہیں۔ تو خود بھی اُس کی ریس اختیار کر لیتے ہیں نہ اس لئے کہ انہیں اس کام کے نفع و ضرر اور حسن و قبح کے سمجھنے کی دلیل و تمیز اور صلاحیت ہوتی ہے۔ بلکہ دوسرے کیبلوں کے مانند اُن کے نزدیک یہ بھی ایک کیبل ہوتا ہے۔ یہی حال اُس وقت جناب علی رضی اللہ عنہ کے اسلام کا تھا)۔

بے زید حارث تو وہ موالی سے تھے۔ اور عرب میں مولیٰ یعنی غلام کی دعوت چننا وقت نہیں رکھتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ غلام رضی اللہ عنہ کے اُس وقت کوئی بھی اس قابل نہ تھا۔ کہ اپنے اسلام سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ امداد و تقویت پہنچاتا۔ ابوبکرؓ ہی ایک ایسے شخص تھے جو قوت و تمیز و شوکت و تربیت کی حالت میں اسلام اور دعوت اسلام میں آپ کے معاون و دست و بازو ہوئے۔ اور کمال تیرہ سال تک ہر طرح کی تکالیف و منیبت میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا۔ اور تبلیغ و دعوت و نشر میں سعی کمال بجالاتے رہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ ہر موسم میں قبائل عرب کے ایک ایک شخص کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بلاتے، اور انہیں خدا تعالیٰ کی باتیں سناتے۔ اُس وقت ابوبکرؓ آپ کے آگے رہتے اور لوگوں میں آپ کی دعوت کی اشاعت و تقویت کرتے، اور دین اسلام کی طرح و ثنا اور سچی خوبیاں بیان فرماتے۔ چنانچہ کتب تواریخ و سیر کے مطالعہ سے روشن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اس قدر لوگ اڑے اسلام

میں نخل بونے کہ شمار و احصاء سے باہر ہے۔ کبار صحابہؓ سے جو لوگ آپ کے
دست حق پرست پر ایمان لائے ان میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں۔
عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، سمید اور جناب غیر ہم رضی اللہ عنہم حضرت
ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وقف
کر رکھا تھا۔ جیسا نفع کہ ابوبکرؓ کے مال نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچایا ایسا
کسی دوسرے کے مال نے نہیں پہنچایا۔ آپ نے متعاف مومنین پر جو ایک سال
شعبہ ابوطالب میں مسکون تھے۔ اپنا مال خرچ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ
نے فرمایا۔ ما نفعتی مال کما نفعتی مال ابی بکر اور نیز فرمایا
انہ لدر بکرین احد من علی فی صحتہ و ذاتہ بین یدایہ و ید
ابی بکرین تخافہ اپنے ساتھیوں کو معذہ بین مومنین سے اپنے مال سے
خرید کیا۔ آپ نے ظہور دعوت کے ایام میں اپنے جان و دل کو بلا لائے
مخالفین کے لئے سپہ بنار رکھا تھا۔ خدا اور رسول کی خاطر آپ نے وہ بلائیں
اور مصیبتیں اٹھائیں کہ کوئی شخص اس بارہ میں آپ کی برابری نہیں کر سکتا۔
دوسری بات موجبات تفصل سے سابقہ فی الہجرت ہے۔ اور
سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ہجرت میں آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ہمراہ ابوبکرؓ کے رفیق تھے۔

تیسری بات موجبات تفصل سے نزائے بدر میں اور بیعت الرضوان
میں حضرت ابوبکرؓ کا حاضر رہنا ہے۔ آپ نے وہاں موقعوں پر موجود تھے بلکہ
حضرت رسول خدا جس غزوہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اُس
میں آپ کے ہمراہ تھے۔ غرض شاہدہ اور حضور حضرت رسول خدا سے کوئی بات
حضرت ابوبکرؓ سے فوت نہیں ہوئی۔

چوتھی بات موجبات تفصل سے حضرت ابوبکرؓ کو موانع قنال میں
قائم و ثابت رہنا ہے۔ صحیح طور پر معلوم ہے کہ احد و حنین کے خونریز معرکوں
میں اکثر صحابہؓ مہزوم ہو گئے تھے۔ صرف چند اصحاب باقی حضرت رسول خدا کے
رفیق تھے۔ اور انہیں ساتھیوں میں سے ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بھی تھے ۔

پانچویں بات مَوجباتِ تفضل سے جو سب سے معظم اور مؤثر ہے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت ہے۔ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ چنانچہ حضور علیہ السلام میں جو شخصیت و تکریم ابوبکرؓ کو تھی۔ وہ کسی کو حاصل نہ تھی۔ آنحضرتؐ نے بارہا حضرت ابوبکرؓ کی طرح و ثنا فرمائی۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی معاملہ میں مشورت کرتے تو حضرت ابوبکرؓ کو ضرور بلاتے۔ اور پہلے اُن سے مشورہ کرتے۔ اور حضرت ابوبکرؓ جب نماز پڑھتے تو آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پس پشت کھڑے ہوتے۔ یہ مرتبہ سوائے ابوبکرؓ کے کسی کو حاصل نہ تھا۔ اور سب سے آپ کے کوئی شخص اس مقام پر نہ کھڑا ہوتا۔ اور جب آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھتے۔ تو ابوبکرؓ آپ کے سیدھے ہاتھ کی جانب بیٹھتے۔ پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو صحابہ ایک طرف چلے جاتے۔ اور صرف ابوبکرؓ ہی آپ کے ساتھ کھڑے ہوتے ۔

اور اگر کہا جائے کہ حدیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایک غلام آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیدھے ہاتھ کی جانب آکر بیٹھ گیا۔ اور اُس وقت ابوبکرؓ آپ کے بائیں ہاتھ کی جانب بیٹھے ۔

یہ حدیث بیان مذکورہ کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ جو ان مذکور سے بوجہ قلتِ معرفت شرائطِ تعظیم کے یہ حرکت ظاہر ہوئی۔ جو ادب کے منافی ہے۔ اور خداوندانِ نظر و اربابِ عقل و بصیرت سے یہ مخفی نہیں کہ اگر اُس میں کچھ بھی ادب شعور ہوتا۔ تو اُس سے ایسی جرأت کا جو ادب کے منافی ہے۔ اظہار نہ ہوتا۔ اور وہ فوراً حضرت ابوبکرؓ کے لئے جگہ چھوڑ دیتا ۔

دوسری بات یہ کہ جناب سولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کرتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کتے۔ اور جب کسی لڑائی پر جاتے تو صحابہ آکر ہوتے اور ابوبکرؓ آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ صحابہ کے پس پشت چلتے۔ جنگ کے روز جناب سولِ خدا کے واسطے ایابِ عریش بنایا گیا۔ آنحضرتؐ اُس کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی عریش کے نیچے اپنے ہمراہ بیٹھا تھا

آپ کے علو و مرتبت کے سبب صحابہ آپ کو اپنا شفیع کر کے اپنی حاجات آنحضرت
علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتے ۔

صحابہ کرام کو جب پُر می طرح معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے فضائل
حد احصا سے بالاتر ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے ایام مرض میں آپ کو مسلمانوں کا
پیشوا بنایا۔ اور خطبہ میں فرمایا کہ مسجد میں تمام دروازے بند کر دو۔ مگر حضرت ابوبکرؓ
کا دروازہ کھلا رکھو۔ سد علی کل خوختہ غیر خوختہ ابوبکر اور فرمایا
لَو كُنْتُ مَتَخِذًا مِّنَ النَّاسِ خَلِيلًا لَّاتَخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا
یعنی اگر میں انسان سے کسی کو دوست کرتا تو ابوبکرؓ کو دوست کرتا۔ اور فرمایا۔
يَا بِي اِنَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ اَكِلَانٌ يَكُونُ اَبَا بَكْرٍ وَغَيْرُهُ وَغَيْرُهُ يَعْنِي خَدَاوُ
مومن لوگ قبول نہیں کریں گے مگر ابوبکرؓ کو جو امامت ابوبکرؓ پر نصیب خفیہ ہیں
تو تمام صحابہؓ نے اس کو صواب نیک و سعادت ابدی جانا۔ کہ آپ کو اپنا امام
اور پیشوا بنائیں۔ اور یہ کہ آپؐ کے بہتر دنیاۓ اسلام میں کوئی ہے نہ کبھی آئندہ ہوگا
چنانچہ سب نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور آپ ہی کو اپنا مرجع
و مادیٰ جانا۔ اور دوسرے صحابہ کرام کی مانند بعد چندے حضرت علی رضی اللہ عنہ
نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور آپ کی متابعت و متابعت کو
بہتر و نیکوتر یقین کیا ۔

ال تشیع کا قول کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے

کار تھے اور اس کا جواب

روانہل کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بیعت میں کار تھے۔ اور وہ ابوبکرؓ سے
بیعت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔ لیکن
جناب علیؓ نے مجبوراً بظاہر ابوبکرؓ کی متابعت و مطاعت کر لی۔ مگر باطن ان کا
اس کے خلاف تھا۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے ظاہر میں بیعت
و متابعت کر لی تو حکم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اس سے وہ اصحاب بیعت میں شامل ہو گئے

اور ردائض پر حجت قائم و ثابت ہو گئی ۔

اس قوم ردائض سے زیادہ کون بے ستر سامان اور دنیٰ العقل فرقہ ہو گا کہ اپنے امام برحق پر کتمان حق ۔ ضعف رائے ، بزدلی دہن اور ضمیر کے خلاف اظہار کی اہمیت رکھتے ہیں ۔ اور ان کو اس گناہ عظیم میں مبتلا کرتے ہیں کہ انہوں نے باطن کے خلاف کیا ۔ گویا اُن کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا ۔ ان کو کچھ اوپر پچھیش پر سن تکب اسی دستور پر ڈرپوک وغیرہ وغیرہ جانتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ وہ ظاہر میں طاعت کرتے تھے ۔ اور باطن میں مخالفت تھے ۔

یہ بدگمانی جناب علیؑ پر کیونکر چسپاں ہو سکتی ہے ۔ حالانکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم مسلمہ بنی حنیفہ سے محمد حنیفہ کی والدہ اسیران جنگ میں آئیں ۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے وہ جناب علیؑ کو دی گئیں ۔ جناب علیؑ نے اُن سے استیلا ڈکھا ۔ اور اُن کے بطن سے محمد حنیفہ پیدا ہوئے ۔ اگر ابو بکرؓ کی خلافت غیر حق پر ہوتی ۔ تو مادر حنیفہ کے ساتھ حضرت علیؑ کا استیلا ذکرنا کیونکر درست اور مست جائز ہوتا (ظالم یہ نہیں سمجھتے کہ اس بدگمانی سے جناب علیؑ پر کیا کیا گناہ عاید ہوتے ہیں ۔ اور محمد حنیفہ رضی اللہ عنہ کس قسم بیٹے سمجھے جاتے ہیں) ظاہر ہے کہ جس وقت امیر معاویہ کی حکومت شام میں مستحکم ہوئی ۔ اور اہل شام کے اجماع و موافقت سے اُن کی شان و شوکت و قوت پوری طرح بڑھ گئی ۔ اُس وقت بھی حضرت علیؑ امیر معاویہ کے ساتھ آمادہ پر خاش ہوئے ۔ اور امیر معاویہ کی قوت و شوکت پر خیال کر کے اظہار حق خلافت میں مطلق اندیشہ نہ کیا ۔ اس سے روشن ہے کہ اگر ابو بکرؓ کی خلافت حق پر نہ ہوتی ۔ تو اُس وقت حضرت علیؑ ہرگز منازعت اور طلب حق سے نہیں چوکتے ۔ کیونکہ ابو بکرؓ کی شوکت و قوت معاویہ کی شوکت و قوت کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی تھی ۔ جب جناب علیؑ نے حضرت ابو بکرؓ سے مقادمت نہیں کی ۔ تو اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی ۔ کہ حضرت علیؑ ان کی خلافت کو حق پر جانتے تھے ۔ اور آپؐ نے ابو بکرؓ سے بہ عسقی و طیب خاطر اپنے خالص غمیر سے بیعت نہ ملامت کی ۔

وہ احادیث جن سے شکیہ خلاف فیصل علی کی ثابت کرتے ہیں

اب ہم ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔ جو حضرت علی کی فضیلت میں وارد ہیں۔ اور جن سے شیعہ صاحبان استحقاق خلافت علیؓ پر استدلال کرتے ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علیؓ کی مخاطب ہو کر فرمایا اما ترضی ان تکون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ کیا تم اے علیؓ اس پر راضی نہیں کہ تم مجھ سے ایسے ہو۔ جیسے ہارون سے موسیٰ۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ سے میقات کی طرف جاتے تو حضرت ہارون کو اپنی طرف سے چھوڑ جاتے، اسی طرح اس وقت میں تم کو مدینہ میں حفاظت اطفال و زناں کے لئے چھوڑے جاتا ہوں۔

روافض کہتے ہیں کہ یہ حدیث خلافت علیؓ پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ہارون حضرت موسیٰ کے خلیفہ تھے۔ جب تک حضرت ہارون زندہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا خلیفہ ان کے سوا کوئی نہ تھا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ درست ہے اور اس سے حضرت علیؓ کی ایک گونہ فضیلت و ثناء ثابت ہوتی ہے لیکن اس سے خلافت علیؓ پر استدلال کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اور حمل اس حدیث کا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علیؓ کی امامت پر یا تو خیال کر سکتا ہے جو علم حدیث و سون و سیاق حال حدیث سے کوئی آگاہ ہی نہ رکھتا ہو۔ یا معاند بے دین کہ ہر ایک بات میں عناد و کینہ کو دل میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ حدیث کی حقیقت اور اس کے حال سے واقف ہو۔ اور عناد کو کام میں نہ لائے تو اس حدیث سے اس پر صاف روشن ہو جائے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کو جاتے تھے۔ تو آپؐ نے اس وقت کسی کو تَخلف کی نصرت نہ دی۔ صرف حضرت علیؓ کو فرمایا کہ ازواج مطہرات اور زنان اہل بیت کی محافظت اور دوسرے مصالح کے انصرام کے لئے مدینہ میں رہیں۔ منافق ناحق حضرت علیؓ کی پیچھے بھاگے۔ اور کہنے لگے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا زاد بھائی کو مدینہ میں رہنے کو

کہا ہے۔ اور غزوہ میں اُن کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کیا الخلفی فی النساء والصبيان یعنی یا رسول اللہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوٹے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اما ترضی ان تكون منی بمنزلة هارون من موسى۔ یعنی جب موسیٰ میتاں کے لئے اپنی قوم سے جدا ہو کر باہر جاتے۔ تو ہارون کو بجائے اپنے چھوٹے برائے (اسی طرح جناب علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میں تمہیں چھوٹے جاتا ہوں) اس سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت علی کی خلافت بعد رسول خدا کے ثابت ہو کیونکہ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کے سامنے وفات پائی۔ اس واسطے کہ آنحضرت نے جناب علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون کے ساتھ نسبت دی۔ تاکہ علی کی خلافت بعد رسول اللہ کا ثابت نہ رہے۔ اس کو خلافت علی پر حمل کرنا مستقیم نہیں ہے اور نیز حضرت ہارون علیہ السلام کے زمانہ میں پیغمبر تھے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ جناب علی حضرت رسول خدا کے زمانہ میں امام تھے، اگر مراد آپ کی خلافت بعد از وفات ہوتی۔ تو یوں ارشاد ہوتا انت منی بمنزلة یوشع من موسیٰ اس لئے کہ موسیٰ کے خلیفہ اُن کی وفات کے بعد حضرت یوشع تھے۔

حدیث غدیر خم کے معنی

دوسری حدیث جس سے، و افوض خلافت علی رضی اللہ عنہ کو استدلال کرتے ہیں۔ من کنتم مولاً فاعلی مولاً کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت

حدیث غدیر خم کہلاتی ہے اور شیعہ اس کو بڑی دھوم دھام سے خلافت برفعل حضرت امیر کا اختلاف ثابت کرنے میں پیش کرتے ہیں۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ برید بن حبیب الاسلمی روایت کرتا ہے کہ وقتِ جمعہ الوداع کے جب آنحضرت غدیر خم پر ایک موضع سے درمیان مکہ اور مدینہ کے پہنچے تو تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یا معشر المسلمین السمعت اولی بکم من انفسکم قالوا بلی قال من کنتم مولاً فاعلی مولاً لا ہمدانی من دالاً و عادی من عادی و عادی من عادی و عادی من عادی کے کیا نہیں ہوں البقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۸

ہوتا ہے کہ حضرت علی تمام لوگوں سے خلافت کے باب میں اول ترین۔ جواب
یہ ہے کہ تمہاری تاویل مستقیم نہیں۔ کیونکہ آنحضرت علیہ السلام نے
ف، تعقیب کے ساتھ علی رضی کی ولایت کو اپنی ولایت پر عطف کیا ہے۔ اور فاء
تعقیب میں تراخی ممکن نہیں یعنی چاہئے کہ جب کسی شخص کی پیغمبر کی ولایت
ثابت ہو تو علی رضی کی ولایت بھی اُس کے عقب ہی یعنی ساتھ ہی ثابت ہو، اور یہ
روایتیں کہ زمانہ رسول میں علی رضی حضرت رسول خدا کی ولایت میں شریک ہوا
یعنی ایک ہی وقت میں رسول کی ولایت بھی ہو۔ اور حضرت علی رضی کی ولایت
بھی، پھر جب آنحضرت کی حیات میں ولایت علی ثابت نہ ہوئی۔ تو آپ کی
وفات کے بعد بطور اولیٰ ثابت نہیں۔ ان دلائل سے ظاہر ہے کہ اس حدیث
سے ولایت علی پر تمسک کسی حالت میں ٹھیک نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ
مراد اس سے ولایت نہیں۔ بلکہ مولاہ دینی ہے۔ مفہوم حدیث یہ ہے کہ
آنحضرت فرماتے ہیں۔ میں جس شخص کا یار و مددگار۔ اور دوست ہوں۔ علی بھی
اس کے یار و مددگار اور دوست ہیں۔ یا یہ کہ جو میرا یار و مددگار ہے۔ علی کا
بھی یار و مددگار ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مولاۃ ہلال
ہے۔ اور بعض علماء نقل کرتے ہیں کہ اسامہ بن زید نے حضرت علی رضی سے کہا کہ
تم میرے مولا نہیں ہو۔ میرے مولا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لہذا جب
رسول خدا نے بطور زجر و تنبیہ کے من کنت مولا فاعلی مولا بعض
کہتے ہیں یہ بات زید کو کہی۔ جب وہ دختر حمزہ کے بارہ میں حضرت علی رضی سے
منازعت کرنے لگے۔

اور ہمیں بطریق معتبر پہنچا ہے کہ ایک شخص نے حسن بن الحسن الحسین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹)

میں دوستی قائم کر لی۔ ذاتوں سے۔ سب نے کہا بیشک ہو۔ فرمایا جس کا مولا میں ہوں۔ اس کا
علی مولا ہے۔ لے خدا دوست رکھے اُس کو جو کوئی دوست رکھے اس کو اور دشمن رکھے جو کوئی اس کو دشمن
رکھے۔ یہ پوری حدیث ہے۔ جس کا ایک کرا صاحب کتاب نے نقل کیا ہے اس کا بیحد جواب جو نہایت
زیادہ ہے۔ نحمدہ للہ عشرتہ کے باب ہفتم میں ملاحظہ ہو اس مختصر میں کتب نقل کی نہیں ہے ۱۲۔

رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آنحضرت علیہ السلام نے نہیں فرمایا۔ میں کدورت و غم
 فعلی ہو گا کہ انہوں نے فرمایا ہاں ایسا ہی فرمایا ہے۔ پس قسم کے ساتھ کہا
 کہ اگر آنحضرت کی مراد اس سے عظمت و امارت ہوتی۔ تو آپ اپنی امت کے
 واسطے اس امر کو ظاہر کر دیتے، اس واسطے کہ امت کا کوئی بھی خواہ مشابہت
 صلہ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ تھا۔ اور خدا کی قسم اگر خدا اور اس کا رسول
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لئے اختیار و پسند کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو
 ترک کرتے اور اسباب میں اپنا عذر و جمل مسلمانوں کے روبرو پیش کرتے۔ تو
 دنیا میں کوئی خطا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خطا کے برابر نہ ہوتی۔ اس واسطے کہ
 طریق سے اس مرد کو ملزم کیا ہے۔ لہذا اس حدیث اور اس قسم کی دوسری
 احادیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور علو منزلت پر حمل کرنا چاہئے۔ نہ
 خلافت و ولایت پر کیونکہ احتمال کے طریق پر کسی حدیث سے استدلال
 کرنا اجماع امت کے ہوتے کوئی اثر و وقعت نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس
 میں ایسی قوم پر افورا اور طعن ہو جس کی ثنا و صفت خدا اور رسول نے
 فرمائی ہے۔

یہی دو حدیثیں بڑی معتبر و جید ہیں۔ چونکہ افاضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خداوندی
 پر استدلال کرتے ہیں۔ سو بعد ازاں کہ ہم نے ان دونوں حدیثوں کے معنی لپیٹے
 طور پر سمجھا دیئے۔ سو ان کے حقائق احادیث ہیں۔ وہ یا تو ضعیف تا قلیل
 حجت ہیں۔ یا موقوفہ کہ ان کا ذکر بھی ہوا نہیں ان سے استدلال تو کجا۔
 ان احادیث کو اکثر بے دینوں نے جن میں شکیانی اور اہل رجسٹ شامل ہیں۔
 وضع کیا ہے تاکہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھرا کر انہیں فتنہ میں الٹیں
 انہیں میں سے سعد و عبید بن مسعود اسکا فائدہ سالم بن ابی حنیفہ مطہر ہیں۔ ان
 احادیث میں اکثر و مدعی ہیں جو حضرت عثمان و سلمان رضی اللہ عنہما

سے تاریخ مدینہ اسلام میں ہے کہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما یا سرورہ کو شہرہ کی فوج کا سر
 اور عمان کے مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر کیا تھا۔ اور ان کا مشاہدہ چھ سو درہم مقرر کیا گیا۔
 کے ماتحت حکام محردوں اور مؤذنوں کی تنخواہیں علیحدہ علیحدہ مقرر کیں۔ آمین۔

کے نام سے وضع کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عمار حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے
 کی طرف سے امیر کو فہرہ چکے ہیں۔ اور سلمان اُن کی طرف سے اپنی تمام
 زندگی تک اُن کے حاکم ہے۔ حتیٰ کہ اس حکومت کی حالت میں انہوں نے
 انتقال کیا۔ اگر یہ دونوں اصحاب خلافت ابو بکرؓ کو غصب جانتے۔ تو خلافت
 عمر کے کیونکر قائل ہوتے، اور اُن کی طرف سے امارت کیونکر قبول کرنے۔
 کیونکہ دونوں خلافتوں کا حکم یکساں ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے
 نام کی جو حدیثیں روایت کی گئی ہے۔ وہ خالص معنی اور بنیادی ہیں۔ اور
 خلافت علی پر استدلال ہرگز جائز نہیں)۔

اگرچہ یہ مسئلہ اہل سنت و اجماع کے نزدیک ایسا متہم پاشانِ رُحما
 جس کے بیان میں ہم طوالت سے کام لیتے۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے۔ کہ
 شیعانِ علی جو خلافت علیؓ کے ثبوت حقیقت کے باب میں دلائل پیش کرتے
 ہیں۔ وہ انتہا درجہ رکیب اور پوچھ ہیں۔ ان دلائل سے بجائے اس کے خلافت
 علیؓ میں کچھ مدللے۔ اُلٹی اہل بیت کرام اور جناب علیؓ کی توہین و تضحیک ظاہر
 ہوتی ہے جس کے ذمہ دار خود وہی روا نقل ہیں۔ جو ان کی شانِ اقدس پر
 ایسی بے ادبیوں کا اظہار کرتے ہیں کہ کہیں اُن کو ڈر پوک مسرت رائے
 بناتے ہیں۔ کہیں اُن کے ظاہر کو باطن کے خلاف ظاہر کرتے ہیں۔ اور ہمیں
 معاذ اللہ وہ تہمت لگاتے ہیں کہ ہم اُن کی اعادہ مناسب نہیں سمجھتے۔
 لیکن ہم نے صغفا اُمت پر رحم کر کے بنیال ہمدردی اسلام اسی قسمل میں
 طریق ایجاز سے تجاویز کیا۔ کیونکہ ان مبتدعین کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی جاہل
 اور نادان مسلمان کے زور و اپنے مزخرفات اور موعظیات پیش کر کے
 اُن کو راہِ راست سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہی نے اکثر
 دیکھا ہے کہ لوگوں نے عام خلق خدا کو اپنی باتوں سے سرگرداں اور پشیمان
 کر رکھا ہے۔ عوامِ مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ ان کی دُروغ بائیاں کہاں سے
 کہاں تک پہنچتی ہیں۔

یہ زنادقہ چاہتے کہ شریعت میں صنفِ دہن پیدا کریں۔ اور اُن کی

بنیاد خلافت ابوبکرؓ میں اعتراض پیدا کر کے نکالیں۔ کیونکہ خلافت ابوبکرؓ پر
توجہ کرنا حقیقت میں جمہور اصحابؓ پر طعن کرنے کے مرادف ہے۔ پھر ان پر طعن
کرنا دین اسلام پر طعن کرنے کی جانب مفتنی ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث اور وہ
احکام جو ان سے مستفاد ہوتے ہیں ہم کو صحابہ کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ لیکن جب
ان کا حال ایسا ہو جیسا یہ بدعتی بیان کرتے ہیں تو صحابہ کی نقل پر اعتماد کیونکر
درست ہو سکتا ہے۔ پس شریعت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ نعوذ باللہ من
الدشخل

خوب یاد رکھو کہ اس مسئلہ کی محافظت موافق قول اہل سنت الجماعت
کے حقیقت میں جلیلہ ابواب شریعت کی محافظت کرنا ہے۔ اور اس کی جانب
سے تہاؤن و تکاسل حقیقت میں دین و شریعت نبویؐ کی اضافت ہے۔ و
اللہ تاجہ و صلیم و ولی دینہ

ایک امام بیہقی امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اہل عقیدہ شیعہ کا یہ ہے کہ
صحابہ رضوان اللہ علیہم کو گمراہ کہتے ہیں۔ اور روانض قائل ہیں ان کی تکفیر کے اور کہتے ہیں۔ سب صحابہ
سے انہیں بچا کر رکھنا چاہیے۔ اور قاضی ابوبکر باقلا فی نے کہا کہ جس چیز کی طرف گئے ہیں
روانضی بصدقہ اس کے پاس کرنا بالکل دین اسلام کا لازم آتا ہے۔ اس واسطے کہ جب چھپانا نہ تھا
تو انہوں نے انفرافہ صیغہ سے اہل احکام اسلام کے بسبب غرض نفسانی کے ان سے واقع ہوا، تو
اور جو کچھ کہ حدیثیں اور اخبار ان سے روایت کی گئیں۔ جموٹ اور باطل ہوئیں۔ بلکہ تعصب جو
گرتا ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کہ ان کی صحبت میں ایسے لوگ
آئے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی کہ انہوں نے مسنی اور تقصیر کی سیج طلب
حق اور تائید اس کی کے۔ اور یہ کلام شیخ ابن حجر کا ہے۔ صواعق محرقہ میں کہ انہوں نے
ہمت طول طول ذکر کیا ہے۔ اور مظاہر حق بلقظہ تمتہ

چوتھی فصل

مراتب صحابہ اور ان کی توقیف کے بیان میں

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ابواب فضیلت پر وقت آگاہی بطریق دہی ہو سکتی ہے۔ پھر ان کے جانچنے کا طریق یہ ہے کہ ان کے احوال و اعمال پر نظر کرنا اور ان کو میزان شرع میں تولد چاہئے۔ اب جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ اصحاب کی صفات و ثناء بیان فرمائی ہے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زمانہ کو خیر القرون فرمایا ہے۔ ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ فاضل ترین اُمت ہیں۔ اور چونکہ بنی آدم موجبات تفضل میں درجات متفاوت رکھتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ صحابہ میں باکیٹ بک تفضل ضرور ہے۔ پھر یہ امر بھی مسلم ہے کہ صحابہ سب کے سب خیر القرون کے مصداق ہیں۔ تو ابواب فضیلت میں اعتبار سابق صحبت اور فواضل دینی کے لحاظ سے ہوگا۔ نہ امور دنیا میں تقدیم او بیاد و نہ رتبے کے لحاظ سے اس لئے کہ جو شخص قرن اول میں سب پر مقدم ہے۔ تو باعتبار اس تقدیم کے بالاتفاق سب سے فاضل تر ہوگا۔

ان مقدمات کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ تمام صحابہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سب سے فاضل ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا صحابہ کے ردبر و اس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا: "ابو بکر خدا کو کیا جواب دو گے کہ عمر کو ہم پر خلیفہ کرتے ہو۔ وہ تو ابوسے رشتہ خواہر تھیں مزاج آدمی ہیں۔" آپس سے فرمایا۔ خدا سے میں کہوں گا کہ میں سب سے بزرگ ہوں اللہ

سے تین تہ ہے کہ مدام میں فتور کی تفریق اور بعض نسبت کے لحاظ سے دوسروں پر فخر اور کرنا کوئی چیز نہیں ہے۔

موافقت تمامہ رکھتا ہے۔ دوسری خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ بڑے بڑے
بعد وفات کے بھی حضرت رسول خدا کے مصاحب قرین رہے۔ یعنی جس گنبد قریس
وحجرہ مطہرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دفن ہیں۔ اسی حجرہ میں حضرت ابوبکرؓ
وحضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی مدفون ہیں۔ اور یہ ایسا بڑا شرف ہے کہ کسی صحابی
کو نصیب نہیں ہوا۔ ان معانی و بیانات سے علمائے امت سے کسی کو بھی
اختلاف نہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین
و فاضل ترین امت ہیں، مگر یہ اختلاف رافضیوں زیدیوں وغیرہم کی طرف
سے پایا جاتا ہے۔ تو اس کے جواب میں ذکر اجماع امت کافی ہے۔ جو اوپر
بیان ہوا *۔

باوجود اس کے جمہور صحابہؓ کے سوا حضرت عمر ابن ابی سلمہ کی روایت
اور نیز حضرت محمد بن حنفیہ کی روایت سے ثابت ہو گیا ہے کہ بعد پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین امت ابوبکرؓ ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہما۔ ان دونوں
بزرگوں کا قول مخالفین پر حجت ہے۔ کیونکہ یہ اہل بیت نبوی اور پیشوائے
شیعہ ان علی سے ہیں *۔

بعد خنین کے خنین کا مرتبہ ہے

پھر اکثر اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ ان ہر دو بزرگ صحابیوں ابوبکرؓ
وعمرؓ کے بعد فاضل ترین صحابہؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت
اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دلیل اس پر اثبات خلافت
عثمانؓ ہے کہ بعد حضرت عمرؓ کے قاع و ثابیت ہوئی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے
اختیار خلیفہ کے لئے شور مچایا تھا۔ جس میں حضرت عثمانؓ کا انتخاب
ہوا۔ پھر اہل سنت کا ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ
سے فاضل تر ہیں (اور خلافت مفضول باوجود فاضل کے درست ہے) *۔
اگر کوئی شخص ہم سے سوال کرے کہ اہل سنت کے متقابل میں یہ
قول کیا وقعت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ اس سے تو خلافت عثمانؓ میں طعن پیدا

ہوتا ہے۔ اور یہ کہ باوجود فاضل کے مفسنوں کو خلیفہ کرنا اہل سنت کی نزدیک
 مستبعد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو خنجر مارا گیا۔ تو ان سے
 کہا گیا۔ استخلف یا امیر المؤمنین تو انہوں نے کسی کی خلافت پر رض
 نہیں کیا۔ اور یہ سہرا یا کہ میں زندگی میں عہد کر سکتا ہوں۔ لیکن بعد موت کے
 نہیں کر سکتا۔ لیکن میں ان چھ آدمیوں کے سوا جن سے حضرت رسول خدا
 آخر وقت تک اپنی ہے، کسی کو بہتر نہیں جانتا۔ علی، عثمان، طلحہ، زبیر
 سعد و قاص۔ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما۔ غرض عمرؓ کے بعد شوری
 ہوا۔ اور صحابہؓ کی نظر میں ان میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح دینا ٹھیک
 نہیں معلوم ہوا۔ کیونکہ وہ سب طبقہ اعلیٰ سے تھے، اور چھوڑا کا استحقاق
 یکساں تھا۔ اسی حال میں چار اصحاب اٹھ گئے اور عثمانؓ و علیؓ کی تفویض
 میں خلافت کا کام کر دیا۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ استحقاق خلافت میں
 اس وقت ان دونوں سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پھر علیؓ و عثمانؓ نے اس
 کام کا حل و عقد حضرت عبد الرحمن ابن عوف کے حوالہ کیا۔ اور دونوں نے
 اتفاق سے دیا کہ اس باب میں جو کچھ عبد الرحمن بن عوف کریں۔ وہی ہم دونوں
 کو منظور ہے۔ اور دونوں میں سے جس سے عبد الرحمن بیعت کرے، دوسرا بھی
 اس سے فوراً بلا تاخیر بیعت کرے گا۔ اور بیعت میں یہ بھی شرط کی گئی، کہ جس شخص
 سے بیعت کی جائے۔ وہ موافق قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کے عمل کرے، اور اپنی تمام تر کوشش و جہد مسلمانوں کی سیود اور دینی و
 دنیوی ترقی میں بذل کرے۔ اور سیرت شیعین رضی اللہ عنہما کی متابعت پیروی
 کرے۔

استحقاق خلافت عثمان

پس عبد الرحمن ابن عوف نے خلافت کے تمام امور مال و مالک پر نظر
 کر کے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور اس کو جناب علیؓ اور باقی تمام اصحاب اور
 امت نبوی نے پسند فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن نے پہلے عثمان کی بیعت
 کی۔ پھر حضرت علیؓ نے اس کے بعد تمام امت نے عثمان کے دست حق پرست
 پر بیعت کی۔ اور اس طرح حضرت عثمانؓ بالاتفاق صحابہ و جناب علیؓ و امت

محمدی کے خلیفہ بنائے گئے ۔

ممکن ہے صحابہ میں کچھ لوگ ایسے ہوں جو جناب علیؑ کو عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہوں ، لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ عبدالرحمن بن عوف کے اجتہاد سے حضرت عثمانؓ خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں ۔ اس واسطے انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ اور نہ تفضیل علیؑ کے باب میں کچھ ذکر کیا ۔ اس خیال سے اس وقت اعتراض کرنا جمہور میں مخالفت پیدا کرنے کا موجب ہو گا ۔ اور کلمہ اسلام متفرق ہو جائے گا ۔

یہ لوگ اگرچہ حضرت علیؑ کو فاضل جانتے تھے ، مگر خوبی و صواب عثمانؓ کی بیعت میں سمجھتے تھے ، اور رفع اختلاف اور اتفاق کلمہ کو اس سے ارفع جانتے تھے کہ ان دونوں کی فضیلت کی بحث کو پیش کرتے ۔ بعض ایسے بھی تھے جو باب فضیلت میں متردد تھے ۔ اور تفضیل علیؑ میں ان کو اشتباہ تھا ۔ اور کوئی ایک شخص ایسا نہ تھا جو فضیلت علیؑ میں محکم ہو ۔ یہی سبب تھا کہ بعض نے علیؑ کو اشتباہاً فاضل جانا ۔ پس ان بیان سے نہ عثمانؓ کی بیعت میں کوئی لطمہ پیدا ہوتا ہے ۔ نہ علیؑ کی فضیلت میں کوئی نقص عائد ہوتا ہے ۔ دلیل یہ ہے کہ جب سب نے بلا مخالفت عثمانؓ کی بیعت اختیار کر لی تو ظاہر ہے کہ وہ اس پر راضی تھے ۔ اور اجتہاد عبدالرحمنؓ کو راجع بصواب جانتے تھے ۔ بعد خلفائے راشدین کے ان صحابہ کی فضیلت ہے جس کی بابت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے کہ وہ اہل بہشت سے ہیں ۔ ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں ۔ یہ دس ہیں ۔ چار خلفائے راشدین اور چھ دوسرے جن کے اسم گرامی یہ ہیں :- سعد وقاص ، عبد الرحمن بن عوف ، ابو عبیدہ بن الجراح ، متعبد ، طلحہ ، زبیر رضی اللہ عنہم پھر طبقات صحابہ میں اہل بدر کا مرتبہ ہے ۔ ان کے بعد اہل بیت الرضوان کا ۔ پھر عام ہاجرین عام انصار سے فاضل تر ہیں ۔ پھر دین میں خداوندان سابقہ سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دو مرتبہ ہجرت کی ۔ اول حبشہ کی طرف ۔ پھر مدینہ کی طرف ۔ اور اصحاب معتبر سے وہ لوگ ہیں جن کو رسول اللہ کی صحبت کا شرف

اور فضل و علم دونوں حاصل ہے۔ ان حضرات کے مراتب کے واقفیت نہ صرف
خداوندان علم و بصیرت کو بہت مفید ہے، مہذا دین میں یہ ضرور نہیں کہ ہم
ان کے درجات اور باہمی تفاضل کو تفصیلاً معلوم کریں۔ ان سے صرف محبت
و احترام رکھنا چاہئے۔ تاکہ یہ حضرات رسول اللہ کے شرف صحبت سے مشرف
ہوئے ہیں۔ اور سابقین فی الاسلام ہیں۔ پس ان کے مراتب کی تمیز ایسی غرور
نہیں۔ جیسے خلقائے راشدین کے مراتب کی تمیز ضروری ہے۔ خلفائے اربع
کے مراتب کی تمیز اس لئے ضروری ہے، کہ مصالح دینی و دنیوی ان کی ذات
سے متعلق ہیں۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ اس سے باطل فرقوں کی اندرونی حالت
اور خیانت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اصحاب ثلاثہ کے بے شمار فضائل سے چشم
پوشی کر کے صرف جناب علیؑ کی فضیلت کے رنگ گاتے ہیں۔ اور ان کی نسبت
بنی بنائی پھوٹی اونڈرکار کھاتیاں سناتے ہیں۔ جو اہل ہوش کے لئے موجب
خندہ ہیں۔ اور بے وقوفوں کے لئے باعث ابتلائے فتنہ۔

علی العموم تمام صحابہؓ کی تعظیم کرنا چاہئے

سچے مسلمان کا آئین دین اور طریق اسلام یہ ہوتا چاہئے کہ علی العموم
تمام صحابہ کرام کی تعظیم و تکریم کریں۔ اور کسی کی نسبت طعن و تشنیع روا نہ
رکھیں۔ اور کسی حال میں کسی کی ملامت جائز نہ سمجھیں کہ حضرت رسول خداؐ فی
اس فتنہ سے تنذیر فرمایا ہے کہ میرے اصحابؓ کے بارہ میں خدا سے ڈرو۔ ان
کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان
ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص (خدا کی راہ میں) کوہ احد کے برابر خرچ کرے
تو صحابہؓ کے ایک مد طعام خرچ کرنے کے ثواب کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ او
نہ نصف مد کے خرچ کرنے کے ثواب کو، حدیث مذکور یہ ہے۔ اللہ اللہ فی
اصحابی لا تتخذن وھم من بعدی عن جہنا فی الذی نفس محمدؐ
بیدہ لواف احدکم انفق مثل احد ذھباً ما ادرك مد
احدھم ولا نصفہ انفقھم فی سبیل اللہ۔ اور شیطان طریق

ہوا و عصیت سے لوگوں کو تفسیر میں ڈالتا ہے کہ صحابہ کی باہمی خصوصیت صرف طالب دنیا کے لئے تھی۔ کیونکہ انہوں نے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنی ہیبت کو بدل دیا۔ اور باہم منازعت کی۔ حتیٰ کہ خوں ریزی تک نوبت پہنچی۔

پس اس موقع پر مسلمانوں کو یہ جاننا چاہئے کہ اصحاب انسان تھے، کچھ ملائکہ اور انبیاء نہ تھے کہ غلطی سے معصوم رہتے۔ بلکہ اُن سے خطا ہو جانا ممکن ہے۔ اگرچہ خداوند عالم نے اُن کو پیغمبر کی مصاحبت سے گرامی کیا تھا۔ اُن میں بڑی خوبی و سعادت یہ تھی کہ اگر سہواً اُن میں سے کوئی شخص خطا میں مبتلا ہو جاتا۔ تو فوراً اُس سے رجوع کرتا۔ اور گناہ پر کبھی مصر نہ ہوتا۔ اور یاد رکھو کہ اہل حق کا یہ مذہب ہے کہ بندہ صدور گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل ہم آگے بیان کریں گے۔ پھر جب کافر نہیں ہوتا تو مومن ہے۔ ایمان الہی کو زیبا نہیں کہ فساق اہل ایمان کو برا کہیں۔ پھر صحابہ کو کس طرح بُرا کہنا چاہئے کہ خدا نے عموم صحابہ کی ثنا فرمائی ہے۔ اور رسول اللہ نے اُن کی حرمت کی حفاظت کے لئے وصیت کی ہے۔ اور اُن کے پیچھے پڑنے سے سختی کے ساتھ منع اور زجر فرمایا۔ اور کہا ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ ایسی باتیں ظاہر ہوں گی۔ جن کا ذکر خوب نہیں ہے۔ تم اُن کو براٹیوں سے یاد نہ کرو۔ کہ خدا میری صحبت کی برکت سے اُن کی تمام ذلات اور لشرذیات معاف فرمائے گا۔ اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔

علی کی محبت کا نشان درست

علمائے کرام کا تشدد اس باب میں صرف اس غرض سے ہے کہ لوگ عام صحابہ کو بُرا کہنے سے ڈریں۔ اور گمراہی و غواہت میں نہ پڑیں۔ اور اس لئے صحابہ کی محبت و تعظیم کی جانب تشریں و ترغیب کی جاتی ہے کہ فرقہ و افق سے کوئی بد بخت ایسا نہیں جو عموم صحابہ کی شان میں کلمات معاندانہ زبان سے نہ نکالتا ہو۔ یہ لوگ جناب علی کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں

اور حقیقت میں سب سے بڑے مخالف اُن کے ہیں بد سجت ہیں۔ علیؑ کی محبت کا نشان درست یہ ہے کہ صحابہ کا اقتدار کریں۔ اور طریق مسلمانان میں اُن کے مخالف نہ ہوں۔ اور جناب علیؑ نے فرمایا اخیاننا بغوا علیتنا ہمارے بھائی ہمارے مخالف ہو گئے۔ اور آپؑ نے ابن جرموں قاتل زبیرؓ کی نسبت فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ قاتل زبیر رضی اللہ عنہ کا دوزخی ہے۔

مخالفین علی رضی اللہ عنہ پر حسنِ رُست نہیں

حربِ جمل کے آخر روز میں جناب علیؑ صفوان کے درمیان کھڑے ہو کر دیکھتے تھے کہ کون کون مارے گئے۔ جب آپؑ کی نظر حضرت طلحہؓ پر پڑی کہ خاک پر پڑے ہیں۔ تو فرمایا اے ابا محمد تیرا خاک پر اس طرح پڑا ہوتا مجھ پر سخت دشوار ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ مَا اَعَذَّرَ عَلِيَّ اَبَا مُحَمَّدٍ مَا اَعَذَّرَ عَلِيَّ اَبَا مُحَمَّدٍ اِنْ اَرَادَ مَجْدُ الْاَقْبَانِ لِبَطْنِ الْاَوْدِ بَيْتَ قَحْتِ مَجْمُورِ السَّمَاءِ اَشْكُو اِلَى اللَّهِ اَعْجَزِي يَهْ دُونِ وَهْ مَقْدَسِ صَحَابِي هُنَّ جَنِّ كَيْ يَهْتَقِي هُوْنِي كَيْ بَشَارَتِ حَضْرَتِ نَبِيِّ كَرِيْمٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَفِي وَهِي هِيَ۔ اور جناب علیؑ فرماتے تھے کہ میں طلحہؓ اور زبیرؓ ان اصحاب سے ہیں جن کی شان میں خداوندِ جمل و علانے فرمایا۔ وَنَنْ غَنَا مَا رَفِيْ حُنْدُ وَرِ عِيْلٍ عَلِيٍّ سُرِيْهِ مُتَقَابِلِيْنِ اور صحیح طور پر معلوم ہوا ہے کہ حضرت علیؑ نے کسی شخص کو ان کے ساتھ مقاتلہ کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ اور نہ اُن کے قتل پر آپؑ اذنی تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؑ نے ان کے حق میں سچی یعنی قید و گرفتاری کو روانہ رکھا۔ اُن کے مال کو مباح نہیں کیا۔ اور جب انہوں نے فتح پائی اور ہتھیار ڈال دیئے تو اُن میں سے کسی کو بھی قتل نہیں کیا۔ اور نیز اُن کا تعاقب نہ کیا۔ اگرچہ ان کا مقاتلہ علیؑ کے ساتھ ثابت ہے۔ لیکن وہ مسلمان تھے، ان کی جنگ دوستم سے خارج نہ تھی۔ یا تو مجتہد تھے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس جنگ میں صلاح

امت متصور کی اور وہ اس اجتہاد میں غلطی تھے۔ یا ایسے مسلمان تھے کہ انہوں نے از روئے غرضت الخارج کے امام کے مقابلہ میں شمشیر نکالی۔ اور ان کو حجاب اور خوہش ریاست کی مغایرت کر دیا۔ لہذا اس خطا کے مرتکب ہوئے یا وہ اس حال سے واقف نہ تھے کہ علی امام بحق ہیں۔ اور ان کی اطاعت و متابعت ضروری ہے۔ پھر جب ہم نے انہیں مجتہد کیا تو اس سے ان پر طعن کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ مجتہد خطا پر مایوس نہیں ہوتا۔ رہا کہ مصیبت ہونے کی حالت میں دو اجراء خطا کی حالت میں ایک اجر پاتا ہے)۔

اکثر علمائے اہل سنت نے ان صحابہ کو جو جناب علی سے آمادہ پیکار ہوئے۔ بآسیر خود اسی قبیل سے شمار کیا ہے۔ اور جناب طلحہ و زبیر و حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کو اس کے سوا تصدیق کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عموماً قرآن و حدیث میں جو صحابہ کی فضیلت و ثناء میں ناظر ہیں داخل ہیں۔ اور نیز ان کے حق میں اخبار خاصہ ارد ہیں جن سے بمقابلہ دوسرے صحابہ کے ان کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ حضرت زبیرؓ نے محراب علیؓ سے خود اجتناب کیا تھا۔ وراہین جرمیوں نے ان کو ظلم سے قتل کیا تھا۔ اور طلحہؓ سے ثابت ہے کہ وہ آخر وقت میں اس لڑائی سے ناراض ہوئے۔ اور آخر میں میں جب ان کی نظر حضرت علیؓ کے ایک دست پر پڑی تو آپ نے اُس سے کہا اپنا ہاتھ لاؤ کہ امیر المومنین علیؓ کی بیعت کروں۔ اُس نے ہاتھ دیا اور آپ نے بیعت کی۔ اور حضرت عائشہؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ جب ہاتھ جگ جگ کو یاد کرتے تھے۔ تو اتنا روتے تھے کہ آپ کی اور صفی مبارک تر ہو جاتی۔

باعنی بغاوت کے سبب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا

ایک سبب وہ لوگ جو علیؓ کی فطرت اور استحقاق امامت سے آگاہ نہ تھے۔ تو اس امر میں خود موزور ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو دانا ہو کر ریاست کو حصول کے لئے اس جگہ نہیں شامل ہوئے وہ ضرور باغی ہوئے۔ مگر باغی بغاوت کا

سبب اڑہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور جب عزت بغاوت میں اُس کے مال میں تصرف روا نہیں۔ تو بطریق اولیٰ بدیہی کے توبہ کا اُس سے امکان رکھتا ہے *

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اپنے گزشتہ لوگوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا کرو۔ وہ اپنے کئے کو پہنچ گئے۔ یہ ایسی نسبت ہے جو ہر ایک مسلمان کے ساتھ خواہ نیک ہو یا بد تعلق رکھتی ہے۔ باوجود اس سبب کے یہ کیونکر روا ہو سکتا ہے کہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرائی سے یاد کیا جائے۔ نیز آپ نے فرمایا۔ اللہ اللہ فی اصحابی اور عام مسلمانوں کے حق میں فرمایا۔ لا تذکرُوا موتاکم الا بخیر فانہم افیضوا الی ما قد صواب نے یہ جو فرمایا کہ وہ اپنے کردار کے بدلے کو پہنچ گئے۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وہ اگر نیک کردار تھے تو تمہاری بدگوئی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور اگر بد کردار تھے تو اپنے عمل کو پہنچ گئے تمہارا برا کہنا انہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تو تمہاری بدگوئی بے فائدہ ہے *

پس اگر عمرو ابن العاص اور امیر معاویہ اُن کے امثال کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اور آپ کے شرفِ حجت سے مشرف تھے کوئی شتمِ سببِ محاربہ علی رضی اللہ عنہ کے احترام نہ کرے تو زبانِ بدیہی اُن کے حق میں دراز نہ کرے۔ کیونکہ جب عام مسلمانوں کو برا کہنے کی مخالفت ہے۔ تو یہ بزرگوار اُن سے تو کسی طرح کم نہ تھے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس آیت کریمہ پر عمل کریں۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَرَكَعًا مَّا كَسَبَتْ وَلَا يُسْأَلُ عَنْهَا شَيْءٌ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّكَ حَقًّا اِنَّ عَمَلًا لَّذِيْنَ اَعْمَسُوْنَ اس امرت کہ عمل اُن کے ساتھ کیا گزرا ہو۔ تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔ اور ان کے اعمال کے متعلق تم سے کوئی سوال نہ ہوگا۔ (صَدَقَ اللّٰهُ الْبَلٰغُ الْعَظِيْمُ) اور یہ یقین عاقلین کہ اُن کی بُرائی کرنے سے حضرت علی کی شان و فضیلت میں کوئی کمی نہ ہوتی۔ (اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیبود و حرکت)

سے خوش ہوتے ہیں ۔

جناپ علیؑ اپنے فضائل کثیرہ اور کمالات عاریدہ کے لحاظ سے متعصبین
بے دین کے تعصب سے مستغنی ہیں۔ ان میں جو فضائل ہیں۔ مثلاً علم و حکمت۔
سابقہ فی الاسلام۔ ہجرت و نصرت رسول اللہؐ شمشیر اور اپنی قوم پر تشدد
برائے دین اور قراہیت و اختصاص بہ موافقات رسول علیہ السلام اور اختیار از
بہر مناجات سیرۃ النساء اور تفرد بامتثال رسول خدا از صلب و غیر
وغیرہ یہ تمام کافی و کافی ہیں۔ فرموا ان اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اولادہ
اجمعین ۔

حضرت فاطمہؑ اور خدیجہؑ اور عائشہؑ کی فضیلت

اور اعتقاد رکھیں کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اولاد رسول میں
سب سے افضل ہیں۔ اور رسول اللہؐ کی گواہی کے موافق زبان عالم کی سزا میں
اور وہ اور ان کی والدہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ تمام زبان عالم
سے برتر و مستثنیٰ ہیں۔ پھر یہ بھی اعتقاد رکھیں کہ آنحضرت کی تمام ازواج
مطہرات صالحات و طاہرات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کے لئے اختیار کیا ہے۔ اور حضرت
خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد فضیلت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کا رتبہ ہے۔ اور صحابہؓ کی عورتوں کے بارہ میں باعتبار مراتب صحابہؓ کے
اعتقاد رکھیں۔ اور اعتقاد رکھیں کہ صحابہؓ اور ان کی ازواج سے کسی وقت
میں فسق و فجور روا نہیں۔ فرموا ان اللہ تعالیٰ علی سائر الصحابة
والصحابيات والتابعين لهم باحسان الى يوم الدين ۔

پانچویں فصل

فرقہ ہائے اسلام کے اور نیز اس کے بیان میں کہ بہت
گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اور اس بدعت کے بیان میں جو

موجب کفر ہے

جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت تہتر
فرقوں پر منقسم ہوگی۔ وہ سب دوزخی ہوں گے۔ لیکن سواد اعظم صحابہ رضی اللہ عنہم کی
یا رسول اللہ سواد اعظم کون ہے۔ فرمایا وہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔
حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ستقرتی امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ
کلہم فی النار الا سواد الاعظم قالوا یا رسول اللہ و ما
السواد الاعظم قال ما انا علیہ و اصحابی بعض متکلمین
اور دوسرے اہل علم نے اس حدیث کی بناء پر گمراہ فرقوں کا حصہ و احصائی
کیا ہے۔ لیکن یہ بات تکلف سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ اگر تمام مشہور فرقوں
کے نام گنائے جائیں۔ تو تعداد میں تہتر نہیں ہوتے۔ اور صرف چند مشہور
و متعارف فرقے گنے جاسکتے ہیں۔ جیسے خوارج و روافض و معتزلی وغیرہ۔
اور ان تینوں فرقوں کی شاخیں شمار کی جائیں۔ تو مذکورہ تعداد سے بڑھ جانے
ہیں۔ پھر ان کے سوا کرامیہ کے بارہ گروہ ہیں۔ بخاریہ کے تین گروہ اور مرجئیہ
کے پانچ گروہ اور اگر دوسرے فرقوں کے افراد گنے جائیں۔ تو بہت زیادہ ہوتے
ہیں۔ تو قول درست بنی پر احتیاط یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے اس حدیث میں فرقہ ہائے امت کے افتراق کو کسی وقت خاص کے ساتھ

موقت و معین نہیں کیا ہے۔ احتمال ہے کہ بعض ان فرقہائے ضلال سے ابھی تک پیدا نہ ہوئے ہوں۔ اور آئندہ پیدا ہوں۔ اور ان فرقوں کے آسامی ان کو مقتدا ان کے نام سے منسوب ہیں۔ یعنی ہر ایک فرقہ اپنا نام اپنے مقتدا کی نسبت سے مشہور کرتا ہے۔ اور ان میں اعتبار ان کے اصول و مذہب کے موافق ہے۔ جو فرقہ اصل مذہب میں با یکہ یکر موافق ہیں۔ ان سب کو ملا کر ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے۔

جیسے ہم ان موجودہ فرقہائے ضلال کے عقائد پر نظر کرتے ہیں۔ تو ان میں ہر ایک فرقہ کو ایسے اعتقاد پر پاتے ہیں جو خلاف اعتقاد قرن اول کے ہے جس کے مراد صحابہ کرام کا اعتقاد ہے۔ یا انہوں نے ایسے عقائد احداث کئے ہیں جو کفر و سنت کی رُو سے مستقیم نہیں ہیں۔ اسی سبب ہم ان فرقوں کو فرقہائے ضلال کہتے ہیں۔

فرقہ خوارج

فرقہائے ضلال میں سب سے پہلے فرقہ خوارج کا ظاہر ہوا۔ خلافت المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخالف تھا اور دلیل یہ پیش کرتا تھا کہ اگر علی خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔ تو دوسرے کو حکم کس واسطے کیا۔ کہ اس حاکم نے علی کو امامت و خلافت سے باہر کیا۔ اور اگر تحکم جائز تھا۔ تو علی کو کس واسطے مثل حکم کے امامت سے باہر کیا۔ اس نے خود اپنے کو علی خندہ نہیں کیا۔ اور اگر تحکم باطل تھا تو باطل کو کیوں اختیار کیا۔ ان بے حاصل شبہات کے سبب یہ فرقہ جناب علی سے الگ ہو گیا۔ انہوں نے دونوں گروہ (معاویہ علی) کی تشبیہ کی۔ جو صفین میں حاضر تھے۔ اس فرقہ کو محکمہ کہتے ہیں۔ اور پیشوا ان کا عبد اللہ بن وہب بکرعی۔ اور پیر عاصم مختاری ہے۔ بعد اس کے قدر یہ پیدا ہوا

اسے چنانچہ فرقہ کتاب ہذا میں ہم فرقہ اسے اسلام کا حال بتفصیل بیان کر آئے۔ اور سچ بات یہ ہے کہ لفظ فتر سے فرقہ اسے اسلام کا حصہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مراد کثرت ہے چنانچہ واقعات سے ظاہر ہے ۱۲۔

اور پہلا شخص جس نے قدر کے متعلق گفتگو کی۔ وہ معبد حبشی ہے۔ بصرہ کی رہنے والا۔ اُس کے بعد فرقہ ردائش کا ظہور ہوا۔ جس نے حضرت ابو بکرؓ کی امامت میں طعن کیا اور صحابہ کی تشبیہ پر آمادہ ہوئے، جناب علیؓ کے زمانہ میں یہ مذہب نہیں تھا۔ اس وقت کچھ لوگ تھے۔ جو خود کو شیعیان علیؓ کہتے تھے، پھر علیؓ کے بعد دفعتاً پیدا ہو گئے۔ اور تابعین کے زمانہ میں معتزلہ پیدا ہوئے۔ ان کا پہلا شخص جابر بن عبد اللہ عزال اعیان بصریؒ ہے۔

صاحب کبیرہ کا مذہب نہیں ہوتا

اہل سنت و خواج کے درمیان اس مسئلہ میں خلافت ہے کہ خواہج مسلمان صاحب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور اہل سنت مومن۔ مگر معتزلہ ان دونوں فرقوں سے علیحدہ ہو کر تیسری بات کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ صاحب کبیرہ نہ کافر ہے اور نہ مومن۔ بلکہ اُس کو کفر و ایمان کے مابین ایک درجہ حاصل ہوا ہے۔ اس بات حضرت حسن بصریؒ نے اس کو (اصل عزال کو) اپنے حلقہ سے باہر کیا اور فرمایا۔ اعتزل نہ بنا یعنی اصل ہم سے الگ ہو جا۔ اسی سبب اُس کو معتزلہ کہتے ہیں۔ پھر عمر و عبید اس مسئلہ میں اُس کا ہنجبال اور مددگار ہو گیا۔

تکفیر کے اسباب و داعی

یہ تمام فرقے اپنے اپنے مذہب کی نصرت و یاری میں کوشش کرنے لگے اور وقتاً فوقتاً اسلام میں شبہات اٹھانے لگے۔ اور باہمی اختلاف بڑھتا گیا حتیٰ کہ ایک دوسرے کی تشبیہ و تکفیر کرنے لگے۔ علمائے سلف ان فرق ضالہ کی تفسیر روا نہیں رکھتے۔ اور بعض مثل خواج و روافض و معتزل کی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن احوال دین کے اعتبار سے مستقیم یہ بات ہے کہ اگر یہ فرقے ظاہر کتاب و سنت ثابتہ کی مخالفت کرتے ہوں۔ یا اجماع ائمہ کے منکر ہوں۔ تو ان کی تکفیر میں مطلق پس پیش نہ کرنا چاہئے۔ اور بعض علما جو مطلقاً نفی تکفیر کرتے ہیں۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ منہج قیامت

عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً کہتے ہیں کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام فرقوں کی بابت لفظ امتی استعمال کیا۔ تو ان کی تکفیر روا نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی امت افتراق کے قبل کے لحاظ سے جیسا کہ حدیث ثوبان میں ہے لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَلْحَقَ قِبَائِلُ مِنْ أُمْتِي بِالْمَشْرِكِينَ وَحَتَّى تَعْبُدَ قِبَائِلُ مِنْ أُمْتِي الْأَوْثَانِ یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے بعض قبائل مشرکین سے نہ جا ملیں۔ اور جب تک میری امت کے بعض قبائل بت پرست نہ ہو جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ مشرکین اور بت پرستوں کو رسول خدا کی امت کہہ سکتے۔ تو معلوم ہوا کہ مشرک اور بت پرست ہونے کے پہلے انہیں لفظ امت سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ بعد افتراق کے ہی ان پر لفظ امت کا اطلاق ہوا ہے۔ تو اس صورت میں بھی یہ لازم نہیں آتا۔ کہ عمل کفر کے سبب ان کی تکفیر نہ کی جائے۔ دوسرے یہ کہ امت کا اطلاق کئی وجوہ سے ہوتا ہے۔ ہر ایسی قوم جو ایک زمانہ میں ایک دین پر ہو یا ایک پیغمبر کے زمانہ میں ہو۔ بشرطیکہ اس پیغمبر کی دعوت آئی ہو۔ لفظ امت استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ جب جناب علی رضی اللہ عنہ سے خوارج کے کفر کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا يَا مَعْشَرَ الْكُفَّارِ فَرِّدْ یعنی وہ لوگ کفر سے بھاگے ہیں۔ یہ رسول جناب علی رضی اللہ عنہ سے بطریق معتبر ثابت ہے۔ پھر پوچھا گیا کیا یہ لوگ منافق ہیں۔ فرمایا منافق خدا کو کم یاد کرتے ہیں۔ اور یہ بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔ اِنَّ الْمُنَافِقِينَ كَايِدٌ كُرُودٌ اِنَّ اللَّهَ اَكْبَرُ قَلِيلًا وَهُوَ اَكْبَرُ يَنْ كُرُودٌ اِنَّ اللَّهَ كَثِيرٌ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ خوارج کی تکفیر نہیں کی۔

جواب یہ ہے کہ شاید جناب علی رضی اللہ عنہ کو خوارج کے عقائد فاسد سے اُس وقت تک آگاہ ہی نہ ہوئی۔ یا اُس وقت ان کے عقائد ایسے بُرے نہ ہونگے جن سے ان کی تکفیر لازم آئے۔ اس واسطے کہ خوارج ابتدا میں جناب علی رضی اللہ عنہ سے اس خیال سے جدا ہوئے تھے کہ وہ علی و معاویہ کے درمیان محکم کو پسند نہیں کرتے تھے اسی واسطے انہوں نے علی و معاویہ دونوں کا تخطیب کیا۔ یعنی دونوں کو خط لکھا

بتایا۔ بلکہ جتنے لوگ جنات و جنین میں شریک تھے۔ سب کو ہراکھا۔ اتنی بات کی اشاعت ہونا تھی کہ علیؑ و معاویہؓ دونوں طرف کے لوگ خوارج کے ہتھیال ہو گئے اور اس طرح جب ان کی جمہوریت کو استحکام ہو گیا۔ تو انہوں نے بے تحاشہ علیؑ و معاویہؓ، عائشہؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور تمام ان اصحاب کو جو جنات و جنین میں شامل ہوئے سب کی تکفیر کی۔ یہ نہ جانا کہ حضرت رسول خدا ﷺ اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے جو مسلمان کسی بھائی مسلمان کی تکفیر کرتا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور کفر واقع ہوتا ہے۔ یعنی اگر اُس کا قول درست نہ تھا۔ تو وہ خود کافر ہو گیا۔ کہ اس نے ایک ایسے شخص کو جو حق پر تھا۔ کافر کہا۔

نصر یہ اور کیسانیہ

یہ اڑاں طائفہ نافع ازرق اور نجدہ ہروی پیدا ہوئے۔ انہوں نے اس پر اور چند بدعتیں زیادہ کیں۔ اور مسلمانوں کے جان و مال کا استحلال کیا جو سراسر کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ پھر غلاطروافض سے ایک فرقہ علیؑ کی ربوبیت کا قائل و معتقد ہو گیا۔ اس کا نام عابیان اور علی الہیان ہے۔ پھر ایک فرقہ کیسانیہ ہوا۔ جو خدا پرندامت ویشیانی کو روارکتا ہے پھر معتزلہ میں ایک فرقہ ہزیلیہ نام کا مشہور ہوا۔ جو پیر و ایوانہ زیل علیؑ کا ہے۔ اس کا قول ہے کہ مقدورات خدا تعالیٰ کی انتہا اور حد ہے۔ اور نسیم و عذاب جنت و دوزخ فی الحال موجود نہیں۔ آخر میں موجود ہو گیا۔ پس ان فرقوں کی تکفیر میں کیونکر توقف ہو سکتا ہے۔

نصر نظامیہ

ایک فرقہ نظامیہ نام کا ہے۔ جو اس امر کا معتقد ہے کہ خدا تعالیٰ عالم جزئیات نہیں۔ اور اس قسم کی اور بھی فضائل ہیں اس فرقہ سے مروی ہیں۔ ایسے فرقہ کی تکفیر میں بھی غامض کو تردد نہیں ہو سکتا۔ پس علماء ملت نے

جو بعض فرقہ ہائے ضالہ کی تکفیر میں تردد کیا ہے۔ شاید ان قسماً ان فرقوں کے عقائد تکفیر تک پہنچے ہوں گے۔ ان کے بعد انہی فرقوں میں وقتاً فوقتاً بدعات و مخالفت کی ترقی ہوتی گئی۔ کہ ان کے عقائد تکفیر کی حد کو پہنچ گئے تو اس وقت ان کی تکفیر بھی ضروری ہوئی تاکہ عام اہل اسلام علمائے کرام کی عدم تکفیر کے فتوؤں کو دیکھ کر انہیں مرہ اسلام سے نہ سمجھنے لگیں۔ اور اس دعوے کے میں فکر ان کے دامن قریب میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ یا علمائے سلف کی عدم تکفیر کا یہ سبب ہو کہ وہ کلمہ گویوں کی تکفیر کا مناسب سمجھتے ہوں۔ اور اس سے محنت و رنج ہوں۔

کلمہ و النثار کی توضیح

اب سے وہ لوگ جو نفوس متہرانیہ اور حدیث سنت نبویہ کی اپنی دلیل کرتے ہیں کہ جن کا وہ الفاظ احتمال رکھتے ہیں۔ لیکن وہ تاویل ظاہر معنی کے نکالتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کا حال اہل کبار جیسا ہے۔ اور ان کی تکفیر و انہیں سب سے بھر اگر قائل کہے کہ حدیث میں کلمہ و النثار کا حکم موجود ہے۔ اور ان کا ناری ہو ان کے کفر بدولت کرتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ السلام و آلہ السلام کا یہ فرمانا کہ وہ سب دوزخی ہیں۔ ان کے کافر ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں۔ جو اعمال صالحہ میں سعی و بسط کرتے رہے ہیں۔ جس کے سبب انہیں خدا اپنے رنج سے نجات پانے کی امید قوی ہے۔ حدیث کا مفہوم بتاتا ہے کہ اس سے بعض فرقہ ہائے ضالہ کے قریب دوزخ ہونے کے معنی ہیں۔ زیادہ مستحکم ہے۔ فارسی میں جب کہتے ہیں کہ فلاں را آتش است۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آگ کی سیبیت بالکل اُس سے ملتی جلتی ہے۔ یہی معنی ہیں کہ کلمہ و النثار کے بابہ کہ ان کے یہ الفاظ ان کی انتہا درجہ کی گمراہی کی طرف دلالت کرتے ہیں اور ان کی نجات کو مہم سابتاتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جو فرقے اپنے عقائد کے نام سے میں اس درجہ پاچی اور بد مذہب ہیں کہ قرآن و حدیث کی مدد سے ان کو نصرت کرنے میں توازن کے دوزخی ہونے میں اور ان کی تکفیر میں کوئی کلام نہیں۔ پھر میں ان کے

مخلد فی النار ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ آیت اِنَّ الْمَلٰٓئِکَہٗ لَا یَغْفِرُوْنَ مَنْ یُّشْرِکْ بِہٖ شَیْئًا وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ کی امید مغفرت کو باقی رکھتی ہے۔ اور جو فرقے ایسے ہیں جن میں بدعات کا اس حشر شیعہ نہیں ہے۔ جو صریحاً مخالف کتاب و سنت ہو۔ بلکہ وہ قرآن و حدیث کے تاویل معنی کرتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے کہ وہ اہل سنت و الجماعت کے معنوں سے الگ معنی کرتے ہیں۔ وہ گمراہ ضرور ہیں۔ مگر ان کی گمراہی مثل اہل کیاڑ کے ہر اگر نوبہ کر کے مرے تو دنیا سے معذور گئے۔ ورنہ مردود و مطرود ہے۔

فرقائے قتالہ مخلد فی النار نہیں

اس کے مانند ایک حدیث عرفائے قبائل کے باب میں وارد ہے (عرفائے قبائل رؤسا اور پیشکاران دیہہ کو کہتے ہیں) وَلَیْسَ کُنُ الْعُرَفَاءُ فِی النَّارِ تُو اس سے تمام عرفاء کی بابت دوزخی ہونے کا حکم نہیں کر سکتے۔ پھر اگر کہا جاسے کہ جب آنحضرت علیہ السلام نے جملہ گمراہ فرقوں کی بابت دوزخی ہونے کا حکم کیا ہے تو تم بعض کی تخصیص کس جہت سے کرتے ہو کہ ان میں بعض کی تکفیر کرتے ہو۔ اور بعض کی عدم تکفیر روار کہتے ہو۔ جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حکم کو اصول دین سے معلوم کیا جو اوپر مذکور ہوا۔ اور آنحضرت نے جو فرمایا کُلُّ جُہْدٍ فِی النَّارِ اور سب کو ایک ہی سلسلہ میں داخل کیا۔ یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ سب کا حکم یکساں ہے۔ جب یہ جائز ہے کہ صاحب کبیرہ آتش دوزخ میں جلیں گے۔ اور کافر بھی۔ اس واسطے سب کو ایک ساک میں کھینچا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ایک مخلد فی النار ہے (یعنی کافر) اور ایک ہے جو بعد معذرت ہونے کے دوزخ سے رستگاری حاصل کریگا۔ (یعنی صاحب کبیرہ) اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک جماعت کو گرفتار کر کے اُن میں سے بعض کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور بعض کو صرف تہذیب فرما کر چھوڑ دیا۔ لوگوں نے یہ سمجھ کر کہا کہ بادشاہ سب کے اراض ہواؤں سب کو عقوبت فرمائی۔ یہ ہے حکم فرقائے قتالہ کا مطابق کتاب و سنت کے۔ وَ اِنَّ اللّٰہَ اَعْلَمُ بِاَلْحَقِّ اب

چھٹی فصل

گناہ کارانِ اُمت کے یہاں نہیں

مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ صاحبِ کبیرہ بسببِ گناہ کے کافر نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایمان و کفر دونوں دل کی صفیتیں ہیں۔ اور اُن میں سے کسی ایک کا محو ہونا بدلہ ثبوتِ دوسرے کے محال ہے۔ یعنی ایمان اُن سے محو نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل میں کفر کا ہونا ثابت نہ ہو۔ اس طرح کفر کا محو ہونا بدوں وجود و ثبوتِ ایمان کے غیر ممکن ہے۔ تو جب گناہ اہل جوارح ہے۔ اور ایمان صفتِ دل تو جوارح کے عمل سے اُن کی صفت کیونکر محو ہو سکتی ہے۔ جس طرح کافر اگر بہ ظاہر نماز و روزہ وغیرہ کا پابند ہو اور دل سے اسلام کا معتقد نہ ہو۔ تو اس کو کبھی مومن نہیں کہہ سکتے، اسی طرح مومن اگرچہ جوارح سے عمل بد کرتا ہے۔ مگر جب تک اُس کا دل توحید و رسالت کا معتقد ہے۔ وہ ہرگز کافر نہیں ہو سکتا۔

صاحبِ کبیرہ کی تکفیر مذہبِ خوارج کا ہے

گناہ کے سببِ بندہ کی تکفیر کرنا یہ مذہبِ خوارج کا ہے۔ اور معتزلہ کا مذہب ہے کہ مرتکبِ کبیرہ نہ کافر ہے اور نہ مومن مگر اصحابِ کبار کے حق میں خود فی النار وہ وہ بھی جائز رکھتے ہیں۔ علمائے اہل سنت فرماتے ہیں کہ صاحبِ کبیرہ سے بسببِ گناہ کبیرہ اسمِ ایمان دور نہیں ہو سکتا۔ اور اُن کے حق میں خود فی النار رو نہیں جب کہ کسی مومن سے فسق سرزد ہوتا ہے۔ تو اس فعل کی نسبت سے اس کا نام مسلمان فاسق رکھ لیا جاتا ہے۔ اسلام کو اس سے الگ نہیں کرتے۔ اور دلیل یہ ہے کہ علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر تہل کے کفارہ میں بندہ فاسق کو آزاد کیا جائے۔ تو شرعاً جائز ہے۔ اور نصِ قرآن ہے۔ فَتَحْسِرْ

رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً پس اگر ایمان و فسق میں منافات ہوتی۔ تو اجماع اُمرت کبھی بندہ فاسق کے آزاد کرنے پر منعقد نہ ہوتا۔

یہ اعتقاد رکھتا بھی ناجائز ہے کہ صاحب کبیرہ بعد گناہ کے ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ کیونکہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ شرک کے سوا تمام گناہ معاف کئے جاسکتے ہیں۔ اور ان کا معاف کرنا خدا کی مشیت مرضی پر موقوف ہے۔ چنانچہ فرمایا
 اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ مَنْ يُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَيَغْفِرُ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ
 اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا استثنا فرمایا۔ اور مادون اس کے سب کو اپنی مشیت کے حوالہ کیا۔ اس بیان کی توثیق اُن احادیث صحاح سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شفاعت کو اہل کبار کے لئے فرمایا ہے۔ شَفَاعَتِيْ لِهٖ الْكَافِرِ الْمُنِ امْتِيْ اور فرمایا ہے کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں الٰہی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو دوزخ سے باہر آئیگا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سوائے اہل شرک کے ہمیشہ کوئی بھی دوزخ میں نہ رہے گا۔ علمائے اُمت کے درمیان یہ حدیث ردّ نہیں ہے اور اگر اس کے افراد ہیں تو اتر نہیں پایا جاتا۔ مگر اُس کی جنس میں تو اثر ثابت ہے پس باب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو مبین قرآن ہے اس طرح ثابت ہوا کہ اب اس مسئلہ میں کوئی شک شبہ نہیں رہا۔ مفسرہ اِسرائیت
 وَمَنْ يَقْتُلْ مُّؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَحَسْبُ اُجْرُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا

الحمد اور سلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لکل نبی دعوة مُستجابة فتجعل کل نبی دعوة واختبأ دعوة شفاعته لا متی یوم القیمة فھي نائله ان شاء اللہ من مات من امتی لا یشرک باللہ ہر نبی کی ایک دعا ضرور مقبول ہوتی ہے۔ تو ہر نبی اپنی دعائیں جلدی کر چکا ہے۔ البتہ میں نے اپنی دعا شفاعت اُمت کے متعلق چھپا رکھی ہے تو وہ انشاء اللہ میری اُمت میں سے ہر ایسے شخص کو پہنچے گی جو ایسی دعا میں مریا ہو کہ اُس نے خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو، اس سے بھی ثابت ہے کہ گناہگار اِن اُمت اگرچہ اصحاب کبار سے ہوں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ضرور ہی بخشے جائیں گے۔ ۱۲۰

کے ظاہر معنی سے تمسک کر کے صاحب کبیرہ کو دوزخی کہتے ہیں۔ اور ان کے حق میں
 خلود فی النار جائز رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت مؤل ہے۔ اور اس کو ظاہر معنی پر
 حمل کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں آیات کے درمیان
 تناقض ثابت ہوتا ہے۔ اور احادیث صحیحہ جو آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الْاِثْمَ
 تفسیر میں ہم تک پہنچی ہیں۔ اس کی ضد ہیں۔ اور علمائے اسلام کا مذہب ہے کہ جب
 دو ایسی آیتیں جن میں بظاہر تعارض ہو۔ اور ان کے درمیان تطابق ممکن نہ ہو
 تو چاہئے کہ ایک آیت کو دوسری آیت پر اس طرح حمل کریں کہ جس میں تسہیل ہو
 اور دونوں معنی موافق آئیں۔ پس ان دو آیات میں مطابقت یوں ہو سکتی ہے
 کہ اگر خدا چاہے تو قاتل معتد کو سزا دے، اور اس کو دوزخ میں داخل رکھے، اسی وجہ
 پر اس کی تطبیق ممکن ہے۔ اور اسی طرح اس کا ثبوت کرنا واجب ہے تاکہ درمیان
 آیات و احادیث کے توفیق ہو۔ اور ہم نے اسی وجہ کو اختیار کیا ہے۔ تاکہ کوئی
 آیت معطل نہ رہے۔ لیکن مفسرین نے اس آیت کی مراد میں اختلاف کیا ہے بعض
 کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیت ظاہر میں عو بیت رکھتی ہے۔ مگر حقیقت میں خاص
 اس شخص کی شان میں ارد ہے۔ جو مرتد ہو گیا ہو۔ اور بعد از مداد اس نے نسی من
 کو عمداً قتل کیا ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قاتل معتد سے وہ شخص مراد ہے جو تحمل
 قتل ہو۔ لیکن ہمارا معواں نسو من پر ہے۔ اسی اسطے ہم نے ایسے معانی کئے جو
 دونوں آیات میں مطابقت رکھتے ہیں۔

صاحب کبیرہ کے اعمال حبیط نہیں ہوتے

اور مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اعمال صالحہ حبیط نہیں ہوتے
 اس لئے کہ جب تک اصل ایمان باقی ہے۔ اس کا عمل ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا
 رب ایمان و فسق میں حسب صورت مسرعہ یا لا فرق ظاہر ہے کہ تو اسی طرح اعمال
 صالحہ اور اعمال بد میں بھی فرق ضروری ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ معصیت
 صفات کو باطل نہیں کرتی۔ بلکہ اس پر غالب آکر معصیت کو باطل و محو کر دیتی
 ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْخِلُنَّ الشَّيْئَاتِ اِیْمَانِ اِیْمَانِ

پر دلالت کرتی ہے۔ اور حدیث صحیحہ میں ارادہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں رب کے زیادہ مفلس وہ ہے جو قیامت میں روزہ، نماز و زکوٰۃ وغیرہ اعمال صالحہ لیکر آئے گا۔ اور ایک ایسا شخص بھی ردا دخواہ کی صحت میں، اُس کے ساتھ ہوگا۔ جس کو اُس نے گال دی ہوگی۔ اور قذف کیا ہوگا۔ اور اُس کا مال کھایا ہوگا۔ اور خوثر بزی کی ہوگی۔ اور اس کو مارا ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ مظلوم کی بدیاں اُس کو دے دیگا۔ اور ظالم کی نیکیاں مظلوم کو عطا فرمائے گا۔ یہ حدیث اس پایہ کی ہے کہ علمائے نقل کے درمیان اس حدیث کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ گناہان کبیرہ عمل نیک کو برباد نہیں کرتے۔ اس واسطے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مفلس مذکور نماز و روزہ نیک اعمال اپنے ساتھ لے کر قیامت میں آئے گا۔ اور اُس کے ساتھ ایسا شخص بھی ہوگا۔ جس پر اُس نے مذکورہ بالا مظلوم کئے ہوئے۔ ظاہر ہے کہ مظلوم گناہان کبیرہ ہیں۔ پس اگر گناہ کیا بُرے نیک عمل برباد ہو جاتے تو اُس کی نیکیاں باقی نہیں رہتیں۔ پھر مظلوم کو کیا دیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں جس جگہ ضبط عمل کا ذکر ہے۔ تو اُس سے مراد کافر ہیں۔ اور حدیث میں جو ضبط عمل کی اصناف اہل ایمان کی طرف کی گئی ہے۔ جیسا کہ مَنِّ لَقِ الصَّلَاةِ الْعَصْرِ تو مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ اُس کے نیک عمل برباد و ضبط ہو جائیں گے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر وہ نماز عمر کو نہ چھوٹا تو اُس کا ثواب اس کو بہت کچھ پہنچتا۔ اب جب اُس نے ایسا نہیں کیا تو وہ ثواب سے محروم رہا۔ گویا وہ ایسے شخص کی مانند ہو گیا۔ جس کے عمل ناجیز ہو گئے ہوں۔ اس حدیث کی تاویل سولے اس کے نہیں ہو سکتی۔ اسی تاویل سے دوسرے اصول قائم رہتے ہیں۔

مرتد کے باب میں علما کا اختلاف

مرتد کے باب میں جو علمائے اسلام کا اختلاف ہے کہ اُس کے عمل، مرتد ہوتے ہی ضبط ہوتے ہیں۔ یا اُس وقت جب وہ ارتداد کی حالت میں مر جائے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نزدیک مسئلہ یوں ہے کہ اگر عیاذاً باللہ کوئی

مسلمان مرتد ہو جائے۔ اور پھر اسلام لائے۔ تو اُس کے وہ نیک عمل جو اُس نے قبلِ ردّت کے حالتِ اسلام میں کئے ہیں۔ ضبط ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَسْتَلِدْ مِنْكُمْ صَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ اِس آیت میں ضبط اعمال کو موت کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے۔ اور اسی ارتداد کی حالت میں مر جائے تو وہ کافر ہے۔ پس وہ ان لوگوں سے ہے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضبط ہو چکے ہیں۔

ان ہر دو امامین کے خلاف کی ثمرہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص حالتِ اسلام میں حج بجالایا۔ پھر مرتد ہو گیا اُس کے بعد پھر ایمان لایا۔ اور اُس کو استطاعت حج ادا کرنے کی ہے۔ تو اُس پر حج کرنا فرض ہو جائے گا۔ اِس واسطے کہ اُس کا پہلا حج بوجہ ارتداد کے ضبط ہو گیا۔ اگر گناہ کبیرہ محبط اعمال ہوتا۔ تو عنائے اسلام سے مرتد کے باب میں یہ مسئلہ منقول نہ تھا۔ بیشک قول خوارج کا نتیجہ ہے۔ جو گناہ کے سبب بنارہ کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ نہ اُس کو کافر کہتے ہیں نہ مومن بلکہ درمیان میں ایک منزلت اور واسطہ قائم کرتے ہیں۔ ہم نے ان دونوں فرقوں کے تاویلات کی تردید کر دی۔ وہ کہ گناہ کبیرہ محبط عمل نہیں۔ اور یہ کہ بندہ بسبب گناہ کے کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ مومن رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ مومن فاسق کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں کی دو ہی قسمیں کی ہیں۔ چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَيَمُتْكُمْ كَافِرٌ وَ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ یعنی اللہ کی وہ ذات پاک ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے بعض کافر ہیں۔ اور بعض مومن۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

ساتویں فصل

چند بدعتوں کے بیان میں مع انہی جواب کے

اہل حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا پر بندوں کی اصلاح و بہبود پر نگاہ رکھنا واجب ہے ہم کہتے ہیں کہ واجب کسی واجب کرنے والے کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ تو خدا سے مافوق اور بزرگتر ایسا کون قادر ہے جو خدا پر کسی چیز کو واجب کرے۔ دوسرے یہ کہ ترک واجب پر واجب علیہ کو ملاحت یا عقوبت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پر ایسا کون قادر ہے۔ جو ترک واجب پر ملاحت کرے۔ پھر اُس کی ذات پاک اس سے منزہ و متعالی ہے کہ وہ مستحق ملاحت و عقوبت ہو، تعالیٰ شائد علواً کبیراً۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ وہ مالک مختار ہے۔ اپنے بندوں کے حق میں اُس نے جو چاہا کیا کسی کو مجاہد نہیں کہ اس کے متعلق اُس سے سوال کرے کہ تو نے کیوں کیا۔ اور کیا کیا۔ لَہُ یَسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَہُمْ یُسْئَلُونَ لَہُ

اس قول کی بنا پر معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نیک کو ثواب اور بد کو عذاب دینا خدا پر واجب ہے۔ مگر ہمارے نزدیک اگر سے خدا تعالیٰ کی ذات پر کچھ واجب نہیں ہے۔ چنانچہ بیان ہوا۔ لیکن حدیث شریف میں جو اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔ حَقُّ عَلَی اللہ اور مَا حَقَّ الْعِبَادُ عَلَی اللہ تو یہ الفاظ کُذِّبُوا ہیں۔ اُن کی تاویل صفات ربوبیت کے مناسب مطابق کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اوپر کے الفاظ میں خدا پر حق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ انجراح وعدہ میں مبالغہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وعدہ کی وقا اللہ کے نزدیک ایسی ہے۔ جیسے تمہارے نزدیک کسی امر واجب کا بجالانا۔ اور یہ جو فرمایا حَقَّ الْعِبَادُ عَلَی اللہ یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ

لے خدا کے فعل کا اُس سے سوال نہ ہوگا۔ اور لوگوں سے اُن کے افعال کے متعلق پوچھا جائیگا۔

حکم کے مطابق کام کرتا ہے۔ تو مستوجب ثواب ہوتا ہے۔ لہذا اس ثواب کو جزائے حق تم
ہے۔ لفظ حق سے یاد کیا۔ اسی طرح جس نے انکار کو مار سے اور جس نے خداع اور استہزاء کو لفظ
خداع اور استہزاء سے حالانکہ ان الفاظ میں سے کسی ایک کو خدا پر اطلاق کرنا رو نہیں
مگر اسی طریق پر جس کے موافق قرآن مطلق ہے۔ وَيَكْفُرُونَ وَيَكْفُرُوا اللَّهُ
اور يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ اور اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ
پس ان دلائل سے ثابت ہے کہ خدا پر جزائے محسن اور سزائے مستہبی و نہ تنبی واجب
نہیں ہے۔ ہاں اس نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو نیکے روں کو نیکی کی جزا عطا فرمائے گا
اور اس کا وعدہ سوائے صدق کے نہیں ہوتا۔ اِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ
اسی طرح بدکار لوگ اپنی سزائے اعمال کو ضرور پہنچیں گے۔ کیونکہ وہ جسم و لطف کے
قابل نہیں۔ اس دلیل سے کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں اُن کی مغفرت نہ کروں گا
ہے گنہگار اہل ایمان کہ اُن سے عذاب کی تخفیف اور اُس سے تجاوز عقداً
و شراً جائز ہے۔ اس بارہ میں یہ دلیل کافی ہے۔ اِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ مَنْ
يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ دوسری آیت
قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيَّ أَنْفُسُكُمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ
رَحْمَةِ اللَّهِ اور یہ ظاہر ہے کہ مراد عبادِ حق سے اہل ایمان ہیں۔ حامل معنی یہ ہیں کہ
میرے اُن بندوں سے جو اپنی باتوں پر اسراف کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ خدا کی رحمت
سے ناامید نہ ہوں۔

نیز اس باب میں احادیث کثرت سے وارد ہیں۔ اور اُن کے معنی اس قدر صاف
ہیں کہ اُن میں کسی تردد و تاویل کی گنجائش نہیں۔ یہ تو شرع کی رو سے ہے۔ رہا
عقلاً اُس کا مستحسن پسندیدہ ہونا تو وہ ظاہر ہے کہ جب بنا رہے ہو حق پر اور توحید
و رسالت کا معتقد و معترف اور یہی بات یعنی خدا اور رسول پر ایمان لانا اہل طاعت
ہے۔ اب وہ خدا کی وعدائیت اور پیغمبر کی رسالت، روزِ آخرت، نبوت بعد الموت
وغیرہ ضروریات دین کا تو دل سے متعجب نہ رہے۔ لیکن دوسرے عبادات شرعی اتباع

اے بیشک اللہ اُس شخص کی مغفرت نہیں کرے گا جس نے کسی چیز کو اُس کا شریک بنایا۔ اور اُس کے
سوا جس کو چاہے بخش دے۔

او امر و اختیار تو ابھی میں اُس سے متابعت ہوا۔ اور شہوت کی ہوتی ہے۔ لیکن انسانی
 اُس پر غلبہ پا کر اس کو پابندی احکام خداوندی سے باز رکھتی ہے۔ پس ایسے شخص کے
 گناہوں سے تجاوز اور اُس سے تخفیف عند ایہ مقتضائے کرم سے ہے۔ اور وہ ہر
 حالت میں محمود ہے۔ جب تک اصل ایمان اُس کے دل میں اسخ ہے۔ اس لئے کہ عہد
 میں تخفیف تو باب خدا سے ہے۔ اور نہ یہ طریق حکمت سے ہے۔

مسئلہ تحسین و تقبیح

(معتزہ کے خلاف۔ اہل حق کا ایک مسئلہ یہ ہے) کہ تحسین و تقبیح میں عقل کو
 کوئی دخل نہیں۔ بلکہ کام فہمی ہے جس کی تحسین شرع کرے۔ اسی طرح بدوہ ہے۔
 جس کی تقبیح شریعت کرے۔ عقل کو بدون اہلالت شرع کے خطر و اباحت کی
 شناخت میں کوئی سبیل نہیں۔ کیونکہ اگر عقل مدار تحسین و تقبیح ہوتی تو امتدعالی
 عقل کی مخالفت پر عذاب کرتا۔ اور انبیاء علیہم السلام کی لعنت پر عذاب متعلق نہ
 ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنْتُمْ بِمِلَّةٍ حَتَّىٰ تَخْلُقَ رَسُوْلًا
 یعنی ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے۔ جب تک اُس پر رسول نہ بھیج دیں۔ اور معرفت
 صانع اور حدوث عالم کی بوجہ حسن بجز طریق انبیاء کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اہل حق
 کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں۔ اور یہ دونوں فرع کے اصل کا پتہ مشکل ہے۔
 لہذا اسماء و صفات احکام باری تعالیٰ انبیاء ہی کے توسط سے بندوں کو پہنچتے
 ہیں۔ اور جو کچھ بندوں پر امر و نواہی کی قسم واجب ہوتا ہے۔ وہ بھی انبیاء ہی
 کے توسط سے ہاں عقل حجت الہی ہے کہ اُس کے سبب بندوں پر تکلیف وارد ہوتی
 ہے۔ اور اُس کے نہ ہونے کی حالت میں تکلیف بھی ادا ہوتی جاتی ہے۔ اور یہی عقل
 شریعت کی تحسین کی ہوتی۔ چیز کے نیک سمجھنے اور تقبیح کی ہوتی۔ پیر کے بد سمجھنے
 میں ایک راہ اور آگ ہے۔ اگر صرف عقل کی تحسین و تقبیح پر مدار کار ہوتا۔ تو جہلا
 عقل اس بات کو کہہ کر پسند کرتی کہ دین کی غلطیاں یا پ کو قتل کر دیا جائے
 یہ صرف ایک شے ہے۔ اس سے کم مقدار چیز کے پیر لئے ہیں چور کے ہاتھ کاٹ
 دئے جائیں۔

سوال منکر و نکیر

ایک مسئلہ یہ ہے کہ منکر و نکیر کا سوال اور عذاب قبر حق ہے چنانچہ احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ اکثر معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ اور شبہات وارد کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کے باب میں ان کے شبہات کا جواب دینا ہم غناعت قتیبتے ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص مسلمان ہے۔ وہ ان تمام باتوں کا معتقد و معترف ہے جو متوسط نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کو پہنچی ہیں۔ عذاب گور کے متعلق یہ آیت کافی ہے۔ **النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ**۔ اس کے سوا دوسری آیات بھی ہیں جن سے بطریق تاویل عذاب گور کا اثبات ہوتا ہے۔ جس میں کسی قسم کے شبہ کو گنجائش نہیں۔ ایسا ہی منکر و نکیر کے سوال کے ثبوت میں احادیث وارد ہیں۔ نیز اس کا علم اہم سابقہ سے مستفین ہے۔ یا اخبار تو اتر کہ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سے قہری انکار کر سکتا ہے۔ جس کو اپنی عقل جزئی پر اخبار انبیاء سے زیادہ وثوق ہو۔

جنت و دوزخ موجود و مخلوق ہے

ایک مسئلہ یہ ہے کہ جنت و دوزخ مخلوق اور موجود و معد ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ جزا کے وقت جنت و دوزخ پیدا کی جائے گی۔ اس باب میں معتزلہ پرستوں قرآن و احادیث صحاح جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں۔ حجت ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے **وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا** ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری زوجہ جنت میں ہو۔ اور اس میں سے جو چاہو کھاؤ۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مراد جنت سے وہ باغ ہے جس میں آدم و حوا اور ابلیس رہتے تھے۔ نہ جنت الخلود۔ جو ایسا ہے کہ قرآن شریف میں آدم کی جنت کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے۔ اور ہر جگہ اس جنت کو الف و لام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور یہ شبہات نہیں کہ جو چیز معبود نہ ہو۔ اس کو الف و لام سے یاد کریں پس ثابت ہوا کہ مراد اس سے جنت معبود ہی ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے حضرت

آدم علیہ السلام کو فرمایا۔ اِنَّ لَكَ اَنْ لَا تَجُوَّعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرَىٰ وَاِنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيْهَا وَلَا تَضْحَىٰ اور ظاہر ہے کہ یہ صفات اس جہان کی بقا میں نہیں پائی جاتیں۔

اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ وہ آدم ابوالبشر نہیں تھے بلکہ دوسرے آدم تھے جس سے جدت مذکورہ میں فرمائی سرزد ہوئی۔ تو یہ بات خلاف اجماع کے ہے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَعِدَّ لِلْمُتَّقِيْنَ تَوْحِيْدًا مِّنْ مَّوَدِّعِهِمْ اُس کی نسبت کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تیار کی گئی ہے۔

تیسرے یہ کہ قرآن میں ہے وَلَقَدْ رَاٰ نَزْلَةَ الْخُرَىٰ حِثَّ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی عِنْدَهَا جَدَّتُ الْمَادُوحِیْ بِسْ یَجَازُ نَحْبِیْ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سدرۃ المنتہی کے پاس شے معدوم کو دیکھا ہو۔ یا وجود اس کے کہ ان آیات میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ تاہم احادیث و صحاح سے اُس کی اور بھی توثیق ہوتی ہے۔ جس کی مخالفت ضلالت و گمراہی کا ہے چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ عُرِضَتْ عَلَی الْجَنَّةِ وَ النَّارِ اِذَا جِئْتَ دُوْنَ مَعْدُوْمٍ ہُوْتِیْ تَوَاطُّعًا فَرَمَانًا مُّسْتَقِیْمٌ نِّہِیْ ہُوْتَا۔ ایک جگہ فرمایا دخلت الجنة تو کیا آپ شے معدوم میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ فرمایا اشتکت النار الی ذیہا دُوْنَ تے اپنے پروردگار سے شکایت کی۔ اگر دُوْنِ مَعْدُوْم ہوتی۔ تو شکایت کس طرح کرتی۔ ایک جگہ فرمایا فَاِذْ نَ لَجَا بِنَفْسَیْنِ نَفْسٌ فِی الشَّکْرِ وَ ذَا لَکَ اَشَدُّ مِمَّا تَحِدُّ ذُنْ فِی الْکُفْرِ مَحْسَبٌ وَ لَقَدْ فِی الْمَتِیْفِ وَ ذَا لَکَ اَشَدُّ مِمَّا تَحِدُّ ذُنْ فِی الْحَسَنِ یعنی اللہ تعالیٰ نے دُوْنِ مَعْدُوْم کو رسال میں دوسانس لینے کی اجازت دی۔ ایک تو موسم سرما میں اور بہ زیادہ سخت ہے۔ اُس سے کہ تم سردی میں پاتے ہو۔ اور ایک سانس موسم گرما میں۔ اور بہ زیادہ سخت ہے۔ اُس سے کہ تم گرمیوں میں محسوس کرتے ہو۔ اگر یہ بیان اس حدیث میں اس صفت کے ساتھ نہ بھی ہوتا۔ تو اس باب میں حبار

الحق تحقیق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس (جبریل) کو دوسری مرتبہ دیکھا۔ حدیث مذکور کے نزدیک اُس کے نزدیک صفت المادہ کی ہے۔

اُمرت کافی ہے۔

مسئلہ شفاعت

ایک مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت الٰہی کبار کے حق میں ثابت و جائز ہے۔ اور آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری شفاعت ہر ایک شخص کو پہنچے گی جس نے خدا کے ساتھ شریعت کیا ہو۔ اور جس شخص کے حق میں مغفرت جائز ہے۔ اس کے حق میں شفاعت بھی جائز ہے۔ اور ہم اس بات کو اوپر بیان کر چکے ہیں کہ الٰہی کبار دائرہ ایمان سے ناجائز نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ اور اگر ان کو عذاب کرے تو وہ مذاب مخلص نہ ہو۔ بلکہ وہ دوزخ سے نجات پائیں۔ یا جو وہ کہہ دے گناہوں پر نصرت کرے۔ اور قرآن میں ارشاد ہے: **ذَٰلَکَ الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَ ذِکْکَ یَا ذِی الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ** وہ شفاعت جس کی اجازت نہ ہوگی۔ وہ الٰہی شرک کی شفاعت ہے۔ چنانچہ ان کی بات فرمایا: **فَمَا تَدْفَعُہُمْ شَفَاعَتِکَ السَّائِفِیْنَ** ان کی شفاعت کی نفی اس لئے ہے کہ وہ دنیا سے حالت کفر میں گئے ہیں۔ اور یہی اصل ہے۔

اثبات شفاعت کی ان لوگوں کے حق میں جو دنیا سے ایمان گئے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے فرمایا کہ شفاعت خدا کی کتاب میں مبین و روشن ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی: **فَمَا تَدْفَعُہُمْ شَفَاعَتِ السَّائِفِیْنَ** کہ ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دیگی۔ شفاعت کی حدیث کو کبار صحابہ نے روایت کر لیا ہے۔ جن میں خلفائے راشدین، عقبہ ابن عامر، ابوسعید خدری، ابو ہریرہ، ابوالاکاف، عوف ابن مالک، اسامی، مقداد ابن معدیکرب، اور عبد اللہ ابن الجعد، رضی اللہ عنہم آتبعین شامل ہیں۔

تیسرے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے حضرت رسول کریمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: شفاعتی کا اصل الٰہی ہے۔ امتی ان دلائل و اضمحہ اور اتفاق قرن اول سے بعد اثبات شفاعت کے خلاف (مفسر کہ کو کوئی متکبر نہیں رہا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ متکبرین

شفاعت اس بات کے مستعد ہیں کہ عقل جس امر کی تحسین کرے۔ وہ حسن ہے۔ اور عقل جس بات کی تہذیب کرے۔ وہ قبح ہے۔ یعنی ہمارے خیرین و قبیح عقل ہی ہے۔ پھر شفاعت کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عقل خود اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اگر مومن عارقی طاعت گزار توجیبہ و رسالت اپنے گناہوں میں لتھڑا ہوا قصور مند خدا کے پاس آئے۔ تو چونکہ اس نے اعت یعنی ایمان اس میں موجود ہے پس اس کو گناہوں سے درگزر ہی پسندیدہ ہے۔ اور اس کا بخلاف النار ہونا کسی صورت میں عقل کے نزدیک تحسین نہیں۔

مسئلہ اثبات کرامت

ایک مسئلہ اثبات کرامت کا ہے۔ نیک و صالح بندگان خدا کے حق میں۔ اور اس کی حقیقت تسبیح مال مکلف ہے (یعنی مکلف صالح کو افعال عارقی عادت کو ذریعہ اپنے کام میں آسانی اور سہولت ہوتی ہے) ایسے عارقی عادات کے ذریعہ کہ مثل اس کے معبود اور معمول غلائق نہ ہو۔ جیسے ہوا پر اڑنا۔ پانی پر چلنا۔ ایسے مقامات پر جسے تکلف نکل جاتا جو دروازہ یا منفذ نہ رکھتے ہوں۔ تھوڑے وقت میں مسافت دور و دراز کا طے کرنا۔ ضرورت کے وقت کھانے پینے کی چیزیں غائب ہونا کرنا۔ مباح حیوانات وحشی اور مہذبات کو مسخر کرنا۔ یہ اور ان کی نسبت دوسری چیزیں تمام عوارقی و نادادات سے ہیں۔ معتزلہ اور اکثر متکلمین اس کے خلاف ہیں اور ایسی باتوں کو جائز نہیں رکھتے، اور اس پر پیشہ وارد کرتے ہیں کہ کرامت کا جواز صاحبین کے حق میں مفہومی ہوتا ہے۔ التباس معجزات اور دلیل نبوت کو پھر کرامت و معجزہ میں فرق و تمیز کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس اگر غیر انبیاء سے ایسی باتیں دیکھی جائیں۔ تو وہ شیم بند کی اور شعبہ شے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ لیکن مباح بندوں سے جو کرامت صادر ہوتی ہے۔ وہ صرف غلبہ جو خدا تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اور اس کی اجابت کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے پانی پر چلنا وغیرہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اثبات کرامت عام لوگوں کے حق میں روا

۱۲ اس بحث کو ہم نے اسی کتاب کے مسئلہ میں بڑی شرح و بوضوح بیان کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۲

نہیں کہتے، یعنی یہ نہیں کہتے کہ نیک و صالح و طالح صادق و کاذب سب سے
 کرامت کا صادر جائز ہے تاکہ اس سے کوئی شبہ یا غلط فہمی پیدا ہو، اور دعویٰ حق
 حجت کرے۔ بلکہ ہم ضرور کرامت ایسے بندوں کے حق میں ثابت کرتے ہیں۔ جو
 برگزیدگان جناب الہی ہیں اور جن کی ولایت اتباع نبوی اور کمال شریعت شریعت
 انبیاء علیہم السلام سے مرثیوت کو پہنچتی ہے۔ ایسے ولی کرم سے افعال حسانہ
 عادات کا صادر ہونا اس کی تمامی بزرگواری اور نیز اس امر کی کمال دلیل ہے کہ وہ
 پورے طور پر شریعت انبیاء کا تابع اور ارشاد و تلقین کا اہل اور پیغمبر صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا مستحق و مؤید ہے۔ اس صحت میں لی موصوفت
 میطیع شریعت و نبوت حقیقت میں نبی کے معجزات کا مؤید اور مصدق ہو جاتا ہے
 نہ مدافع و مناقض۔

ایک بات یہ ہے کہ کرامت ایک ایسا امر ہے جو بر سبیل حجت و ارادت صادر
 نہیں ہوتا۔ اور معجزہ بر سبیل حجت بر مان نبوت بروقت تحدی صادر ہوتا ہے اور
 دعویٰ نبوت کے بعد پیش کیا جاتا ہے۔

اثبات کرامت کی دلیل ایک تو حضرت مریم علیہ السلام کا قصہ ہے جو
 قرآن کریم میں مذکور ہے فَتَدَاوَسَخِلْ عَلَيْهَا ذِكْرًا الْحَبَابِ وَحَبَدًا
 عَذْرًا دَاوُدَ قَاتِلَ يَاسَرَ لِيَمْرَأَتِي لَكَ هَذَا فَكُلْتُ هُوَ مِنْ عِندِ
 اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی جب کہ یا حضرت
 مریم کے پاس جو محراب میں نشین آئے۔ اور ان کے پاس رزق رکھا ہوا دیکھا۔ تو چھا
 لے مریم تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا۔ مریم نے کہا اللہ کے پاس سے ہے
 شک اللہ جس کو چاہتا ہے۔ بے حساب رزق دیتا ہے۔ تو جب ایک عورت ذات
 سے ایک نبی غرمل گئے حتموا ایسی کرامت نظر ہوا کہ انہیں غریب طعام و فواکھ
 پہنچیں۔ یا جو دیکھ کسی شخص کو ان تک پہنچنے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اور پیغمبر اس کو
 دیکھ کر تعجب کرے اور آج نہ ہو کہ یہ کہاں سے نہیں کہاں سے پہنچا تو کیا یہ ممکن
 نہیں ہے کہ اس سبب سے کسی برگزیدہ حق سے اس مستحق کی کرامت
 نظر ہو۔

دوسری دلیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب (حضرت آصف برقیہ) کا قصہ ہے کہ انہوں نے کہا میں پاک چھپکنے کے پہلے تمہارے سامنے تشریف بلقیس کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ اور ایسا ہی ہوا جتنا بچہ قرآن کریم میں مذکور ہے قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَّمَا أُتِيَكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۖ

تیسری دلیل قصہ اصحاب کھف کی ہے۔ جو چند عجائب واقعات پر شامل ہے۔ اور وہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ (دیکھو سورہ کھف) ۖ اس باب میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے زمانہ مبارک میں اور نیز آپ کے بعد اتنی کرامات ظہور میں آئی ہیں کہ اگر ہم ان سب کو نقل کریں تو کتاب میں خاص شجارت پیدا ہو۔ ان میں سے ایک حدیث عبادیث اور سید حسری کی ہے کہ شربتا ایک میں ان کی عصا ایسی ہو گئی جس کے سہارے وہ اپنے گھڑ تک پہنچ گئے۔ اور اسی طرح حدیث طفیل موسیٰ کی کہ روشنی سے زانو تک معلق تھی۔ اسی طرح ام امین کی حدیث میں ہے کہ وہ ہجرت کر رہی تھیں۔ رستہ میں جب ان پر تشنگی غالب ہوئی۔ تو ان کے لئے آسمان سے ایک ڈول پانی کا بھرا ہوا نیچے آیا۔ اور انہیں جرہ جرہ پانی پلاتا رہا۔ جب وہ سیر ہو گئیں۔ تو ڈول اٹھا لیا گیا۔ اسی کی مثل ام شریک سے بھی مروی ہے ۖ

حضرت ابو بکرؓ کا قصہ مروی ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا۔ هُمَا اخْرُكَا وَ اخْتَارِكَا مَا لَمْ يَكُنْ اُسُوتَ حضرت عائشہؓ کی ایک ہی بہن تھیں۔ اور ان کی والدہ حاملہ تھیں۔ انہیں حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد لڑکی ہوئی ۖ

حضرت عمرؓ کا قصہ ہے کہ ایک شخص ساریہؓ می نہاوند میں میر لشکر تھا۔ اور حضرت عمرؓ مدینہ میں تھے کہ آپ نے یکایک فرمایا یا ساریہؓ جبیل الجبل اتنی فتنہ بعیدہ سے حضرت ساریہؓ نے اس آواز کو سنا۔ اور دشمن کا کہیں لگائے ہوئے

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے ان دونوں واقعات کو ہم بالتفصیل لکھا۔ میں بیان کر دیا ہے ۖ دیکھو تمہارا عقاب کتاب ہذا ۖ

پہاڑ کی آڑ میں بیٹھا تھا۔ اس آواز کو سنتے ہی سراخ لگ گیا۔
 نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو ایک قدر کھانچا جس کی عبارت
 یہ تھی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَنْ عَیَّدَ اللّٰهُ عَمْرًا مِیْرًا مِّنْهُ
 اِلٰی نَیْلِ مَحْصَرٍ اَمَّا بَعْدُ اِنْ کَذَبْتَ فَعِیْرٌ یُّبَاسِیْ بِاَمْرٍ فَاَجْتَسِرَ اِحْجَاجُهُ
 لَنَا فِیْکَ وَ اِنْ کَانَ الْعِزِّ تِرَالِجِبَارِ اَجْرَالِکَ بِلَطْفِهِ وَ قَدْ سَرْتَهُ
 فَاجِرٌ مَّا جَسِرَیْ وَ السَّلاَمُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی اَیُّوْبُ نے فرمایا اس
 کو نیل میں ڈال دیں۔

حضرت علی الحصرمی کی حدیث بھی اس قسم کی ہے کہ انہوں نے لشکر
 اسلام کو دریا میں ڈال دیا۔ اور عجیبی جو یہاں آگ سے تھے ان کا تعاقب کیا۔ آپ نے
 گھوڑے کو پانی میں ڈالتے ہوئے فرمایا کہ کسی کی کوئی چیز پانی میں گر جائے تو
 مجھے اطلاع دے۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا کاسہ چوبین گر پڑا ہے۔ چنانچہ
 آپ نے نیزہ کی نوک سے اس کا پیالہ نکال دیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حالات میں نیز یہی حالت نقل
 ہے کہ آپ نے سہ ماہی (وہ زہر جو فوراً ہلاک کر دے) تناول کیا۔ لیکن بفضل خدا
 آپ پر اس کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ غرض صحابہ تابعین اور صحابہ کرام سے
 اس قسم کے اکثر کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ جن کا احصار دشوار ہے۔ بعد ازاں
 اُمت نے ان کو جمع بھی کیا ہے۔ پھر بھی بہت سے واقعات نقل و درج سے
 گئے ہیں۔ باوجود ان دلائل و براہین کے کہ اُمت سے انکار کرنا سوائے مذہب ان
 اور خواری ہر دو جہان کے اور کیا ہے۔ نعوذ باللہ۔

معدوم شے نہیں ہے

ایک مذہب یہ ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ معدوم شے ہے۔ اہل حق کا مذہب یہ ہے
 کہ معدوم کوئی چیز نہیں۔ معتزلہ اپنے قوائے بہت سے شبہات وارد کرتے ہیں
 ہمیں ان سب کو نقل کرنے کی حاجت نہیں۔ ان کا جواب صرف یہی کافی ہے کہ
 ہم کہتے ہیں خدا کا قدم میں منفرد ہونا دلائل قاطع اور حجج ساطع سے ثابت ہے

اور تمہارے قول سے لازم آتا ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی اور شے بھی ہوگی۔ اس سے عالم کا
 قدم لازم آتا ہے۔ اور یہ باطل محض ہے۔ معتزلہ اس آیت سے تسکین کرتے ہیں کہ اَشْأَا
 قَوْلُنَا لَشَيْءٍ اِذَا ارَدْنَا نَاۤءُ اَنْ نَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ جَوَابِیْہِہٖہٗ کہ اس کو
 شے اس واسطے کہا کہ آئندہ شے ہوگی۔ گویا تقریر آیت کو اس طرح ہے اَشْأَا قَوْلُنَا
 اِذَا ارَدْنَا یَكُوْنُ شَیْئًا پس یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات تغبیہ خلق
 کے لئے اس طرح آئی ہے کہ مجازاً اس کو لفظ شے سے یاد کیا تا کہ سمجھ میں آجائے
 خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ معدوم شے نہیں ہے۔ چنانچہ
 قَدْ خَلَقْنَاكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُنْ شَیْئًا اور فرمایا۔ اَوَلَمْ یَكُنْ اَحَدًا مِّنْ
 اِنَّا خَلَقْنَاكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُنْ شَیْئًا اگر کہا جائے یہ تو ایسی چیز سے خبر دے گی
 جو اس سے پہلے نہ تھی۔ جیسے فرمایا اَهْلُ اَتٰی عَلٰی اَلْاَنْسَانِ حَیۡنَ اَنْزَلْنٰہُمْ
 لَحْمٌ یَّكُنْ شَیْئًا جواب یہ ہے کہ بغیر وجود دلیل کے نفس کو حقیقت سے مجاز کی طرف
 لے جانا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ یہاں نہ تو کوئی دلیل موجود ہے۔ اور نہ مجاز پر کوئی عمل
 کرنے کی ضرورت ہے۔ تمہارا تسکین دلیل مجاز پر ہے۔ اس لئے کہ ظاہر آیات متعارض
 ہوتی ہیں۔ اور تمہارے تسکین پر مجاز سے عالم کا قدم لازم آتا ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ
 اگر اللہ تعالیٰ کہے اس علم سے کہ فلاں شے زمانہ آئندہ میں ہوگی۔ اس شے کا ہونا لازم
 آتا ہو تو مانتا پڑے گا کہ خدا کی اس دانست سے کہ فلاں جسم زمانہ آئندہ میں ضرور
 میں آئے گا۔ تو اس کی صحت کا ہونا لازم آئے۔ اور یہ ایک ایسی دانست ہے۔
 جس کو کوئی ذی عقل تسلیم نہیں کرے گا۔ پس ثابت ہوا کہ معدوم کوئی شے نہیں ہے
 اور کسی چیز کو شے اسی وقت کہہ سکتے ہیں۔ جب وہ وجود میں آجائے۔ قبل از وجود
 کے معدوم کو ہرگز شے نہیں کہہ سکتے۔

فصل اُتھول فصل

جواز و اثبات نسخ آیات میں اور بعض مسائل و اُفتوں

کی تردید میں

نسخ سے مراد یہ ہے کہ پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ اٹھا دیا جائے اور نسخ یا کتاب سے ہوتا ہے یا سنت سے اور سوائے انبیاء علیہم السلام کے نسخ کسی دوسرے کے بیان سے نہیں ہو سکتا نسخ کوئی جدیدیات نہیں ہے بلکہ آدم علیہ السلام سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک تمام شریعتوں میں نسخ پایا جاتا ہے اسی طرح ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں نسخ موجود ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھو کہ نسخ احکام جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقائے سانحہ شریعت و طاعت آپ کی وفات کے بعد مرتفع ہو گیا۔ انقرض غائم تک (یعنی اب قیامت تک خدا اور رسول کے حکم میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لئے کہ نبوت آپ کے بعد ممکن نہیں۔ اور حبیب نبی کا ہونا امکان نہیں رکھتا۔ نہ نسخ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ نبی ہی کے خبر و بیان سے ہو سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت کی شریعت مکمل اور کامل شریعت ہے۔ اور قیامت تک تمام زمانوں اور حالتوں اور ملکوں کے موافق۔ پس جب نسخ کی ضرورت ہی نہیں۔ تو نسخ کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہذا آنحضرت کی وفات کے بعد نسخ بالکلیہ ناجائز اور غیر ممکن ہے) اس واسطے کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں ہوگی۔ نسخ کے منکر یہودی ہیں۔ اور منع نسخ میں ان کے مذاہب مختلف ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک کورہ بالا نسخ جائز اور مشرعاً مستحسن اور از روئے عقل بھی درست ہے۔

جواز نسخ کے دلائل

جواز نسخ میں یہ دلائل کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم

کیا تھا کہ اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے کے ساتھ کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ بعد ازاں
 ممنوع ہو گیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر یہ بھی اس کے
 بعد منع ہو گیا۔ اسی طرح دو توحاہر بن جمع کرتا حضرت یعقوب کی شریعت میں جائز تھا
 مگر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا۔ اور نیز حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت
 میں چرنے والے حیوانات مباح تھے۔ اور حضرت یعقوب نے اونٹ کا گوشت اپنے اوپر
 حرام کر لیا تھا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اکثر حیوانات حرام ہو گئے۔ یہ
 تمام بیان طریق شرع سے ان پر حجت ہے۔ لیکن یہودی مصلحتی مصلحتی کے بعد کسی
 نسخ کے مقتصد نہیں۔ کیونکہ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد
 کوئی جدید شریعت ہی نہیں۔ بلکہ انہیں کی شریعت کو کمال شریعت اور اس کے احکام
 کو تائید مت باقی و جاری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تورات وغیرہ کتب لغت سے ثابت ہے کہ
 موسیٰ علیہ السلام نے کبھی اپنی شریعت کو آخر شریعت اور خود کو آخر انبیاء نہیں کہا ہے
 بلکہ انہوں نے اپنے بعد کے آنے والے انبیاء کی خبریں جناب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم
 علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی ہے۔ جیسا کہ ہم باب گذشتہ میں بیان
 کر چکے ہیں (اہل ایمان نے نسخ کا ثبوت کتاب سنت سے کیا ہے۔ اور اس کو عقلاً مستحسن
 جانا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جس طرح کسی حکم کا اثبات حکیم سے بر حسب مصلحت پایا جاتا
 ہے۔ اسی طرح اس حکم کا انکار دینا بھی حکیم کی مصلحت پر مبنی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ
 طبیب کسی مریض کو ایک وقت کسی دوا کے استعمال کی ہدایت کرتا ہے۔ پھر دوسرے
 وقت اُس کے استعمال سے منع کرتا ہے۔ اور بجائے اُس کے کوئی دوسری دوا استعمال
 کرتا ہے۔ اُس کے دونوں حکم مصلحت کے موافق اور مریض کی طبیعت کے مطابق سمجھے
 جاتے ہیں۔ یہ تفسیر صرف تفسیر حالت بیمار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ورنہ طبیب اپنے قاصد
 پر ہے (یہی وجہ نسخ احکام کی سمجھنا چاہئے)۔

بدا کی حقیقت

اگر منکر نسخ انقراض کرے کہ اس معنی کا اثبات قداوند جل جلالہ کے فی میں
 مدعی ہوتا ہے۔ بداکو اور بداحق تعالیٰ پر روا نہیں ہے۔ چنانچہ یہ کہ بداحق چیز کے

بیان تو نسخ کو کہتے ہیں۔ جو پسندیدہ ہو یا تلافی ہو۔ خطائے گذشتہ کی اور نسخ کہتے ہیں اختلاف کہ کہ موافق اختلاف وقت اور زمانہ کے۔ اُس کی مثال ہندوؤں کے احوال میں جیسے عیسیت و مرض فقر و غنا اور عاقبت و بلا اور حیات و ممات کی ہے اور دوسری مثال اختلاف احوال عالم میں موجود ہے۔ جیسے ایجاد و افنا تو ان میں سے ہمیشہ ہی استہدایہ لازم نہیں آتا۔ تو نسخ کی صورت میں کیونکر خدا پر ہدایہ لازم آسکتا ہے۔

ان کی جمالت سے تعجب ہے کہ نسخ کے صرف اس سے قائل نہیں کہ ان کے زعم میں اس سے خدا پر ہدایہ لازم آتا ہے۔ اور خود ان میں کا ایک فرقہ جس کو کیا نبیہ کہتے ہیں۔ خدا پر ہدایہ ضرور کہتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عتیا یقولون الظالمون علواً یکبراً یا بت کسی عاقبت پر شخصی نہیں کہ جو چیز محل حوادث ہے۔ حادثات اور اللہ تعالیٰ قبول حوادث سے منزہ ہے۔ اور صفت حادث سے اُس کا انصاف و عدت نہیں۔ حق یہ ہے کہ ان کا ذمہ کا قول ہدایہ کے باب میں یہودیوں کے قول سے بھی جو یا ب نسخ میں ہے۔

روافض کا قول کہ پیغامبر مشرک سے پیدا نہیں ہوتا

اباہیں و افضل ایات یہ کہ کہتے ہیں۔ وہ نہیں ہے کہ پیغامبر کسی مشرک سے پیدا ہو۔ یہ مشرک پیغامبر سے پیدا ہو۔ حالانکہ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔ کہ اُن کے باپ آذریت تراش تھے، لیکن جو بعض مفسرین نے پیدار ابراہیم علیہ السلام کا نام تاریخ لکھا ہے۔ اور ذکر کو ان کا چچا کہا ہے۔ تو واضح ہو کہ تاریخ کا مومن ہونا بھی کسی تفسیر سے ثابت نہیں۔ مطلب دنوں و سورتوں میں ایک ہی ہے)۔

نیز حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ کہ اُن کا باپ غیر اہل میں مر گیا۔ غرض یہ دونوں واقعات (اور نیز اُن کے سوا) اس امر کے مبین اور واضح کرنے والے ہیں کہ روافض کا یہ قول کہ پیغامبر مشرک سے اور مشرک سے پیغامبر کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ (حالانکہ تاریخ پیغامبر سے ہے۔ اور اُن کا ہٹا کنڈان کا فرقہ یہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے)

اور یہ جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ناقلاً من نوح علیہ السلام ...
 فرمایا اِنَّكَ اِنْ تَنْزِهْهُمْ لَيُؤْتُوا عِبَادَكَ وَكَانَ يَكْلِفُكَ اَوْ كَلَّافًا جَسًا
 کفار را یعنی نوح نے کہا بے شک اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو وہ میرے بندوں
 کو گمراہ کریں گے۔ اور ان سے پیدا نہ ہونگے۔ مگر کافر بدکار کہتے ہیں کہ اس آیت
 سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر سوائے کافر بے سامان سے وجود میں نہیں آتا۔ تو ان
 کی دلیل فاسد ہے۔ کیونکہ اس کا حکم تخصیص قوم نوح کے ساتھ ہے کہ حق تعالیٰ
 نے ان کے ہلاک کا حکم کیا تھا۔ اور وحی کی تھی کہ تیری قوم سے سوائے ان لوگوں
 کے جو ایمان لائے۔ دوسرا کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ چنانچہ فرمایا وَادْخُلِ اِلٰی
 نُوحٍ اَنْتَ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ حَقَرَتْ نُوْحٌ فِی
 اس آیت سے معلوم کیا کہ جو لوگ پیدا ہوں گے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ
 ان کے فرزند بھی قوم نوح سے تھے۔ پس حضرت نوح کا یہ کہنا کہ ان سے کافر ہی
 پیدا ہونگے۔ اس قصہ کی بنا پر تھا جس کی اطلاع ان کو علم غیب کے ذریعہ
 پہنچی تھی۔

شعبہ کے قول کا ایک اور طرح سے ابطال

پھر ہم کہتے ہیں کہ اس تاویل کی بھی حاجت نہیں ہے۔ وافض کا قول
 ظاہر نفوس کے بھی مثالی ہے۔ اور حکم نص سے ثابت ہے کہ انبیاء کا کافروں سے
 پیدا ہونا جائز ہے۔ اور ماں باپ کا کفر ان کی علمیت میں قارح نہیں ہوتا تاں
 یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ انبیاء کا نسب نکاح نامہ فاسدہ کی صحبت و عیب کے
 پاک ہوتا ہے۔ اور نکاح کفار کا درست ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورت مرد جب
 دونوں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تو پھر تجدید نکاح کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور وہی نکاح
 سابقہ قائم رہتا ہے۔ الا اس حالت میں کہ جو سی ہو۔ اور اس نے ذیات محارم
 نکاح کیا ہو۔ تو ان میں تفریق کر دینا چاہئے۔ اور جانتا چاہئے کہ انبیاء کے
 نسب میں شائبہ فساد نہیں پایا جاتا۔ اور نہ مظنہ خلل واقع ہے۔ اس واسطے
 کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اشراف قبائل اور خیار بنی آدم سے منتخب کیا ہے۔ اور

ہم سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین آدمی ہیں۔ بلحاظ شرف نفس اور کرم اخلاق، اعلیٰ مارت اصل اور شجاعت اور وجاہت کے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کافہ نام سے برگزیدہ و منتخب کیا ہے۔ اور عہد آدم سے ہمارے اس زمانہ تک ایسے بزرگ حضرات جو مومن سے متولد ہوں۔ خواہ کافر شب میں خلل ہونے کی وجہ سے مستذکف ہے ہیں۔ اور خدا نے ان کو اس قسم کے معاصیے پاک صاف کیا ہے کہ یہ ایسا تنبیہ ہے۔ جو اصل سے فرع میں ہر ایت کرتا ہے۔ اور اس کا عیب اول سے آخر تک ہوتا ہے۔ پس انبیاء کو اس سے میرا جانا چاہئے۔ لیکن کفر و ایمان کسی شخص کا اس کے صاحب سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ تو کسی شخص کا ایمان دوسرے سے رہتا ہے نہ کفر یہ۔

کیا والدین آنحضرتؐ کی وفات کفر پر مہولی؟

اور مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ مادر و پدر آنحضرتؐ کے کفر پر ہتھ نہ لاریں۔

اسے چنانچہ شرع فقہ اکبر میں ملا علی قاری بعد نقل عبارت مولانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مآنا علی الکفر یعنی آنحضرتؐ کے ماں باپ نے کفر پر وفات پائی کہتے ہیں کہ یہ عبارت دوسرے اس شخص کا اس نے کہا کہ والدین آنحضرتؐ کے ایمان پر دوسرے یا ان کی موت تو کفر پر مہولی۔ لیکن پھر نہ انے ان کو نہ دیکھا پس ان کی وفات بیان پر مہولی۔ پھر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ میں نے اس مر کے ثبوت و تائید میں ایک جودہ رسا لکھا ہے۔ اور اس میں جہاں الدین سیوطی کے رسالہ کی جس میں اُس نے والدین آنحضرتؐ کا ایمان پر مہولت کیا ہے تردید کی ہے۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ امام عظیمؒ کی وفات کے لائق نہیں تھا کہ والدین آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت ایسا کہتے۔ کیونکہ اس میں مساوت ادبیت میں کتاب و لیا کہ مسئلہ علمائے متاخرین میں مختلف طور پر مانا جاتا ہے۔

جنس الدین آنحضرتؐ کے ایمان کے قائل ہیں۔ اور بعض ان کی وفات کفر پر ہونے کے متفق ہیں۔ پھر ایک گروہ علماء کا ایسا ہے کہ جو اس قسم کی بحث کو بے ادبی خیال کرتا ہے۔ بلکہ دوسرے سے اس وقت کفر کو تو میں والدین آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کفر پر ہونے کا ذکر ہے۔ امام عظیمؒ کی تصنیف میں کتاب و لیا اس کے وہ فقہ اکبر جو بروایت ابو یوسف علیہ السلام ہے امام عظیمؒ کی تصنیف بتا ہے۔ یہ علماء متقدمین تو وہ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی وفات حالت کفر میں ہوئی۔ لیکن فقیر مترجم جناب حضرات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین شہرہ نہیں کی بابت یہ سوچیں کہ ان کی بابت اور سبب اختلاف قائل کے ان کے واقعات اور خروا بیان کی بحث کو یہ کفر چھوڑ دیتا ہے کہ خدا اور رسول ہی ان کے حالات کو خوب جانتے ہیں۔

بات نقل درستی ثابت ہے۔ ان میں سے ایک حدیث عبید بن جراح مجالیسی کی ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نَظَرَ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَفِيْهِمْ غَرِيبٌ وَ عَجْمِيٌّ اَكْثَرُ بَقَايَا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اور مراد بقا سے وہ لوگ ہیں نصاریٰ سے جو طریق حق پرستی قائم تھے اور یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت کی بعثت کے وقت کہیں اس طائفہ سے سوائے درقہ بن نوفل کو کوئی نہیں تھا۔ اور قبل اس کے اہل مکہ سے زید بن عدوی تھا۔ جو قریش کے خلاف تھا۔ باقی تمام نیت پرستی اور عبادت اصنام پر مجتمع تھے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِيْ اَكْثَرِ قَبِيْلَتَيْنِ رَّسُوْلًا مِّنْهُمَا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَكٰفِيْنَ یعنی اللہ پاک ایسا ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیج دیا۔ جو ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم کرتا ہے۔ اور اگرچہ قبل اس کے یہ لوگ صریح کفر ہی میں تھے۔

اور ان میں سے ایک حدیث ابن ابی ثیبہ کی ہے کہ جب اُس نے آنحضرت سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا دوزخ میں۔ پھر عرض کیا ابن ابی ثیبہ یعنی آپ کا باپ کہاں ہے۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ بِقَبْرِ كَافِرٍ قَبِيْشَرٌ يَّا لِنَارِ اَنْتَ اَنْتَ اَنْتَ فرمایا میں کافر کی قبر پر گزرا۔ تو اُس کو آتش دوزخ کی خبر دی۔ اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کو گئے۔ اور فرماتے ایسا کہ جو آپ کے گردا گرد تھے۔ اُن کو بھی بلایا۔ پھر فرمایا میں نے خدا سے اپنی ماں کے استغفار کے لئے اجازت چاہی۔ مگر نبی جازت نہیں دی گئی۔ اور یہ حدیث درست ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّ فَيْكَا وَ اَبْلِی مِنْ حَوْلِهِ فَقَالَ اَسْتَاذَنْتُ رَبِّیْ عَنْ اِیْ اَنْ اَسْتَخْفِرَ لَهَا فَلَمْ یُوْذَنْ لِيْ جَبَّ نَقْلُ دَرَسَتْ سَے قَرْبًا یَعْدُ قَرْنٍ دَرْمِیَانِ اَمْتِ كَے یَقْنِیِ دَرَسَتْ وَ شَتْرَہِہ۔ تو اس کی مخالفت سوائے ضلالت کے نہیں۔ اور سوائے اس کے کہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلا یا جائے یا دین پرستی مخالفین ابو طالب کے باب میں ظہور کرتے ہیں۔ اور یہ وجود اس کے کہ ان کا کفر ثابت ہو چکا ہے (حضرت رسول خدا

کے فرماتے حضرت علیؑ کی شہادت اور غلامی سلف اور آئمہ دین کے بیان متواتر
 سے) روانہ کئے ہیں کہ ابو طالبؑ مومن تھے۔ جو لوگ ان کو کافر کہتے ہیں جھوٹے
 ہیں۔ اور وہ اہل بیت سے تعصب و راوت رکھتے ہیں۔ وغیرہ اہل کفر
 حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل
 اہل النار عذاب ابی طالب و عفو متصل بعد من یقلی منها وما عنہ
 یعنی سب سے پہلے عذاب ابی طالب کا ہے۔ وہ آگ کے جوتے پہنے ہوئے ہے جس کی
 گرمی سے اُس کا دماغ کھوٹتا ہے۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا تھا یا عم قتل لا الہ
 الا اللہ کلمۃ احابہ بہا عنک قابی ان یقول لا الہ الا اللہ یعنی اے
 چچا لا الہ الا اللہ کہہ دے کہ میں اس کلمہ کے ذریعہ میری جان سے خدا پر محبت کروں۔ تو
 ابو طالبؑ نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کیا۔ اور مرتے وقت کہا میں اپنے باپ
 عبدالمطلب کے دین پر مڑتا ہوں، اور حدیث میں ہے کہ جب ابو طالبؑ وفات پائی
 تو حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے۔ اور کہنے لگے یا رسول اللہ ان عمک
 النضال متہ مات یعنی آپؐ گمراہ چچا مر گیا۔ آپؐ نے فرمایا اذہب فوارا یعنی جاؤ
 اُس کو دفن کر دو۔ اور آئمہ مجتہدین خصوصاً جناب ابو حنیفہ اور ثانی رضی اللہ عنہما
 نے جو دن دفن کیا ہے اسے باب میں دفن ابو طالبؑ پر تمسک کیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں

سب کا خیال ہے کہ جب ابو طالبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس گئے۔ دیکھا
 کہ ابو جہل اور چند لوگ بیٹھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے چچا کلمہ شہادت پڑھ دو کہ میرے
 پاس تمہاری حضرت طلب کرنے کی ایک دلیل ہے۔ ابو جہل نے کہا کیا عبدالمطلب کے مہر سبک پھرے جاتے ہو او
 بار بار یہی تہار رہا۔ حتیٰ کہ ابو طالبؑ نے آخری وقت میں کہا کہ میں اپنے باپ عبدالمطلب کی قوت پر مڑتا ہوں۔ اور
 لا الہ الا اللہ نہیں پڑھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں تمہارے لئے استغفار
 کرتا ہوں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ
 وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ اللَّهَ ابْتَلَا النَّفْسَ الْفَاسِقَةَ
 نَبِيٍّ وَمُؤْمِنِينَ كُفْرًا فَهُمْ يَنْتَظِرُونَ لِقَاءَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ حَكِيمٌ
 ظاہر ہوا کہ وہ دو چیزوں سے ہیں۔ یعنی ان کی موت کفر پر ہوئی ہے۔ اور وارد ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ابو طالبؑ
 پر ایمان نہیں لیا۔ اللہ انہوں نے اللہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّكَ وَ مَا سَأَلَنِي عَنْ اَحَبِّتَ وَ
 لَكَرَّ اِلَيْكَ بِهَذِهِ مِنْ يَشَاءُ۔ رواہ البخاری ج ۱۰ ص ۱۲۵

اس کا یہی سبب تھا۔ بعد اس کے سنا پڑا جو کسی اجماع کا نہیں ہو کہ کچھ متعہ حرام ہے۔ ہمارے دین کہتے ہیں کہ متعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا ہے۔ اور متعہ حضرت علی کے مذہب میں حلال ہے۔ اس کا خلاف عمداً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ ورنہ متعہ صحیح اور متعہ نکاح میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جو یہ ہے کہ روایت حدیث میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ ان سے یہ حدیث مروی ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: وکذا علی عن متعہ النساء وذلک حرم اللہ من الاہلیۃ ذمہ من خبیثہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کرتے اور اپنی گدہوں کے گوشت کھانے سے زبان خبیثہ میں منع فرمایا ہے۔ تو گو یا ردائض کا اس مسئلہ میں خطرات کا نہ محض اہل حق سے غنا ہے۔ جس طرح موزہ پر مسح کرنے میں انہوں نے السنۃ اہل حق کی مخالفت کی ہے کہ موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور اس کے جواز پر اجماع امت ہو گیا ہے۔ ردائض عدم جواز مسح کی نسبت بھی مثل جواز متعہ کے حضرت علی کی طرف کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پیروں کا عقائد خلاف اجماع و بیعت نبویہ اور اجماع امت مرحومہ کے ہیں۔

تقیہ کی تردید

ان کے عقائد فاسد سے ایک تقیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی محترم ہو یا اس کی زبان سے ڈرتا ہو تو اس کے لئے روا ہے کہ تقیہ کرے یعنی جو بات اس کے دل میں ہے۔ اس کا خلاف زبان سے نہا کر کہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اسی قسم سے تھے۔ اور اسی بنا پر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت میں جو کچھ فرمایا۔ وہ بھی اسی

لئے متعہ اٹھائے دیتے ہیں۔ ایک یعنی تسبیح یعنی فائدہ مند ہونے کے یعنی عہد کراہی کے ساتھ ایک سفر حج کے مہینوں میں بغیر اس کے کہ گھر کو لوٹے یہ جائز ہے۔ دوسرے معنی میں حج کراہی عمرہ کے ساتھ اور احرام حج سے نکلنا۔ عمرہ کے انفال کے ساتھ بے متعہ الحج بالاجماع حرام ہے ۱۲ تحفہ ۵۰

اس حدیث کے متعلق ہم نے پوری بحث تفسیر میں کی ہے۔ دیکھو عطف

قسم سے یعنی ازراہ تقیہ تھا کہ آپ ان میں سے ایمن نہ تھے۔ اور ان کی زبان سے
 ڈرنے تھے۔

اگرچہ اس لائق قول کا قضا کسی مائل سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن ہم اس
 خیال سے کہ بے علم لوگ ان کے فریب میں نہ آجائیں۔ اس کا جواب یہاں سب سے پہلے
 ہیں۔ وجہ فساد اس عقیدہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَتَقُوا لَهُم مَّا كَانَتْ يُدَارِئُكُمْ وَابْذُلُوا لَهُم مَّا كُنْتُمْ حَافِظِينَ** اور
 درمست بات کہو پس ان کا تقیہ اس کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ اور
 خلاف مافی الضمیر کے اظہار کی اجازت دیتا ہے۔ حالانکہ خدا اپنے بندوں کو اس سے
 منع فرماتا ہے۔

روافض اس آیت **إِلَّا أَنْ تَقْرَأُوا مِذْوَرَّكُمْ** سے استدلال

کر کے تقیہ کو درست کہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی
 کفار سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کی مولات سے باطن ظاہر میں احتراز
 رہو۔ لیکن یہ حالت میں کہ ایسا کر کے تمہاری جان میں خطر میں ہو۔ اور انہما رعایاوت
 سے ہلاک جان متفقین ہو۔ تو ایسی حالتوں میں جبکہ ان سے داریات و تنسیق کی
 باتیں کرو۔ اور اگر یہ کام نہ کر سکتے ہو تو بدستی و اکراہ کریں۔ اور قتل کرنے یا دوسرے
 قتل کے ذریعے چھپائے یا آگاہ ہوں۔ تو اس سے ضرر نہیں آئے گا کہ کفر صرف زبان سے
 نکل جائے۔ مگر مضائقہ نہیں ہے۔ پھر اگر مضائقہ ہوں تو اس سے ضرر نہیں آئے گا کہ کفر صرف زبان سے
 ہلاک جان اور نفس ایسا پر بھی کہہ سکتے ہیں اور ان کے ایمان سے کھلمو کھلا نہیں۔ تو یہ بات
 پوشیدہ ہے اس کے پس منظر میں کہ بے ضرورت کلی ہر ایک جہاں معاشرت کیجئے
 جھوٹ بکنا شروع کریں۔ اور تنبیہاں تقیہ اپنے لئے واجب کریں۔ اور وہ بھی ان سے
 کے ساتھ۔

تقیہ کی صورت جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ وہ رافضیوں کے تقیہ سے
 بالکل جدا ہے۔ یعنی وہ غیر ملت والوں اور مشرکین سے بدست خوف ہلاک جان واقع
 ہوتا ہے۔ اور یہ اپنے ہی مذہب والوں اور کلمہ گو یوں کے ساتھ بے ضرورت کلی ایک
 جہاں معاشرت کی بنا پر ہر موقع و محل پر خلاف مافی الضمیر کیا کرتے ہیں۔ اس قسم کا

تقیہ ہر مذہب میں پائیدار ہے خصوصاً مذہب اسلام میں نہایت مذہب اور بدتر ہے
آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے لوگوں کو جو دل کے خلاف باتیں کیا کرتے ہیں
بدترین مردم فرمایا ہے *

تقیہ کے باب میں ایک اعتراض کی تردید

اگر اعتراض کیا جائے کہ تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہو کہ ایک
آدمی آیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندرائے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے
اس کی نسبت فرمایا بیٹس اخوالعشیرین پھر جب وہ شخص اندرایا تو آنحضرت
اُس کے ساتھ کثادہ رولی اور نرم باتوں سے پیش آئے حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب وہ
شخص نکلا گیا۔ تو میں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ جب وہ باہر دروازہ کے تھا۔ تو آپ نے
اُس کی نسبت ایسا فرمایا تھا۔ مگر جب اندرایا تو آپ نے نرمی ولینت و کثادہ رولی کی
اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ شش الناس من یقیہ الناس اتقاء فاحشہ یعنی
بدترین لوگوں کا وہ ہے جس سے لوگ ڈریں بڑے طور پر ڈرتا *

جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے جو اہل فرمایا وہ اس لئے تھا کہ عائشہ صدیقہ کو
معاہدہ ہو جائے کہ بد لوگوں سے سازگاری بھی ٹھیک نہیں۔ یہ قسم ارشاد و تفہیم سے تھا۔
آنحضرت نے جس طرح اُس کی نسبت بیٹس العشیرین فرمایا تھا۔ اگر اُس کے اندر آنے
پر اس کی نسبت نعم الصبرین فرماتے تو البتہ تمہارے لئے حجت ہوتا۔ لیکن بد آدمی
کے ساتھ مدارات کا کرنا تمہارے واسطے کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ یہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا خلق کریم تھا۔ کہ بد لوگوں کے ساتھ بھی خلق و مدارات سے پیش آتے تھے
ہاں ظاہر میں کسی شخص سے محبت کرنا اور باطن میں اُس سے دلی عداوت رکھنا۔ اور دل
سے مخالف ہونا۔ اور زبان سے موافق ہونا اور اپنے اعتقاد کی حقیقت کو پوشیدہ
رکھنا اور ہر ایک شخص سے کہنا کہ میں تم سے ساتھ ہوں۔ یہ باتیں طریق دینداری سے
ہیں۔ اور عقائد منافق سے مشابہ ہیں۔ یہ تو عام مسلمانوں کے لئے بھی جائز نہیں ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا ہونا کہاں مکان رکھتا ہے کہ آپ بد مذہب کو
نیک نہ کہیں۔ اور جو قابل مذمت ہے۔ اُسی کی طرح سرائی فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ

سچے رسول علیہ السلام کو اس لئے مبعوث کیا تھا کہ وہ کامل کو ناقص سے جدا
 جدا کریں۔ اور خیر کو شر سے الگ شناخت کرائیں۔ اگر یہ بات نہ دلا ہوتی تو کوئی شخص عادل
 و فاسق کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔ اور خیر و شر میں تشخیص ناممکن ہو جاتی۔ اور ایسا
 اعتقاد رکھنا کتب و اسے کہ آنحضرت کا باطن بخلاف ظاہر تھا۔ آپ کی یہ شان تھی کہ
 اگر کوئی بات دل کے خلاف ہوتی تو اتنا بھی رد نہیں کھتے کہ آنکھ سے اشارہ کرتے
 چنانچہ فتح مکہ کے روز جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح
 کو لائے۔ اور عرس کیا یا رسول اللہ ہاتھ بڑھائے کہ عبداللہ آپ سے بیعت کرے جنت
 عثمان نے دوبار ایسا ہی کہا۔ لیکن آنحضرت نے ہاتھ اُس کی طرف نہیں بڑھایا۔ جب
 تیسری بار عرض کیا تو آپ نے ہاتھ دیا اور بیعت لے لی۔

یہ عبداللہ ابن سعد وہ شخص تھا کہ اسلام لاکر مرتد ہو گیا تھا۔ اور مکہ میں اگر
 اہل شرک سے مل گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت نے فرما دیا تھا کہ اگر عبداللہ عثمان
 کعبہ کو بھی پکڑ کر شیعہ لائے تو اس کو نہ چھوڑو۔ اور قتل کر ڈالو۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ
 نے بالکل اس کی بیعت کی سفارشل کی تو آپ نے بعد بیعت لینے کے فرمایا تم میں
 سے ایک شخص بھی صاحبِ ہند نہ تھا کہ جب میں اُس کی بیعت سے امتناع کر رہا تھا۔ تو
 اٹھ کر اس کی گردن مار دیتا۔ لوگوں نے عرس کیا اے حضور آپ نے آنکھ سے اشارہ
 کیوں نہیں فرما دیا۔ آپ نے فرمایا مَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةٌ الْأَخْبَرُ
 نہیں ہے کسی نبی کے لئے یہ کہ وہ جائز رکھے۔ آنکھوں کی چوری کو رقیہ کے ثبوت
 سے بڑی غرض اہل تشیع کی بزعم خود ابطالِ خلافتِ خلفائے ثلاثہ ہے یعنی یہ کہ خلفائے
 ثلاثہ کی خلافت حق پر نہیں تھی۔ اور جناب علیؑ نے جو ان سے جھگڑا نہیں کیا۔ اور تیسرا
 چوتھیں برس اُن کے موافق ہے۔ تو یہ جناب امیر کا تقیہ تھا۔ باطن میں وہ خلفائے ثلاثہ
 کی خلافت کے شکر تھے۔ بلکہ شیعہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا بھی خلفائے ثلاثہ سے
 ڈرتے اور تقیہ کرتے تھے نعوذ باللہ من هذا الهفوات اگرچہ شیعوں کے
 ان خیالات داعیہ کی تردید تمام بڑی بڑی کتابوں مثلاً ازالۃ الخلق اور صواعق
 حرقہ اور تحفہ اشاعرہ اور آیات بیانات میں کامل اور پوری طور پر ہو چکی ہے
 اور اب بھی ہم ہر طرح اُن کے خرافات کے رد کرتے ہوئے ہیں۔ لیکن یہاں صرف ہم اتنا

ہی کہتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنین اسوۃ العالیہ نقیبہ کو جائز رکھتے تو آج تک ان کی کسی بات اور کسی کلام و کتاب کے اختیار نہ ہوتا۔ اور نہ کسی کو ان کے ساتھ اختلاف ہوتا۔ پھر اس قدر عرب و تہا کی بھی دوست نہ آتی (جو امیر معاویہ اور ان کے درمیان واقع ہوئی)۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنی ہستہ قاتل خلافت کے لئے بیانات آلودہ ہو گئے اور اگر یہی طریقہ عام مسلمانوں میں رائج ہوتا تو عالم اسلام کی بڑا بڑا عالم میں شکرا ہو جاتی۔ اور احکام شرعی کا کوئی بھی حکم جو دوسروں سے مردی ماننے کے قائل نہ ہوتا۔ انہیں یہ بات سے تفریق حاصل باطل اور موضوعات فنیہ سے ہے) *

فصل نویں

روح کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ اہل تہذیب کی ایک عمارت قدیم روح پر انصراط کرتی ہے اور اس باب میں ان کا عقیدہ عقائد شمار کی سے غاصد تر ہے۔ کیونکہ نصاریٰ قدیم کی اصناف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے ہیں۔ انہوں نے جب یہ کہا کہ ان بعض افعال ایسے صادر ہوتے ہیں جو انسان بشریت سے خارج ہے تو ان کی نسبت خدا کے بیٹے ہونے کی جانب کی۔ اور کہا کہ یہی خدا کی جانب سے ایک روح کی صورت میں نمودار ہوئے ہیں وہ روح خداوندی تھی جس سے تو قائلین کے حق میں باطل ہے یہ سمجھے کہ ہم روح کو کس بنا پر قدیم کہتے ہیں۔ جب ماریت حدوث اس میں ظاہر ہیں۔ مثلاً روح کا اتصال بدن سے اور اس کا تعدد بہ تعدد اجسام مختلفہ اور قبول حوا و وغیرہ۔ جب یہ لوگ اپنے کو گروہ سہیلین سے شمار کرتے ہیں۔ تو ہم بھی متا سب جانتے ہیں کہ ان کا جواب کتاب سنت سے دیا جائے۔

فرشتوں کی نسبت فرمایا ذوات ارواح اس طابق میں سب فرشتے داخل ہیں۔ پھر اگر روح
جدی کو قدیم کہیں تو چاہئے کہ روح کا فراور روح مومن کے درمیان کوئی فرق نہ ہو۔ اور
یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہر کی روح معذب نہ ہو۔ اور نیز ہر کی روح کو عذبت کہنا جائز نہ ہو
اور یہ کہنا بھی درست نہ ہو کہ فلاں شخص کی روح کو ملک الموت نے قبض کیا۔ کیونکہ قدیم
مقبول نہیں ہوتا۔

روح کے حدیث پر شرعی دلائل

روح کے حدیث پر شرعی حجتوں سے ایک تو قول رسول ہے کہ آپ نے فرمایا
الارواح جندۃ جندۃ یعنی روحیں جمع کئے گئے لشکر ہیں۔ اور جمع کی ہونی چیز
قدیم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جمیع مقبور ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ جمع و تفرق صفات محدثات
سے ہے۔ اور پر والی حدیث درست اور صحیح ہے۔ اور اہل حایت اس کی صحت پر متفق ہیں
ایک دوسری حدیث میں ہے خلق اللہ الارواح قبل الاجساد بالفی عام
یعنی اللہ تعالیٰ نے وجوں کو جسموں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے۔ تو اس سے یہی
ظاہر ہے کہ روح قدیم نہیں۔ کیونکہ مخلوق محدث ہوتا ہے۔

دوسرا شبہ ان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو آدم کے جسد میں ڈالنے کے
بعد ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا۔ اور سجدہ کو نفع روح سے مشروط فرمایا۔ فَإِذَا سَقَىٰ يَتُّهُ
وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي اور روح کی اضافت اپنی جانب کی۔ اور جو محدثات ہوتی
ہے وہ سجدہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ (تو لازم آیا کہ روح قدیم ہو)۔

جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ آدم کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ خاک کے لئے تھا۔ اور آدم
بمیز کہ کعبہ بیت المقدس کے تھے۔ اور بعض علما فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ مکرم تھا۔ نہ سجدہ عباد
لیکن پہلی وجہ تو یہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں آرہے کہ فرزند ان آدم جب سجدہ کرتے ہیں
تو ابلیس ایک جانب کھڑا ہو کر روتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ خدا نے فرزند آدم کو سجدہ کا
حکم کیا تو وہ سجدہ کر کے جنتی ہو گیا۔ اور خدا نے مجھے سجدہ کا حکم کیا تو میں نے انکار کیا
اور انکار کی وجہ سے دوزخی ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اصر ابن آدم بالسجود
فلم يعلل الجنة وامر ان بالسجود فامتنع فلعن النار۔

اگر کوئی سائل سوال کرے کہ جب آدم مبتلا قبلہ کے تھے۔ تو ابلیس کے لئے
وجہ نازعت کیا تھی۔ جواب یہ ہے کہ ابلیس نے صرف اس لئے حسد کیا کہ خدا نے تشیص سجدہ
کے لئے آدم کو کرامت عطا فرمائی وہ سجدہ حقیقت آدم کو نہ تھا۔ آدم کو اس میں یہ بزرگی
حاصل ہوئی کہ خدا نے اپنے سجدہ کے لئے انہیں قبلہ بنایا۔ اور قبلہ کو محض اس لئے جنت
جہات پر فضیلت ہے کہ خدا نے اس کو اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اور اگر
تمہارے قول کے موافق ہوتا تو ابلیس سجدہ آدم سے نفرت الکار نہ کرتا۔ اور اپنی اصل
کے لحاظ سے آدم پر منافرت کرتا ہوایہ نہ کہتا۔ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ
وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے
اور آدم کو مٹی سے۔ اور نیز خداوند تعالیٰ آدم کے حق میں نہ فرماتا وَعَصَىٰ اٰدَمُ رَبَّهُ
فَقَوٰی یعنی اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس آدم بے راہ ہو گیا۔

اس مسئلہ کے دلائل اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ اس مختصر میں اُن کا استنباط
ہو سکے۔ اور اہل ایمان کے نزدیک یہ سارا اس قدر روشن اور مسلمہ ہے کہ ہمیں اس کے
بیان کو طول دینے کی ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ یہ خود ایسی تخصیص بات ہے کہ جو ذکر و
بیان کی احتیاج نہیں رکھتی۔ اگر ہمیں یہ خطرہ نہ ہوتا کہ بے دین لوگ اس میں لایعنے
شبہات پیدا کر کے عوام مسلمانوں کے فریب میں لانے اور دھوکا دینے کے درپے
ہونگے۔ تو ہرگز اس بحث میں نہ پڑتے۔

روح کے مسئلہ میں چند فریق عنایت کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں۔ ان میں ایک
فرق جالیلیوں کا ہے جس کی بنا محض الحاد پر ہے۔ اور بصیر النظر اشخاص پر اس کا فساد
و بطلان ظاہر ہے۔ اس اسطرح کہ جو چیز جسم میں حلول کرتی ہے وہ بوجہ من الوجہ اس
کی تابع ہوتی ہے۔ یا اس کی متابعت کرتی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قدیم بوجہ
من الوجہ تابع محذات کا ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ جو چیز جسم میں حلول کرتی ہے۔ وہ
محدود و منتهما ہوتی اور یہ صفات محذات سے ہے۔

حلولی اس عقیدہ کی نسبت اہل تصوف کی جانب کرتے ہیں جو محض غلط ہے
صوفیاء اگر ام جن کو سعادت معرفت ہوتی ہے۔ اور جو نیا بیع حکمت امیر خزانہ اسرار
کتاب سنت ہوتے ہیں۔ وہ ہرگز ہرگز ایسی مہیوہ باتوں کے قائل و معتقد نہیں۔ بلکہ

فرقہ عالیہ کا ایک پوشیدہ نریب اور عوام کے دام تزییر میں لاسنے کا ایک طریق ہے کہ اپنے عقیدہ کا ستودہ کر سو بیسہ کر نام سے منسوب کرتے ہیں۔ ولوقر غنا اگر کوئی اصولی ایسا کلمہ منہ سے نکالے جو شعر حلوں ہو۔ اور وہ کسی دوسری وجہ اور معنی کی انتہا پر رکھتا ہو۔ تو ایسے غلوئی کو زمرہ اہل اسلام سے خارج سمجھنا چاہئے۔ اور گروہ صوفیہ صافیہ سے اس کو ہرگز شمار نہ کرنا چاہئے۔

روح کے متعلق بعض متکلمین کی باتیں

ان بعض متکلمین میں اہل تصوف نے بہت باتیں یہی کی ہیں جو تصاریف کے لاموت اور فائدتہ والے شاہ سے شایستہ نامہ رقتی ہیں۔ تو تحقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کلام راستگی کے خلاف ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں۔ تو وہ بھی گروہ نصائے سے ہیں نہ عجمت مسلمین سے اور یہ نکتہ اس امت میں زیادہ تر فرقہ شطابیہ کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ نیز ان واعظان بے مروت و سامان سے جو احادیث متشابہات اور اقوال مرشخ کرام کو غیبی احوال میں ان سے صادر ہو سکے ہیں۔ پوچھنے پر نہیں کہہ سکتے۔ اور ان کی تاویلات پر کتب شریف نہیں جانتے۔ پھر ایسی احادیث اور اقوال نامفہوم و لپیٹے خیال و فاسد کے موافق ہستہ مال کر کے خلاف شرع باتیں بناتے۔ اور عوام اہل اسلام اور متکلمین نقرائے تاہراتس کو خوش کرتے ہیں۔ انہیں دو مسلمانوں کی منسلکت سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور یہ کہہ جیتے ہیں کہ اس نکتہ کا بیلاب سلام کی عبادت میں کیا کچھ خرابی و تباہی رہ پا کہے گی۔ بلکہ ہر خوف فرمائے قیامت جہلا کی تشبیہ خاطر کہے گئے ہے سروپا باتیں اور بے قیاد قصص اور حکایات و دراز کا رہبان کر دیتے ہیں۔

احادیث متشابہات میں سے ایک یہ ہے۔ **فَاِذَا اجْبَسَتْ اُزَّتْ رَحْمَتُ**

اللّٰهِ وَرَحْمَةُ رَاحِلٍ يَدْعُو رَبَّهُ وَيَدْعُو اَلَّتِي يَدْعُو

بِهِ وَرَحْمَةُ رَاحِلٍ يَدْعُو رَبَّهُ وَيَدْعُو اَلَّتِي يَدْعُو

رکھتا ہوں تو میں اس کی مثلواتی مینائی داد و ستد اور آمد و رفت میں اس کا معائنہ

و مددگار ہو جاتا ہوں۔ وہ میری توفیق کے بتیر کوئی کام نہیں کرتا۔ میں اس کے

پاس کے موافق ہو جاتا ہوں۔ اس کے سوا سوائے اس حدیث کے دوسرے معنی

گمراہی و ضلالت ہے۔ کیونکہ حوالہ و استناد اسے منہی ہے۔ اور یہ بات دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے۔ دوسری اس قسم کی اغویات کو بھی سمجھنا چاہئے۔

اقوال بزرگان کی تاویل

بعض اقوال بھی ایسے ہیں۔ جو مثلہ و منہی و ضلالت ہیں۔ اور ان کی نسبت بزرگان دین کی جانب ناحق کر دی جاتی ہے۔ کہ ان کے اعتقادات کی توثیق ہو۔ درحقیقت اقوال مذکورہ ان کے نہیں ہوتے۔ یہ صرف ہوا پرستوں اور حیلہ فروشوں کا افسانہ محض ہے۔ جیسا کہ پیش رفتی الجبروت سے اس اندیشہ یعنی میرے جبروت سے اللہ کے نہیں۔ اس قول کو حضرت یازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی جو تفسیر مذکور کیا جاتا ہے۔ درحقیقت نہ قول ان کا ہے اور نہ ان کے کلمات سے اس قسم کا قول کی توقع کی جاتی ہے۔ اور اگر ان کا قول ہو تو اس کی تاویل یوں کرنا چاہئے کہ میری تمام ذات خدا کی عبادت پرستہ۔ اور میرے جبروت میں جو گوشت و پوست ہے۔ وہ سبھی اکی طرف سے ہے۔ پس یہی اکیلا خدا عبادت کے قابل ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کی قابلیت نہیں رکھتا۔ پس میں اپنے تمام گوشت و پوست و ریح و کما لہ سے اسی ایک کی عبادت میں مشغول ہوں۔ اور اسی ایک کو معبود و یقین کرتا ہوں۔ ایسے معنی کہ جس سے نفس تو ادا شد و بیت نہیں بھٹکا۔ اور یہی درحقیقت ہے۔ اور مثال اس کے دوسرے نقل کردہ اقوال کی تاویل کی جائے۔ تو نتیجہ ضلالت و گمراہی ہے۔ پس جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے۔ اور اس حال نظر آئیں۔ تو اہل اسلام کو چاہئے کہ ان کی باتوں سے اپنے کان پر سے کر لیں۔ اور خود کو حتی الامکان ان سے دور رکھیں۔ اکثر و کیا جاتا ہے کہ بعض ہوا پرست اس قسم کی غلو کرتے ہیں۔ اور ایسے و ایسی شہادتیں دیتے ہیں کہ خود کو ان کے جبروت سے چاہتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو بالکل گمراہ و اعدا و کفارہ سمجھنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ اشعار بزرگوں سے منقول ہیں۔ تو ان کے معنی شرح شریف کے موافق کرنا چاہئے۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہوا پرست کوئی خلاف شرع اشعار کو پڑھتے

اور ان کو بزرگان دین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو با تحقیق ان کا قائل ہونا ضرور نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارے پاس کتاب سقنت موجود ہے۔ تو ہمیں اس کے حقائق و اہیات اور مخرقات موضوعہ اہل بدعت و ہوا پر توجہ کرنا کیا ضرور ہے۔ خواہ وہ کہیں سے پہنچیں۔ اور کسی کے نام سے منسوب ہوں *

حقیقت رُوح

اب ہم پھر حقیقت کا اعادہ کرتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رُوح ایک ایسی چیز ہے۔ جو اجسام مختلفہ میں منتشر ہے۔ جس طرح آفتاب کی شعاع ایک۔ ہی ہوتی ہے۔ اور تمام اطراف و اکاف عالم میں پھیلی رہتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تجزئی و تبعض وہ ہے کہ چند چیزوں سے مرکب ہو۔ نہ صرف ایک چیز سے۔ اور جو ایک چیز سے ہے۔ اُس سے تقسام عدد ممکن نہیں۔ اور بعض اہل اسلام کا قول ہے کہ رُوح قسمت پذیر اور تجزئی نہیں ہے۔ مگر علمائے سلف اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر جو ہر رُوحانی کے غیر تجزئی ہونے کو جائز رکھیں تو اُس سے جناب باری کر ساتھ مشارکت پائی جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پاک ذات غیر حال اور غیر تجزئی ہے۔ پس اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک شے محدث کے لئے تجزئی ضرور ہے اور بعض اہل اسلام رُوح کے مسئلہ میں حیران ہیں۔ اور اُس کی ماہیت کے بیان کرنے میں توقف کرتے ہیں۔ لیکن اہل حق یہ تمام اس امر پر متفق ہیں کہ رُوح محدث ہے۔ اُس میں قدیم ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ذات و صفات باری تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں محدث ہیں۔ تاہم ماہیت رُوح میں توقف پسندیدہ ہے۔ اور اُس کی بحث میں پڑنا نامناسب، اس لئے کہ بندہ ماہیت رُوح کی دریافت کیلئے مکلف نہیں ہے۔ اور جب اس باب میں شارع علیہ السلام سے نص جلی وارد نہیں ہوتی۔ تو اُس کے استنباط میں اہل و اجتہاد سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ماہیت رُوح کے باب میں ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ اُس میں سے کسی پر بھی قطع نہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ بعض اقادیل موافق ملت اسلام کیوں نہ ہوں۔ لیکن مختار یہ ہے کہ رُوح ایک جوہر جسمانی نذرانی ہے۔ جو قالب انسانی میں ڈالی جاتی ہے۔ (وہ نظر نہیں آتی بلکہ) خدا کو

جب منظور ہو گا۔ اس کو دکھا بھی دے گا۔

ہم نے دو حدیثوں میں یہی معنی پائے ہیں۔ ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ آدمی مرتے وقت نظر کو تیز اور بلند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ اس لئے ہے کہ اُس کی لہر اس کی جان کا تعاقب کرتی ہے۔ حدیث کو الفاظ یہ ہیں۔ **الحدیث والافسان اذا مات شخص بصرہ قالوبلی یا رسول اللہ قال فذلک حیث یتبع بصرہ نفسہ رواہ مسلم** حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آنحضرت ابو سلمہؓ کے پاس آئے۔ اس حال میں کہ اُس کی آنکھیں فراخ ہو گئیں اور حالت بدل گئی تھی۔ فرمایا جب روح قبض کی جاتی ہے۔ تو آنکھیں روح کے پیچھے جاتی ہیں دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابی سلمہ وقد شق بصرہ فقال ان الروح اذا قبض یتبع بصرہ۔ اس حدیث کے متعلق مجھے ایک شخص سے مناظرہ کا اتفاق پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ اُس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ رشق بصرہ کے معنی ہیں کیونکہ جب جان جاتی رہی۔ تو اُس کے پیچھے بینائی جاتی ہے پس آنکھوں کے کھلا رہنے میں فائدہ کیا ہے۔ اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بھی وہی معنی ہیں۔ یعنی آنکھوں کا فراخ ہونا۔ کیونکہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بات بطور تنبیہ کے فرمائی تھی۔ اگر آپ کی یہ مراد ہوتی کہ جان کے پیچھے بینائی بھی جاتی ہے۔ تو تنبیہ کی کیا حاجت تھی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ فصوص عقلا۔ اور حاضرین بارگاہ رسالت جو اہل بصیرت اور صاحبان فہم و درایت ہیں۔

فنا کا حکم روح پر چسپاری ہے

روح کے باب میں یہ یقین رکھنا بھی واجب ہے کہ وہ کالید سے جدا ہو کر اور انکسائت سے محروم نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کے اور انکسائت قائم و باقی رہتے ہیں۔ اور وہ کلام حق کو مستحق اور مخاطبات ملکی کو مفہوم کرتی ہے۔ چنانچہ یہ بات بدلائل قرآن و حدیث ثابت ہے۔ اُن میں سے ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی

ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جہنم کو منسما کیا۔ ان اللہ کا صمد ایسا کہ
کفایتاً۔ اور حدیث اصحابِ مومنہ کی کہ قرآن شریف ان کے حق میں نازل ہوا۔
بالقوا قتلونا القیتا ربنا رضی عنا وارضنا ما جاعلنا قوم کو یہ پیغام پہنچا
وہ کہ ہم اپنے پروردگار سے تھے۔ اس میں ہیں کہ وہ ہم سے راضی ہوا اور اس سے
ہم کو راضی کیا۔ سو اس کے اور بھی احادیث ہیں کہ ان کا ابراہیم اس مختصر میں متعذر
رہے۔

تناخ کی بحث

اور اعتقاد رکھنا چاہیے کہ نماز اور موت رُوح پر جائز ہے۔ اور یہ کہ حشر
ایجاد کے وقت ہر ایک رُوح اپنے اس کا لہر میں اعادہ کرے گی۔ جو اس کو دنیا
میں محسوس تھا۔ یہ مسئلہ اہل تناخ کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک رُوح کے یہ حقی
ہیں کہ مکلفین کی رُوحیں جہنم میں منتقل کرتی ہیں۔ نیک لوگوں کی رُوحیں
اپنے کایوں میں۔ اور بد لوگوں کی رُوحیں برے کاموں میں۔ اور ان کا اعتقاد
ہے کہ ثواب پانے والی رُوح تندرست تو انرا اور آرام و عیش و آرام والے جسم میں
منتقل ہوتی ہیں۔ اور عذاب اٹھانے والی رُوح خستہ و ماندہ اور مفلس و محتاج بدن
میں رہتی کہ بعض کی رُوحیں گتے۔ بلی۔ مچھ۔ وغیرہ کے قالب میں منتقل
کرتی ہیں اور تناسخوں کا دعویٰ ہے کہ وہ سناہ تناخ کا ثبوت قرآن میں پاتے
ہیں۔ چنانچہ اپنی دلیل میں یہ آیات پیش کرتے ہیں۔ فَاَنْتَ عِلْمُ زَوْجٍ مَا شَاءَ
رَبُّكَ یعنی خدا کے جس حکمت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔ وَنُفُوسُكُمْ فِي
مَا لَا تَعْلَمُونَ اور ہم تم کو پیدا کرتے ہیں اس پیڑ میں جس کو تم نہیں جانتے
وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ظَلِيْرٌ مِنْ حِجَّتِمْ إِلَّا عِنْدَ رَبِّنَا
أَمْثَلُكُمْ یعنی اور زمین پر کوئی جانور نہیں۔ اور آسمان پر کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں
سے اُڑتا ہے۔ مگر مخلوق اور آدمی میں مثل نہیں ہے۔

اور نیز اس حدیث سے استدلال ہیں اِنَّ اَرْوَاحَ الشُّجَرِ اَعْرِضَتْ
اَجْوَافِ الطَّيْرِ اَلَا تَعْلَمُ یعنی درختوں کی رُوحیں پرندوں کے

پوٹوں میں ہیں۔ اور اس کے سوا اور بھی استدار لانت ہیں۔ جن سے بیک فساد و بطلان الال
نفس کے پوشیدہ نہیں۔ پہلی آیت کے معنی ہیں کہ تمہارے سیاہ و سفید دراز و کوتاہ کا اٹھ
تائیس وغیرہ میں صورتیں چاہا جائے کہ تیرے کو ترکیب سے دیا۔ اس سے تسامخ کما حقہ
ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فی آیت ہر ذرہ کے معنی ہیں کہ گدھا، کتاب، بیل وغیرہ
جس صورت میں چاہا۔ تمہارے روح کو دیکھ کر دیا۔ یہ ایسے معنی ہیں۔ جو اس آیت کے
بالکل تعلق نہیں رکھتے۔ کیونکہ بحث میں الموت کے تمام معتقدوں کا اس امر پر
اتفاق ہے کہ انسان جس کالپ میں مرا ہے۔ اسی کالپ میں اٹھایا جائے گا۔
ایک بات یہ ہے کہ بحث سے مراد تسامخ ہوتا ہے۔ تو اُس کا ایک معنی اور خاص وقت
مقرر نہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بحث کے لئے ایک خاص وقت اور ایک خاص
دن مقرر ہے۔ چنانچہ یہ آیت اس امر کی دال ہے۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا هُمْ
بِیَوْمِهِمْ لَا رَیْبَ فِیْهِ یعنی کیا حال ہوگا۔ جب ہم اُن سب کو قیامت کے لئے
بلائیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا وَوَقَدْ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ وَهُمْ
لَا یُظْلَمُونَ۔ یعنی ہر شخص کو اُس کے اعمال کی جزا پوری دی جائے گی۔
اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

الان تسامخ کی تفسیر

تسامخوں کی دوسری اور تیسری نقل کردہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ پرندہ و
چندہ کوئی حیوان ہو۔ وہ حیوانیت میں تمہاری مانند ہیں۔ اور تمہاری طرح رزق
کے محتاج۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تمہاری طرح کے آدمی ہیں۔ رہی حدیث
مذکورہ تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ شہدائی۔ جسے عرفان سیر سے تعلق ہے جس طرح
فرشتوں کا تعلق انسانی صورتوں سے ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام بقدرت
آدمی متصور ہوتے ہیں۔ اسی طرح شہدائی ارواح یا مرتحق مصدق بصورت عرفان سیر
ہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عام رُوحوں کو لذات جسمانی کی تباہی کی ضرورت
نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ شہید کو اللہ ایک آرامت خاص عطا فرمائی ہے اس سبب
اُن کو تصویب لذت کے لئے عرفان سیر کے اجواف کی ضرورت ہوئی۔ کہ وہ آستانہ

قدیہ لذاتِ جنت سے متمتع ہوں۔ اور نیز اس باعث مرغانِ سبز کی ضرورت ہوئی کہ وہ آستانِ ارواح شہدا ہوں۔ *

معلوم رہے کہ یہ تمام باتیں جو ارواح شہدا کے باب میں بیان ہوئیں۔ بہشت کے متعلق ہیں۔ اور اہلِ تناسخ کا دعویٰ دنیا میں تبدیلیِ قالب کے متعلق ہے۔ پس اُن کا استدلال اس حدیث سے ٹیک نہیں۔ یہ اور جو کچھ ہم فصلِ بحث میں بیان کر آئے ہیں۔ سب کی سب تردید و ابطالِ تناسخ کے دلائل ہیں۔ اس کے بعد ہم اُن کو ایک اور جواب دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ

اگر قبل اس کے ہمارا دنیا میں ہونا کوئی اصل رکھتا جس طرح مذہبِ تناسخ قائل ہے۔ تو ہمیں اس بات سے ضرور واقفیت ہوتی کہ پہلے جنم میں ہم فلاں جگہ رہنے اور فلاں کام کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ ہم اپنی اس عمر کے گزشتہ حالات سے آگاہ ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص ساٹھائے دریا تک پہنچا ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں جا بیٹے تو پہلے ملک کے اکثر واقعات اُس کو یاد رہتے ہیں۔ پس اگر بقولِ تمہارے ہم اس کے پہلے بھی چند مرتبہ دنیا میں رہ چکے ہیں تو کیا سیدتی ہے کہ ہمیں اُس جنم کے حالات سے مطلق آگاہی نہیں۔ اس سے ثابت ہوگا کہ تمہارا قول محض غلط ہے۔ ہم اس سے پہلے کبھی اس دنیا میں نہیں آئے۔ اور سوائے ایک جنم کے کبھی کسی انسان کے متعدد جنم نہیں ہوتے۔ ایک نوح کے لئے ایک ہی کالیہ مخصووس ہے۔ وہ اپنے اس کالیہ سے نکل کر کبھی کسی کالیہ میں نہیں جاتی۔ بلکہ خدا نے رُوحوں کے مقامات اور قرار گاہیں مقرر کی ہیں۔ وہ تا قیامِ قیامت اپنی مقررہ جگہ میں رہیں گی۔ بات یہ ہے کہ اہلِ تناسخ کا اعتقاد بالکل خلافِ شرع اور مخالفِ عقل ہے۔ فلاسفہ بھی تناسخ کو محال سمجھتے ہیں۔ اور علمائے شریعت تو اس کے سخت مخالف ہیں۔ *



فصل دسویں

چند ایسے مسائل کے بیان میں ہیں جن میں ہم

اہل حق کو اختلاف ہے

پہلے مسئلہ ایمان سے کیا مراد ہے

علمائے اس پارہ میں اختلاف کیا ہے کہ ایمان مراد اعتقاد اور قول ہے
سب سے زیادہ اعتقاد قول اور اعمال تینوں سے جانتا چاہئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور
اکثر متکلمین اور بعض اصحاب شافعی کے نزدیک ایمان مراد اعتقاد و قول سے ہے
جس کو تصدیق کہتے ہیں۔ اور نزدیک امام شافعی و جمہور اہل حدیث کے مراد ایمان سے
اعتقاد و قول اور عمل تینوں میں معتزلہ کا بھی یہی قول ہے۔ پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے
کہ ایمان لغت میں معنی تصدیق کے ہیں پس جب تک کوئی دلیل قاطع نہ ہو۔ اس
میں کہی دوسرے کو شک کرنا ٹھیک نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کئی مقام
پر اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا ہے۔ چنانچہ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات
اور حقوق غیر معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ اور یہ آیت بھی اسی قبیل سے ہے لَعَلَّ
تَكُنْ اٰمَنَاتٍ مِّنْ قَبْلِ اَوْ كَسَبَتْ ثَوَابًا مِّنْ قَبْلِ اَوْ كَسَبَتْ ثَوَابًا مِّنْ قَبْلِ اَوْ كَسَبَتْ
پہلے ایمان لایا۔ اور نہ اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام کیا۔

اس حدیث قدس سرہ ہے جو بخاری نے بن عباس سے روایت کی ہے۔ اَتَدْرُونَ مَا كَلَامُ يَحْيٰى
بِاللهِ وَ سَمِعْتُ قَالُوا اللهُ وَ رَسُوْلُهُ اَتَمُّ لَكَ شَيْءًا اَوْ اَنْ كَلَالَ اللهُ وَاَنْ
مُحَمَّدًا اَوْ سَمِعْتُ اَنْ اَقَامَ الصَّلَاةَ وَ اٰتَى الْزَكَاةَ وَ صِيَامَ رَمَضَانَ وَاَنْ لَّعَلَّ
مِنْ الْمُغْنَى الْخَمْسُ صَفْحَةً مِّنْ حَقِّهِ (ایمان کے متعلق ایک تفصیلی بحث تمہد ص ۱۰۰ دیکھو)

ان کی دوسری دلیل حدیث وفد عبد القیس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم جانتے ہو۔ ایمان کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ اللہ ورسولہ اعلم یعنی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان کہتے ہیں۔ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت کی شہادت چیتے کو۔ اور اس کو کہ نماز زکوٰۃ اور صوم رمضان کو پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اور غنیمتوں میں سے پانچواں حصہ خدا کے نام پر نکالا جائے۔ یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ اعمال داخل ایمان ہیں۔

مخالفین کے ایرادات کی جانچ

غرض دونوں فریق اپنے اپنے دلائل قرآن و حدیث سے پیش کرتے ہیں اور باہم ایک دوسرے کے شبہات وارد کرتے ہیں۔ اگر ہم ان سب کا بیان کریں تو کئی میل تیار ہوں۔ ہماری غرض اس مختصر میں اس بیان سے یہ ہے کہ حقیقت فریقین ظاہر ہو جائے۔ اور یہ روشن ہو جائے کہ ان کے عالموں نے اپنے اقوال کی تائید میں جو کچھ لکھا ہے۔ طریق استنباط و استدلال سے لکھا۔ و لکن وجہ ہوا مولیٰ ہوا۔ یہ مسئلہ اس قسم نہیں ہے کہ اس سے ظاہر نصوح کی یا اجماع کی مخالفت لازم آئے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہر ایک گروہ نے ایک آئین کو اپنا مسئلہ کیا ہے۔ اس لیے۔ اور وہ سب گروہ سے اسی بنا پر معارضہ کیا ہے۔ ان میں سے کسی کا قول ایسا نہیں جس سے کسی فریق کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو۔ پس یہاں یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کی تحلیل نہ کرے۔ اور ہر ایک اپنے تمسک کے موافق اقتدار و حب جانے۔

محقق کا مختار

اللہ حق کی حجت سے بچے پر ہی واجب ہے۔ ہوتا کہ میں اس میں اپنے عقیدہ کو بیان کر دوں۔ مبادا کوئی کوتاہ نظریہ گمان کرے کہ اس مسئلہ میں میرا مسئلہ غلط ہے۔ ناشاکہ میں حبیب چاہے کہ سبب نبی خدا و کائنات و کون و کون کے یہاں سے اشخاص کروں یا اس کتاب کی انیسویں فصل میں اختلاف دلائل سے اس وقت

کے باب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہی اس نقیض کا اعتقاد ہے۔ اور اب کے کہ اس فصل میں اہل حق و دونوں فریق کا اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ چاہئے کہ یہاں بھی اپنا اپنا مسلک ظاہر کر دوں۔

میں نے جب ہر دو فریق پر نظر غائر کی۔ اور ہر ایک کی پیش کردہ آیات و احادیث میں تامل کیا۔ تو میں نے اس قول کی متابعت کو صواب جاننا کہ ایمان قول اعتقاد کا نام ہے۔ یعنی دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کو ایمان کہتے ہیں۔ اور اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔ اس اسلم کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مرویہ حدیث جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اس کی موافق ہے۔ حضرت جبریل امین نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا مالا یمان یعنی ایمان کیا چیز ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا ان تو من یا اللہ و ملائکتہ و کتبہ و مہ سلم و الیومہ الخیر یعنی یہ کہ ایمان لاشے تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت پر یہ حدیث اس باب میں نہایت قوی متمسک ہے۔ اس میں سائل و مصداق امین و حق تشریف ہیں۔ آمد مجید رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اور اس حدیث کے راوی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو ازستے علم و فہم و ضبط و احتیاط کے سب میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔

جمع و تطبیق

یہاں ایک بات ضروری ہے یعنی اس حدیث اور دوسری احادیث میں جو بنا ہر اس کے خلاف ہیں۔ جمع و تطبیق اور وہ اس طرح ہے کہ میں کتابوں ایمان کی اصل ہے۔ اور فروع اور ثمرات اور توابع دل و احوال پس ہر ایک حدیث اپنے محل پر ولایت کرتی ہے۔ تو جانا چاہئے کہ جس حدیث میں اعمال و احوال بیان ہیں۔ اس میں توابع اور لواحق ایمان کو جمع کیا گیا ہے۔ اور اس سے تاکید بالغ منظور ہے تاکہ مسلمانوں کو محاذوم ہو جائے کہ اگر وہ عمل کو ترک کر دیگا۔ تو حق ایمان بوجہ کمال اس کے ذمہ سے ادا نہ ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعدے فرمایا وہ بھنی سی قسم تھا

(اور تو ان کو احمق ایمان کو اس میں اٹل کر دیا) کیونکہ یہ لوگ ایسے تھے جو اہل اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان کو وقت ضرورتاً تسلیم نہ تھی۔ اور درمیان اصول و فروع کے تفریق نہیں جانتے تھے۔ اور ان کی فہم ایمان کی حقیقت سے سمجھنے سے کوتاہ تھی۔ پس حضور نے سب کو ایک ہی سلک میں منساک کر دیا یعنی ایمان کے توابع کو بھی بیان کر دیا۔ اس تاویل کی صحت میں خود نبی کریم کا قول موجود ہے کہ آپ نے فرمایا۔ الحیاء مشعبۃ من الایمان یعنی حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حیا مسنی ایمان میں داخل نہیں کیونکہ حیا ایک امر جبلی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس پر محمول کیا ہے۔ لیکن چونکہ بدی کے بچانے میں وہ بھی ایمان کی مشابہت رکھتی تھی۔ لہذا آپ نے اس کو بھی ایمان کی ایک شاخ فرمایا۔

دوسرا مسئلہ

ایمان کے کم و بیش ہونے کی بحث

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک ایمان کم و زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن امام شافعی ان کے اصحاب اور اکثر اہل نظر اس کے خلاف ہیں۔ دونوں کی دلائل ظواہر و نفوہ سے بہت ہیں۔ امام غزالی کا قول ہے کہ چونکہ عمل داخل ایمان نہیں ہے پس مجرد تصدیق اقرار میں زیادتی و نقصان نہیں پایا جاسکتا۔ اگر آیات و احادیث اس قسم کی پائی جائیں جن سے ایمان میں زیادت و نقصان مفہوم ہو تو اس کی تاویل مذکورہ طریقہ پر کرنا چاہئے۔ اور کہتے ہیں کہ زیادت و نقصان توابع و لواحق ہیں ہو سکتا ہے۔ یا تکرار استرار میں یا زیادتی یقین میں۔ اکثر اہل گت اس مسئلے میں ابو حنیفہ پر تشبیح کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گویا ہمارا ایمان مثل ایمان انبیاء و ملائکہ کے ہے جس میں زیادت و نقصان متصور نہیں۔

اس مسئلہ کے متعلق میری فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ ابو حنیفہ کی نظر اس جانب ہے کہ جب تصدیق میں مکان زیادت تسلیم کر لیں تو نقصان کا ماننا بھی ضرور ہوگا۔ اور جب نقصان پایا گیا۔ تو ایمان ناقص ہوا۔ اور ایمان ناقص مقبول نہیں ہے۔

اس لئے امام حسینؑ کا قول ہے کہ جب کسی بت و میں تصدیق و اقرار پایا جائے تو وہ موت
ہے۔ اور اس کے ایمان میں نہ تو پیشی کی گنجائش ہے۔ اور نہ نقصان کی یہی قول
مستقیم ہے۔ اور جو اس کے سوا ہے۔ وہ مراتب یقین اور درجات معرفت سے ہے
(جس میں کم و بیش ممکن ہے یعنی معرفت اور یقین جس میں یہ وہ ہوتا ہے اور بعض
میں) پھر ہم مثل ملائکہ و انبیاء کے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ (کہ ان کی معرفت و یقین بڑھا
ہوا ہے) اس مسئلہ میں بطریق نظر از راہ تنبید میرا یہی اعتقاد ہے۔ (اور میرا
یہی ہی اعتقاد ہے۔ اور یہی مسالک اسلوب و مستقیم ہے) جو کہ حضرت امام علیہ السلام رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا ہے۔

تیسرا مسئلہ استثناء

تیسرا مسئلہ استثناء کا ہے۔ یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ تو مومن ہے یا تو
جواب میں استثناء اور کہے اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا یعنی میں حقیقت میں مومن ہوں۔ یہی مطلب
امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ لیکن بعض سلف صالحین کہتے ہیں کہ اپنے
ایمان میں قطع کرنا درست نہیں۔ بلکہ جواب میں کہنا چاہیے اَمَّا رَبِّیْ وَ
مَلَائِکَتِہِ وَ کُتُبِہِ وَ رُسُلِہِ۔ الخ اسی کے مثل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ
عنہ سے منقول ہے۔ اور یہی مذہب ہے جو صاحب حدیث کا اور حضرت امام شافعی
رضی اللہ عنہ سے مذہب مشہور ہے کہ اپنے ایمان میں استثناء کرے۔ اور جواب میں کہے
اَنَا مُؤْمِنٌ مِنْ اِشْتَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی اگر خدا چاہے تو میں مومن ہوں۔ عید اللہ
تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایمان میں استثناء مثل اَنَا یٰ مَؤْمِنٌ خَرِیْنِ کا مختار طریقہ ہے
و معلوم نہیں متاخرین سے ان کی کیا مراد ہے کیونکہ ایمان میں قول استثناء انہما
سے منقول ہے۔ اور امام شافعی سے مشہور ہے کہ ان کے اصحاب نے اس مسئلہ میں
اعتدال سے بچ کر کہا ہے۔ لیکن اگر دونوں طریق استثناء کا ہر ایک استثناء
کریں تو نہ حنفی و نہ قول استثناء کو مذہب خیال کریں۔ اور نہ شافعی ایمان میں قطع کرنے
کو برا سمجھیں۔ اس لئے کہ اگر دونوں طریق ایک دوسرے سے دور ہیں۔
لیکن مسئلہ قریب تر ہیں۔ وہ یہ کہ جو ان کے ایمان میں قطع کرنے کو جائز کہتے ہیں ان کی

نقل حالت موجودہ پر ہے۔ وہ پسند نہیں کرتے کہ وہ اپنے اعتقاد و بات کو جو واقع اور موجود ہیں متعلق نہ بنائیں کریں۔ اُن کے سامنے کے موافق ایک ہی جہاں پہل خدا علیٰ اللہ علیہ السلام کے منقول ہے۔ اَقْرَبُ رُأْيَا لَایْمَانٍ وَ سَبْعُ مَشَا أَنْفُسِكُمْ بِأَلْبَسُوا عِزِّ اِیْمَانٍ کا اعتراف کرو۔ اور مومنین اپنا نام رکھو۔ اور جو لوگ استنشا کرتے ہیں۔ اُن کی نظر و قسم باہر نہیں یا تو بنظر کمال ایمان ایسا کہتے ہیں کہ ایمان میں کمال امر و شواہد ہے کیونکہ اُن کے نزدیک عمل و عمل ایمان ہے۔ اور وہ حصول اُن میں متر و دہیں یا اُن کی نظر خاتمہ پر ہے کہ اُنہیں معلوم نہیں۔ آخر وقت میں اُن کا ایمان سلامت رہے گا یا نہیں۔

یہ سن کر کہتے ہیں کہ استنشا تبرک کے خیال سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَتَدْ خُلِقَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللہ اِیْمَانِ اَنْفُسِ جَوَان سے دخول استنشا یہ لوگ پسند کرتے ہو گئے۔ ورنہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ پیشوا یا انجیل و مقتدا یا ان ملت اپنے ایمان میں مشکوک و متراب ہوں۔ ہمارا اعتقاد و علمائے ہست کی بات ہے۔ اور اُس کے سوا ہو بھی نہیں سکتا۔

لیکن چند وجوہات سے میں ترک استنشا کو صواب نہ مانا ہوں۔ اول یہ کہ اُس کا ظاہر مظنہ شک ہے۔ اور مومن کو نہ یہ نہیں کہ ایمان میں ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو مذمت و بدگمانی کا ہو۔ دوم یہ کہ سوال حال سے ہے نہ قائل سے۔ پھر استنشا و اُن کرنے کی صورت میں جو اس مطابق سوال کے کیونکر ہو سکتا ہے۔ سوم یہ کہ اگر اس باب میں سورہ عاقبت کے خوف کو مستحیج جانیں تو اُن کی شناخت کیا ہو سکتی ہے۔ جن کو خدا نے مومنین کہا پکارا اور خطاب کیا ہے۔ اور خدا نے جن کے مومن ہونے کی بابت خبر دی ہے۔ وہ کون ہیں۔ اور جب حکم و خبر ایمان کے حکم پر معائن ہو تو تا وقتیکہ اُس میں حقیقت ایمان موجود نہ ہو کسی شخص کو مومن نہیں کہہ سکتے۔ تو اس صورت میں اس حکم کا جو مومن سے متعلق ہے۔ ازالہ لازم آتا ہے۔ اور خبر کی اساعت متصور ہے۔ نیز اس سے لازم آتا ہے کہ کسی کا ترک قطعاً کا نہیں کرنا چاہئے۔ اُس میں جو استنشا کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ تو حکم نہیں کہ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا ایمان پر۔ اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شرعی معاملات میں اعتبار حال کو ہے نہ قائل کا کہ تو ایمان میں

بھی حال کا اعتبار ہوگا یعنی جن میں بوقت سوال ایمان موجود ہو بہ نظر حال پسند ایمان میں قطع کرنا چاہئے۔ پھر بھی جو شخص ضمانت عاقبت سے ترسے ہو۔ وہ یہ کہ جسے کہ میں مومن ہوتا ہوں۔ اور خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ میرا خاتمہ نعمت ایمان پر کرے تو زیادہ اچھا ہو۔ اس میں آب و آب کی بھی کجی اثر ہے۔ اور اعتراض معتبر نہیں ہے بھی نجاتِ ابدی اعلیٰ بانقواب ۔

چوتھا مسئلہ فقہی مسئلہ فصل میں یا نبی آدم

چوتھا مسئلہ یہ کہ عامیہ اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ مطیعانِ نبی آدم ملائکہ سے افضل ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ فرستادگانِ خدا یعنی انبیاء علیہم السلام دُسل الملائکہ سے افضل ہیں۔ اور اولیائے بشر یعنی امامہ مومنین افضل ہیں۔ اکثر اہل سنت و الجماعت کا مذہب یہ بیان اسی قول کی جانب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ملائکہ افضل ہیں نبی آدم سے۔ اور یہ قول اگرچہ معتزلہ اور بعض اُن اعمیٰ کہتے ہیں کہ اکثر مسائل میں فلاسفہ کی جانب ٹھیکہ ہوتے ہیں۔ لیکن بعض اہل ایمان بھی اُن سے اتفاق رکھتے ہیں۔ باوجودیکہ اُن کا مشرب کدورات بدعت سے بالکل نفی ہے۔ اس سبب سے ہم نے اس مسئلہ کو مطلقاً اہل بدعت کے اقوال میں یاد نہیں کیا۔ ہم اس مقام پر ہر ایک فریق کی حجت کو بطریق اختصار بیان کئے دیتے ہیں تاکہ امر حق ثابت اور منقح ہو جائے۔ اور متابعت سلف صالحین کی حاصل ہو۔

پہلا گروہ ان آیات سے احتجاج کرتا ہے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَنَ جَنَّتِهِمْ أَوْ إِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدْوا لِلْاٰدَمِ فَسَجَدُوْا اِلَّا ابْلٰیْسَ وَجہ احتجاج یہ ہے کہ آدمؑ ایسے علم سے مہم ہوا کہ ملائکہ میں سے کوئی بھی اُس کا مستحق اور مستعد نہ تھا۔ اور یہ بات آدمؑ کے لئے موجبِ تفضیل ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے فرمایا آدمؑ کو سجدہ کرو خواہ سجدہ خدمت ہو یا سجدہ نجات یا وہ سجدہ حق تعالیٰ کے لئے ہو۔ اور آدمؑ اُس میں بمنزلِ قبیلہ کے ہو بہر حال اُس سے آدمؑ کی تفضیل ثابت ہوتی ہے ۔

منکر بن فضیل بن آدم کے لائل و ارن کا ابطال

دوسرا فرق جو اباً کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بالافاق چلے۔ ایسے
 علوم سے مخصوص تھے۔ جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نادان تھے۔ پھر بھی یہ بیت
 حضرت کے لئے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت کا سبب ہوئی۔ تو آدم کا علم الاسماء
 سے واقف ہوتا۔ اور ان کا مسجود ملائکہ ہونا کیونکر ملائکہ پر موجب فضیلت ہو سکتا
 ہے ہم جو اباً کہتے ہیں کہ علم و اسل اس شخص کی فضیلت کی دلیل ہے جو اس
 جانتا ہے۔ اس شخص پر جو اس کو نہیں جانتا ہے۔ لیکن اگر علم مخصوص نہ جاننے
 والے کی فضیلت میں دوسری کوئی دلیل پائی جائے بسبب کسی دوسرے ابواب
 فضیلت کے تو نہیں کہہ سکتے کہ علم مخصوص جاننے والا محض اپنے اس علم کی سبب
 کسی ایسے شخص پر فضیلت رکھتا ہے۔ جو سوائے اس علم مخصوص کے تمام دوسرے
 علوم سے واقف ہے۔ اور جس کو دوسری وجوہات تفنیل بھی حاصل ہیں پس موسیٰ
 علیہ السلام کا شرف رالت کی جہت سے تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام
 قصہ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور ملائکہ فضیلت علم سے خالی تھے۔ نیز ہم
 کہتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام کے جس علم سے حضرت موسیٰ آگاہ نہ تھے۔ تو اس سے یہ
 لازم نہیں آتا کہ بنی آدم سے کوئی بھی شخص اس علم خضر سے واقف نہ ہوگا۔ اور وہاں
 تو جو علم آدم علیہ السلام کو عطا ہوا اس سے کوئی فرشتہ آگاہ نہ تھا۔
 اگر کہا جائے کہ آدم کو ملائکہ کا سجدہ کرنا بھت ابتدا و امتحان کے تھا۔
 یہ موجب تفنیل کس لئے کہا جاتا ہے۔ جو اب یہ کہ اگر یہ امر موجب تفنیل نہ ہوتا تو ابلیس
 کہتا۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ اور اگر
 آدم مستحق فضیلت خاص کا نہ تھا۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا مَنَعَكَ
 اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدَيَّ اَسَ وَ قَمْتَ ابليس نے کیوں کہا۔
 هَذَا الَّذِي كُنْتُ عَلَيَّ ابَ جب کہ ان وجوہات سے آدم کی فضیلت
 ملائکہ پر ثابت ہو گئی۔ تو قول تفنیل ملائکہ کا بشر پر باطل ہوا۔
 دوسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰ اٰدَمَ

وَلَوْ حَسَا وَآلَ عِيسَىٰ عَلَى الْعَالَمِينَ اور ملائکہ وغیرہ عالمین میں جہاں
ہیں۔ مگر جب کوئی مخصوص شخص اُس کے خلاف پائی جائے۔
ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اکثر جگہ کرامت سے یاد
کیا۔ اور اُن کے لئے بہت موعید مثل حُور و قصور اور دلدان و غلمان اور لباس
و مثارب اور منازل و مطاعم وغیرہ کی قسم فرمائی کہ آخرت میں انہیں یہ چیزیں عطا
ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا تِلْكَ نِعْمَتُ نَقْصٍ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ
جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان موعید میں سے ملائکہ کے لئے کوئی وعدہ
نہیں فرمایا۔

پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ ملائکہ کو جو قرب الہی حاصل ہے۔ وہ ان تمام
نعمتوں سے بزرگ ہے۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے مومنوں کے لئے فرمایا۔ فَأُولَٰئِكَ
لَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ اور سچ یہ ہے کہ بنی آدم لذات و حانی اور حظوظ
میں بھی ملائکہ کے ہمتان ہیں۔ اور لذات جسمانی میں اُن سے مخصوص یہی بات خوب
تفصیل بنی آدم ہے۔

ایک بات یہ ہے جس سے مخالفین ملائکہ کی تفصیل پر استدلال کرتے ہیں۔
لَا يَسْتَنْكِفُ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ
یعنی مسیح علیہ السلام خدا کا بندہ ہونے سے استنکاف اور انکار نہیں کرتے۔ اور نہ ملائکہ
مقربین (انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اس آیت سے ملائکہ کی فضیلت علیٰ بنی آدم ثابت
ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا کہنا درست نہیں ہے کہ شہر کا امیر میری خدمت سے استنکاف
نہیں کرتا۔ اور نہ پاسبان اُس کے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ امیر کے پاسبان میری خدمت
سے استنکاف نہیں کرتے۔ اور نہ امیر یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جاتی
ہے۔ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے اس آیت میں دو گروہ کا
ابطال کیا ہے۔ ایک نصاریٰ کا جو مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ دوسرے صائبین کا
جو ملائکہ کو انبیا و اشرک کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے قول کی تردید فرمائی
اور فرمایا کہ خدا کا بندہ ہونے سے نہ تو علیہ السلام کو انکار و استنکاف ہے۔ اور
نہ ملائکہ ملا و الا اعلیٰ کو۔

اُن کی ایک حجت اس آیت سے ہے۔ وَفَعَلْنَا هَٰذَا عَلَىٰ كَيْثٍ
 مِّمَّنْ خَلَقْنَا هَٰذَا تَفْعَلُونَ یعنی انبیاء کو ہم نے اکثر خلق پر فضیلت دی۔
 کہتے ہیں کہ جب خدا نے فرمایا کہ ہم نے اُن کو اکثر پر فضیلت دی تو ممکن ہے کہ ملائکہ
 عدد کثیر سے خارج ہوں۔ اور انبیاء کو ملائکہ پر فضیلت حاصل نہ ہو۔ جو اب یہ ہے کہ
 تم اس استدلال میں مضطرب نہیں ہو۔ اس لئے کہ تم نے یہ دلیل ملائکہ کی تفصیل میں
 پیش کی ہے۔ حالانکہ اس سے تفصیل اُن کی ثابت نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ
 یہ کہ جیسا تم بیان کرتے ہو محل آیت ایسا ہی ہو تب بھی ملائکہ بنی آدم سے فاضل
 نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ مِمَّنْ خَلَقْنَا میں عمومیت ہے۔ پس ملائکہ کثیر ہر جنس میں
 سے ایک جماعت مختار الگ کر لیا کہ خاص کسی تمام جماعت کو اس کے معنی یہ ہوتے
 کہ بعض ملائکہ بنی آدم پر فضیلت رکھتے ہیں نہ کہ سب اور بنی آدم اکثر ملائکہ سے فاضل
 ہیں۔ اور کہتے کہ یہ فضیلت بھی بابت کثرت تو ہے۔ اور نہ کسی اور جہت سے۔
 اُن کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ طرقہ العین میں تمام مشرق و
 مغرب گھوم کر آتے ہیں۔ وہ جسم نوانی رکھتے ہیں۔ خدا کا کبھی گناہ نہیں کرتے اور
 عبادت سے کبھی فاجر و مست نہیں ہوتے وہ ہوا و ہوس و حرص و شہوت کی کدورت
 پاک و صاف ہیں۔ یہ دلیل ہے ملائکہ کی فضیلت کی بنی آدم پر۔ کیونکہ ایسا ممکن نہیں
 کہ وجوہ ظلماتی اسیر حرص و ہوا مطیع شہوت و غضب عاصی و پر نفسیر ایسی پاک مخلوق
 پر فضیلت رکھتے۔

جواب یہ کہ ملائکہ عبادت پر مجبُول ہیں۔ اطاعت اُن کی فطرت میں موجود ہے
 وہ اسی واسطے عبادت سے مکدر و متنفر نہیں ہوتے۔ ان کو حرص و ہوا اور غضب
 غصہ کی قوتیں بھی دی گئیں۔ وہ حوائج بشری اور علائن دنیوی سے مترا ہیں۔
 پس اُن سے گناہ کیونکر سرزد ہو گا۔ پس ہر شخص جس کو یہ قوتیں ملی ہیں۔ ایک ایسے
 شخص سے جس کی حیات ہی میں مذکورہ قوتیں نہیں رکھی گئیں ضرور فاضل تر ہو گا
 کیونکہ وہ باوجود ان موانعات کے حتی الامکان خدا کی یاد و ذکر میں مشغول رہتا
 ہے۔ اور قوت ہائے محرک معاصی کی مخالفت کرتا ہے۔ اور جو عبادت بے تکلف
 اور بے مشقت ہوتی ہے۔ اور اُس کا ثواب بھی نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اور کسی عاقل پر

پوشیدہ نہیں کہ صبر کرتا مخالفت ہوا دشمنیت پر اور ان کو مقلوب کرنا عبادت مجاہدات
سے درمشتوں بلاؤں کا تحمل ہونا ایک امر صعب تر ہے۔ اور جن مشکلات و تلبیات و آفات
و شہوات و موانع شیطانیہ اور میل طبع و غلبہ وغیرہ میں انسان مبتلا ہیں۔ اور جو
حیانت بشری تل گرگی و تشنگی و خواب غیرہ اس کو حاصل ہیں۔ اگر ملائکہ ان مناسبات
تسبیح و تہلیل سے کہ وہ بنی آدم سے زیادہ تربیچارہ اور درمانہ ہوتے۔ اور بنی آدم میں
انہی اور زیادہ اور مانا و زما دیں۔ جنہوں نے خدا کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات
برداشتیں اور مخالفت ہوا اور ہوس و غلبہ شہوات و خواہشات میں وہ مجاہدات کثیر
جو عباد پر نہ تھے۔ ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے راہ خدا میں اپنی جانیں تک خدا کر دیں۔ مخالفین
حتیٰ کہ جو کچھ سعادت ان کو پہنچے۔ وہ پوشیدہ نہیں۔ پھر بھی یہ حق تعالیٰ سے نہ پھر
اور اس کے واسطے نالائک لڑائیوں و انواع و اقسام کے عذاب و محن و آلام پر تحمل
کرتے رہے۔ اور باوجود اس کے ترویج و اشاعت تو انہیں شیعہ اور نشر توحید و ملت
ہیں ان کی کوشش و سعی بلکہ جاری ہی ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ بزرگ نفوس فاضل تر ہو سکتے ہیں یا ملائکہ جن کو دینی
و دنیوی کوئی ضرر و پیشین نہیں۔ اور جن کو صرف ایک قوت عطا ہوئی ہے جس سے
وہ عبادت و اطاعت الہی کر سکتے ہیں۔ اور بس۔ نہ ان کو نفس امارتی کرنی پڑتی
ہے۔ اور نہ انہیں شیطانی وساوس کا خطرہ ہے۔

موجبات تفصیل نبی آدم

پھر ہم کہتے ہیں یہ عزت و توقیر کون سے فرشتہ کو حاصل ہوئی ہے۔ جو
حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی کہ خدا نے
ان کی شان کریم میں فرمایا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاحِدًا وَّ مُبَشِّرًا
وَّ نَذِيرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِہٖ وَّ سِرَاجًا مُّنِیْبًا اَلَا یَعْنِیْ اَسْمَہُ
(پیارے) رسول ہم نے تم کو شاہد، مبشر، نذیر اور اس کی اجازت سے خدا کی
طرف دعوت دینے والا اور سراج منیر کی صفات قدسیہ آ رہستہ کر کے دنیا میں
بھیجا۔ اور کون سا فرشتہ خدا کی اس کریمانہ نوازش سے ممتاز ہوا۔ لَعَلَّ لَکَ

انہم فی سکرۃ ھو لَعْنَةُ بَدُونِ تیر ہی جان کی قسم وہ لوگ اُن کے نشہ میں
 ڈالوا ڈول ہیں اور کس فرشتہ نے یہ مرتبہ پایا وَاَتَخَذَ اللّٰہُ اٰیۃً مِّنْ خَلْقِکَ
 اور بنایا خدا نے ابراہیم کو دوست اور خدا نے کس فرشتہ کی ایسی حرمت کی وَالْقِیۡتِ
 عَلٰیكَ حَبِیۡۃٌ مِّنۡیْ اُوْرُوْا الٰی میں نے اُوپر تیرے محبت اپنی جانب سے اُوڑسرایا۔ وَا
 اصطقیات لِنَفْسِیْ اور اختیار کیا میں نے تجھ کو اپنی نفس کے لئے اس کے سوا
 اور بھی مراتب ہیں۔ جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اور احادیث نبوی آدم کی فضیلت پر
 پر دلالت کرتی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔ جو حضرت ابو سعید خدری نے آنحضرت
 سے روایت کی ہے۔ مَا مِنْ نَّبِیٍّ اَوَّلٍ وَزِیْرَانِ مِنْ اَہْلِ السَّمٰوٰتِ
 وَزِیْرَانِ مِنْ اَہْلِ الْاَرْضِ اَمَّا وَزِیْرَاۤیْ مِنْ اَہْلِ السَّمٰوٰتِ فَجِبْرِیْلُ
 وَمِیْکَائِیْلُ وَوَزِیْرَاۤیْ مِنْ اَہْلِ الْاَرْضِ فَاٰیُوْبُ کَسْرٌ وَعَمْرُوٌّ اٰیۃً ہر ایک
 نبی کے چار وزیر ہوتے ہیں۔ دو آسمان والوں سے اور دو زمین والوں سے لیکن
 آسمان والوں سے میرے دو وزیر تو جبریل اور میکائیل ہیں۔ اور زمین والوں سے لیکن
 دو وزیر ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں۔

اور آنحضرت سے اَللّٰہُ عَلَیْہِ اَکْبَرُ بَلَمَ نے فرمایا۔ مَا لَکَ کے لئے جگہ کو فراخ
 کرو۔ پھر فرمایا۔ اَنۡہُمْ اِذَا کَانُوْا مَعَکَ لَعَنَ تَکُوْنُوْا مِنْ بَیْنِ اٰیۃِیْہِمُ
 وَاَمَّا مَنْ خَلَقَہُمْ وَاِنَّمَا تَکُوْنُوْا مِنْ اٰیۃِیْہِمُ وَاَمَّا لَعَنَ تَکُوْنُوْا مِنْ بَیْنِ اٰیۃِیْہِمُ
 فَضَلْنَا عَلَیْہِمُ اَوْ مِنْ فَضْلِہُمْ عَلَیْنَا قَالَ بَلْ اَنْتُمْ اَفْضَلُ مِنْہُمْ
 یعنی جب تمہارے ساتھ ہوں تو تم اُن کے آگے یا پیچھے مت رہو۔ بلکہ اُن کے دائیں
 بائیں رہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ کیا اس لئے کہ ہمیں اُن پر فضیلت دی گئی ہے یا
 وہ ہم پر فضیلت رکھتے ہیں۔ فرمایا بلکہ تم اُن سے افضل ہو۔ اور یہ حدیث، کَلَّا اَجَلُ
 ذٰرِیۡۃً مِّنْ خَلْقَتِ بَیۡنَیْ کَمَنْ قُلْتَ لَہٗ کُنْ غٰیۡکُوْنُ فَاَنۡ یُّعْنِیْ یُّسْ اس
 ذریت کو جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اُس مخلوق کی طرح نہیں کروں گا۔ جو صرف
 میرے کُن کہنے سے ظاہر ہو گئی۔

اگر یہ دونوں پہلی حدیث میں صریح نہیں ہیں تو نبی آدم کی فضیلت میں
 کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ لیکن دونوں حدیثوں کی تفسیر میں کلام ہے تاہم اس میں

کے لئے حدیث ابوسعید خدری کی کافی ہے۔ اور حدیث درست بھی ہے۔ نیز آیات
اس معنی کی مؤید ہے فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَانَا وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ
بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرًا۔ کس لئے کہ اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا کہ میرے دو وزیر
اہل سما سے جبریل و میکائیل ہیں۔ اور یہاں خدا نے فرمایا کہ اللہ اور تمام نیک شے
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر و مددگار ہیں۔ اور فرشتے بعد اس کے کہ خدا محمد کا
ناصر دیا اور ہے۔

دوسری حدیث آنحضرتؐ کا مندرجہ بالا حدیث شفاعت میں اَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِأَهْلِ
عَنْدِ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ جب پر قیامت کے دن گرامی ترین خلائق ہونے۔ تو آپؐ فاضل
ہوتا تمام ملائکہ سے ظاہر ہے کیونکہ یہ خلائق میں اہل ہیں۔ اور یہ حدیث درست ہے۔ اب ہم
نے اس تقریر سے معایم کر لیا کہ بشر ملائکہ سے افضل ہیں۔ لیکن ابھی یہ بات تفسیر کی
محتاج ہے۔ تو اس کی تفسیر مقتضائے آیات و احادیث استدلال شرعی کے یہ ہے
کہ بنی آدم کے رسول فاضل ترین۔ فرشتوں کے رسولوں سے۔ اور بنی آدم کے اولیا
فاضل ترین اولیا ملائکہ سے۔ اور نیک مومنین فاضل ترین تمام ملائکہ سے۔ اور
دلیل اس ترتیب کی کلام الہی کا نظم سخن ہے۔ چنانچہ وہ آیت اوپر نقل ہوئی۔ یعنی
فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَانَا

اب یہ مسئلہ درست و صاف ہو گیا۔ اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی
گنجائش نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے اس مسئلہ کی بحث سے کوئی سروکار نہیں
تو اس پر کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ اکثر علمائے اُمت کا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ
یہ مسئلہ ان مسائل سے نہیں ہے کہ ان کے خلاف کرنے والے کی تشبیہ کی جائے۔
مگر اس حالت میں کہ مخالف کی غرض تا تبید و توثیق فرقہ باطلہ معتزلہ ہو یا وہ اقوال
فلاسفہ کا مؤید ہو تو اس وقت اس کا اس مسئلہ میں اختلاف کرنا درست نہ ہوگا۔

غیر محتاط و اہلین

ہم نے اس بات کو اس لئے ذکر کر دیا ہے تاکہ مرد موحّد خدا ترس ایسے مواقع میں
اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ اور جہد اعتدال سے تنجا و نہ کرے۔ اور داعی غلبہ غیر محتاط

کی باتوں پر جو غیر مستند اور بے سروپا باتیں کرتے اور بیان میں ہوا پرستی کے تابع ہوتے ہیں۔ فریفتہ نہ ہوں اور چاہئے کہ اس قسم کے اعتقاد میں مسائل میں علمائے راسخ کے قول کو قبول کرے۔ اس لئے کہ سخاں اقدس میر پر اعتقاد رکھنا درست نہیں ہے۔ اس کے بے مزاج اور دل ناسد ہوتا ہے بعض اصحاب یہاں تک تفصیل انبیاء میں غلو کرتے ہیں کہ اُن کے رُوبرُو ملائکہ مغربین درگاہ الہی کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔ اور انبیاء کے مقابلہ میں ایسے ملائکہ کو بھی ہیج خیال کرتے ہیں ایسا نہ کرنا چاہئے۔ تفصیل انبیاء قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔ اور اگرچہ ملائکہ ملائعہ اعلیٰ فضیلت میں انبیاء سے فروتر ہیں تاہم خدا تعالیٰ کے ہاں اُن کے بڑے درجات ہیں۔

پانچواں مسئلہ حکم اطفال مشرکین

پانچواں مسئلہ حکم اطفال مشرکین میں بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ اطفال مشرکین اپنے ماں باپ کے ہمراہ دوزخ میں رہیں گے۔ ان کا تسک حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ہے کہ جب اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اطفال مشرکین کی بابت سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ لو شئت لآ سمعتک یصاحبہ فی النار۔ اگر تم چاہتی ہو تو میں سنواؤں وہ اپنے صاحب کے ساتھ دوزخ میں ہیں لیکن حدیث اہی ہے۔ اس مرتبہ کی نہیں کہ اس مسئلہ میں اُس سے حکم کیا جاوے۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ عقبہ بن مغیط کی گردن مارتے تھے۔ اُس نے کہا کہ میرے بچوں کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا آگ، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ من صبیۃ قال النار یہ حدیث بھی اس باب میں قابل استدلال نہیں۔ اس واسطے کہ مراد اس لفظ سے کافر بچہ نہ پناہ کوئی کہے مجھ کو کیا دیتے ہو۔ اور وہ غصہ میں کہ دے خاک۔ اور اس بات ثبوت میں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں جائیں گے۔ یہ حدیث ہے جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب تمہوں نے اطفال مشرکین کی بابت سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا واللہ اعلم بما کانوا عابداً یعنی اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیا عمل کرتے۔ اور یہ حدیث زیادہ معتبر اور مشہور

ہے۔ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری جہت اُن کی یہ ہے کہ بچے
شُرک میں ماں باپ کے تابع ہوتے ہیں۔ اور شرک ہی کا سبب ہے کہ مشرکین کی طرح
اُن کے بچوں پر بھی کسرتفاق (ندام بنانے) کا حکم جاری ہے۔ اُن کو مسلمانوں کے
گورستان میں بھی دفن نہیں کرنا چاہئے۔ پس چاہئے کہ آخر میں بھی تابع اپنے ماں باپ
کے ہوں۔

جواب یہ ہے کہ اگر اُن کا حکم مطلق حکم مادر پدر ہوتا تو چاہئے تھا کہ جب
مسلمان اُن کے اطفال کو کسرتفاق کرتے تو اُن پر اسلام کا حکم جاری ہوتا۔ پس
معلوم ہوا کہ اطفال مشرکین کی نسبت کفر کی جانب ایک ایسی نسبت ہے۔ تبعیت
اور اہل سے اُس کو تعلق نہیں۔ اور جب موت کے ذریعہ اطفال مشرکین اور اُن کے
ماں باپ میں تفریق ہوگی۔ تو کفر کا اُن میں مطلق اثر نہیں رہے گا۔
نیز شرع شریف میں مقرر ہے کہ تخلید فی النار سوائے مشرکین کے کسی
کے لئے نہیں ہے۔ پس جب اطفال مشرکین میں شرک نہیں پایا گیا۔ تو اُن کے
دوزخ میں رہنے کا حکم کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ یہ بیان اُن لوگوں کے جواب
میں واقع ہوا ہے۔ جو اطفال مشرکین کو دوزخی بتاتے ہیں۔ اب یہاں سے ایک
دوسرے گروہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جو اطفال مشرکین کی بابت کہتے ہیں کہ
وہ بہشت میں ہیں۔

اور بعض علمائے اسلام کا مذہب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے کوئی طاعت
نہیں کی۔ جس کے سبب ثواب کے مستحق ہوں۔ اس لئے وہ خدام اہل بہشت
کے ہونگے۔ بعض اہل سنت کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ اور اہل میں یہ مسئلہ
معتزلہ کا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ **صُحُ خَدَامِ**
اَہْلِ الْجَنَّةِ کہ وہ بہشت کے لوگوں کے نامادہ ہونگے۔ (ہم کہتے ہیں کہ) اگر یہ
حدیث درست ہو تو مراد اس سے یہ ہوگا کہ اطفال مشرکین بعض اہل بہشت کے خدام
ہوئے۔ جو دنیا میں ہو گئے ہیں۔ اور اُن کی ماؤں اور نایاں اس طرح پر ہے کہ **لَا**
تَنْهَرُ وَلَا تَرْفَعُ رِجْلًا وَلَا تَخْشَعُ کہتے ہیں کہ اس آیت کے ہوتے کیونکر جائز
ہو سکتا ہے کہ دوسرے کے عمل کے بدلہ میں اُن کو عذاب کریں (یعنی اعمال بدلوانے)

والدین کریں۔ اور اطفالِ مشرکین ناحق دوزخ میں ڈھکیلے جائیں یہاں لوگوں پر حدیثِ محبت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ الْجَنَّةَ وَخَلَقَ النَّاسَ وَخَلَقَ لَهَا اَهْلًا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اَبَائِهِمْ وَخَلَقَ لَهَا اَهْلًا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اَبَائِهِمْ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور دوزخ کو پیدا کیا۔ اور جنت کے لئے اُس کے رہنے والے پیدا کئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپوں کے صلیبوں میں تھے۔ اور دوزخ کے لئے اُس کے رہنے والے پیدا کئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپوں کے صلیبوں میں تھے۔

بعض علماء کا مقولہ ہے کہ اس مسئلہ کا مرجعِ علم حق کی جانب ہے۔ اس طرح کہ اگر خدا کو کسی بچہ کی نسبت یہ علم ہو کہ وہ حدِ بلوغ کو پہنچ کر ایمان لاتا تو ایسا بچہ جنتی ہوگا۔ اور اگر خدا کو کسی بچہ کی یا بت یہ علم ہو کہ وہ بڑا ہو کر مشرک ہی رہیگا۔ تو ایسا بچہ دوزخی ہوگا۔

یہ قول بھی اس دین میں مستقیم نہیں ہے کیونکہ جب چار بڑ نہیں کہ خدا درویش باقل یا تلے کو نذاب کرے۔ اس یا بت پر کہ اگر وہ مال دار ہوتا تو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ یا قاسق کو اس سبب سے عذاب کرے کہ اگر وہ کچھ دنوں اور جیتا۔ تو اُس سے فسق و فجور پہلے کی نسبت زیادہ صادر ہوتا۔ پس بطورِ اولیٰ یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے بچہ کو عذاب نہ کرے جس سے کوئی گناہ اور کفر ثابت نہیں ہوا۔

اگر کہا جائے کہ حدیثِ اللہ اعلیٰ بما کانوا یعملون اس امر کے ثبوت کی روشنی دلیل ہے۔ تو جواب اُس کا یہ ہے یعنی اس حدیث کے معنی اس طرح کرنے چاہئیں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ قیامت کے دن یہ کیا کریں گے۔ اور اُن کی بازگشت کہاں ہوگی۔ اس کے سوا اور بھی اس باب میں جتنے اقوال ہیں۔ قابلِ غور ہیں۔ یا تو اصولِ دین کے مخالف ہونے کے سبب یا معمولِ احادیث کے لحاظ سے۔ اور یا اس سبب سے کہ وہ کسی دوسری حدیث سے معارضہ کرتی ہے۔ یعنی مخالف ہے۔ جب کوئی قول ثابت نہیں۔ تو اس مسئلہ میں توقف کرنا ہی مناسب اور زیبا ہے یعنی نہ تو مشرکین کے بچوں کے جنت میں

داخل ہونے کا حکم لگنا چاہئے۔ اور نہ ان کے دوزخی ہونے پر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تکلیف مال الایطاق کے بیان میں

چھٹا مسئلہ تکلیف مال الایطاق کے بیان میں ہے۔ منکھتین اصحاب شافعی و اور نیز
دوسرے لوگوں کا یہ نہ ہو کہ روایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کسی ایسی چیز کا حکم نہ
جو اس کے وسیع امکان میں نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابواب کے لئے
نہروں کی وہ کفر و مرگ۔ اور دوزخی ہوگا۔ یا وجوہ اس کے اس کو ایمان کی جانب مائل
کیا۔ اس سے جو از تکلیف مال الایطاق ثابت ہے۔ اس کے سوا چھ دوسری وجوہ ثابت
دلائل بھی بیان کئے ہیں۔ جو عوام کی فہم سے بالاتر ہیں۔ اس لئے ہم ان کا بیان فرما کر
کرتے ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت کا اعتقاد ہے کہ بندہ کو مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ
کے فعال کی تحمین و تقسیم کر سکے! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
وَعِثًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا۔ جو اس کی وسعت امکان
سے بالاتر ہو۔ اس سے ظاہر نفس کی مخالفت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہے کہ

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا وَحِدًا۔ ہے کہ اگر مسلمانوں کی اولاد حضرت نوح علیہ السلام میں مر جائے تو ان کے
جنتی ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ کیونکہ اس باب میں کثرت سے احادیث وارد ہیں جن میں اکثر
مشاہیر احادیث سے ہیں۔ اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں ميثاق۔ یعنی
وقت انہوں نے بھی جلی کہا تھا۔ یعنی یہی اقرار یہو بیت میں شمال تھے۔ اور حضرت امام غزالی
آثار ابی حنیفہ بن نقول ہے کہ لوگ تو اولاد مسلمانوں کے جنازہ پر جیسی کبیر کے یہ پڑھتے
ہیں۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّذَا فِرْکَ الْاٰمَةِ اَجْعَلْ لِّذَا فِرْکَ الْاٰمَةِ اَجْعَلْ لِّذَا فِرْکَ الْاٰمَةِ
لَنَا شَافِعًا رَّحْمَةً۔ تو اس سے صاف اولاد مسلمین کے مسلمان ہونے پر دلالت ہے
وہ اولاد کفار کا حال نہ کہ وہ اگر ذی نفس ہوتے۔ سے پہلے مر گئے تو ان کا کیا حال ہوگا۔ اس میں
علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ
خدا بنیر عمر و رکن ہ کے کسی کو مبتلا غراب نہیں کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت میں اہل اسلام کے
خادم ہونگے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔ اور ان کی معاملہ خدا کی طرف سونپ دیا

بندہ کو اتنی ہی تکلیف دی جاتی ہے۔ جو اُس کی درست فہم سے بچر ہو اور تکلیف یا رابطہ اُس سے اُس کی مخالفت ہوتی ہے۔

مخالفتیں اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَلَا تُكَلِّفُوا مَالَهٖ ظَنًّا لِّتَاكِبُوا عَذَابُہُمْ بِرَآئِہٖ تَكْلِیْفٌ نہ ڈال جو ہماری طاقت اور برداشت سے باہر ہو۔ جو یہ ہے کہ یہ جیسے۔ اس سے جو از تکلیف مالا یطاق ثابت نہیں ہوتی۔ یا اُس کے معنی ہیں کہ آخرت میں ہم پر ایسا عذاب نہ کر جو ہمارے طاقت سے باہر ہو۔ یہ مراد ہے۔ کہ تکلیف کثیرہ ہم پر نہ ڈال جیسی کہ بنی اسرائیل پر ڈالی۔ یہ ایسے معنی ہیں جس سے اس آیت اور اس سے ما قبل کی آیت میں مطابقت ہوتی ہے۔

اور ابو امب کا قصہ جو مخالفین اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ وہ قابل حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تکلیف شرعی میں ظاہر کو اختیار ہے۔ اور جو بات ہم سے پوشیدہ ہے اُسے تکلیف شرعی کو مرد کا نہیں۔ اور ظاہر خیال یہ ہے کہ عاقل بالغ صاحب اختیار وہ ایسی باتوں کا حکم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ باتیں اُس کے مقدور استطاعت سے اڑھائے باطن حال خارج ہوں۔ مگر جب کہ وہ باتیں رتلا ہر استطاعت و مقدور انسان ہیں۔ اور یہ تکلیف تکلیف مالا یطاق نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ اقامت امر و نہی کی بندوں پر قضا و قدر کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ بلکہ تکلیف مالا یطاق کے یہ معنی ہیں کہ بندہ کو کسی ایسے کام کا حکم کیا جائے جو ظاہر حال میں اُس کی طاقت و قدرت سے خارج ہو۔ تجسید ویرانہ کو نماز و روزہ و غیرہ کی تکلیف دینا۔ یا انگڑے و اندھے کو پیادہ پا حج کا حکم کرنا۔ یا تائبینا کو یہ کہنا کہ شراب کی ناریت دیکھ کر کرے۔ تو اس قسم کا حکم شرعاً درست نہیں ہے۔ اسی واسطے ہم تکلیف مالا یطاق کی نفی کرتے ہیں اور نیز خدا کے قول کے مطابق کہ اُس نے تکلیف مالا یطاق کا وعدہ نہیں کیا۔ اُس کا وعدہ حق و درست ہے۔

خاتم کتاب

یہاں ہم نے وہی باتیں یاد کی ہیں۔ جو عوام کی سمجھ میں آسانی آسکین اور ایسی باتیں جن کا سمجھنا ان کی فہم سے باہر ہے۔ ہم نے قصداً اُن کا غلط کرنا

چھوڑ دیا۔

جناب نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ نحن معاشراک انبیاء
امسنا ان نزل الناس مناد رجلا وان تکلم الناس علی قدر عقولهم
یعنی ہم گروہ انبیاء ہیں۔ ہم کو حکم ہوا کہ لوگوں کو ان کی منازل پر آتاریں۔ اور ان سے
ان کی عقلوں کے مطابق باتیں کریں۔ ہم نے بھی اس باب میں حتی الامکان اس حدیث
شریف پر عمل کیا ہے۔

سلف صالحین کا جو یہ قاعدہ تھا کہ بحث و تفتیش سے کنارہ کرتے۔ اور ان
باتوں سے احتراز ضروری جانتے جن میں شبہات کا خوف اور جن سے عوام الناس
کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اور وہ بھی اس حدیث شریف کے عامل تھے۔ اور وہ
اس میں معیوب تھے، اور بہترین زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ جن کو توحید شہر
اور ایمان خالص اور یقین محض حاصل تھا۔ سو انہوں نے بھی کبھی ان ابواب میں کلام نہیں
کیا۔ اور کوئی شبہ ان کے گرد و پیش نہیں آیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ
من یشاء اور یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم نے اپنے بیان میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے
اور بیگانوں کی اصطلاحات سے بھی احتراز ضروری جانا ہے لیکن اسلامی ہمدردی کے
خیال سے بعض سائل میں موافق طریقہ حق کے گفتگو کی ہے۔ کیونکہ ان پاک نفوس کا زمانہ
اب نہیں رہا۔ اب تو بات بات میں بدعتی لوگ اعتراض اور شاخسائی نکالتے ہیں
اور شبہات پیدا کرتے ہیں جس سے دین حق اور عوام اہل اسلام کا محفوظ و مامون رہنا
بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہماری باتیں وہی حضرات پسند و اختیار کریں گے جن کو اللہ
تعالیٰ نے دین حق اور طریق ثواب کی ہدایت کی ہے۔ اور ان کے پیرو بھی ایسی نیک
باتوں کو نہیں مان سکتے۔ خدا ہی انہیں منواتے اور میری ناچیز محنت کو قبول کرے
جس کی امید پر اتنی خامہ فرسائی۔ اور صرف اوقات بنوا ہے۔ اور اسی کی پسند پس
ہے۔

نہایت تعجب ہے۔ ان مسلمانوں سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت رسول کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ پھر باوجود

اس کے مبتدعان بے دین اور فلاسفہ کا سفہ کے مخرقات اور مغالطات میں جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بدعتی اور فلاسفہ کا ہمیشہ سے یہ راہ رہا ہے کہ سیدھے سادھے نیک بندوں کو جو عجاڑ و کتاب کی مانند شریعت نبوی کے پابند ہیں طاقت میں ڈالیں۔ اور ان کو راہ سلامت سے ہلکا خطرناک میں ڈھکیلیں مسلمانوں کو ہرگز ان کی آیہ فریب باتوں میں نہ آنا چاہئے۔ اور ہمیشہ کتاب و سنت اور سلف صالحین کے رستہ پر چلنا چاہئے کہ یہی ایک طریقہ نجات کا ہے۔ اور اس طریقہ کو حضرت فخر بنی آدم علیہ السلام نے سواد اعظم فرمایا ہے یہیں عام مسلمانوں کی ہمدی سے کام ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ امت مرحومہ ان سیاہ کاروں کے دام فریب میں گرفتار ہو جائے۔ اور صراطِ مستقیم مذہب حق کو کھو بیٹھے۔

یہ زمانہ بڑا پرخطر زمانہ ہے۔ چاروں طرف الحاد و ارتداد کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ سیدہ بیتیوں نے کسی مسئلہ کو سالم نہیں چھوڑا ہے۔ دین کی آڑ میں مسلمانوں کا رستہ مارتے ہیں۔ اور یہ مذاہب ڈاکو دن ڈاٹے بیچارہ سیدھے مسلمانوں کو سیرباغ دکھا کر انہیں دوزخ کے گڑھوں میں ڈالتے ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہم دین کی اشاعت کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ دین اسلام کو بیخ دین سے اکھڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اے خدا تو مسلمانوں کو ان کے زیر دست جھینگر سے بچا۔ اِنَّمَا اشْكُو بَئِثًا وَحْشَنِي إِلَى اللَّهِ یعنی میں اپنے اہل اور ہم کی شکایت اللہ ہی طرف کرتا ہوں۔

ختم شد کتاب عقائد تورپشتی

مَنَاجَاتُ مُرْسِلِ

چارہ سازی کر کہ ہیں بچارہ ہم
اے میرے بڑی بہت آوارہ ہم
راہِ حق سے ہیں بہت بھٹکے ہوئے
عمر کچھ شیطاں کی راہیں چلے
بچھ سے اُمیدِ ہدایت ہے ہمیں
تجھ سے تو نیتِ ہدایت ہے ہمیں
کشتی اسلام ہے منجھدھار میں
دانہائے سبجہ ہیں زئار میں
ہم مسلمانوں کی حالت ہے تباہ
رات دن کرتے ہیں ہم جرم و گناہ
اعتقاد اپنا شریعت کے خلاف
اے خداوند اتنا دن ہم کو مٹا
اے خدائے متاور و دانایک
مٹاتا ہے دیا اسلام کا
کون آکسائے اے تیرے سوا
وہ جس نے غیر کو اپنا کیا
آج خود اپنوں میں ہے اُن کے ریا
صدقہ حضرت رسولؐ کا شمشیر
راہِ حق کی کر عتابِ پیر و ی

غیر لوگوں میں ہمیں رسولؐ نہ کر

از طفیل حضرت خیمہ البرکات

تمنا شد

نہ ہو۔ انشاء اللہ ناظرین اس تکملہ کو نہایت مفید پائیں گے۔ جناب باری سے استدعا ہے کہ وہ اس کتاب کی مانند اس تکملہ کو بھی طالبان حق کے لئے فائدہ مند اور مقبول عام کرے۔ وھو الخامون *

فائدہ (۱)

تمہید مطالب و تحصیل مآرب

قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ حَقَائِقُ الْأَشْيَاءِ ثَابِتَةٌ بِدَارِ تَعْلَامٍ عَقَائِدُ الْحُجَمِ
 کیا اس اعتقاد پر ہے کہ ہر چیز کیلئے ایک حقیقت ہے نفس الامر میں جو قطع نظر علم
 اعتقاد و مردم سے ثابت و واقع ہے۔ لہذا اہل الحق یعنی پیران قدم بقدم طریقہ محمدی اور
 صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے جو ملقب بہ تقب اہل اعانت و ابجاعت ہیں۔ فرماتے
 ہیں کہ دنیا کی ہر ایک موجودہ چیز کی (کیونکہ معدوم ان کے نزدیک کوئی شے نہیں ہے)
 حقیقت ہے جس سے کسی ذی عقل کو انکار نہیں ہو سکتا یعنی آگ آگ ہے پانی پانی سڑ
 سڑ ہے۔ اور گرم گرم۔ اس کی حقیقت نفس الامر میں موجود و ثابت ہے۔ نہ مجرد و ہم خیال
 جیسا کہ فرقہ سوفسطائیہ کا خیال ہے کہ اس فرقہ کے بعض لوگ عالم کو محض گمان و خیالات
 کہتے ہیں۔ اور مابین حقیقت و شیا سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ چیزوں کی
 حقیقت نفس الامر میں ثابت نہیں صرف اعتقاد سے متعلق ہے پس اگر ہم کسی چیز کو جوہر
 مان لیں تو جوہر ہے۔ اور اگر عرض اعتقاد و کیوں تو عرض۔ اسی طرح اگر ہم آگ کو پانی تصور
 کریں۔ تو پانی ہے۔ اور اگر پانی کو اب یقین کر لیں۔ تو آگ حکم عقل و شرع کی رو سے
 باطل و بیاوہ ہے۔ اس فرقہ کے کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو ہر چیز کے ہونے یا نہ ہونے میں
 شک کرتے ہیں بلکہ اپنی شک میں بھی شک کرتے ہیں۔ وہ بالآخر فرقہ سوفسطائی کے پہلے
 گردہ کو عنایت و دوسرے کو عنایت اور تیسرے کو لا اور یہ کہتے ہیں *

دلیل و استدلال کے ساتھ ان لوگوں کو الزام دینا اور قائل کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ

وہ دلائل و استدلال سے بھی انکار کرتے ہیں۔ پس ان کے جواب دینے اور لازم کرنے
 کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا جائے۔ پس اگر ان کو آگ نے
 جلا دیا۔ تو منوالہ مراد۔ اور اگر آگ میں گر کر اس کی گرمی سے نکل بھاگے تو آگ کی حقیقت کچھ

خونجو معترف ہو جائیں گے (ہم اسے زمانہ ہیں اگر اس قسم کے لوگ پائے جائیں گے ان کی اس تمام مخرقات کا جواب یہ ہے کہ بجائے ان کے لازم کرنے کے ان کی جائزیت خاموشی اختیار کی جائے۔ اور ان کی جہالت کو انہیں کے حوالہ کیا جائے۔ قسم بخود حقائق اشیا کے خود معترف ہیں۔ صرف چند نادانوں کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے؟ وَالْعِلْمُ بِمَا مَتَّحَقُّ اور ان اشیا کا علم خارج میں مرشد ہے یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ جوہر جوہر ہے۔ اور عرض عرض اور حادث حادث ہے۔ قدیم قدیم۔ جوہر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ عرض جوہر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حادث قدیم نہیں ہو سکتا اور نہ قدیم حادث ہو سکتا ہے۔ وَاسْبَابُ الْعِلْمِ لِلْخَلْقِ ثَلَاثٌ اور کسی چیز کی سبب حقیقت دریافت و معلوم کرنے کے لئے تین اسباب ہیں۔ جو مخلوقات کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کا علم سبب کی احتیاج نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ عالم بالذات ہے نہ عالم بالغير الحواس السلیمة پہلا سبب وہ حواس ہیں جو نقص سے خالی اور آفات سے سالم ہوں۔ وَالْحَبْسُ الصَّادِقُ دوسرا سبب خبر صادق ہے۔ وَالْعَقْلُ اور تیسرا سبب عقل ہے۔

أَمَّا الْحَوَاسُ فَخَمْسٌ لیکن حواس کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول سمع (سنتا) دوسری بصر (دیکھنا) تیسری شم (سونگھنا) چوتھی ذوق (پکھنا) پانچویں لمس (چسونا) وَلِكُلٍّ مِنْهَا تَوْقِفٌ عَلَى مَا وَضَعَتْهُ لَهَا۔ ان حواس خمسہ میں سے ہر ایک حس ہی دریافت کر سکتا ہے۔ جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ تو قوت سامعہ صرف آوازوں کی حقیقت و کیفیت معلوم کر سکتی ہے۔ اور بصرہ دیکھنے کے ذریعہ صرف الوان و رنگوں کی پہچان کر سکتی ہے۔ ایسا نہیں کہ سامعہ بصرہ کا کام کر سکے۔ اور بصرہ سامعہ کی مانند آوازوں کی حقیقت معلوم کر سکے۔ یہی حال دوسری قوتوں مذکورہ کا ہے۔

اگر اعتراض کیا جاوے کہ قوت فی اللہ تو حرارت و برودت وغیرہ کا بھی ادراک کر سکتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حرارت و برودت وغیرہ کی ماہیت کا دریافت کرنا لمس کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ جو تمام بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور وہ ذوق میں موجود ہے پس ذائقہ نے حرارت و برودت کا ادراک نہیں کیا۔ یہ ادراک لمس کا ہے۔ نہ کہ ذائقہ کا۔

وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ عَلَى نَوَعَيْنِ اَوْ خَيْرِ صَادِقٍ كِي دوتہیں ہیں۔

اَحَدُهُمَا الْخَبَرُ الْمُسَوِّاتُ پہلی قسم خبر متواتر ہے۔ جو پہلے درپے درپے یکے بعد دیگرے پہنچی ہو۔ وَهُوَ الْخَبَرُ الثَّابِتُ عَلَى السِّدَّتِ قَوْمٌ لَا يَتَّبَعُونَ تَوَاطُّعَهُ عَلَى الْكِبَرِ اور یہ خبر ہے جو ایسی قوم کے اخبار و اتفاق سے ثابت ہو جس کا کذب پر اتفاق کرنا قصور میں نہ آ سکے۔ پس اس قسم کی خبر موجب علم ضروری کے ہوتی ہے کہ اُس میں شک نہ گمان کو بالکل دخل نہیں رہتا جیسے گزشتہ سلاطین و ملوک کے حالات جو سنیں مابینہ میں افح ہوئے ہیں۔ اور دور دور سے شہروں کے واقعات جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ حالات و اتفاق ہم کو مشروط کتب مذکورہ کے ساتھ پہنچے ہیں۔ تو ان سے علم یقین حاصل ہو جاتا ہے۔
وَالثَّوْنِ الثَّانِي خَبَرُ الرَّسُولِ الْمَوْثِقِ بِالْمُعْجِزَاتِ اور خبر صادق کی دوسری قسم ایسے رسول کی خبر ہے جو معجزہ کے ساتھ تقویت دیا گیا ہو۔ یعنی اس کی رسالت معجزہ کے ذریعہ ثابت ہوئی ہو۔ اور رسول اُس مہر بزرگ کو کہتے ہیں جس کو خدا تعالیٰ نے مومنین بالمعجزہ کر کے خلق کی طرف بھیجا ہو تاکہ وہ احکام الہیہ مخلوق کو پہنچا دے! اسی کو نبی کہتے ہیں۔

لیکن بعض علمائے دینی و رسول میں تفریق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول وہ ہے۔

جس پر کتاب نازل ہو۔ اور نبی وہ ہے جس پر کتاب نازل نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے رسول کی کتاب منزل من اللہ کے مطابق خلق اللہ کی ہدایت کرے۔ و سیاقی تقریر کا

انشاء اللہ اور خبر رسول موجب علم استدلالی کے ہوتی ہے۔

وَالْعِلْمُ الثَّابِتُ بِمُيَضَّنَا هِيَ الْعِلْمُ الثَّابِتُ بِالْخَبَرِ

فِي الْيَقِينِ وَ الثَّبَاتِ اور یہ علم جو رسول کی خبر سے حاصل ہوا یہ بھی مانند اُس علم کے ہے جو یقین و ثبوت ثابت ہوا یقین اور ثبات میں۔ یعنی اس علم میں بھی کسی قسم کے شک و شبہ کو دخل نہیں ہوتا۔ جس طرح خبر متواتر کے علم میں گمان کذب کا نہیں ہوتا۔

وَأَمَّا الْعَقْلُ فَهُوَ سَبَبُ الْعِلْمِ أَيْضًا رَہی تیسری قسم ابواب

علم کی یعنی عقل تو وہ بھی علم حاصل ہونے کا سبب ہے، پس اس میں بھی جو علم بالمہدایت حاصل ہو۔ وہ علماء کلام کی اصطلاح میں علم ضروری کہلاتا ہے۔ جیسے اس بات کا علم

کہ ہر ایک چیز کا جزو اُس کے کل سے چھوٹا ہے۔ اور اُس میں سے جو علم استدلال کے ذریعہ
 حاصل ہو۔ اُس کو اکتسابی کہتے ہیں۔ جیسے دُہواں دلیل ہے اُگ کے وجود کی ۔
 وَاللَّعَالِمُ لَيْسَ مِنْ اسْتِبَابِ الْمَعْرِفَةِ بِصِحَّةِ اَلشَّيْءِ عِنْدَ
 اَهْلِ الْحَقِّ اور اہل حق کے نزدیک الہام کسی چیز کی صحت کے لئے اسباب
 معرفت سے نہیں ہے۔ وَالْعَالِمُ بِجَمِيعِ اجْزَائِهِ مُحَدَّثٌ اور عالم اپنے تمام
 اجزاء کے ساتھ حادث ہے یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں حادث ہیں کہ نیستی سے
 ہستی میں آئی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ملکہ سے اُن کو وجود بخشا ہے۔
 اور یہ تمام چیزیں قابل فنا ہیں۔ لَا شَيْءٌ هُوَ اَعْيَانٌ وَاَعْرَاضٌ اس حدت سے
 کہ عالم دو حال سے خالی نہیں۔ اُس کی بعض چیزیں اعیان ہیں۔ (قائم بذاتہ) اور
 بعض چیزیں اعراض ہیں۔ (قائم بغیرہ)۔ پھر وہ چیز جس کا قیام اُس کی ذات سے
 ہے۔ اور محتاج بحمل و مکان نہیں۔ دو قسم، یا تو مرکب دو چیز یا زیادہ سے۔ جیسے
 اجسام اور یا غیر مرکب جیسے جواہر اور جو ہر وہ چیز ہے۔ جو قابل قسمت نہ ہو۔ چنانچہ
 فرمایا۔ وَهُوَ الْجُزْءُ الَّذِي لَا يَجْزِي۔ یعنی چیز غیر مرکب ایسا جو ہے
 جو منقسم نہیں ہو سکتا۔ جیسے نقطہ ۔

وَالْعَرَضُ مَا لَا يَقُومُ بِذَاتِهِ اور عرض وہ ہے جو اپنے قیام
 میں محتاج کسی دوسری چیز کا ہو۔ جیسے صفت جو موصوف کی محتاج ہے۔ اور عرض
 حادث ہوتا ہے۔ اجسام و جواہر میں۔ پس صفات الہی عرض نہیں۔ اس لئے کہ قائم
 بالذات ہے۔ اور جسم جو ہر میں اُن کا حد و ث نہیں ہوتا۔ مثال عرض کی ایک توالی
 ہیں۔ جو اجسام میں عارض ہوتے ہیں اور قائم بالذات نہیں ہیں۔ دوسرے
 اکوان یعنی چیزوں کا حد ہونا مراد اس سے اُن کا اجتماع و افتراق اور حرکت و
 سکون ہے۔ تیسرے طعوم یعنی مزے خواہ کسی قسم کے ہوں۔ جو ذائقہ کو عارض
 ہوتے ہیں۔ وَالْمُحْدَثُ لِلْعَالِمِ هُوَ اللّٰهُ اور عالم کو ہستی میں لانے والا
 اللہ تعالیٰ ہے۔ جَلَّ جَلَالُهُ وَعَزَّ عِزُّوَالَهُ تفصیل اس کی عقائد توحیدی
 میں ہے) ۔

فائدہ ۲

ایمان کی کچھ اہم شرائط ہیں

متعلقہ صفحہ ۲۸

چنانچہ حدیث شریف میں ہے اَلَا یُیْمَانُ بِعَنْتُمْ وَ سَبْعُونَ شُعْبَةً
 اَنْضَلَتْهَا شَتَوُا کَلَامَ اللّٰہِ وَ اَذْنَاهَا اِمَانٌ اَلَا ذِی عَنِ الطَّیْقِ
 یعنی ایمان کی کچھ اہم شرائط ہیں۔ اُن سب میں بزرگ ترین یہ کہتا ہے کہ اللہ
 کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اور سب میں ادنیٰ تکلیف وہ چیزوں کا رستہ
 دور کرنا ہے۔ مولانا امام سیرابو الہدیٰ نے اپنی کتاب شریعت الباہرہ میں ان شرائط
 کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ وہیں سے ہم حسب ذیل شرائط مختصراً لکھتے ہیں :-

- (۱) کلمہ توحید (۲) تفسیر لفظ رسالت (۳) غسل جنابت (۴) رمضان (۵) نماز
- (۶) زکوٰۃ (۷) رمضان کے روزے (۸) حج (۹) جہاد (۱۰) ہجرت
- فی سبیل اللہ (۱۱) استقامت فی الدین (۱۲) لزوم جماعت (۱۳)
- نجسوت (۱۴) امر معروف (۱۵) نہی منکر (۱۶) عدل (۱۷) امانت
- (۱۸) صدق (۱۹) ایمانی وعدہ (۲۰) لوگوں کو تکلیف نہ دینا (۲۱)
- خوش سلوکی اور نیکی (۲۲) صلہ رحمی (۲۳) همان نوازی (۲۴) حقوق
- ہمسایہ (۲۵) کلمہ خیر کے سوا ہر بات سے خاموشی (۲۶) غیرت (۲۷)
- تقویٰ (۲۸) لغویات سے گنہگارہ کشی (۲۹) ورع (۳۰) قناعت (۳۱)
- دل اور زبان کا ایک ہونا (۳۲) خدا کی صفات و اسماء پر ایمان لانا۔
- (۳۳) قصداً و قدر پر ایمان لانا (۳۴) انبیاء و رسل پر ایمان لانا (۳۵) کتب
- الہی پر ایمان لانا (۳۶) جنوں اور شیطانوں کے وجود پر ایمان لانا۔
- (۳۷) کلمہ گو کو کافر نہ کہنا (۳۸) سنت نبوی پر چلتا (۳۹) اخلاص فی
- الدین (۴۰) توبہ (۴۱) صبر (۴۲) شکر (۴۳) زہد (۴۴) توکل (۴۵)
- رضا (۴۶) خوف خدا (۴۷) رجا (۴۸) حب فی اللہ (۴۹) بغض فی
- اللہ (۵۰) حیا (۵۱) حسن خلق (۵۲) خدا کے حاشر و نافر ہونے پر

اعتقاد (۵۳) یہ اعتقاد کہ خدا میرے تمام اعمال پر مطلع ہے (۵۴) یاوسی اور نوبیری کو ترک کرنا (۵۵) حد سے دُور رہنا (۵۶) ہمیشہ ذکرِ خدا کرنا۔ (۵۷) غلامِ حاصل کرنا اور پھیلانا (۵۸) لغو سے بچنا (۵۹) کفر سے نفرت کرنا (۶۰) تواضع (۶۱) روزِ آخرت پر ایمان لانا (۶۲) جنت کے وعدوں پر بچتہ یقین رکھنا (۶۳) دوزخ کا پورا اعتقاد رکھنا (۶۴) علاماتِ نبی پر ایمان لانا (۶۵) احوالِ غیر پر ایمان لانا (۶۶) احوالِ عالمِ برزخ (۶۷) پلصراط پر ایمان لانا (۶۸) میزان پر یقین لانا (۶۹) حساب پر ایمان لانا (۷۰) شفاعت پر ایمان لانا (۷۱) حوضِ نبوی پر ایمان لانا (۷۲) دیدارِ الہی (۷۳) ظلم اور ظالموں سے بھاگنا (۷۴) شاہِ وقت کی اطاعت (۷۵) مروت (۷۶) راستہ سے ضرر رساں چیزوں کو دُور کرنا۔

ایمان کی حقیقی شاخیں اوپر بیان ہوئیں۔ یہ اور ان کے سوا جو کچھ بھی ہیں۔ سب کمالِ ایمان پر دال ہیں۔ یعنی ایمان کا ہر کسی شخص کو جب حاصل ہوتا ہے کہ اُس میں مومنین کی جملہ صفاتِ حسنہ پائی جائیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے اَلْمُؤْمِنُ مَن سَلَّمَ اَلْمُؤْمِلُونَ مَن يَكُنْ وَلِيسَانِهِ یعنی مومن کا ال وہ ہے جس کے لافہ سے اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔ مومن کی ایک بڑی اور اعلیٰ صفت اس حدیث میں بیان فرمائی ہے اَلْمُؤْمِنُ مَن اَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى اَمْرِ اِلَهِ وَ مَا بَيْنَهُمْ یعنی مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنے مالوں و جانوں کا امین بنائیں۔

خیال کرنا چاہئے کہ وہ شخص کیسا کمالِ مومن ہوگا۔ جس پر تمام ذریعہ بشر کو عام اس سے کہ وہ مشرک ہو یا مومن اس قدر اعتبار ہو کہ وہ اس کو اپنی جان و مال کا امین اور محافظ بنائے۔ یہ اسلام تو وہ اولیٰ کے مقدس نفوس کا تھا۔ کہ ان کے اوصافِ حمیدہ اور ذلالت و تقویٰ اور ورع و عدالت وغیرہ کو دیکھ کر غیر مسلم لوگوں کا بھی اُن پر ایسا اعتماد و بھروسہ تھا کہ ان کو اپنی مال و جان کا امین بناتے۔ اور اُن کی حکومت سے جدا ہونے کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ اب رہا اصل دینِ اسلام جس کے بدوں کوئی مسلم یا مومن نہیں کہا جاسکتا۔ اُس کے تین درجے ہیں۔ اسلام ایمان اور حسان

اسلام کے باب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا قول ہے۔
 اَللّٰهُمَّ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ وَ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُكَ
 وَ تَقِيْلَ الْعِبَادَةَ وَ تُوْزِي الزَّكَاةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحْجَّجَ الْبَيْتَ
 اِنْ اَسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا یعنی اسلام یہ ہے کہ تو گو اہی نے اس بات کی
 کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اُس کے
 رسول ہیں۔ اور قائم کرے نماز کو۔ اور ادا کرے زکوٰۃ کو۔ اور روزے رکھے رمضان
 کے۔ اور حج کرے خانہ کعبہ کا۔ اگر تجھ میں وہاں پہنچنے کی استطاعت ہو۔

اور ایمان کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اَنْ تُوْمِنُ
 بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُوْمِنُ بِمَا
 نَزَّلَ رَحْمٰتِيْ فِيْ سُبْحٰنٍ یعنی ایمان لائے تو اللہ پر اور اُس کے فرشتوں
 پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور روز آخرت پر اور ایمان لائے
 تو نیکی اور بدی کے اندازہ کرنے پر کہ تقدیر خیر و شر خدا کی طرف سے ہے۔
 اور احسان کی نسبت آپ نے فرمایا اِنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ كَمَا تَأْتِيْكُمْ
 فَاِنْ لَّكُمْ تَكْوِيْنٌ شَرٌّ اِلَّا فَاِنَّكَ يَرٰ اَكْبَرُ یعنی عبادت کرے تو خدا کی اس طرح کہ گویا
 تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُس کو نہیں دیکھتا۔ تو وہ تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

فائدہ ۳

خالق عالم کی شناخت میں

متعلقہ صفحہ

حضرت شیخ شہاب الدین تدریسی نے اپنی کتاب عقائد میں باری تعالیٰ کے
 ثبوت، اور خالق عالم کی شناخت کے متعلق دو قسم کے دلائل بیان کئے ہیں۔ دلائل انفس
 اور دلائل آفاق، ہم ان دونوں قسم کے دلائل کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتے
 ہیں۔ لیکن قبل اس کے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ غور و فکر اور تدبیر کی تعریف کر دیں کیونکہ
 دلائل مذکورہ کی حقیقت پر پہنچنے کا یہی ایک بڑا ذریعہ ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ خدا
 تعالیٰ نے کئی مقام پر تدبیر و فکر کی تعریف فرمائی ہے۔ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ

موجود ہیں پس افسوس اس شخص پر کہ یہ آیت پڑھے اور غور و فکر سے کام نہ لے۔
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی آنکھوں کو عبادت سے نصیب
 دو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ کس طرح۔ فرمایا آنکھوں کی بڑی عبادت یہ ہے کہ قرآن
 کریم کی تلاوت کی جائے۔ اور آیات الہی میں فکر و تامل سے کام لیا جائے۔ اور اس
 کی عجائبات سے عبرت پکڑ لی جائے۔ حضرت ابوسلیمانؓ فرماتے ہیں کہ دنیا کی فکر و تامل
 کو زیادہ کرتی ہے۔ اور آخرت کی فکر و حکمت و دانائی عطا کرتی ہے۔ اور اس سے دل زندہ
 ہوتے اور قلوب تازگی پاتے ہیں۔ بعض اولیائے کرام رحمہم اللہ کے حالات میں لکھا ہے
 کہ فکر میں اس رجب مستغرق ہوتے کہ اس وقت دنیا و مافیہا بلکہ اپنی ہستی و وجود تک کی
 انہیں مطلق خبر نہ رہتی۔

فکر کرنے کی ترکیب

فکر کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر نہایت خاموشی اور ادب کے
 ساتھ عجائباتِ عالم اور نیز اپنی خاصیت پر نظر غائر کرے۔ اور خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ
 جل جلالہ نے مجھے کیوں اور کس لئے پیدا کیا ہے۔ اور دنیا کا اتنا بڑا عظیم الشان
 کارخانہ کس غرض سے ظہور میں لایا گیا ہے۔ یہ تو ایک نہایت سست و لچر خیال ہے
 کہ دنیا خود بخود بدول و مدد و تخلیق کسی صانع کے وجود میں آگئی ہو۔ اور اس کی نہ ابتدا
 ہو نہ انتہا۔ اور یہ بھی ایک رکیک رائے ہے کہ میں صرف اس لئے عالم بروزید لایا
 گیا ہوں کہ تمتعات و لذات دنیاوی سے چند روز تک بہرہ مند ہو کر اور جمع مال و مال
 میں منہمک رہ کر دنیا سے اس طرح رخصت ہو جاؤں کہ اس کے بعد مجھے خداوندِ عالم سے
 کوئی سروکار اور کسی قسم کا روحانی یا جسمانی تعلق نہ رہے۔ مجھے نہ تو کسی کو اپنے اعمال کا
 حساب دینا پڑے۔ اور نہ میرے ذمہ کوئی بازخواست ہو۔ انسانی زندگی صرف دنیا
 تک محدود ہو۔ اور اس کے بعد کوئی جدید زندگی حاصل نہ ہو۔ یہ تمام خیالات نہایت اسی
 اور اُد پر ہی نظر والوں کے ہیں۔ جو اکثر نادانوں کے دلوں میں گدگداتے ہیں وہ اگرچہ
 خود کو بڑا عقلمند خیال کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان سے زیادہ اور کوئی بیوقوف
 نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی زندگی کی وقعت حیوانات سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ اور

اور اپنے حق میں کونوا شایا کا ردیل نتیجہ نکالتے ہیں۔ غرض ہوشیار آدمی کو ایسا خیال ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ اور غور و فکر کے ذریعہ ہمیشہ اصل مقصد یعنی شناخت واجب الوجود پر پہنچنا چاہئے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ذات الہی میں فکر کرنا منع ہے۔ بلکہ اس کی مخلوق میں فکر کرنا چاہئے۔

دلائل نفس

قرآن شریف میں شناخت واجب الوجود کے لئے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ دو قسم دلائل یاد کئے گئے ہیں۔ دلائل نفس اپنی ذات و صفات پر غور کر کے معرفت الہی پر پہنچنا اور دلائل آفاق جس سے مراد یہ ہے کہ عالم کائنات کی چیزوں پر نظر عمیق دوڑا کر شناخت خالق عالم کی حاصل کرنا۔ لیکن پہلی قسم استدلال سہل تر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر انسان کو اسی قسم کے استدلال کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک جگہ فرمایا: **وَلَا تَنْسُوا أَنْفُسَكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ** یعنی اللہ تعالیٰ کی شناخت کے دلائل آیات خود تمہاری ذاتوں میں موجود ہیں۔ تو تم دیکھتے کیوں نہیں دوسری جگہ فرمایا: **بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ** وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذَ اللَّهِ بُيُوتَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ لَرَأَىٰ مِنْ الْإِنْسَانِ خُبْرًا اگرچہ وہ اپنی سستی و غفلت سے اپنے کو اس بصارت سے معذور اور بیکار رکھے! اور ایک جگہ فرمایا: **أَعَرَفَ نَفْسَكَ تَعْرِفَ رَبَّكَ** اپنی ذات کو پہچان لے کہ اسی کے ذریعہ تجھے رب کی معرفت ہو جائے گی۔

اور حدیث میں ہے **مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ** جس شخص نے اپنے نفس کی معرفت کر لی تحقیق اُس نے اپنے رب کی معرفت لی۔ اس معرفت کی ترکیب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے اقوال اور افعال ظاہری و باطنی کا احتساب کرتا رہے پس اُن میں جو کچھ ردائل ہیں۔ اُن کو دور کرنے کی کوشش کرے اور جو خوبیاں و حمائد ہوں۔ اُن کے حاصل کرنے کی جانب رجوع ہے۔ چنانچہ جب اپنے اعضائے ظاہری میں مثلاً گوش چشم زبانش و دست و پا وغیرہم کو دیکھے کہ وہ خالق عالم کی اور شارع علیہ السلام کی عرض ارشاد کے خلاف جنبش کرتے ہیں تو انہیں بیجا حرکت سے روکے۔ اور اُن سے وہی کام لے لے جو خدا اور رسول کی منشا کے موافق اور عین مطابق رضا ہو۔ اسی طرح باطنی خرابیاں حسد و

بعض وکینہ تہمت و افترا حرص و طمع کو کھونے میں اُس کی سعی مبذول ہے۔ یہ غور و فکر اس شخص کے لئے مفید ہے جو توحید و رسالت کا مقر و معترف ہے۔ لیکن وہ شخص جو ہر سے خدا کی ذات و صفات ہی کا منکر ہے۔ وہ اپنی کتاب ہستی کا مطالعہ اس طرح کرے کہ اس کی خلقت میں جو صنائع و بدائع رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی صفت کو بغیر اُس پر غور کی نظر کئے نہ چھوڑے۔ اور پھر خیال کرے کہ باوجود اسن التقویم کی تسکنت میں اخل ہونے اور باوجود اس اختیار عظیم کے وہ کیسا بے بس اور مجبور ہے کہ اگر ایک حجر یا کھٹی اُس کو پریشان کرنا چاہے تو وہ اس کو ہرگز دفع نہیں کر سکتا۔ اُس کے بعد رب کے عزیز الوجود چیز دل ہے جس پر مدار زندگی کافی ہے۔ تو اُس کی یہ حالت ہے کہ دن رات کے تمام بیداری کی ساعتوں میں اس کو کبھی اور کسی ساعت بھی قرار نہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے کہ جنگل میں ایک خشک پتھر پڑا ہے۔ اور زور کی آندھیاں چل رہی ہیں کہ کبھی وہ اُس پتھر کو کبھی ایک قرار پر نہیں رہنے دیتیں۔ پس ثابت ہوا کہ اُس کے دل کا یہ تغیر اور ساعت بساعت انقلاب حالت اُس کے اختیار سے باہر ہے۔ بلکہ ایک ضروری چیز و وقع مضرت اور جذب منفوت پر بھی جو اُس کی طرح عام حیوانات کو بھی دی گئیں ہیں۔ وہ اپنی مرضی کے موافق قادر نہیں۔ لہذا اُس سے قوی تر قادر و قاهر کا ہونا ضروری ہے۔ اور انسان کی ساری کل اُس ایک کے دست و پا میں ہے۔ اس طریق پر انسان اگر اپنی خلقت میں غور کرے۔ اور جیسی کہ اُس کی عادت ہے اپنی ساخت اور کائنات کی خلقت کو بہ سیرنی نظر سے نہ دیکھے۔ تو بہت جلد اس کو صدق دل سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑیگا کہ ہستی واجب الوجود کا اقرار انسان کی برہنہ سعادت اور اس کی شرافت ہے۔

ہے۔ اس لئے کہ اس کو آزمائشیں دے کہ وہ ہماری شناخت اور ہماری عبادت کرتا ہے۔
یا نہیں) تو ہم نے اس کو سنتا اور دیکھتا کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ اس
وقت نہ تو انسان کو دجود ذہنی حاصل تھا اور نہ وجود عقلی یعنی اس کا نام تک نہ فرشتوں
اور جن غیرہ کی زبان پر جاری نہ تھا۔ بالکل نیست و نابود تھا۔ پھر ہم نے اس کو نشہ
مخلط اور مرکب سے پیدا کیا ۔

انسانی ہستی کی ابتدا

اس آیت شریف میں غور کرنے سے کئی نصیحتیں مل سکتی ہیں۔ اول یہ کہ انسان
کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ اس کی خلقت کی کوئی ابتداء ہو۔ اور وہ ہمیشہ سے اسی طرح
پیدا ہوتا چلا آتا ہو جیسا کہ فلاسفہ کا قول ہے کہ انسانی ہستی کی کوئی ابتدا نہیں۔
اور وہ ہمیشہ سے پیدا ہوتا چلا آتا ہے یعنی یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے کہ نقطہ سے
انسان اور انسان سے نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا ہوگی۔
اور نہ کبھی اس کے خلاف واقع ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ترویج
میں فرماتا ہے کہ ان کا یہ قول غلط ہے بلکہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان کی صورت و شکل
تو دوسری بات ہے۔ اس کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہم نے اس کی ابتدا اس طرح
کی کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو کھنکھاتی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس میں روح ڈالی۔ اس
کے بعد ان کی بیوی حوا کو ان کے بائیں پیلو سے پیدا کیا۔ بعد ازاں ہم نے یہ سلسلہ
جاری کر دیا کہ قطرہ منیٰ تا پاک اور گنہ سے انسان کو پیدا کرتے ہیں۔ یہ بھی ہماری قدرت
ہے۔ ہمارے سوا کس میں طاقت ہے پانی کے ایک قطرہ سے ایسی زیبا شکل بنائے۔
کیا خوب فرمایا ہے ۔

وہ قطرہ را شور تے چوں پری کہ کردست بر آب شورست گری

روح اور مادہ کی قدامت کا ابطال

دوسرا فرقہ اہل غور ہے کہ انسان ابتدا میں معدوم تھا۔ اور اس کو کبھی نہ
عقلی یا حسی وجود تھا۔ پھر خدا نے اس کو دجود و عقلیت کیا۔ ان کے یہ

سمجھنا چاہئے کہ انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا ہے۔ جیسا کہ فلاسفہ اور دیگر مذاہب کے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا ازلی ابدی ہے۔ اُس کا کوئی صانع نہیں ہے۔ رُوح و مادہ دونوں چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ پھر کیف و اتفق ان میں اتصال ہو گیا۔ اور اس طرح انسان پیدا ہو گیا۔ یہ قول بھی غلط ہے۔ بلکہ خدا فرماتا ہے کہ ہم ہی نے اپنی قدرت سے اُس کو پیدا کیا ہے۔ دنیا اور انسان تمام حادث بالذات ہیں۔ ہم ہی اُن کو عدم وجود میں لائے۔ اور ان سب وجود عارضی ہے۔ سب کو ایک ن فنا ہے۔ باقی ہماری ہی ذات ہے۔

بعث بعد الموت

ایک اور جگہ خدائے کریم نے انسان کو بڑی مناحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس سے ہر ذی عقل اپنی ہستی کی حقیقت معلوم کر کے ذات الہی کی معرفت اور اُس کی عظمت سے جلاں کو سمجھ سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے یا ایہا الناس اِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ سُورٍ مِّنْ نُّطْقٍ شَعْرٍ مِّنْ عِلْقَةٍ ثَعْرٍ مِّنْ مُّضْغَةٍ خُلِقْتُمْ وَ غَيْرِ خُلِقْتُمْ يَبْئِثُ لَكُمْ عِني اے لوگو اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے باب میں شک کرتے ہو (اور اُس کو محال جانتے ہو تو سمجھ لو) کہ ہم نے تم کو پہلے پہل مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے۔ پھر خون کے ٹوکڑ سے۔ پھر پوری اور ادھوری بوٹی سے تاکہ ہم تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں۔

اس آیت میں اہل مکہ اور تمام ان منکرین کا جواب دیا گیا ہے جو کہا کرتے تھے کہ جب ہم فنا اور ہلاک ہو جائیں گے تو پھر کبھی اُٹھنے کے نہیں۔ اور ہمارا قبر سے اُٹھنا مرنے کے بعد بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اوج حقیقت میں کوئی چیز نہیں۔ جاندار صرف خون کے سہارے چلتے پھرتے اور زندگی کرتے ہیں۔ یعنی خون ہی مدار حیات ہے۔ جب خون خشک ہو گیا۔ پس یہی موت ہے۔ اس کے بعد انسان گل سڑ کر خاک میں مل جاتا ہے۔ یہ لوگ رُوح کو ایک ایسی چیز بتیں مانتے کہ وہ جسم علیحدہ ہو کر باقی اور زندہ اور قائم رہے۔ اس آیت میں انہیں لوگوں کو خیالات کی تردید کی گئی ہے۔

ایک اور بات اس آیت میں قابل غور ہے کہ نبض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت قادر ہے تو اس کی قدرت سے یہ بعید تھا کہ وہ ایک دم سے انسان کو پیدا کر دیتا۔ اور اس تدریج کی ضرورت نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب لِنَبَاتٍ لَّكُم مِّنْ بَيَانٍ کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تفسیر یوں ہے کہ لِنَبَاتٍ لَّكُم مِّنْ بَيَانٍ کہ حال قدرتنا وحکمتنا وان من قدرتنا ان جعل نطفة علقة وعلقه مضغته وان من قدرتنا اعادة ما ابداه یعنی اگرچہ ہم دفعہ واحدہ میں انسان کے پیدا کرنے میں پوری قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن اس تدریج اور بآہستگی یہاں کرنے میں ہماری یہ غرض پوشیدہ ہے تاکہ تم پر ہماری قدرت اور حکمت کا کمال ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ہم نطفہ کو علقہ اور علقہ کو مضغہ کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہم انسان کو بعد اس کے ہلکا اور فنا کرنے کے پھر زندہ کرنے پر پورے قادر ہیں۔ اور یہی ہماری ہی شان ہے۔ ہمارے سوا کسی دوسرے کی یہ شان اور مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہماری خلقت میں کئی طرح کی تبدیلیاں واقع ہیں۔ پہلے غذا کو نطفہ بنایا۔ پھر اس کو علقہ بنایا۔ پھر علقہ کو مضغہ کیا۔ واقعی انسان کی قدرت سے بہت بعید ہے کہ وہ ایک ہی چیز کی بدل بدل کر ایسی مختلف صورتیں بناسکے۔ یہ ایسی قادر و توانا کی صفت ہے جس میں کسی کو مشارکت نہیں۔

ایک اور آیت میں اس سے زیادہ انسانی خلقت کی تشریح فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ خَلْقَنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ اَتٰی مِنْ طٰیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰا فِيْ شَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً وَالْعَلَقَةَ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنَا خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ یعنی یقیناً ہم نے آدمی کو خلاصہ گل سے بنایا۔ پھر اس کو قطرہ مٹی بنا کر قرار گاہ استوار (حسماً در) میں (چالیس و تھک) رکھا۔ پھر ہم نے اس کو ہڈیوں کی شکل میں بنایا۔ پھر ہم نے لوہے کو ہڈی بنایا۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے اسے دوسری صورت میں اٹھایا۔ (یعنی پھر ہم نے اس میں روح پھونکی) اور دوسری ضروری چیزیں مثلاً دماغ و جگر و دل و گردہ و مثانہ وغیرہ وغیرہ

بنائیں پس بزرگ ہے خدا اچھا پیدا کرنے والا :

اس آیت شریفہ میں انسانی پیدائش کو بڑی خوبی سے باہر تشریح بیان کیا ہے اور شک نہیں کہ انسانی پیدائش کا یہی سلسلہ ہے۔ اور یہی مراتب ہیں کہ مٹی سے پہلے نشان کی غذا پیدا ہوتی ہے۔ آدمی اُس کو چکا تاکھا تا ہے۔ پھر مٹکا ان کو لید غذا کے خواہش سے بحکم باری تعالیٰ خون و مٹی بناتے ہیں۔ مٹی کی پیدائش ہضم چارم کے وقت سے متعلق ہے یہاں بھی کچھ لینا چاہئے کہ مٹی ایک مقام پر جمہر نہیں ہوتی۔ بلکہ منتشرہ اور تمام اعضائے بدن میں پھیلی ہوتی ہے۔ چونکہ خداوند تعالیٰ نے عضو مخصوص میں قوت شوی کو مسلط کر دیا ہے۔ اس واسطے مٹی تمام اعضا سے تحلیل ہو کر اُس ستہ سے اخراج کرتی ہے۔ اور اس قوت میں کچھ ایسی طاقت آجاتی ہے کہ ہر ایک عضو سے جذب کر کے اجزائے مٹی کو ایک جگہ فراہم کر دیتی ہے۔ جب قوت و شہوت مرد و عورت پر غالب آتی ہے۔ تو وہ محبت میں مشغول ہوتے ہیں۔ مرد کی مٹی صلب کے اور عورت کی مٹی تراٹب یعنی سینہ سے نزول کر کے رحم میں جا گرتی ہے۔ یہاں آکر اُس میں غلظت یعنی کچھ جان آجاتا ہے۔ پھر مٹی خون کی صوت قبول کرتی جاتی ہے۔ عورت کے حین کا خون بھی اُس میں شامل ہوتا ہے اور مینوں میں اجتماع ہو کر ایسی غلظت آجاتی ہے کہ وہ لو تھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ زیادہ بستی پر آکر بولی کی شکل پکڑتا ہے۔ پھر بولی میں زیادہ بستی آجاتی ہے۔ اور اُس میں خدا کی حکمت سے ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہڈیاں کے آس پاس گوشت لپٹا جاتا ہے۔ پھر جب انسانی کالبد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تو اُس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے رُوح یعنی جان ڈالتا ہے۔ رُوح کی حقیقت آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ کہ وہ کیا ہے۔ اور کسی نے اس لایچل مشد کو ابھی تک حل نہیں کیا۔ بڑے بڑے جلیل القدر فلاسفہ اس جگہ ساکت رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ساکت و سارست ہی رہیں گے۔ کیونکہ خدا نے جب اپنے الہ الذم پیغمبر صلوٰۃ اللہ الاکبر کو جب آپ کے لوگ رُوح کے متعلق سوال کرتے تھے رُوح کی حقیقت ظاہر کرنے سے ممانعت کی اور فرمایا کہ سائلین کے جواب میں صرف یہ کہدو کہ رُوح امر ربی ہے۔ اور امر ربی کی حقیقت میں کہ اُس سے مراد کیا ہے۔ خدا کو اختلاف ہے۔ چنانچہ صاحب غفرہ تو فرماتے ہیں کہ اُس کو بڑی تشریح سے بیان کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۹۲۔ تو پھر کس کی مجال ہے کہ اس سلسلہ راہ کا انکشاف کرے۔

غرض انسان اپنی عقل و دانائی کے بل بوتے پر جسم انسانی کی تشریح پر ایک حد تک متیا ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے۔ مگر رُوح کی حقیقت سے متعلق ناممکن ہے۔ حتیٰ کہ فلاسفہ باہرین ریش و خَش و خُشے باطل و نامانی خود اس بات کے مترتب ہیں کہ ہمیں رُوح کی حقیقت کی دریافت میں مشاقق کا میاابی نہیں ہوئی۔

رُوح کی حقیقت سے بعض لوگ آگاہ ہیں

ہاں عالم کائنات میں کچھ حضرات ایسے بھی ہو گئے ہیں جو حضرت رُوح سے آگاہ ہیں۔ یہ بزرگ ہیں جو ریاضات و عبادات اور مکاشفات و مراقبات کے ذریعہ صرف خداوند عالم کی توفیق سے کشف سرا رکرتے ہیں۔ اور انہیں وہ مکاشفات ہوتے ہیں جو انسانی عقول کو حیرت میں ڈالتے ہیں یعنی حضرات نبیاء و اولیاء نے صرف خدا کی توفیق سے رُوح کی حقیقت دریافت کی ہے لیکن اس کے اظہار کی انہیں مشاقق اجازت نہیں تھیں بھی عرفائے کتب کے مطالعہ سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ اس ایک حد تک آگاہ ہوتے ہیں۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ رُوح خدا کے مرتبہ ازول میں سے ایک مخفی راز ہے جس سے ہمیں مطلق آگاہی نہیں پس رُوح کے مشاہد کو چھوڑ کر صرف انسان اپنی ہی ساخت اور حالت کا معائنہ کرے۔ تو ہستی واجب الوجود کا اعتراف بلاشبہ ریٹ گمان گوئے یثین سے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ایک خاص صورت عطا فرمائی ہے کہ اُس میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسے کہ حدیث رِاقِ اللہ خَلَقَ اَدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہ سے ظاہر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اُس کی خاص صورت پر پیدا کیا ہے۔ انسان کے جس عضو کو بغور دیکھو۔ قدرت الہی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اگر پوری تحقیق و بسط کے ساتھ اغشائے انسانی کی تشریح کی جائے تو اُس میں کئی محسوسات ہو جائیں۔ لہذا ہر شخص کی نہ تو یہ ہمت اور وقاہلیت ہے کہ پوری تشریح کر سکے اور نہ اس کو ایسی بسیط تشریح پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جو یا تو حقیقت کیلئے بس یہی کافی ہے کہ وہ انسان کے کسی عضو خاص مثلاً آنکھ کو لے لے جو تمام جسم میں ایک چھوٹا سا عضو ہے۔ اور پھر اُس کے متعلق کتب طب و یارک و ڈاکٹری میں بقدر وسعت اپنی

معلومات کے علمائے جو کچھ شریعہ بھی ہے اس کو بیدار غور اور نظر تعمق ملاحظہ کرے۔
تو وہ ہرگز یہ دلیری نہ کرے کہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق کو محض اتفاقی سمجھے بلکہ صدق ال
سے اعتراف کرے کہ اس تمام عالم کی سنات کا بنانے والا خداوند عالم خالق بنی آدم ہے
مثلاً بے نظیر واحد و قهار ہے۔ دنیا کی تمام طاقتیں اس کی لازوال طاقت سے فروتر
ہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں۔

ایک زمانہ گزرا کہ میں نے ایک عالم پیچو دی جب کہ میں خدا کی لازوال قدرت
کا معائنہ کر رہا تھا۔ چند اشعار دلائل انفس کے باب میں لکھے تھے موقع و محل کے مناسب
سمجھ کر ان کو ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ اور خدا کے جلال و جبروت سے ادب کا خوبستگار
ہوں وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

| | |
|--------------------------------|---------------------------------|
| غور کر اے بندہ حق کی ذرا | چشم حق ہیں کو حقیقت میں اٹھا |
| کون تھا تو اور کیوں پیرا ہوا | جلوہ کس کا اس جہ میں ہے پیرا |
| اسم کا تیرے مسمیٰ کون ہے | جسم کے پردے میں خفا کون ہے |
| اصل اپنی تو نے پہچانی نہ حیف | کس طرح ظاہر ہوئے یہ کم و کیف |
| تو خبر ہے اور مخبر کون ہے | تو اثر ہے اور موثر کون ہے |
| تو ہے مخلوق اور خالق کون ہے | سجدہ طاعت کے لائق کون ہے |
| عارضی ہیں یہ زمین و آسمان | سوچ تو موجود اصلی ہے کہاں |
| انجسم افلاک جب خالق نہیں | کدے اس سے کلا حب الہ فلیں |
| اپنے مبداء پر نظر کر آئے انھی | چھوڑ دے یک نخت مائی و منی |
| کیوں ہے تو غافل تلاش بارے | بھاگتا کیوں تو اس دلدار سے |
| طین لاذب سے ترا قالب بنا | زور عقل و ہوش پھر کس نے دیا |
| فلسفی کی فلسفیت گم ہوئی | منطقی کی حجت و برہان گئی |
| تیری خلقت دیکھ کر حیرت میں ہیں | دہری و طبعی الہی کب کریں |
| پر عجب یہ ہے کہ تو ہے بوجوب | عجیب و خور میں چھوڑتا ہو وصل رب |
| تیری خلقت گر ہو تیری راہبر | دور ہوں پھر این آں کے رنج خطر |
| فاعل مقبول فعل و نفع سال | ایک ہی ہیں گر تو جانے اپنا حال |

علت معلول سے غافل ہے تو
 علت غائی تری کیا ہے انہی
 تو ہے مصنوع کون ہے صانع ترا
 بے بنائے بھی کوئی بنتی ہے چیز
 رنگ سے رنگریز کو پہچان لے
 آدمی اک قطرۂ ناپاک تھا
 عاجز و ناتواں تھا مثل جماد
 درخت و پاؤں و گوش و چشم و استخوان
 کچھ نہ تھا موجود جز آب قلیل
 صلیبے وافق ہوا آب کہیں
 خون حیض اور زرد آب اس میں ملا
 نطفہ کو علف کیا، مصنفہ کیا
 طین ہے اصل اور سب تحول ہے
 جب کہ وہ مثل بیڈلی بن گیا
 بن گئے اعضا یہ شکل خوب تر
 سن تو اب تفصیل اس اجمال کی
 اصلیت سے اپنی تاما ہر ہو تو
 جب کرے تو فکر اپنی ساخت پر
 جسم کی تیرے عجب ترکیب ہے
 سب بتیں کا احاطہ ہے محال
 جب خدا نے روح ڈالی جسم میں
 چیز ہائے مختلف پیدا ہوئیں
 معدۂ و کلیۂ جگر دل اور دماغ
 غور کر پھر ہڈیوں پر جسم کی
 ہر اک اپنی شکل میں سیسے جدا

انقواں و عقل سے جاڑ ہے تو
 مقصد قہنی کو سوچو تو سہی
 خشت گر کا نشت دیتی ہے پتہ
 بے اُٹسائے بھی کہیں کھتی ہے چیز
 موج سے دریا کی طاقت جان لے
 بے تر و بے عقل بے ادراک تھا
 خوابت بیداری تھی کچھ اس کو نہ یاد
 شمع و بصیر و طاقت و تاب تو ان
 گندہ و ناپاک بس خوار و ذلیل
 جسم ہادر میں رہا اک اربعین
 نطفہ آمشاج کا یہ مطلب ہوا
 اس طرح انسان کو پیدا کیا
 غیر ازیں بے سود قال و قیل ہے
 پھر نغمت فیہ من روحی کہا
 ہو گئی اک شکل زیبا جلوہ گر
 تاکہ ہو کا نور سب تیری شادی
 تاشوی قارغ تو از ہر رنگ و بو
 آئندہ ہوں تجھ پر سب عیب ہنر
 تیرے عمتا میں بڑی ترتیب ہے
 کس میں طاقت ہے اور کس میں محال
 تب ہوا حنفی مستی اسہم میں
 چشم و سپاہ و زبان و دست و سر میں
 اس میں رکھا عقل کا روشن چراغ
 سن لے اب مجھ سے تو حالت اس کی
 گروہ ہیں جسم طویل ہر اک حسب

کوئی پر مغز اور کوئی بے مغز ہے
علم کا جو ہر بھی انسان کو دیا
حضرت انسان کی کیا بات ہے
خلق آدم قدرت اللہ ہے
کشف سے اسرار مخفی جان لے
گر خودی کو دور کر دے اسے عزیز
پھر جو کچھ نسبت ہے تیری یار سے
یہ انانیت ہے تیری سدا راہ
گرچہ تو جزوی و حق کل اے اخی
ہم تو باشی بلبل و ہم گل شوی
مرد و نر و لطف و چوراز تو بود
عشق کی آتش ہو ایسی شعلہ زن
جب کہ ہو محروق تیرا جسم زار
سوختہ ہو یا سوی اللہ تار سے
اپنے مبداء پر جو ڈالے تو نظر
سمع و بصر و دست و پا کام و زبان
گر تقرب سوئے حق ہو و امثا
یار ہی کے ساتھ دیکھے اور صئے
گفت چو آں پیشو اے عارفان
چوں شدی من کان شد از ولہ
کہ توئی گویم ترا گاہے منم
دیکھتے اشیاء کا جو ہو رنگ و لون
حسن نیرنگی کے سب جلوے ہیں یہ
اُس کی رنگریزی کا ہے سارا اثر
عالم محسوس سے دل کو اکھٹا

پشت کو زینت دی مہرہ ار سے
لبس شبی مثلہ جس سے بنا
خلق میں یہ منظر آیات ہے
آپجو آدم در دو عالم غیرت شے
اور صفائی قلب سے پہچان لے
دور ہو یک پارگی فرق و تمیز
ہو جاب و موج سے ظاہر نتجے
پھر تا ہے جو در بدر شام و پگاہ
گر کنی اندیشہ کل کل شوی
جان تو از وصل گل یا بد نوی
عاشقی معشوق تو عاشق شوی
جس کے شعلوں سے جل سارا بدن
نور معشوقی سے ہو تبدیل تار
پھر تو نور و دست ہی باقی ہے
تفرقہ کا دور ہو مطلق اثر
نطق و ذوق و لمس و شم تائب تو ان
ان قوی سے یار ہو حیلوہ منا
یہ بطنش و ہمیشی بحق کرتا ہے
مولوی رومی کہ بد تاج جہاں
حق تر ابا شد کہ کان اللہ
ہر چہ گویم آفتاب و ششم
جلوہ نیرنگ ہے درہر دو کون
وہ ہے محبوب اور سب پر دے ہیں یہ
دادی امین ہو یا طور و شجر
حسن نیرنگی کا پھر حیلوہ دکھا

مرتبہ ہے یہ منہائی اللہ کا ہے یہی مادی ہر اک گمراہ کا

فہم کر اس رمز کو اور غور کر

دور کر دل سے جاں کے سر بختر

قائد کا (۴)

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں

متعلقہ صفحہ ۲۲

جماعہ حقہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔
مخلوق نہیں ہے۔ اور اس کی وحی ہے۔ اور اس کا اتارا ہوا ہے۔ نہ وہ اس کی ذات
ہے اور نہ اس کا غیر ہے۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ وہ اس کی صفت ہے، لکھا ہوا ہے
سید پاروں میں۔ پڑھا گیا ہے زبانوں پر یاد ہے دلوں میں۔ حوال نہیں کیا ہے۔ اور
سیاہی اور کاغذ اور کتابت مخلوق ہیں اس لئے کہ یہ بندوں کے فعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ
کا کلام مخلوق نہیں ہے اس لئے کہ کتابت اور صرف اور کلمات اور آیات قرآن
پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بندوں کو ان کی طرف احتیاج پڑتی ہے۔ اور اللہ
تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس کے معنی اس سے
سمجھے جاتے ہیں۔ پھر جو کہے کہ اللہ کا کلام مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
عبادت کیا جاتا ہے ہمیشہ سے ہے اس کا کلام پڑھا جاتا ہے، اور لکھا ہوا ہے
اور محفوظ ہے اس سے زائل نہ ہوگا (دہرایا ترجمہ و صایا)۔

عمدة النفسی میں ہے۔ وَالْقُرْآنَ کَلَامَ اللّٰهِ تعالیٰ غیر مخلوق
مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قرآن کلام حق سبحانہ و تعالیٰ
کے ساتھ مقید کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہمارا کلام ہے یہ الہی کلام
قدیم پر ابوال مخلوق ہے۔ اور وہ مدلول قدیم جس طرح کہ کتابت و حدیث ہے اور کتب و

الح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول خلق قرآن میں امام ابو حنیفہ رحم سے نہیں نے قید نہیں
نہک منظرہ کیا۔ پھر میری اور ان کی رسل اس پر قائم ہوئی کہ جو قرآن یعنی اللہ کے کلام کو مخلوق
کہے وہ کافر ہے ۱۲۔

قدیم اور سمیع حادث ہے اور مسموع قدیم اور حفظ حادث ہے۔ اور محفوظات قدیم اور
قراءت حادث ہے۔

اور مقررہ قدیم شرح عقائد میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: القرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق و من قال انہ مخلوق فهو کائن بالبدن العظیو۔ ملا علی قاری اس حدیث کی حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔
بہذا کہ تخریج الاما و یث میں بیان کیا ہے۔ اور خلاصہ طیبی میں ہے کہ حدیث موصوع
حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ اور جو اس کو
مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ اگرچہ یہ حدیث موافق اعتقاد اہل سنت و الجماعت کے ہے
لیکن اس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتقاد نہ کرنا چاہئے۔ غرض خلق قرآن
کی بحث میں تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ حنا بلہ کا جس کا قول ہے کہ قرآن مع اپنے حروف و
اصوات اور توالی و ترتیب غیرہ کے قدیم اور قائم بذات الہی ہے دوسرا گروہ اہل
سنت و الجماعت کا جس کا اعتقاد ہے کہ قرآن یعنی کلام الہی قدیم اور غیر مخلوق ہے
نہ حروف و اصوات اور کاف و سیاہی وغیرہ اس لئے کہ ان کا حادث ہونا ظاہر
ہے۔ اسی بنیاد پر ہمارا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی مشرک قرآن شریف کو نعوذ باللہ سبلا
ہی ڈالے۔ تو کلام الہی و سیاہی قائم و محفوظ ہے گا۔ جیسا پہلے تھا۔

تیسرا گروہ معتزلہ کا ہے۔ جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مخلوق ہے
اس لئے کہ قرآن شے ہے اور خدا ہر شے کا خالق ہے پس قرآن کا بھی خالق ہے تو مخلوق ہوا
ان عارے یہ ہے کہ قرآن کلام الہی ہے۔ اور خدا منصف بکلام ہے۔ اور جب ہم اس
بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ کلام نفسی قدیم ہے۔ اور کلام صفات الہی ہے۔ اور خدا کی
صفات و اسمانہ تو اس کی عین ہیں نہ غیر اور خدا کی صفات قائم بذاتہ تعالیٰ ہیں۔
تو قرآن قدیم و غیر مخلوق ہوا۔

اور یاد ہے کہ ہم حروف و اصوات اور الفاظ کو قدیم نہیں کہتے بلکہ کلام الہی
کو قدیم کہتے ہیں۔ را معتزلہ کا یہ کہنا کہ قرآن شے ہے۔ اور شے تمام مخلوق ہے کیونکہ
قرآن شے ثابت ہے۔ اللہ خالق کل شیء تو اس کے جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے
کہ قرآن کریم میں تم یہ بڑھ چکے ہو۔ کل نفس و النفس الموت یعنی ہر ایک

نفس موت کو مرنا چکھنے والا ہے اور اس آیت سے واضح ذکر اللہ نفسہ
یعنی اور ذرا نیچے تم کو اللہ اپنے نفس سے تمہارا تعالیٰ کا نفس ہونا ثابت ہے۔ پس جب
ہر نفس پر حکم جاری ہے۔ تو خدا بھی نفس ہے۔ چاہئے کہ اس پر بھی موت کا حکم جاری ہو
اس کے متعلق یہ کتاب جواب ہے۔ وہی ہمارا جواب ہے۔ قرآن کے شے ہونے کے
متعلق ہے۔

قرآن کا معجز ہونا

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں قرآن شریف کو کلام
الہی مقرر کیا اور بغیر مخلوق ثابت کرتے ہوئے۔ ان امورات کا تذکرہ کیا ہے
جن میں فصاحت و بلاغت کا پایا جانا عام طور پر دشوار تسلیم کیا گیا ہے۔ اور باوجودیکہ
قرآن پاک میں اکثر باتیں امورات کا بیان ہے۔ تاہم اس میں اس درجہ کی فصاحت و
بلاغت موجود ہے جس کا مقابلہ فنی و بلاغی عرب میں سے کوئی بھی نہ کر سکا۔

فانقل موصوف نے ان امورات کے ساتھ ان باتوں کو بھی بیان کیا ہے۔
جن میں فصاحت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر شخص کی طبیعت ایک
خاص نعمتوں کے رکھنے پر زیادہ قادر ہوتی ہے۔ اگر اسے چھوڑ کر وہ چاہے کہ وہ ہر امر میں
اس علم کی سے لکھ سکے تو ممکن نہیں۔ اور ایک بات یہ ہے کہ ہر شخص کے کلام میں صرف
چند شعر یا متعدد فقرات و جملے ہوتے ہیں۔ سب کے سب اور قرآن کریم ان جملہ
مفصحات سے ملتا ہے۔ باوجود اس کے فصاحت اور حسن بیان کے ایسے درجہ
بلند پر ہے کہ طائر عقل و خرد اس کی پرواز سے عاجز ہے۔

امام رازی نے ان امورات کو سات قسم پر تقسیم کیا ہے۔ احداً
اکثرہا فی وصف المشاہدات مثل وصف البیضاء و الفرس او
جاریتہ او مملکتہ او غیریتہ او طینتہ او وصف حرب او وصف
غارتہ و لیس فی النفس ان میں ہند و کلا شیاؤ شئی فکان یحبب
ان لا یحصل فیہ کلام الفاظ الفصحیۃ الیٰ انما تفقت العرب علیہا
فی کلامہم و ثانیہا انہ تعالیٰ داعی فیہ عریقۃ المصلح و

تلتزمه عن الكذب في جميعه وكل شاعر ترك الكذب وانتشر
 المصدق نزل شعره ولحميكت جيداً ألا ترى ان ابيهم من ربيعة
 وحسان بن ثابت لما اسلما نزل شعرهما ولم يكن شعرهما
 الا سلاماً في الجود وكشفهما الجاهلي وان الله تعالى معه تنزهه
 عن الكذب والمجاز لا يدرى بالقرآن فصيحاً كما ترى .
 وثالثهما ان الكلام القصير والشعر القصير النما يتفق
 في التصيد في البيت والبيتين والباقي لا يكون كذا الاك ولبيس
 كذا الاك القرآن لانه كله فصيح بحيث يغني الخلق عنه كما عجبوا
 عن جملة .

ورابعهما ان قل من كان شعراً فصيحاً في وصف شيء فانه
 اذا كرر لم يكن كلامه الثاني في وصف ذاك الشيء بمنزلة
 كلامه الاول وفي القرآن تكرار الكثير ومع ذلك كل واحد منها
 في نهاية الفصاحة ولم يظهر التصادم .

وخامسها انه اقتصر على ايجاب العبادات وتحريم القبائح
 والحث على مكارم الاخلاق وترك الدنيا واختيار الآخرة
 وامثال هذه الكلمات توجب قليل الفصاحة .

وسادسها انهم قالوا شعر امرئ القيس يحسن عند الطرب
 وذكر النساء وصفة الخيل وشعر لنا بقة عند الخوف وشعر
 الاعشى عند الطلب ووصف الشعر والزهر عند الرغبة
 والرجاء وبما الجملة فكل شاعر يحسن كلامه في فن فانه يصف
 كلامه في غيره ذاك الفن اما القرآن فانه جاء فصيحاً في كل فن
 على غاية الفصاحة ألا ترى ان الله سبحانه تعالى قال في القرآن
 فانه يقلع نفس ما اخفى لغيره من سره عيون وقال تعالى وفيه
 ما تشتهى الانفس وتلف الاعين وقال في القرآن افا انتم
 ان يخف بكم حياتي اليه وقال تعالى امنتم ان يخف بكم الارض

فَاذْهَبْ تَسْمُوًا وَقَارَ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ اِلَىٰ قَوْلِهِ وَ مِنْهُمْ مَنْ
اَعْرَقْنَا وَ قَالَ فِي الْوَعْدِ مَا لَا يَنْ يَدُ عَلَيْهِمْ اَفْرَآئُتُ اَنْ مَتَعْنَاهُمْ
سِنِينَ وَ قَالَ فِي الْاَلْهِيَا تِ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثَىٰ وَ مَا تَغِيْضُ
الْاَرْحَامُ وَ مَا تَنْزِلُ اِلَى الْاٰخِرَةِ ۝

وَسَابِقًا اَنَّ الْقُرْآنَ اَصْلُ الْعُلُوْمِ كُلِّهَا فَعِلْمُ الْكَلَامِ كُلِّهِ
فِي الْقُرْآنِ وَ عِلْمُ الْفِقْهِ كُلُّهُ مَا خُوِذَ مِنْ الْقُرْآنِ وَ كُنْ اَعْلَمُ
اَصُوْلُ الْفِقْهِ وَ عِلْمُ النُّحْوِ وَ اللَّغْوِ وَ عِلْمُ الدُّعَا فِي الدُّنْيَا وَ
اٰخِرَتِ الْاٰخِرَةِ وَ اِسْتِفْهَالِ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَ مَنْ تَامَلَ كِتَابَنَا فِي
دَلَائِلِ الْاِعْجَازِ عَلِمَ اَنَّ الْقُرْآنَ قَدْ بَلَغَ فِي وَجُوْدِ الْفَصَاحَةِ اِلَى
نَهَايَتِ الْقُسُوْى - تَرْجِمَ :- پہلا امر یہ کہ عرب کی فصاحت اکثر مشاہدات کے
وصف میں ہوتی ہے - جیسے اونٹ - گھوڑے - لونڈی - بادشاہ - غریب - طعنے وغیرہ
کی تعریف کرنا یا غریب اور غارت کا وصف بیان کرنا - اور قرآن شریف میں ان اشیاء میں
کسی شے کا ذکر نہیں ہے - تو چاہئے تھا کہ اُس میں فصاحت نہیں پائی جاتی جس
پر اہل عرب نے اپنے کلام میں اتفاق کر لیا ہے - (حالانکہ باوجود عدم ذکر اشیاء مذکورہ
کے قرآن میں اس درجہ فصاحت ہے کہ اُس سے بالاتر متصور نہیں - پس ثابت ہو ا کہ
یہ کلام الہی ہے غیر مخلوق ہے - اور کلام بشر نہیں) ۝

دوسرا امر یہ کہ اللہ جل شانہ نے تمام قرآن کریم میں طریق صدق کی عایت
کی ہے - اور وہ کذب کے بالکل پاک ہے - اور جس شاعر نے کذب کو ترک کیا - اور سچائی
کو لازم کر لیا - تو اس کا شعر فصاحت کے مرتبہ سے گر جاتا ہے - اور کچھ زیادہ جبید نہیں
ہوتا - دیکھو لبید ابن ربیعہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما جب اسلام لے آئے تو انکی
اشعار مرتبہ فصاحت سے گر پڑے - اور اسلامی شعر جاہلی اشعار کی سی جو دت سوحالی
ہو گئے (کیونکہ اسلام لائے بعد انہوں نے کذب کو ترک کر دیا - اور صدق کو لازم
کر لیا) اور اللہ تعالیٰ کا کلام باوجودیکہ حیوٹ سے بالکل پاک ہے اور حقیقت ہی
کا بیان کرتا ہے تاہم جیسا تم دیکھتے ہو - وہ ہر طرح فصیح ہے ۝
تیسرا امر یہ کہ کلام فصیح اور شعر فصیح کسی قصیدہ میں سینکڑوں شعروں میں

سے صرف ایک یا دو ہیوں میں پایا جاتا ہے۔ باقی کلام اس وجہ کی نہیں ہوتا۔ اور قرآن کی شان نہیں ہے وہ تمام تر اس مرتبہ کا فصیح واقع ہوا ہو کہ تمام مخلوق اس کی مثل لانے سے اسی طرح عاجز ہے جس طرح اس کے ایک جملہ کے مقابلہ سے۔

چوتھا امر یہ کہ جو شخص کسی چیز کی تعریف میں کوئی فصاحت آگین شعر کہتا ہے تو جب ایسی چیز کی تعریف کو مکر بیان کرتا ہے۔ اس وقت اس شے کی تعریف میں اس کا کلام ثانی مثل کلام اول کے نہیں ہوتا۔ اور قرآن میں کثرت سے تکرار موجود ہے باوجود اس کے وہ سلسلے کا سارا فصیح ہے۔ اور اس میں کوئی تفاوت ظاہر نہیں ہوتا۔ پانچواں امر یہ کہ قرآن پاک میں وہ خوب عبادت تحریم قیاس اور ترغیب مکارم اخلاق اور ترک دویا اور اختیار آخرت کے بیان پر اقتضار کیا گیا ہے۔ اور اس قسم کے کلمات میں فصاحت کم پائی جاتی ہے لیکن کلام الہی باوجود مذکورہ راجح امور کے ویسا ہی فصاحت پورا ہوا ہے۔ چھٹا امر یہ کہ کیا جاتا ہے کہ امر اور العین شاعر کا شعر طرب عیش کا بیان کرنے اور غورتوں کا ذکر کرنے اور گھوڑوں کی صفات میں اچھا ہوتا تھا۔ اور تاہم کلام خوف تربیت کے ذکر میں فصیح مانا گیا ہے اور اسی طبع شریب اور زیر زبانی کی صفت میں کہا گیا تھا۔ اور ہمیر کسی چیز کی ترغیب رامید لانے کو خوب نصحت افغان میں ہے کہ ہر شاعر کا کلام ایک خاص بات اور مخصوص فن کی بیان میں مستحسن ہوتا تھا۔ اس صفت کو جو ذکر اگر وہ دوسری بات کہتا تھا۔ تو اس کا کلام نہایت ضعیف ہو جاتا تھا۔ لیکن قرآن تمام فنوں کے بیان میں غایت فصاحت پر واقع ہوا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ ترغیب کے متعلق فرماتا ہے فَلَا تَحْلُمُوا نَفْسَکُمْ بِمَا أَنْفَخْتُمْ فِيْهَا مِنْ نَّفْسٍ وَآخِیْنِ کَیْ لَا تَکْفُرُوْا بِمَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ ان کے لئے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھڈک پوشیدہ ہے۔ اور منہ پر زبانی فحش ما تشترک فی نفس و تلذذوا غلین اور حیات میں وہ کمال ہے جس کی لوگ خواہش کرتے ہیں۔ اور آنکھیں لذت باقی ہیں۔ چھٹا امر یہ کہ قرآن کے باب میں فرمایا۔ اَفَاَنْتُمْ اَنْ تَحْشِفُوْا بِکُمْ جَارِیْبُ الرَّحْمٰنِ کہ اس سے مذکور ہوئے کہ ہم تمہیں خشکی کی جانب ہٹا دیں۔ اور فرمایا۔ اَفَاَنْتُمْ مِّنْ بَنِی السَّمٰوٰتِ اَنْ تَحْشِفُوْا بِالْاَرْضِ فَاِذَا هِیَ تَهْوٰی بِکُمْ تَرٰبًا کہ تمہیں زمین ہٹا دیں۔ اور ناگاہ وہ جو ش مائے ارض ہوتا ہے۔

كُلُّ جَبَّارٍ عَزِيزٌ وَيَا أَيُّهَا الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اور جو ارہو اس پر ایک دیر عباد
 رکھنے والا۔ اور آئے گی اس کو موت ہر مکان سے اور زجر کے موقع پر ایسا فرمایا کہ وہم
 بشر اس کی خبر کو نہیں پہنچ سکتا۔ فَكُلُّهُ آخِذٌ بِذَنبِهِ سے وَمِنْهُمْ مَنْ خَلَّ قَتْلَ
 نَمَكٍ۔ اور تذکیر نصیحت میں فرمایا۔ جس پر زیادتی منسوب نہیں آفر آیت ان مَذْمُومَاتِ
 مَنِینَ بھلا دیکھ تو اگر ہم نے ان کو کچھ برسوں نفع اٹھانے دیا۔ اور اعتقاد میں سٹریا
 اللہ یُعْلِمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثَى مَا تَحْمِلُنَّ لِرَحْمَتِ اَدْنٰی مَا تَنْتَظِرْنَ اور اللہ جانتا ہے
 جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جو ارہام گھٹاتے بڑھاتے ہیں ۔

ساتواں مرتبہ یہ کہ قرآن پاک تمام علوم کی اصل ہے۔ علم کلام تمام قرآن
 میں ہے۔ اور علم فقہ بھی تمام قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔ اور اسی طرح علم اصول فقہ جو علم
 لغت، علم زہدی الدنیا۔ علم اخبار آخرت۔ علم استعمال مکرم، اخلاق بکبیرہ قرآن کیم کو
 مستخرج ہے۔ جو شخص ہماری وہ کتاب دیکھیگا۔ جو ہم نے دلائل احجاز قرآن میں تصنیف
 کی ہے تو وہ اچھی طرح یقین کرے گا کہ قرآن اپنے تمام جو فصاحت میں نہاد و جہش ہے
 قرآن شریف میں سب سے بڑی بات جو سب کے نزدیک مستکم ہے اور ان کے مستحب و المعجزہ
 جس سے کسی کو انکار نہیں یہ ہے کہ وہ قیامت تک باقی رہنے والا۔ اور کبھی نہ فنا ہو نیوالا
 ہے ۔

خدا تعالیٰ نے اپنے پاک رسول مقبول علیہ السلام سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے
 چنانچہ مولانا رحمہ قدس سرہ فرماتے ہیں ۔

| | |
|-----------------------------|----------------------------|
| مستطفا را وعدہ کرد اطراف حق | گر بیہ می تو نبی سزاں سبقت |
| من کتاب معجزت راح نظم | پیش کن راز قرآن بالغسم |
| تأیامت باقیش داریم ما | تو مترس از نسخ دین است |

یہ قرآن حکیم میں یہ کتنی بڑی خصو بیت ہے کہ اس کو ہر شخص اپنی استعداد و علم کے
 موافق پڑھنا سمجھتا اور اس سے دینی و دنیوی مطالب بدوچہ اشیان قلب سال کرنا
 ہے۔ خواہ بڑے سے بڑا عالم جید ہو یا چھوٹے سے چھوٹا طفل مکتب والیہ اشار
 المولوی رحمۃ اللہ

حرف قرآن اور ان کو ہر است
 زیر خط ہر جگہ ہم قلم ہر است

نیر آں باطن یک باطن دیگر ۱
نیر آں باطن یکے باطن سوم
باطن پیرم از بی خود کسی ندید
بچہ تازہ نشت باطن سے ذوالکرام
خیمہ گرد داندرو عقل بشر
کہ در گرد خیمہ رہا جماعہ گم
چرخہ سے سے قلیب سے ندید
خی شمر تو زین حدیث ششم

فائدہ (۵)

نبوت کی حقیقت اور اس کے ثبوتیں

متعلقہ صفحہ ۳۸

لفظ نبی شریعت سے نبوت سے لغت میں اس کے معنی ارتقاء اور پندگی کے ہیں لیکن شریکان وہ ہے جو ہدایت خلق اور تبلیغ احکام الہیہ پر مامور ہو و مراح اور قاموس میں النبوة والنبأوة ما ارتفع من الارض اور مولانا علیہ التحکیم نے عبدالغفور کے کاشیہ پر کسب النبوة علی وزن المروءۃ الارقیع جہور کے نزدیک نبی و رسول دونوں انظر لکھا اطلاق ایک ہی معنی میں ہوتا ہے کیونکہ رسول یا خود ہے رسالت کے معنی تجارت کے اور چونکہ نبی و رسول دونوں ہی خلق کو احکام الہی پہنچانے کا منصب رکھتے ہیں اس لیے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شرح عقائد میں رسول کے معنی لکھے ہیں رسول علی وزن فاعول من المصالح و مع سفارت العبد بین اللہ و بین ذوالا فہا ہر من خلقیۃ یعنی رسول فاعول کے وزن پر رسالت سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی ہندو کو خدا اور ذوالفعل مخلوق الہی کے درمیان سفارت کرنا یعنی اللہ ان احکام الہی کے طریق نکالنا ہے اور کہا ہے کہ وہ ہمیشہ معنی لغت اور اصطلاح کے باہم متضاد ہیں اور اس قول کو شرح مؤلف نے لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اللہ رسول منہی مقصد کتابت شریعہ والنبی غیر الرسول لاکتاب برعہ و لا شرع یلیہ اس کے بعد متابعہ شریعہ تیسلمہ کیسہ شریع یعنی رسول اس نبی کو کہتے ہیں جو کتاب و شرع رکھتا ہو۔ اور نبی غیر رسول ہے اس کے پاس کتابہ شرع نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے قبل کے رسول کی شریعت کی متابعت کا حکم کرتا ہے۔ جیسے یوحنا نے اپنے قبل کے

اُن پر کوئی کتاب یا شریعت نازل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ لوگوں کو حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے موافق ہدایت کرتے تھے کہ وہ اُن سے پہلے تو بہت چھوڑ کر گذر گئے تھے۔

شواہد البیۃ میں دیا جاتا ہے اُس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہی عبارت
 از کتب اہل بیت کہ بیشک شریعتے فرود آمدہ باشد من عند اللہ بظاہر و حق کہ متضمن باشد بیان
 شریعت بیان کیفیت پرستش سے عرفائے غزوة و عل را و چوں مامور شود کہ اُن شریعت
 را بغیر خود رسانند سے را رسول گویند گویا یہ ترجمہ ہے فتوحات مکیہ کی عبارت کہ کہ اُن کہ
 باب ابع عشر میں ہے ان النبی هو الذی ینتہی الوحی من عند اللہ متضمن
 ذالک الوحی شریعتہ یتعبد کا بھائی تقدیمہ فان بعثت بہا الی خیرا
 کانت رسولاً و دونہا عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ نبی و شفیع ہے جس پر خدا کی نازل
 بہ طریق وحی شریعت نازل ہوئی ہو اور اس میں صرف اُس نبی کے لئے عبارت کے رافعہ
 ہوں۔ پھر اگر وہ نبی مامور ہو اس امر پر کہ اس شریعت کو مخلوق الہی کو پہنچائے پس ایسا
 مامور نبی رسول کہلاتا ہے۔

حاشیہ رسول الشامی میں پہلے ان الفاظ کو مترادف المعنی لکھا ہے۔ پھر مترادف
 المعنی قرار دیکر اس آیت سے استدلال کیا ہے وَمَا ارسلنا من قبلك من رسول
 وَاَوْحٰی اِیَّیْ اُس میں لکھا ہے کہ یہاں نبی رسول پر مطلق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مطلق
 مطلق غیب میں متغایر ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبی رسول کے غیر یہ ہے۔ بعض کی رائے
 ہے کہ رسول نبی مخصوص کو کہتے ہیں جس پر کتاب شریعت نازل ہوئی ہو۔ اور نبی عام ہے
 یعنی نبی صاحب کتاب اور غیر صاحب کتاب دونوں کو کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبی
 کے لئے صاحب کتاب ہونا شرط نہیں۔ اور رسول کے لئے صاحب کتاب ہونا شرط ہے
 لیکن رسول کو نبی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور رسول بھی نبی کو صرف نبی کہہ سکتے ہیں۔ رسول
 نہیں۔ ان اصحاب کی رائے میں ضعف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رسولوں کی تعداد
 کتب منزلہ کی تعداد سے کم ہے۔

چنانچہ ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ مرسلین کی تعداد میں متغیر ہے اور کتابوں

کی تعداد ایک ہو جاتی ہے۔ یہاں کہیں کہیں رسول نبی شریعتی کی الفاظ کی کوئی

فرق نہیں ہے۔ قرآن حدیث میں کئی مقام پر صرف ایک ہی لفظ پر اکتفا کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں باہم کوئی مغائرت نہیں۔ چنانچہ اس آیت میں وَلَٰكِنْ الْيَوْمَ مَن رَّسُولَ اللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ یہاں نبی کا اطلاق نبی رسول دونوں کے لئے یکساں ہے۔

کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ ایمان کی حقیقت کیا ہے آپ نے فرمایا ان نو من باللہ وملائکتہ وکتابہ ودسلیہ یہاں لفظ رسول نبی کو بھی شامل ہے۔ اور یہ بات کہ عطف مقتضی مغائرت کا ہے۔ تو اس کے جواب کئی ہیں۔ ایک یہ کہ عطف زائد ہے جیسا کہ اس آیت میں وَكَذَٰلِكَ نَقُصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ لَّا يَشْعُرُونَ سَبِيلَ الْيَوْمِ یعنی اور اسی طرح ہم اپنے نشانات بیان کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ سزا گناہگاروں کا۔ یا عطف تفسیری ہے جیسا کہ اس آیت میں وَلَٰكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔

اگر کہا جائے کہ رسول وہ ہے جس پر کتاب یا شریعت نازل ہوئی ہو۔ اور نبی وہ ہے جس پر نہ کتاب نازل ہوئی ہو نہ شریعت ہم کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بالاتفاق رسول تھے۔ حالانکہ ان پر کتاب شریعت کچھ نازل نہیں ہوئی تھی۔ پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ نبی اور رسول میں کوئی مغائرت نہیں۔ نبوت محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے خلعت نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ حکما کا یہ گمان غلط ہے کہ نبوت کہ کتاب سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی تردید کے لئے یہ آیت کافی ہے۔ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ یعنی اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت (نبوت) کے لئے خاص کر لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت کتابی نہیں ہے بلکہ عنایت ازل اور امر محبوبی ہے۔ وَلَنُصَلِّ مَا قَبِيلُ شَعْرٍ نَّبَارِكُ اللَّهُ مَا وَحَىٰ بِمَكْتَسِبٍ وَلَا نَبِيٍّ عَلَىٰ غَيْبٍ بَسْمَتِهِمْ یعنی برکت والا ہے اللہ جس نے وحی کو کتاب کے متعلق و ماتحت نہیں فرمایا۔ اور نہ نبی غیب جاننے کی تہمت میں مبتلا ہے۔ اکثر انبیاء زمانہ عباد و طفولیت میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے جب کہ آپ مدین میں تھے۔ و

جَعَلَنِي تَبِيًّا اور تاد مطلق سے بعید نہیں ہے کہ وہ جس کو چاہے بحالت طفلی ہی میں اُس کو شرائط نبوت یعنی عقل وغیرہ سے ممتاز کرے۔ جیسے اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے وَاتَّيْنَا الْحَكِيمَ صَبِيًّا یعنی ہم نے اُس کو بچپن ہی میں حکمت عطا فرمادی۔ مراد حکمت سے نبوت ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جھوٹے میں پڑے پڑے یہ فرمانے کا۔ اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ اَتَانِی الْکِتَابَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب عطا کی۔ اور نبی کیا۔

وجوب بعثت کے متعلق بحث

فلاسفہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نبی کی بعثت واجب ہے یعنی عنایت ازلیہ جو نظام مخلوقات کی مقتضی ہے۔ اُس کے اوپر عقلاً بعثت نبی واجب ہے۔ اس اسلو کہ انتظامِ کمال بدوٹ جو دایسے نبی کے انصرام نہیں پاسکتا۔ جو قوانین عدل و نظام کائنات کا واضح ہوتا کہ خلق اللہ ان پر کار بند ہو کر دینی و دنیوی بہبود کی جانب ساعی رہے۔ اور باہمی فساد و نزاع کا ایک لخت قلع قمع ہو جائے۔

مترزلہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بعثت نبی واجب ہے۔ لیکن اُن میں سے بعض اس امر کے قائل ہیں کہ اِذَا عَلِمَ اُمَّتُهُ اَنَّهُمْ یُؤْمِنُونَ وَجَبَ الْبَیِّنَاتُ اِرْسَالُ النَّبِیِّ فَمَا فِیْهِ مِنْ اِسْتِصْلَاحِهِمْ وَاِنْ لَمْ یَعْلَمْ ذَٰلِكَ بَلْ عَلِمَ اَنَّهُمْ لَا یُؤْمِنُونَ لَمْ یَجِبْ اِلَآ رِسَالُ بَلْ حَسَنٌ قَطْعًا۔ یعنی اگر اللہ جانتا ہے کہ فلاں اُمت نبی کی دعوت قبول کریگی۔ تو اس صورت میں نبی کا بھیجنا خدا پر واجب ہے۔ کیونکہ نبی کی بعثت سے قوم اصلاح پذیر ہوتی ہے۔ اور اگر اس کو یہ معلوم نہیں بلکہ وہ جانتا ہے کہ فلاں لوگ نبی کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس حالت میں رسال نبی واجب نہیں ہے۔ ہاں ایستہم کی تحسین اور پسندیدہ بات ہے۔ ان کے قول سے مستنبط ہوتا ہے کہ قوم میں پہلے سے تصدیق و قبول دعوت نبی کا مادہ موجود ہونا ضرور ہے۔ ورنہ بعثت نبی بیکار پھیر گیا۔ لیکن جب خدا کو معلوم ہے کہ قوم میں قبول دعوت کا مادہ نہیں ہے۔ تو اس رسال نبی میں خوبی کہاں ہی جیسا اُن کے اس قول سے ظاہر ہے۔ بَلْ حَسَنٌ قَطْعًا اس صورت میں نبی کی بعثت

کئی خرابیاں لازم آتی ہیں *

ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کا نفس غیر متناہی ہے۔ دوسرے نبوت نبی کو غیر مؤثر اور غیر مفید مانتا پڑتا ہے۔ تیسرے یہ کہ موت نبی قبول کرنے کا مادہ قوم کے اختیار و قدرت سے باہر ہے۔ بلکہ مادہ کا مجبور اور غلام ہو جاتا ہے۔ غرض یہ قول کئی طرح سے نامحکم پر دلالت کرتا ہے۔ انہی مشکلات کے سبب بعض معتزلہ مخلوق البعثت عن نفس یا است الدنس عیستہ کے اور بعض جواز بعثت کے قائل ہو گئے ہیں۔ پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو سرے سے بعثت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ پھر انہی اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کو نقل فرمایا۔ بَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَسُولًا یعنی کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا؟

اول تو یہ تمام اقوال حسب قاعدہ تحسین تقبیح کے فاسد ہیں۔ اور نیز اس حجت بھی کہ اُنہوں نے بعثت کے لئے جواز و وجوب کی بیئودہ مشروط لگائی ہے۔ دوسرے اگر ہم اُن کی اس مخرجات کو تسلیم ہی کر لیں تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں جس طرح ہماری غرض نبوت بعثت ہے۔ اسی طرح وہ سوا چند منکرین کے بعثت نبی کے قائل ہیں۔ صرف اُن کے وجوب کہنے سے اعتقاد اہل سنت میں نقص عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم اس بات کے قائل و معتقد ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔

ہمارا یہ اعتقاد یہ ہے کہ نبوت امر مجبوری اور موہبت ازلی ہے۔ جس کو پابستہ ہے اپنی اس عنایت اور خلوت نبوت سے سرفراز فرمانا ہے جس طرح اس نے محض اپنے نایب فضل و کرم سے انسان کو کرم و انصاف المخلوقات بنایا۔ اسی طرح وہ اپنے نفس سے جس کو چاہتا ہے۔ نبوت کے لئے ناس کر دیتا ہے جس کے ذریعہ بندوں کی اصلاح و مواصلت مقصود ہوتی ہے۔

یہاں ایک سوال لازم آتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم نبوت کے لئے ریافت و مجاہدات کی قید لگائیں اور اس کو مجبوری کریں۔ تو پھر نبی و غیر نبی میں جو تفرق کیا ہے ہم کیونکر نبی کو غیر نبی سے تمیز کر سکتے ہیں۔ ہم اس سوال کا جواب آئندہ دیں گے۔ پہلے وہ جواب کہتے ہیں۔ جو فلاسفہ نے دیا ہے۔ (معدودہ) جواب فلاسفہ کے

نبی اور غیر نبی میں تمیز کا طریقہ

فلاسفہ کہتے ہیں کہ یہی میں تو اس کا وجود ہونا ضروری ہے تاکہ یہی کو غیر نہی سے
 تميز کر سکیں۔ اداں کہ ہے کہ یہی واقعات غیبی گذشتہ موجودہ اور آئندہ پر اطلاع کامل
 رکھتا ہو۔ اور یہی کے لئے یہ بات محال نہیں۔ اس لئے کہ جب نفس انسانی کو بذریعہ ریاضت
 و مجاہدہ اور قطع غرائق مادیات سے بخشہ حال ہوتا ہے۔ اور محرویات عقلی اور نفوس مادی
 سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو حسدیت کے لحاظ سے دونوں میں اتصال معنوی پیدا ہو
 جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر اس کو تصور حوادث کا احساس اور امور کا تہ و اکبر پر اطلاع کوئی دشوار
 نہیں ہوتی۔ اور انبیاء کے لئے کیونکہ یہ امر دشوار ہو سکتا ہے۔ جب ہم اس کو ان لوگوں میں
 پاتے ہیں جو نبی نہیں ہوتے۔ گزار ریاضت مجاہدہ اور کشف کے ذریعہ امور غیبیہ پر مطلع ہوتے
 ہیں۔ ان کو اصطلاح اہل اسلام میں ولیا اللہ کہتے ہیں یعنی جب لی کے لئے غیبی امور پر
 اطلاع دشوار نہیں۔ تو نبی کے لئے کیونکہ دشوار ہو سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ یہی سے فعال خوارق عادات ظاہر ہوتے رہیں۔ اور اس سے ایسے
 افعال کا صدور بھی کوئی دشوار نہیں۔ کیونکہ نفوس انسانیہ منطق فی الایدان نہیں ہیں کہ انقباض
 پر ان اُن کے لئے غیر ممکن ہو چنانچہ انسان کی حرکات و سکنات اس امر کی شاہد ہیں۔ بلکہ
 نفس انسانی تصورات کے ذریعہ ہوا و بدنہ میں مؤثر ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ دیکھو جب
 انسان پر خجانت غلبہ کرتی ہے یا کسی خارجی سبب سے اُن پر خوف یا غصہ طاری ہو جاتا ہے
 تو وہ اس کے تصور میں عرش یا زرد یا سخت ہو جاتا ہے۔ ہمارے سمجھ کے ثبوت میں ایسی
 بدیہی مثال ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی کو غدر نہیں ہو سکتا۔ اور جب ہماری یہ بات
 ثابت ہو گئی کہ ارادۃ نفس اور تصورات مؤثر فی الایدان ہیں مع عدم الانطباع قیہ۔ تو
 یہ امر مسلم ہے کہ یہی کا نفس مقابلہ دیگر نفوس کے قوی ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ اس کے تصورات
 و ارادات کامل طور پر عین الی منہجی میں ترکیں۔ اور عالم غریبی اس کے ارادات و
 تصورات کے لئے مطیع و منقاد ہو جائے کہ جس طرح یہی کا نفس چاہے۔ اس پر اثر ڈالتا
 ہے۔

حال یہ کہ یہی کا نفس میث مایشاء منہجی بات میں متعزز اور مؤثر ہے یہاں
 تک کہ یہی کے ارادات سے زمین میں آندھریاں نکلنے والی۔ آتشزدگی غرق و اشخاص
 ظالم کی ہلاکت اور ایدان و سدا کی تخریب و ختم ہونے والی حوادث و قوس میں آتے رہیں

اور ایسے امور عجیبہ کا نبی سے ظاہر ہونا کسی صورت میں محال نہیں۔ کیونکہ یہی باتیں ہم اہل
 ریاضت میں بھی پلستے ہیں۔ چنانچہ کتب سیر و سوانح دیکھنے سے اس کی پوری تصدیق
 ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ انبیاء ملائکہ کو جو مخصوصہ میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور جو کلام بطریق حق
 فرشتوں کی معرفت ان پر نازل ہو۔ اس کو فرشتوں سے بنا واسطہ استماع کریں۔ اور یہ ممکن
 بھی ہے۔ کیونکہ جب نبی کو نفس شو غسل بدنیہ سے تیسرے اختیار کرتا ہے۔ تو عالم قدس کی جانب
 اس کا انجذاب اتصال بہ سہولت ہونے لگتا ہے۔ یہاں پہنچ کر عالم معقولات اس کے
 روبرو مثل عالم محسوسات کے ہو جاتا ہے۔ پھر ادنیٰ توجہ سے معقولات کی صورتیں پیش
 نظر ہو جاتی ہیں۔

یہ خصوصیات ثلثہ ہیں جن کا نبی میں موجود ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد کوئی محلات
 مستقرانہ کی تصدیق میں باقی نہیں رہتی۔ اور یہی وہ خواص ہیں جن کے ذریعہ نبی اور غیر نبی
 میں فرق اور تمیز ہو جاتی ہے۔ فلاسفہ کے پہلے قول کی بنیاد غلطی پر ہے۔ کیونکہ ہمارا
 اور نیز فلاسفہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امور غیبیہ پر کمال طور پر اطلاع سوائے خدائے
 عزوجل کے کسی کی شان نہیں۔ اسی واسطے سید الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 فرمایا ہے: **لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ مِنَ الْخَيْرِ مَا مَسَّنِيَ الشُّوْعَرُ الْاَلَا سِرٌّ**
 اور اگر کہا جائے کہ انبیاء محض واقعات غیبیہ پر مطلع ہوتے ہیں۔ تو اس میں نبی کی کوئی
 خصوصیت رہی۔ اکثر بزرگان دین جو استعداد ذاتی بذریعہ ریاضت و عبادت و قطع
 علائق صفائی قلب پیدا کر لیتے ہیں۔ اور شو غسل بدنی سے بالکل علیحدگی اختیار کر کے
 ماء اللہ کی جانب توجہ تمام لاتے ہیں۔ تو وہ بھی بعض امور غیبیہ پر اطلاع حاصل کر
 لیتے ہیں۔ پھر نبی کے لئے فلاسفہ نے کوئی خصوصیت ممتاز بہا بیان کی۔ جس سے
 نبی کی غیر نبی سے شناخت ہو سکے۔

اُن کا دوسرا قول اس بنا پر ہے کہ نفوس انسانہ مؤثر فی الابدان ہیں اور ہمارا
 اس امر پر اتفاق ہے کہ مؤثر فی الابدان سوائے باری تعالیٰ کے کوئی نہیں ہو سکتا
 اور یہ بات کہ ارادات و تصورات نفسیہ اور تغیرات بدنیہ میں باہم تقارنت ہے۔ تو
 اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ مؤثر اور متضرر فی الابدان ہوں۔ **لَوْ اَنَّ**

الذی دوران بصر بق العادۃ اور اگر مان جی لیا جائے کہ نفوس انسانہ اجسام میں تشریف کرتے
ہر قدر ہیں اور نبی کا نفس بمقابلہ دیگر نفوس کے قوی ہوتا ہے۔ تو فلاسفہ کے بیان ہی سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کے لئے متصرف فی الہیۃ یعنی تصرف ہونا مخصوص نہیں۔ بلکہ اکثر انبیاء
سے بھی اس قسم کا تصرف مروی ہے۔ اس صورت میں مخصوص بالنبی کی اور ہی توجیح نہیں
ہوتی۔ اور نبی و غیر نبی کی تمیز میں ہم نیسے ہی سرگرداں رہے۔

تیسرا قول اُن کے مذاہب کے موافق نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی تلبیس ہے جو فلاسفہ
نے انسان کے معتقدات خراب کرنے کے لئے اٹھا رکھی ہے کیونکہ حقیقت میں ہر مشاہدہ
مستقالات کے قائل نہیں ہیں۔ اس دلیل سے کہ ملائکہ اُن کے نزدیک بذاتہا نفوس مجردہ
ہیں۔ چہ اجرام افلاک سے متعلق ہیں۔ جن کا نام انہوں نے ذاتاً و فعلاً ملائکہ سماویہ اور
عنقریب مجردہ رکھ لیا ہے۔ اور جب کہ حرف و صوت ان کے نزدیک امور عارضیہ سے ہیں
جو ہولے منتوج کے ذریعہ پہنچتے اور محسوس ہوتے ہیں۔ پس مجردات کے لئے کس طرح
کلیم حقیقی تصور ہو سکتا ہے۔ لہذا خلاصہ صغیر مائے شرح المواقف :-

نبوت کے باب میں ہم نے مختصر اُفلا سفہ کے اقوال کو نقل کر کے کئی طور پر اُن
کی تردید اس لئے کی ہے کہ اول تو وہ نبوت کے قائل نہیں صرف عوام میں پنا اُغما
و اعتبار بڑھانے کے خیال سے وہ نبوت کی بحث کرتے ہیں۔ اور اس میں ایسے شاخسانے
نکالتے اور شراٹھا لگاتے ہیں جس سے خود شیعوں کا نام لوگ ستیر و حیران ہو کر نبوت کی حقیقت
کے منکر ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی شراٹھا مذکورہ سے نبوت کو کتبانی ثابت کرنا
چاہتے ہیں اور جو خواہش انبیاء کے لئے بتاتے ہیں۔ اُن کے متعلق یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہ
خواہش ہم انبیاء کے سوا دوسرے نفوس میں بھی پاتے ہیں۔ پس اُن کے اقوال کی تردید واجب
ہوتی۔ تاکہ کمر استعداد لوگ اُن کے دام فریب میں نہ آجائیں۔ اور نبوت کو کسب رابعت
درجہ ہائے مستثنیٰ نہ کریں۔ کیونکہ تمام صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی و پیغمبر
ہیں۔ وہ کسی قسم کے کسب رابعت سے محال نہیں ہوتی۔ نہ اُن کو خوارق اعداات فعال
کے بتانے کے لئے کسی ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ انفعال خوارق عادت
جس کو مجرد کہتے ہیں۔ وہ ایسی چیز ہے جس سے خود نبی کو بھی اطلاع نہیں ہوتی۔ لہذا
نبی ہی کی توحید کے لئے اس کو بیسے مجاہدات و عبادت سے جو خود ان کے لئے

دہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں گورہ
 ٹوڑ پر پہنچے۔ یکایک رحمت الہی سے انہیں نبوت کے لئے نفع دیا۔ پھر اس کی تصدیق
 کے لئے ان کو معجزہ بھی عطا فرمایا کہ ان کی لاکھٹی سانپ بن جاتی۔ اور پھر لاکھٹی کی لاکھٹی ہو
 جاتی۔

موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پہلے نہیں معلوم تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور انہیں کس
 قسم کے معجزات عطا کئے جائے گے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی خطاب کیا کہ اے موسیٰ میرے
 تم کو اپنے نفس کیلئے اختیار کر لیا۔ پھر فرمایا۔ وَمَا تِلْكَ بِمَعِينِكَ يَا مُوسَىٰ اے موسیٰ
 تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا میری عصا ہے۔ میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور اپنی
 بکریوں کے لئے اس سے چارہ چھاڑتا ہوں۔ اس کے سوا اور بھی مفائد ہیں۔ خدا نے
 فرمایا۔ میں اے عصا کو پھینک دو۔ پھینکتے ہی سانپ بن گیا۔ موسیٰ ڈرے۔ خدا نے فرمایا ڈرتے
 کیوں ہو میں کو پکڑ لو کہ پھر عصا ہو جائے گا۔ اسی طرح ید نبی کا معجزہ عطا ہوا۔

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی وحی کے حالات کو دیکھو کہ
 جب غار حرا میں جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں آئے۔ تو آپ ڈرے۔ اور جو کلمات حضرت
 جبریلؑ نے تلقین کئے۔ ان کو یاد کرتے ہوئے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس
 کاہنتے ہوئے آئے اور فرمایا زملونی زملونی مجھے کہل اڑھا دو مجھے کہل اڑھا دو پھر
 فرمایا۔ انفل۔ خشدیت علی نفسی مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے
 آپ کی تسکین فرمائی۔ اور اپنے چچا زاد بھائی ورتہ ابن نوفل کے پاس آپ کو لے گئیں۔ اور
 وہاں سے یہ جواب پا کر کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں۔ اور یہ آپ کے پاس جبریلؑ آئے
 تھے جو تمام انبیاء کے پاس حی لے کر آیا کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی تسلی ہوئی۔ اس کے
 پٹے نہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ اور نہ آپ نے اس وقت جبریل علیہ السلام کو
 پہچانا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کو کسب مطلق تعلق نہیں۔

اس کتاب کا پیش میں سے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے لفظ خشدیت علی نفسی کے جواب میں فوراً یہ
 کلمات عرض کئے۔ لا واللہ یا یخبر بیک اللہ ابداناً لتصل الرحمہ وتصدق الحلیۃ وتصل
 النکل وترکب المودہ لتقری الضیف وتبین علی نوابہ الحق۔ یعنی میں خدا کی قسم اللہ
 تعالیٰ آپ کو بھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے اور ہمیشہ سچ پڑھتے ہیں اور دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں

اب ہم نبوت کی حقیقت جس سے نبی و غیر نبی میں تمیز ہو سکے۔ موافق عقائد عامہ
 الی اسلام کے بیان کرتے ہیں۔ جو فی الواقع قابل قبول و لائق قبول الی المامول ہے
 وہو ہذا۔

کتب معتبرہ مثل النقد من الضمائر میں لکھا ہے کہ ابتدا میں آدمی عالی درجہ
 پیدا ہوا تھا۔ اس کو عوالم مختلفہ کائنات سے طاق آگاہی نہ تھی۔ پھر اسے جو اس عطا ہوئے
 جن کے ذریعے اس کو معمولات کا ادراک و احساس ہونے لگا۔ انسانی قوتیں دو قسم کی
 ہیں۔ قوت نظریہ افقوت علی۔ انہی قوتی کے ذریعہ وہ معلومات میں کامیابی حاصل کرتا
 ہے۔ قوت نظریہ کے ذریعہ اشیائے مرئیہ کی شکل و صورت رنگ لون وغیرہ کی تمیز ہوتی
 ہے۔ اور قوت عمالیہ کی وساطت سے حقیقت و ماہیت ہر شے کی مدد ہوتی ہے۔
 نیکت ید میں فرق اور اس پر عمل کرنا بھی اسی قوت کے متعلق ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ یہ کام
 عام لوگوں کی قوتوں کا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہی کو بلا واسطہ بشری تربیت کامل عطا فرماتا
 ہے۔ اور نور القدس کی تاثیر اس کی قوت نظریہ میں اس طرح ساری ہو جاتی ہے کہ اس کی
 معلومات کے درمیان غلطی اور شبہات کے حجاب مطلق نہیں رہتے۔ اسی طرح اس کی
 قوت عمالیہ میں وہ مالک پیدا ہو جاتا ہے کہ نبی بجز اہمال صالحہ کے کسی جانب رغبت نہیں
 کرتا۔ وہ بدی سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اور نیکی پر بالکل جھک جاتا ہے۔ پھر جب نبی کی
 قوت عمالیہ ذریعہ اعمال صالحہ کے تکمیل کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ تو اس
 وقت خداوند تعالیٰ اس کو خلعت نبوت سے سرفراز فرما کر خلق کی جانب مبعوث کرتا
 ہے۔ اور تصدیق رسالت کے لئے اس کو معجزات عطا فرماتا ہے۔

یہ قول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ
 کائنات پر پوری نظر ڈال کر یہ کہ یہ قائم کیا ہو گا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ کہنا کہ نبی کی
 قوت عمالیہ قبل حصول نبوت کے اعمال صالحہ میں انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت اس
 کو نبوت ملتی ہے۔ کیا نہیں معلوم ہوتا۔ ممکن ہے بعض انبیاء کو اسی طریق پر نبوت
 ملی ہو۔ مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ عطا کیے ہوئے نبوت کسی استعداد سابق کی ضرورت
 نہیں ہوتی۔ خدا جس کو بھی فرمانا چاہتا ہے۔ ابتدا سے خلقت سے اس کے تمام اعمال
 عادات و انہی نظری طور پر نمودار ہوتا ہے۔ قرآن ہوتے ہیں نبی کو اپنی

نبوت کا شائق گمان کچھ نہیں ہوتا کہ یہ یکے کے بعد ایک نبی اُس کو خاص کر جیتی ہے کسی نے سچ کہا ہے نہ

خدا کی دیوانہ گاہوں سے پوچھتے احوال

کہ آگ لینے کو جاتیں پیمبری مل جائے

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بہشت اشیاء و ثیاب میں تو حیدر پھیلائے اور آلاء و انعام سے
خائف خدا کے دلوں کو پاک کرے۔ یہی ان کے دلوں کو دُور کرنے اور نیکیوں اور حقائقِ خلاق
کو ظاہر کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ نوواؤ و معجزات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ بہشت
لا تخرج مکارمہ الا بخلاق یعنی اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے کہ اخلاقِ حمیدہ کی تکمیل کرے
اسی واسطے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے جاتے ہیں تاکہ ان کے اخلاق کو میل بہ
حائذ اخلاق کر دیں۔ وہ معجزات کے ذریعہ خلق سے اپنی نبوت کی بابت تصدیق کرانے
پس اور حیرتہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس سے نبی اور غیر نبی میں تمیز ہوتی ہے۔
اور اُس کے شاہدہ یا سماعت سے تحقیق نبوت سمجھ میں آجاتی ہے۔

معجزات میں قسم کا ہے کہی تو جنس احوال سے ظاہر ہوتا ہے کہی خیر و شر
سے۔ اور کہی خود نبی کی پاکیزہ تعلیمات اور مقدس حالات نبی کی شناخت میں ایک
بڑے معجزہ کا کام دیتے ہیں۔ ائمہ پیمبری قسم ایسی ہے جس کے باب میں امام غزالی فرماتے
ہیں کہ لاشی کے سانپ بن جانے اور چاند کے پھٹ جانے سے زیادہ یہ قسم نبی کے
تصدیق کی بڑھیکے۔ یعنی نبی کا کوئی بڑے سے بڑا معجزہ اُس کی صداقت میں کام نہیں
کرتا۔ جس طرح اُس کی مقدس تعلیم اور پاکیزہ حالات زندگی اس باب میں کام لے
سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کا قول یہ ہے فان وقع لك شئ في شخص من عبي الله
من ان امره ان يصل اليك من الايمان فتر احوال رما بالمشاهدة
او بالتواتر والتسامع یعنی اگر غم کو کسی شخص معین کی نبوت میں شک ہو کہ وہ
نبی ہے یا نہیں۔ تو اُس کی بابت یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ اُس کے احوال
کی معرفت مشاہدہ یا متواتر سماعت کے ذریعہ نہ ہو۔ غرض یہ پیمبری قسم بڑی جید اور
کچھ رازدہ ہے۔ اس لئے کہ اوپر کی دونوں قسموں پر تو سحر کا بھی گمان ہو سکتا ہے۔
اور اس پیمبری قسم پر کسی طرح کی بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ پس اوپر کی دونوں قسموں کی

تائید اس تیسری قسم کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور اس طرح نبی کی شناخت میں کوئی وقت نہیں رہتی۔
ہم نے معجزہ کی ان بیسیوں قسموں کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنے ایک دوسرے سال
میں بیان کیا ہے۔ یہاں صرف رسمی پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو حضرت مسنف غلام نے عقائد توحیدی
میں تحریر فرمادیا ہے۔ نبوت کی شناخت حقیقت کے لئے طالب حق کو یہی پس ہے۔

فائدہ (۶)

معراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں

متعلقہ صفحہ

عقائد انسانی میں ہے۔ والمعرّاج لرسول اللہ علیہ السلام۔ سرفہ
الیقظة بشخصه الى السماء شجرة الى ما شاء الله تعالى من العلى حق ترجمہ
اور معراج واسطے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیاری میں جب مظهر کے ساتھ طرف آسمان
کے پھر وہاں سے جہاں خدا نے چاہا بلندی کی طرف حق ہے۔ یعنی خبر مشہور ہے ثابت ہے
حق کہ اس کی منکر مبتدع عند العلماء ہے۔ اور یاد رہے کہ جو شخص معراج رسول کا مسجد الحرام سے
مسجد اقصیٰ تک منکر ہوا وہ کافر ہے کیونکہ یہ نفس قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ
فرماتا ہے سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلَةً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى
الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْأَيْتَانِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
الْبَصِيرُ خدا معجز کے عریضے پاک ہے۔ جو اپنے بندہ کو رات مسجد حرام سے بیت المقدس
کی مسجد تک لے گیا جس کے گرد اگر وہم نے برکتیں سے رکھی ہیں تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت
کے چند نمونے دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔ وَاذْقُلْنَا لَكَ اَنْ رَّبُّكَ احاطَ بِالنَّاسِ وَمَا
جَعَلْنَا الرُّؤْيَا لَكَ اَرْيَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ فِي
الْقُرْآنِ وَخَرَجُوهُمْ فَمَا يُزِيدُهُمْ كِبَارًا طُغْيَانًا كَبِيرًا یعنی جب ہم نے
تم سے کہا کہ تمہارے رب نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے اور خواب جو ہم نے تم کو
دکھایا۔ تو بس لوگوں کی جانچ کا ذریعہ کھیرایا۔ اور اسی طرح تھور کے درخت کو جس پر قرآن

میں لغت کی گئی ہے اور ہم انہیں لکھتے ہیں لیکن ہمارا مقصد ان کی سرکشی کو اور بڑھانا ہے
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس بیت کی تفسیر میں مروی ہے یعنی ابن عباس نے
کہا کہ مراد روایا سے یہاں آنکھ کا دیکھنا ہے۔ جو رسول کو ان بات میں کھایا گیا ہے جس میں خدا
آپ کو بیت المقدس تک لے گیا اور انہیں کہ قول ہے کہ مراد شجرہ منورہ سے تصور کا درست
ہے۔ زرواد البخاری ۱۰ اور آسمانوں کی معراج کا منکر نہ دیکھنا کہ ان کے بدعتی ہے۔ اس
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج آسمانوں پر اخبار احاد سے ثابت ہے اور اخبار
احاد کے منکر بدعتی اور گمراہ ہوتا ہے۔ کافر نہیں ہوتا۔ اور اس امر کا اعتراف کرنے والا کہ آنحضرت
کو کتب سے بیت المقدس ورواں سے آسمانوں اور قافج سین اور اسے تک معراج ہوئی
آپ نے وہاں خدا کو دیکھا۔ اور نیز جنت و دوزخ کی سید کی مومن محقق ہے۔ اور اس کا ایمان
قال ہے ۔

غلام غفرانی کے منقولہ بالا قول سے عقائد و عقوبت کے عقائد کا پورا اظہار
ہوتا ہے۔ چنانچہ قول فی البیضاء سے ان لوگوں کے قول کا رد ہے۔ جو گمان کرتے ہیں کہ
آنحضرت کو خواب میں معراج ہوئی۔ جیسے معاویہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ مراد
معراج سے روایا صالحہ ہے ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ما فتننا بعد من محمد
علیکم السلام لیکن المصراہ یعنی معراج کی رات تم نے اپنے جسم مبارک کو
گم نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد روایا سے آنکھ کا دیکھنا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ
کے قول کے یہ معنی ہیں۔ ما فقد جسد عن السرور بل کان مع روحہ وکان
لمصراہ للنس و الروح منہا بیہا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مطہر
روح سے جدا نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے ہمراہ تھا۔ تو ثابت ہوا کہ آنحضرت کی معراج روح اور
جسد دونوں کے ساتھ تھی۔ چنانچہ قولہ الشیخ سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے اور ان لوگوں کی تردید
ہوتی ہے۔ جو معراج روحی کے قائل ہیں۔ اور عاقل پر پوسندہ نہیں کہ معراج منامی یا
معراج روحی الہی چیز نہیں۔ جس سے عقل و شہادت کے ساتھ انکار کیا جائے حالانکہ کفار
نے معراج کے باب میں پورا انکار کیا۔ بلکہ مسلمانوں کو ایک سرگرمی پر ابھی کہہ رہے
ہو گئے۔ اور قولہ فی الشیخ سے یہ ہے کہ اس کا ایک جو معراج بیت المقدس تک کی

قائل ہیں۔ اور قولہ شرابی ما شاء اللہ اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ اس باب میں سلف کے
مختلف اقوال ہیں۔ بعض حقیقت کے قائل ہیں۔ بعض عویش بکھڑے اور بعض باقوق العرش تک
اور بعض اطراف عالم کے۔

اور روایت کے باب میں بقول علامہ سعد الدین تفتازانی کے صحیح قول یہ ہے کہ
آنحضرتؐ کے نواد یعنی چشمہ قدسی کے خدا کو دیکھا۔ نہ میں سر سے۔

شیخ پرکان البرہن سکین نے ارشاد مسہبین میں لکھا ہے کہ اس بات کی کہ آنحضرتؐ
کو امیری یعنی معراج جب۔ وروح دونوں کے ساتھ ہوئی۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ
اَسْرٰی لَبَبْلًا فرمایا۔ کیونکہ اسم عبد موصیج ہے۔ اُس شخص کے لئے جو جس روح دونوں
رکھتا ہو۔ اگر یہ واقعہ معراج کا خواب میں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اُسری پر روح عبد کا فرمانا
دوسری دلیل یہ کہ اگر معراج خواب میں ہوتی۔ تو اُس میں آپ کی کوئی بڑی فضیلت ہوتی
اور واقعہ معراج کو معجزات میں شامل نہ کیا جاتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی یہودی یا عیسائی
بہشت کو خواب میں دیکھے۔ پھر جو چیر کفار کے لئے رہا ہے۔ اُس میں پیغمبروں کو کون سی
فضیلت ہو سکتی ہے۔ پیغمبری دلیل یہ کہ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو دوسرے
انبیاء پر فضیلت ہے۔ وہ دونوں میں باتوں کے سلسلے میں ایک معراج ہے دنیا میں۔
اور دوسری شفاعت ہے عقبی میں۔ ورنہ جو کچھ آپ کو حاصل تھا۔ وہ دوسرے پیغمبروں
کو بھی حاصل تھا۔ اگر آپ ہی امت تک پہنچتے تھے۔ تو دوسرے بھی موت سے سرفراز ہوتے۔
اور اگر آپ مر گئے تھے۔ شریعت تھے تو دوسرے انبیاء بھی عذاب کتابت شریعت
تھے۔ پس آپ کی تفضل بسبب معراج و شفاعت کے ہے۔

ہمارے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ دونوں شرف بدولت تو اضع
کے حاصل ہوئے کہ آپ نے جب حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی۔ تو دولت معراج پائی
اور جب حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی تو وہ دولت شفاعت پائی۔

پانچویں دلیل یہ کہ لیلة الامری کی صبح کو جب کفار نے بیت المقدس کے
نشانہ دریافت کئے تو آپ نے ان کی ایک ایک بات کا جواب جیسا کہ آپ نے
معائنہ فرمایا تھا فر فرمے دیا۔ اگر خواب میں واقعہ ہوتا تو نہ کفار اس کا انکار کرتے اور
نہ آپ بیت المقدس کے نشان طلب کرتے۔۔۔ یہی بات کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

اور حضرت معاویہ اور خواجہ حسن بصری سے معراج رُوحی مروی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ واقعہ معراج کے وقت جو کہ میں ابتدائی حالت تبلیغ اسلام میں واقع ہوئی، خود سالہ تھیں۔ اس سبب آپ کو وہ حقیقت سے اطلاع نہ ہوئی۔ اور حضرت معاویہ اس وقت تک شرف اسلام نہیں ہوئے تھے۔

غرض نہ سب اکثر سلف و خلف کا یہ ہے کہ واقعہ معراج بیداری میں حسد و رُوح کے ساتھ ہوا۔ کہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمانوں اور مقام قباب قوسین و ادنیٰ ایک۔ پھر اس میں بھی مما کی اختلاف ہے کہ آنحضرت نے پروردگارِ عالم کو دیکھا یا نہیں؟

مذہب عائشہ یہ ہے کہ آپ نے نہیں دیکھا۔ اسی کے موافق صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ مسروقؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ شب معراج آنحضرت نے اپنے پروردگار کو دیکھا یا نہیں۔ اسلئے حضرت محمدؐ ربہ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ قنقن شعری مما قلت تحقیق تیری اس بات سے میرے بدن کے ہونگے کھڑے ہو گئے۔ سنو تیں چیزیں ہیں اگر کوئی تمہیں بیان کرے تو ان کو جھوٹ سمجھنا۔ پہلی بات یہ کہ اگر کوئی کہے محمدؐ نے معراج کی شب خدا کو دیکھا تو سمجھنا دروغ کہتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی لَا تَدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ

حضرت ابو ذر غفاریؓ کا قول ہے کہ آنحضرت نے قلب سے دیکھا نہ آنکھ سے اور علمائی ایک جماعت مثل ابن عباسؓ اور ابو الحسن اشعریؓ کے اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت نے خدا کو دیکھا۔ پھر ایک گروہ کا قول ہے کہ آنحضرت نے دوبار دیکھا۔ ایک بار چشم دل سے اور ایک بار چشم سکہ۔ انہیں اختلافات کے سبب بعض ائمہ دین فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ رویت میں توقف بہتر ہے۔ اور کسی ایک شق پر غلو و تعصب نہیں۔ کیونکہ دونوں قسم کے اقوال صحابہؓ سے مروی ہیں۔ اور دونوں میں تاویل کی گنجائش ہے۔ اور یہ مسئلہ باب عملیات سے نہیں ہے کہ دلیل ظنی پر اکتفا کیا جائے لیکن علماء امت نے بعد تحقیق احادیث اور تعمق نظر و تدراش و لالہ اخبار کے اس امر پر جزم کیا ہے کہ دل کے دیکھنے سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت کو حکم الہی حاصل ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات آپ

ہر وقت حاصل تھی۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دل میں خالق رویت قربانی تھی۔ یا کل اسی طرح کی رویت جو چشم سر کو حاصل ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ آنحضرتؐ کی معاہدت سے اور دل چشم کی مقارنت سے مشرف بدولت دیدار ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شب معراج میں براق لایا گیا۔ منہ پر لگام لگی ہوئی پشت پر زین ڈالا ہوا۔ براق نے حضرت سے سرکشی کی تو جبریلؑ نے اُس سے کہا۔ کیا تو محمدؐ سے سرکشی کرتا ہے تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا۔ جو خدا کے نزدیک حضرت سے زیادہ بزرگ ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ براق نے یہ سن کر پسینہ ڈال دیا۔ رواہ الترمذی۔

قتادہ انس بن مالکؓ سے اور وہ مالک بن صعصعہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج کے احوال سے صحابہ کو اطلاع دی کہ جس حالت میں میں حلیم اور کبھی اپنے یوں فرمایا کہ میں حجرہ میں لیٹا ہوا تھا کہ دفعہ ایک آنے والے (جبریلؑ) نے اگر میرا سینہ چاک کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ کو کہتے سنا کہ اُس نے یہاں سے یہاں تک چیر ڈالا۔ پھر میں نے جار دوسے کہا جو میرے پہلو ہی میں بیٹھے تھے کہ انسؓ کی اس سے کیا مراد ہے۔ کہا گلے کے نیچے سے زیر ناف تک۔ اور میں نے انسؓ کو کہتے سنا کہ سینہ کے اوپر سے زیر ناف تک پھر اُس نے میرا دل نکالا ازاں بعد ایک سونے کا طشت ایمان سے بھرا ہوا میرے سامنے لایا گیا۔ پھر میرا دل دھویا گیا۔ اور اُس میں ایمان بھر کر جہاں کا تہاں کھ دیا گیا۔ پھر میرے سامنے ایک سفید جانور لایا گیا۔ جو خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا تھا۔ جار دوسے انسؓ سے کہا اے حمزہ کیا وہ براق کہا۔ انسؓ نے کہا ہاں وہ براق اپنے مد نظر پر قدم ڈالتا تھا۔ سو اُس پر میں سوار کیا گیا۔ اور مجھے حضرت جبریلؑ کے چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان کے پاس پہنچے تو جبریلؑ نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا۔ چونکہ کیدار نے کہا یہ کون ہے کہا میں جبریلؑ ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں جبریلؑ نے کہا محمدؐ کہا گیا اور کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ خوب ہی آئے اور بہت اچھا آئے چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب میں اُٹھ کر اُتار چاٹا بکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدمؑ ہیں۔ جبریلؑ نے کہا کہ یہ تمہارے باپ آدمؑ ہیں سر نہیں سلام کیجئے میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ زان بعد کہانیک بخت فرزند آدمؑ

نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ اوپر چڑھے۔ یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر آکر دروازہ کھلوانا چاہا۔
چوکیدار بولا۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ میں نے کہا
محمدؐ۔ کہا گیا۔ کیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ کہا گیا اُسے مرحبا خوب آنا آئے۔ چنانچہ
دروازہ کھولا گیا۔ جب دوسرے آسمان پر پہنچا تو میں نے اچانک یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیکھا۔ جو
قالہ زاد بھائی تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ ہیں۔ انہیں سلام کرو۔ میں نے سلام کیا
انہوں نے جواب سلام دیا۔ رازاں بعد کہا نیک۔ بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار
نے کہا۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا
اور کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا اچھا آنا آئے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا
جب میں وہاں پہنچا۔ دیکھتا ہوں کہ یوسفؑ کھڑے ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ یوسفؑ ہیں۔ رازاں کو
سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا نیک۔ بخت بھائی
اور صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ مجھے بیکر چوتھے آسمان پر چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار
بولا۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ کہا محمدؐ۔ کہا گیا کیا وہ
بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا خوب آنا آئے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب
میں اور یحییٰؑ کے پاس پہنچا۔ تو جبرئیلؑ بولے یہ اور میں ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے سلام
کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا نیک۔ بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ مجھے لے چڑھے۔ یہاں تک کہ پانچویں آسمان کے پاس پہنچ کر دروازہ
دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار بولا۔ کون ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا میں ہوں جبرئیل۔ کہا گیا۔
اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ کہا محمدؐ کہا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں کہا گیا اچھا آنا
آئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو ہارونؑ کو دیکھا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ ہارونؑ ہیں۔ ان کو سلام
کرو۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیتے ہوئے کہا نیک۔ بخت بھائی اور
صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ مجھے لے چڑھے یہاں تک کہ چھٹے آسمان کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوانا

چاہا۔ چوکیدار بولا کون ہے۔ جبریلؑ نے کہا۔ میں ہوں جبریلؑ کہا گیا اور تمہارے
ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا اور کیا بلائے گئے ہیں۔ کہا اہاں کہا گیا اچھا آنا آئے
مرحبا۔ جب میں چھٹے آسمان پر پہنچا۔ تو میں نے موسیٰؑ کو دیکھا۔ جبریلؑ نے کہا یہ موسیٰؑ
ہیں۔ ان کو سلام کرو۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا
نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۛ

جب میں وہاں سے ہٹا تو موسیٰؑ کو پڑے کسی نے کہا۔ موسیٰؑ تمہارے
رونے کا کیا سبب ہے۔ کہا میں اس لئے روتا ہوں کہ ایک لڑکا میرے بعد نبی ہوا۔ جس
کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ حرمت میں جائیں گے ۛ

پھر جبریلؑ مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا
چوکیدار بولا کون ہے۔ جبریلؑ نے بولے میں ہوں جبریلؑ۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون
ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا اہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا کیا خوب آنا آئے۔ جب
میں وہاں پہنچا۔ تو میں نے وہاں حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا۔ جبریلؑ نے کہا یہ تمہارے باپ
ہیں۔ انہیں سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر تیار
نیک بخت بیٹے اور صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر میں سابعۃ المنتہی کی طرف پہنچا یا گیا۔ اس کے پیر ایسے تھے۔ جیسے حجر
کے ٹکے۔ اور اس کے پتے جیسے ہاتھیوں کے کان۔ جبریلؑ نے کہا یہ سابعۃ المنتہی
ہے۔ اور وہاں پانچویں پڑی تھی۔ دو تھپی۔ دو کھلی۔ میں نے کہا اسے جبریلؑ
کہا ہیں۔ کہا چھٹی مونی دو نہریں بہشت کی نہریں ہیں۔ اور کھلی ہوئی نہریں نیل و فرات ہیں۔
پھر مجھے بیت المعمور نمودار ہوا۔ زلال بعد بصرہ پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن
دودھ کا اور ایک برتن شہد کا بھرا ہوا لایا گیا۔ میں نے دودھ کا برتن لے لیا۔ تو جبریلؑ
نے کہا یہ دودھ پیدا الیشیہ بن کی صورت پر ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔
پھر مجھ پر ہرن میں سچا مسفت کی نازیں فرض ہوئیں۔ جب میں اس سے لٹا۔ تو میرا گذر
موسیٰؑ پر ہوا۔ انہوں نے کہا۔ تمہیں کس چیز کا حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز سچا مس

طہ سیرت کے بقا یہ ہیں فلما جاؤ ذلت قبل لہ ما یبکیہ قال ابکی لہ ان غدا ہذا بعث
بعثت فیہا خیرا الخ من اہل کثر من یل حذہا من اہل امتی ۛ (معالم القریں)

نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ موسیٰؑ نے کہ تمہاری امت سے ہر روز پاس وقت کی نماز ادا نہ ہو سکے گی۔ قسم خدا کی میں تم سے پیشتر لوگوں کو آزمایا چکا ہوں۔ اور یہی اسرائیل کی بڑی بڑی تدبیریں سے علاج کر چکا ہوں۔ اپنے رکے پاس پلٹ جاؤ۔ اور اپنی امت کے لئے آسانی مانگو۔ چنانچہ میں اس گیا۔ تو خدا نے مجھے دس وقت کی نمازیں معاف کر دیں۔ پھر موسیٰؑ کی طرف پلٹا۔ موسیٰؑ نے پھر وہی کہا۔ پھر میں اس گیا۔ تو دس وقت کی اور کم نہیں میں پھر موسیٰؑ کی طرف پلٹ کر آیا۔ اور انہوں نے وہی بات کہی۔ پھر خدا کے پاس گیا۔ اور ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ پھر میں موسیٰؑ کی طرف پلٹا۔ تو انہوں نے وہی کہا۔ پھر میں پلٹ گیا۔ اور ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا۔ جب میں پلٹ کر موسیٰؑ کے پاس آیا تو کہا تمہیں کیا حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ کہا تمہاری امت سے ہر روز پانچ نمازیں بھی ادا نہ ہو سکیں گی۔ میں نے تم سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے۔ اور یہی اسرائیل کا علاج بڑی بڑی تدبیریں سے کیا ہے۔ اپنے رکے پاس پھر جاؤ۔ اور اپنی امت کے لئے آسانی مانگو۔ حضرت نے کہا میں اپنے سے سوال کرتا گیا۔ حتیٰ کہ شرمایا گیا۔ لیکن میں اصرار کرتا اور تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں دماں سے آگے بڑھا تو ایک منادی نے پکار دیا کہ میں نے اپنا فرض جاری کیا۔ اور اپنے بندوں سے رجوع ہلکا کر دیا۔ رواہ البخاری فی صحیحہ رواہ مسلم مع اختصار۔ کثیر فی بعض الالفاظ فی صحیحہ :-

ابو سلمہ ابن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر ابن عبد اللہ سے سنا کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب قریش نے مجھ کو (معرایہ کے مقدمہ میں) جھٹلایا۔ تو میں بھڑک اٹھا ہوا گیا۔ خدا تعالیٰ نے بیت المقدس مجھ پر ظاہر کیا۔ تو میں اس کے اتنے پتوں کی خبر دینے۔ اور میں اس کی طرف نہ بکھتا جاتا تھا۔ رواہ البخاری فی صحیحہ فی باب الاسرار :-

کہ جس کے قدم پہنچے چٹ تریبا خلعت اس کا
کہ جس کے چوہاڑوں میں نہیں تیرے موسیٰ کا
ظہر دو جہاں سایہ ہے جس شہ کے سراپا کا
تغیر کے بڑے ہے سردی کا اور تندی کا
بیابان مرتبوں میں قاف سبیل ایک دنی کا

محمدؐ مسند کو بن صاحب تاریخ لولا کا
ہو اوہ زیر صدر بارگاہ قدس اہل جا کر
نہ دست ہم پہنچے پایہ اسرار کو جس کے
اٹھایا یاں قدم اوہ کے پنچا عرش اعلیٰ پر
مقام عالی اوہ کا آئے کہ نہ فہم میں جس کے

دیگر

دیکھا وہ جو عقل میں نہ آدے نہ فہم نہ درک میں نہ سادے
اللہ سے سنا کلام قدسی پہنچایا یہاں پیام قدسی
بے پردہ رہے نقاب دیکھا اللہ کو بے حجاب دیکھا
نظارہ کیا اسی نظر سے دیکھا اُسے اپنے چشم سر سے
جو راز و نیاز وہاں ہوئے تھے جو تازہ نیاز وہاں ہوئے تھے

ہے اُن کا بیاں بیاں سے باہر
ہے اُن کا نشان نشان سے باہر۔

فائدہ ۷

مزامیر و معارف کی بحث

متعلقہ صفحہ

ہمارے زمانہ کے علما و صوفیاء میں خدا اُن پر جسم کرے۔ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ
اُن میں سے ہر ایک معزز و متوقر فرقہ باستثناء معدودے چند تعصب و نقابیت کی لہلہ
میں پھنسا ہوا ہے۔ اور یہ وہ تعصب و نقابیت ہے جو خدا اعتدال سے کوسوں دور جا
پڑی۔ اور جس پر اطلاع ہونے کے بعد کوئی شخص اُن کے باخدا اور مومن کامل ہونے پر
یقین نہیں کر سکتا۔ جس فرقہ نے مخالف فرقہ مقابل جس مسئلہ کے جس پہلو کو پکڑا ہے۔
اُسی پہلو کی تائید و تقویت میں آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر زور دیتا رہا ہے۔
حالانکہ فرقہ مقابل کے مسلمہ مسئلہ میں بھی ایسی باتیں موجود ہیں جس کو دیکھ کر کوئی شخص اس
طرح کی سختی کو روا نہیں رکھ سکتا۔ غرض سچ پوچھئے تو اسلام کے ان دونوں معزز گروہ
میں اکثر لوگ ایسے ہیں جو عراط مستقیم انصاف اور احقاق حق کو چھوڑ کر افراط و تفریط
میں گرفتار ہیں۔ مثلاً یہی مسئلہ سماع کا ہے کہ ایک طرف تو علمائے اعلام اُس کو حرام
مطلق فرماتے ہیں۔ اور طرح طرح کے حدیث و آثار و اقوال فقہان سے اُس کے ثبوت میں
استدلال کرتے ہیں۔ اور اُس کے ترکیب کی تکفیر کرتے ہیں۔ دوسری جانب صوفیائے کرام

اس کو فعل نبوی اور فعل حایر و تابعین منوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بتاتے ہیں۔ اور اقسام
اقسام کے موضوع اور ضعیف و ثابت و حکایت سے مستخرج کرتے ہیں۔ اور محرمین ہمارے
کی تکفیر میں کوشش کرتے ہیں۔ یہ افراط و تفریط ہے۔ جو ہم سے بزرگ علما اور مؤرخین و نویسہ
کی رائے میں سزا بہت کر گیا ہے۔

مسئلہ سابع

حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ اس کے بین بین ہے۔ اور دونوں گروہ حد اعتدال
سے بڑھ گئے ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ دونوں حضرات کے اقوال و استدلال کو بنظر انصاف
ملاحظہ فرما کر ایک قول فیصل قائم کریں کہ یہ حضرات مسلمانوں کی تکفیر سے بچیں کہ کسی مسلمان
کو کافر کہنا دراصل خود کفر کی خندق میں گرنا ہے۔ تعجب ہے کہ ان تو اہل سنت و الجماعت
کا اس پر اتفاق کہ کسی شخص میں توائف احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا پایا جاوے
تو ایمان کا احتمال قابل تسلیم ہوگا۔ کہاں بات پر مسلمان کو کافر و مرتد کہنا۔ ہم نے
اس بارہ میں بزرگان دین کی اکثر کتابیں ملاحظہ کی ہیں۔ اور مسئلہ سابع میں بڑی بڑی
بختیں دیکھی ہیں۔ مگر کیا حال یہ بزرگ ذرا بھی اعتدال سے بڑھے ہوں۔ جو بات انہوں
نے بیان کی ہے۔ نہایت انصاف اور حق شناس سے پانی کا پانی اور دودھ کا دودھ
الگ کر دکھایا ہے۔ صحیح و تقیم میں بین فرق بنا دیا ہے۔ اور جہاں ان کے اباحت میں کسی
ایک پہلو کی رعایت کی گئی ہے۔ وہ صرف ہماری نظروں اور ہماری تحقیق کا تصور ہے کہ
ہم ابتداء سے انتہا تک بنظر خائر ان کی تقریر ملاحظہ نہیں کرتے۔ اور اگر فی الحقیقت ان کی
تقریریں ضعیف اور موضوع احادیث سے استدلال پایا جائے۔ تو یاد رہے کہ وہ کوئی
معدوم اور غلطی سے محفوظ نہیں تھے۔ تاثر انہیں اسی طرح پہنچا ہوگا۔ وہ اس میں معذور
ہیں۔

عقائد کی کتب میں ہے۔ المجتہد قد یخطئ ویصیب پھر حدیث میں آیا ہے
کہ مجتہد کو صواب پر دواجر اور خطا پر ایک اجر ملتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے انصاف
اور نیک نیتی سے لکھا ہے۔ اور اندما الاعمال بالنیات کے لحاظ سے وہ خطا پر

اسے اجتہاد کرنے والا کہی جاتا ہے۔ اور کبھی ٹھیک کرتا ہے۔

بھی باجور ہیں۔ یہیں لازم ہے کہ اُن بزرگوں کی نسبت اسات ظہن سے باز رہیں۔ اور تحقیق کر کے اُس غلطی پر جو سموا اُن سے ہو گئی ہے۔ حتی الامکان روشنی ڈالیں۔ یہ نہیں کہ جانب حق کو چھوڑ کر تعصب اختیار کریں۔ اور اپنی بات پالنے کے لئے بیہودہ اور لا طائل دلائل معروضِ بحث میں لائیں۔ اور تصنیعِ اوقات کے سوا فائدے کے سامنے بھی نام و اور شہرہ سار نہیں۔

ہمارے پاس ایسے ہی تعددِ نفسانیت کے بکھرے ہوئے دو قہین رسائل آئے ہیں۔ ہم نے ان رسائل کو جو باخترانہ پیرائے میں رکھے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیا۔ حق یہ ہے کہ دونوں حضرات نے انہیں اپنے اپنے دعوے پر بلا لحاظِ امرِ حق دلائل قائم کئے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے۔ اور اسے مانے بھی وہ نہیں۔ نا کہ اسلام کے دو معزز رکن اس قسم کی بیہودہ بحثوں میں اپنی عمر کا بہتر حصہ صرف کریں۔ جس سے کوئی عہدہ نتیجہ نہ پیدا ہو۔ اس مقام پر ہم محرمین و مجوزین کے تمام دلائل بالتفصیل بیان نہیں کریں گے کہ یہ مختصر مضمون اُس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ صرف چند اقوالِ نقل کریں گے۔ اور پھر قولِ مبطل کی طرف رجوع کریں گے ہم جو کچھ لکھیں گے ہر بلا لحاظ کسی جانب اری اور تائبید کے ہو گا۔ اس لحاظ سے اُمید ہے کہ ناظرین بھی بمصدق الحق بیلو و کلا یحیی اُس کے قبول کرنے اور اُس پر عمل درآمد کرنے میں پس پیش نہ کریں گے۔ غربی عیارات کے تراجم لکھے گئے ہیں۔ تاکہ طوالت نہ ہو۔

غنا لہو الحیث ہے

حرمین فرماتے ہیں کہ اولہ اربعہ سے غنا و مزامیر کی حرمت مطلقہ ثابت ہے۔ سوائے دفت کے کہ اعلانِ نکاح کے واسطے اُس کا بھانا جائز ہے۔ اور سوائے بل غازی و نقارہ سحر اور نوبت کے اگر ہلکے تنبیہ ہو نہ برائے تفاخر اُس کا بھانا بھی مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مِمَّنِ الشَّارِبِ مِمَّنْ يَكْتُمُ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْحَيٰثِ يَتَّبِعُ حُرْمِينَ فَرَمَاتے ہیں کہ اس آیت میں اشترقی ابو پر و عیب ہے۔ اور و عیب حرام بد ہی ہو اگر تہی ہے۔

اسی سچی بات غائب ہوتی ہے۔ مغلوب نہیں ہوتی۔ اسے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں۔ ۱۲۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وَاللّٰهُ طَهُوَ الْحَيِّ يَثِثُ غِنَاہِیْ ہے
 بیہقی اور حاکم نے اس کا اخراج کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح کی ہے اس کی تخریج ابن ابی شیبہ
 اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے بھی کی ہے۔ بلفظ طَهُوَ الْغِنَا وَاشْبَاهُہٗ ۔
 جو زین جواب دیتے ہیں کہ یہ عید اس شخص کے حق میں ہے۔ جو خدا کی راہ سے
 گمراہ کرنے کے واسطے یہ کام کرے۔ چنانچہ اسی آیت کا شان نزول اس بات کا شاہد
 ہے۔ مخرجین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو لہو لعب کہا ہے اَنْذَا الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
 لَعِبٌ وَطَهُوْ۔ پس اگر حرام ہوگا۔ تو جو کچھ بھی دنیا میں ہے۔ حرام ہے۔ اور اسی باب کے
 وہ حدیث جس میں مغنیات کی بیع و شرا و کسب اکل اثمان سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ
 ترمذی و ابن ماجہ وغیرہما نے ابی امامہؓ سے اور ابوطیب طبری نے حدیث عائشہؓ سے
 اور طبرانی نے حدیث عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
 ثَمَنُ الْقَنْبِیَةِ سَحْتٌ وَعِنَا قَمَاحٍ حَرَامٌ اور سوائے اس کے اور بھی اکثر احادیث
 ہیں۔ لیکن وہ احادیث کہ مزامیر و معازف کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں۔ نہایت کثیر
 ہیں۔ حتیٰ کہ ایک جماعت علماء مثل ابن جرم و ابن ابی الدنیا و ابن حمدان الاربلی اور ذہبی
 وغیرہم نے اُن کو جمع بھی کیا ہے ۔

ہم یہاں چند احادیث فتاویٰ مولانا عبدالحی سے نقل کرتے ہیں صحیح بخاری میں
 بطور تعلیق کے مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ
 ہونے والے ہیں۔ جو حریر اور شراب اور معازف کو حلال جائیں گے۔ اور سنن ابن ماجہ
 میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کے
 بعض لوگ شراب کو اُس کا نام بدل کر پئیں گے۔ اور اُن کے سرور پر معازف اور
 مغنیات سے بجا یا گویا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو زمین میں ہنسا دیگا۔ اور اُن کو دیند
 اور سُور بنا دیگا۔

جامع ترمذی میں مروی ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں
 خف و سَخ ہوگا۔ جس وقت گھسنے والیاں اور معازف ظاہر ہوں گے۔ اور مسند احمد میں
 ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے شراب و قمار پر
 لعنہ بیشک دنیا کی زندگی بل ہلاؤ اور کھیل ہے ۱۲ ۔

اور کہ بتہ کو حرام کر دیا ہے۔ اور سند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ
التحیہ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ اس اُمت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو جائے گی بصورت
بند و خنجر کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ لوگ (ع) واللہ نعمتہ
رسول اللہ کے قائل نہیں ہونگے۔ آپ نے فرمایا ہاں ہونگے اور روزِ حج و روزِ سب
ادا کریں گے۔ کہا گیا پھر کیا سبب۔ فرمایا کہ وہ معارف اور قنیسات سے مشغلہ رہیں گے
انتہی سوائے ان کے اور بھی احادیث اُن کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ مطلق سماع
کی حرمت میں بھی اکثر احادیث ہیں۔

گناہ چنانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے القناد
بذبت النفاق فی القلب کما یذبت الماء البقل دواۃ البیہقی فی
اللسان یعنی گناہ نفاق کو دل میں جھانکے جس طرح پانی گھاس کو جھانکے۔
نیز آپ نے فرمایا دواۃ اذیہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ مزارِ وقتِ نغمہ اور گریہ زاری
وقتِ مصیبت۔ نیز آپ نے فرمایا اللہ نفاق کی آواز کو مبعوض رکھتا ہے جس طرح غنا کو
مبعوض رکھتا ہے۔ ان ہی دلائل سے اکثر حنفیہ متعلق غنا کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اور نیز
دف کی کراہت کے قائل ہیں۔ لیکن بعض حنفیہ اعلانِ نکاح کے واسطے ایسے دف کے
بجائے کی اجازت دیتے ہیں۔ جس میں جھانچہ نہ ہو۔

مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ نفس غنا عموماً ممنوع نہیں۔ بلکہ
اُس میں حرمت یا کراہت بوجہ عوارضِ خارجیہ کے عارض ہوتی ہے۔ اور مزامیر
سب ممنوع ہیں بجز دف کے کہ اُس کی اجازت نکاح وغیرہ میں وارد ہو گئی ہے۔
محررینِ سماع کا یہ استدلال بالحدیث ہے۔ جو انہوں نے سماعِ غنا اور مزامیر و معاز
کے حرام مطلق ہونے میں بیان کیا ہے۔

تجوڑین سماع اس کے باب میں فرماتے ہیں کہ رضوی نے امتناع میں کہا
ہے کہ ایک جماعت نے غنا پر یہ و مالکیہ خالبہ و شافعیہ نے اس باب میں عینی احادیث
وارد ہوئی ہیں۔ سب کی تصنیف کی ہے۔ اور کہتے ہیں۔ ائمہ اربعہ نے اور دواۃ

ابوسفیان نے جو مجتہدین کے سردار اور اصحابِ ہر ہیں۔ ان سے استدلال نہیں کیا
اسی طرح دوسرے مجوزین کہتے ہیں کہ باب تحریم غنا اور آلات لہویہ میں کوئی شے صحیح
نہیں۔ محرمین اُن کی صحت و تصحیح پر زور دیتے ہیں۔ اور مجوزین کو قائل و معقول کرنے
کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر مجوزین اپنے دعوے جو از و اباحت سماع و مزامیر و معازف
کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔ اور قصہ عرُوسی ربیع بنت معوذہ اور قصہ غنا جابر بن قتین
فی یوم الفطر یا عید الفطر اور قصہ و قائلے نظر جاریہ وقت رجوع غزوہ کو پیش کرتے
ہیں۔

محرمینِ مذکورہ سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان آیات میں ہمیں
غنا مذکور ہے۔ اُس سے مراد غنا لغوی ہے۔ یعنی کسی شعر کو ذرا آواز بنا کر پڑھ دیتا
اور اُس میں گفتگو نہیں لیکن ہماری مراد باب تحریم میں اُس غنا سے ہے۔ جو خاص
تحریک صوت و نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو۔ اور یہ بالاتفاق حرام
ہے۔

دوسرے ان آیات میں تبہ بجانے کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ محل نزاع نہیں
کیونکہ ہم اس کو آلاتِ غنا سے مستغنی جانتے ہیں۔ بدلیل حدیث اعلتوا النکاح
ولویالدف و مراد الترمذی وغیرہ بالفاظ متعارفہ سوائے اس کے تمام
آلاتِ غنا طبلہ و طنب و غیرہ بہ خصوص صریحہ منوع ہیں۔
مجوزین یہ تخصیص دینا دریافت کرتے ہیں۔ محرمین کہتے ہیں کہ وجہ تخصیص
حدیث مذکورہ ہے۔ جس میں علانِ نکاح کے واسطے ضربِ دف کی اجازت دی ہے
اور دوسرے آلاتِ منابہ سے منع فرمایا ہے۔ مجوزین کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر
نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں غنا عود کے ساتھ سنا ہے۔ اور
کتب معتبرہ میں آپ کی نسبت تحریر ہے۔ کہ اسی بالغناء یا سا یہ زمانہ صحابہ
کا تھا۔ اور آپ بھی صحابی تھے کسی نے آپ کو اس فعل سے منع نہیں کیا۔ اور یہ
اجماعِ سکوئی کی دلیل ہے۔ جس سے غنا، بالعود کی اباحت ہوتی ہے۔

محرمین جواب دیتے ہیں کہ اول تو عبد اللہ بن جعفر کا فعل اس باب میں
ستد نہیں ہو سکتا۔ دوسرے ممکن ہے کہ عبد اللہ بن جعفر کو علمِ حرمت و نسخ کا نہ

تیسرے آپ غنا بقاء سے موسیقی نہ تھا۔ کیونکہ موسیقی کے قواعد آپ کے بعد منضبط ہوئے ہیں۔ بعض مجوزین نے یہاں تک ثبوت سماع میں ور دیا ہے کہ اس کو فعل نہیں کہہ دیا۔ اسی قسم کی کئی احادیث بھی بتا دی ہیں جس میں آپ غنا سننا اور اُسی سے وجد آنا۔ اور اس حالت میں چادر کا دوش مبارک سے سرک جانا۔ صحابہ کا اُس کو آپس میں تقسیم کر لینا بیان کیا گیا ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ۔

ایک روایت میں آیا ہے کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ اشعار گائے۔
 لَقَدْ لَسَعْتَ حَيْتَ الْهَوَىٰ كَيْدِي فَلَا طَبِيبَ لَهَا وَلَا دَاقَ
 إِلَّا الْحَبِيبَ الَّذِي شَغَفْتِي بِهِ فَعِنْدَكَ دَقِيقَتِي وَتَرْيَاقِي
 راوی کہتا ہے کہ ان اشعار کے سننے سے ایسا وجد ہوا کہ آپ کے دوش مبارک سے چادر گر گئی۔

محررین کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے خود حدیث سے اُس کا موضوع ہونا ثابت ہے۔ ابو بکر عمار بن اسحاق نے اس سے تنقید کی ہے۔ اور وہی اس کا واضح ہے۔ اور اس کی مثل دوسری حدیثیں بھی موضوع اور جھوٹی ہیں۔ جو وضعیں نے لوگوں کو جھٹلانے کے لئے بنا ڈالی ہیں۔ اور مضائقہ اس حدیث کے لئے ہیں۔ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَجِّلًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْصِدًا مِنْ النَّارِ یعنی جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا۔ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنوے۔ لے۔ رسول خدا۔ صحابہ و تابعین نے کبھی کسی قسم کا سماع ہیئت کذابہ نہیں کرایا اُن کا سماع یہ تھا کہ جب ایک مقام پر جمع ہوتے۔ تو کسی شخص سے قرأت قرآن کی درخواست کرتے۔ اور اُسی سے انہیں توحید و مدہوشی ہوتی۔ اور یہ وہ سماع ہے جس کے سننے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ إِذَا تَشَلَّىٰ عَلَيْهِمْ أَيْكَاتُ الرَّحْمَنِ خَشَدًا سَجْدًا وَكَلِيًّا۔ یعنی جب اُن کے روبرو آیات الہی

۱۔ بڑی باتیں ہیں۔ جو اُن کے مونہوں سے نکلتی ہیں ۱۲۰
 ۲۔ دنیوی خواہش کے سانچے میرے جگر کو ڈس لیا ہے نہ تو اُس کا کئی چہرہ مرے۔ اور نہ
 منتری (پھونک کے فدبہ زہر کو اتارنے والا) گروہ دوست جس کو میں چاہتا ہوں۔ اُسی کے
 پاس میرا منت رہے۔ اور میرا تریاق ہے ۱۲۱

پڑھی جاتی ہیں۔ تو بعد کرتے ہوئے اور مٹتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ پھر حسین
اس پر فقہ کے دلائل قائم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فقہ حنفی میں بالاتفاق سماع
معاذ امیر و معارف کی حرمت ثابت ہے۔ اور بعض دیگر مذاہب بھی اس کی تحریم
کی بابت جوع ہوئے ہیں۔ اور بزرگان دین نے بھی اس کی حرمت کی بابت زیادہ
زور دیا ہے۔ تاہم غائبہ میں ہے۔ اگر سماع غنا ہو تو حرام ہے۔ کیونکہ اتنی دستمعا
غنا حرام ہے۔

اور معسور میں ہے۔ استماع المرقہ والی و التخنی کلھا حرام
اور محیط میں ہے۔ التخنی و التمدیق بیھا و استماعھا کلھا حرام
یعنی گانا اور اس پر تالیاں بجانا۔ اور اس کا سننا یہ سب حرام ہے۔ اور ہر ایہ
میں ہے۔ مگر ولالت کرتا ہے کہ مگر ہی تمام حرام ہیں۔ حتیٰ کہ غنا کرنا ساقط ضرب
تہنیق کے۔ مگر مگر میں ہے۔ مگر ہی و مگر مگر و مگر و مگر و مگر و مگر
وغیرہ بالاتفاق حرام است۔ مگر طبل بازی یعنی تقارہ ہنگام جناب یا دف پر اسے
الذات نکاح انتی۔ اسی کے قریب قریب تمام کتب فقہ حنفی و شافعی میں منسطور
ہے۔

جو بیان کہتے ہیں کہ یہاں کبار کتب فقہ اور اقوال بزرگان دین میں معارف
معاذ امیر و معارف کی حرمت آئی ہے۔ وہ حرمت متبذہ ہوئے ہے۔ حرمت مطلقہ نہیں
ہے۔ اور اس بات کو ہم بھی مانتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سماع غنا و آلات یا
بلا آلات بطور لہو کے کر لیا وہ بالاتفاق حرام اور باعث عقوبت و عید آخرت ہے لیکن
جس سماع سے جو فیہ و ما فیہ رغبت رکھتے ہیں۔ وہ مباح ہے۔ اور اس کی سند میں
تمام فقہاء کے اقوال صاف و صریح موجود ہیں۔ اور بزرگان دین کو تو ہمیشہ اس کے
سننے سے۔ انس ہے۔ یہ سماع باعث تقرب الی اللہ اور زیادہ محبت الہی
و یاد حق ہے۔ چنانچہ غرض حق محبت الہی ہے۔ لہذا حرام نہیں ہو سکتا۔ سماع
میں ان دونوں فریق کے یہ اقوال و دلائل ہیں۔ جن کو ہم نے بخوف طوالت ہذا
اختصار کے ساقط کر دیا ہے۔ اس عبارت کو خور کے ساتھ پڑھنے سے یہ بات
ظاہر ہوتی ہے کہ بعض بعض جگہ دونوں فریق نے ٹھیک کہا ہے۔ تحریر میں کما فی

کہ نفسِ غناہی حرام ہے۔ اور اگر معہ آلاست ہو۔ تو با اتفاق حرام مطلق ہے۔ کسی قدر تحقیق سے گرا ہوا ہے۔ اور یہ کہ عبد اللہ بن جعفر نے بقاعدہ موسیقی نہیں سنا۔ نیز انصاف کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ عبد الحق بخاری دہلوی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ہجری میں لحن و می و فارسی عرب میں آیا تھا۔ اور حضرت عبد اللہ بن جعفر کی وفات بقول اصح سنہ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ پس ممکن ہے کہ آپ نے بقاعدہ موسیقی سنا ہو۔ تاہم مجوزین کا اس فعل کو سند میں لانا۔ اور اجمال سکھائی فرمانا بہتر نہیں۔

مجوزین کی بڑی غاصی جو ناقابل معافی ہے۔ یہ ہے کہ سماع کو فعل نہیں بیان کرتے ہیں۔ اور تمام معارف و مزامیر محرمہ کے ساتھ اس میں شریک ہونا مباح سمجھتے ہیں۔ ہم اس وقت محرمین کے قول سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ بقول مجوزین سماع مباح ہے۔ مگر اس شخص کے واسطے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور اگر اسی مجلس میں کوئی نا اہل بھی شریک ہوا۔ اور اہل نے اس کو شرکت سے منع نہیں کیا۔ تو ضرور اس کا دیاں اہل پر پڑے گا۔ کیونکہ یہ اس کی گمراہی کا باعث ہوا ہے۔ اگر یہ پڑتا۔ اور اس کو شرکت سے باز رکھتا۔ تو کیوں وہ گمراہی میں پڑتا۔

اب ہمارے زمانہ کے مجالس سماع کو ملاحظہ فرمائیے کہ بزرگوں کی قبروں پر اور سراہ اور تکیوں میں ایسی مجالس کرائے ہیں۔ جہاں عوام و خواص جہلا تمام شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر صوفیہ نفس کے پیشے امیروں کو اپنی مجالس میں بلاتے ہیں اور ان کے ساتھ بخاطر مدارات پیش آتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہم یقیناً کہتے ہیں کہ ایسا سماع اور بارے سے حرام اور قطعی حرام ہے۔ کیونکہ اس میں لہو شریک ہو گیا۔ اور جب تک یہ لہو ہمارے صوفیہ سے جدا نہیں ہوگا۔ سماع کی حرمت بھی جدا نہیں ہوگی۔ اب ہم مختصراً سماع غنا کے اہل کی پہچان اور مجالس سماع کے شرائط بیان کرتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

| | |
|-----------------------------|-------------------------|
| گوئیہ سماع لے برادر کی چہیت | مژستہ را بدنام کہ کیست |
| اگر الٰہی معنی بود طیر او | فرشتہ فردا انداز سیر او |
| وگر مرد لہو است یا زنی لہو | قوی تر شود لہویش انداز |

ان اشعار میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے اہل و نا اہل کی تصریح فرمائی ہے۔ یعنی ایسے شخص میں سماع کی حقیقت تیرے رُوبرو بیان کروں کہ کیا ہے۔ مگر پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مستمع کون ہے۔ سنو وہ شخص سماع کی اہلیت رکھتا ہے کہ اگر مرغ روح اُس کا بُرج حقیقت میں جائز میں ہے۔ تو وقت سماع سماع کے ایسی پرواز کرے کہ فرشتہ بھی اُس کی سیر سے عاجز و حیران رہ جائے۔ اور نا اہل وہ ہے جو سماع کو براہ لہو و ظرافت و بازی سُنتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ سماع سے اُس کے لہو اور آسکی شہوت کو آہد ترقی و قوت ہوتی ہے۔ دل کی حالت کو علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے۔ مگر صوفیہ زمانہ حال کے قرائن سے لباس سے طریقوں سے اُن کے مصنوعی وجد و حال سے عام مجالس میں سماع کرانے سے آلاتِ ہر مہ کے ساتھ عتنا سُنتے سے بازاری قوالوں۔ امردوں اور گلنے والی عورتوں کی مجلس سے دُجیسی ظاہر کرنے سے اُن کو موافق عرس و قاسم بزرگان میں بلانے اور اُن کو شیرینی اور مٹھائی کی ڈگریاں تقسیم کرنے سے اُن کو دعائیں دینا اور مائی کے خطاب سے یاد کرنے سے اُن کے گانے پرواہ وادہ کرنے ناچنے اور بازاری قوالوں۔ ہجڑوں کے پاؤں پر گرنے سے آپس میں لڑ لڑ کر گرنے اور صدر مجلس کے پاؤں۔ ہاتھ چومنے وغیرہ وغیرہ ناشائستہ حرکات کے کرنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلق سماع کے اہل نہیں۔ اور انہیں ہرگز سماعِ مباح نہیں ہے بلکہ حرام مطلق۔ اور مخبر بہ کفر ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو شافعی مذہب ہیں۔ اُمید جہنوں نے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ کتب معتبرہ میں سماع کی اباحت پر سیکڑوں دلائل قائم کئے ہیں۔ وہ بھی ان کتابوں میں کئی مقامات پر ایسے سماع کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اور کون عقلمند ہوگا۔ جو ایسے مواقع میں سماع کا سُنا مباح کہیں جہاں نامحرم عورتوں، نا اہل مردوں۔ اور امردوں کے حسنِ صورت کے باعث فتنے اُٹھتے۔ اور نفسانی خواہشات کے بڑھنے۔ اور کثرتِ اشتغال سماع کے سبب اوراد و وظائف کے ترک ہو جانے کا اندیشہ و خوف ہو۔ اب سماع کے شرائطِ محافظہ فرمائیے۔ جو بزرگانِ دین نے بیان کئے ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ ان میں

سوا کو ایک شرط بھی کم ہو۔ تو سماع حرام ہے ۔

فوائد الفوائد میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرمودند کہ چند شرائط موجود شود۔ سماع آنگاہ شنود و آن چیز مسموع است و مسموع و مستمع و آواز مسموع است۔ و فرمودند مسموع گویندہ است باید کہ مرد و تمام باشد کو دیک و عورت نہ باشد۔ آواز مسموع آنچہ می گویند۔ باند کہ فحش نہزل نباشد۔ آواز مسموع آنکہ می شنود باید کہ سخی شنود و معلوم باشد از یاد حق۔ آواز آسمان و آن مزامیر است چون چنگ و رباب و مثل آن باید کہ در میان نباشد این چنین سماع حلال باشد انتہی ۔

سوائے ان کے زمانہ مکان و اخوان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ زمانہ یعنی ایسا وقت جس میں کوئی طبعی یا شرعی حاجت نہ ہو۔ مکان یعنی ایسا مقام جہاں عام آمد و رفت نہ ہو۔ اور نہ کوئی ہنگامہ قلب مشغول کر لینے والا ہو۔ اخوان یعنی شرکاء مجلس میں سے کوئی نا جنس نہ ہو۔ و تیار دار نہ ہو۔ ریاکار نہ ہو۔ بلکہ سب کے سب طریقت سے واقف مجاہدہ میں کامل۔ علم ظاہری و باطنی سے مہر و صلاحات و صوفیہ سے باخبر۔ ظاہر و باطن کو مطابق کرنے پر قادر ہوں ۔

علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں ثَلَاثٌ فِي الْعِبَارَاتِ الْمِيْمَةِ الْفَارِضِيَّةِ فِي تَصْيُدَةِ الْخَمْرِيَّةِ وَ كَذَلِكَ فِي الْأَشْعَارِ الْخَافِظِيَّةِ وَ الْقَاسِمِيَّةِ وَ امثالهم کلمات کفریہ لمن حملها علی المعانی الظاہریۃ کاہل الحاد و اکلا یا حیۃ یعنی میں کہتا ہوں۔ ابن قاری کے تصدیق میمیہ خمریہ میں۔ اور اسی طرح اشعار خافظیہ و قاسمیہ میں اُس شخص کے لئے کلمات کفریہ ہیں۔ جو ان اشعار کو مثل محمد بن اہل اباحت کے ظاہری معنی پر تمول کرے۔ یہیں معلوم ہے کہ اکثر صوفیہ زمانہ اصطلاحات صوفیہ اور تمول کلام اور رموز خافظیہ سے محض نا بدین۔ فلنصر ما لمن حملها علی المعانی الظاہریۃ۔ تمول محمد بن علی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا۔ میں مزامیر و معارف کے مٹانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ اور یہ اُس کی ترویج کے لئے مخلوق ہوئے ہیں فلنصر عذاب الیوم بما کانوا یخلفون۔ غرض شرائط جواز سماع بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مستمع اصحاب طریقت اور اہل علم ظاہر و باطن سے ہو ۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مؤثر رسالہ ابطال دعوی الاجماع علی
 تحریم مطلق السماع میں فرماتے ہیں کہ اختلاف اقوال و دلائل کے بیان کرنے کے بعد ہم
 کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ سماع امور مشتبہ سے ہے اور مومن شبہات میں
 توقف کیا کرتے ہیں۔ جیسا حدیث صحیح میں آیا ہے جس نے شبہات کو ترک کیا۔
 اُس نے اپنی آبرو اور دین کو بری رکھا۔ اور جو شخص شہر کے ارگ و گھوما۔ وہ اُس
 میں داخل ہو گیا۔ بالخصوص وہ سماع جس میں قد و قامت خط و خال، ناز و کرشمہ
 ہجر و وصال، بوس و کنار، تہنک و کشف اور شراب نوشی، بے حیائی۔ بے وقوفی
 کا ذکر ہو۔ کیونکہ مجالس سماع میں ان واپسیت کا سُنانے والا بلا و محنت سے ہرگز
 نجات نہیں پاسکتا۔ اگرچہ وہ محنت اٹھا کر ذات الہی میں الہی حد تک پہنچ جائے
 جو وصف سے قاصر ہو۔ اور اکثر اس سیلہ سے عشق و محبت و تحیر میں گرفتار رہیں
 اور خصوصاً جب کہ مفتی حسن صوت و حسن صورت رکھتا ہو جیسا کہ حسین عورت باغلام
 جمیل۔ اور عرب میں اس طرح کا غنا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہاں کا غنا اس قسم کا ہے
 کہ اشعار کے ساتھ ذکر عرب اور وصف نیزہ زنی۔ اور وصف شجاعت و کرم اور
 تشبیہ اور ذکر دیار اور طرح طرح کے فنون کا وصف ہوتا ہے۔ پس وہ شخص جو اپنے
 دین کا متحفظ اور ہمدام میں اغرب ہو۔ اُس کو چاہئے کہ پرہیز کرے کیونکہ شیطان
 کے پاس بہت سے جال ہیں۔ پس جو شخص جس کے لائق ہوتا ہے۔ ویسا ہی حال
 اُس کے واسطے لگتا ہے۔ اور جس وصف کا غنا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ وہ نہایت
 خبیث قریب ہے۔ خاص اُس شخص کے واسطے جو بڑے زمانہ میں ہو۔ کیونکہ اس کا نفس
 لذات ذبیوی کی طرف یا طبع زیادہ مائل ہوتا ہے۔ الی آخرہ انتہی پس میں کہتا
 ہوں کہ فی زمانہ ہذا سماع و غنا بالاتفاق حرام ہے۔ بہت وجوہ

اول یہ کہ ہمارے زمانہ کے حریف ایسے مقامات میں جہاں مجالس سماع کرانے
 اور گانا سُنانے سے نہیں چوکتے۔ جہاں عام لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور اُس میں
 آوارہ قوال فحش و ہزلیات گاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ سماع بکثرت سُنتے اور اس
 فرائض و اوراد و وظائف پر ترجیح دیتے ہیں۔ تیسرے میاں اور عروسوں کے قطع نظر
 اپنے دولت خانہ فیمن کا شانہ پر بھی اجانب عورتوں کو مدعو کرتے۔ اور سماع سُنتے

ہیں ڈھولک اور دف کے سوائے دیگر معازف و مزامیر محرمہ بھی ہمراہ رہتے ہیں۔ جن کی حرمت منصوص ہے۔ چونکہ اکثر صوفیہ جماعت جب علمی کے باعث عارفانہ کلام اور صوفیانہ اشعار کی تاویلات و رموزات کے فہم و افہام سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ اور اسی سبب مگر اسی کے انتہا درجہ کے عمیق گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام حاجی امداد اللہ رحمہ فرماتے ہیں کہ سماع اختلافی مسئلہ ہے۔ سماع محض میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائط جو اجتماع اور عوارض مانع مرفوع ہوں تو جائز ہے۔ ورنہ ناجائز۔

حضرت بحر العلوم شرح مشنوی مولوی روم میں فرماتے ہیں۔ ”لیکن ربوہ سماع موجب فتاویٰ اللہ و بقا باللہ کلام است“ چنانچہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ تصریح فرمودند کہ سماع مفید رفع درجہ نہیں تو اندیشہ۔ اگرچہ مباح است و شوق می انگیزد۔ انتہی۔ جب رفع درجہ کے لئے جو عرض غایت ہے مفید نہ ہو۔ تو اس کی اباحت اور حجاز کے لئے دلائل ڈھونڈنا۔ اور واقعات پیش کرنا بیکار ہے۔ ایک بات یہ بھی قابل بیان ہے کہ اکثر اوقات صوفیہ زیادہ تر رنڈیوں اور آوارہ قوالوں سے شورہ قرآن کو تال سر پر لانے اور لغت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشعار پڑھنے کو قرائش کرتے ہیں۔ سو اس کی نسبت لا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ وَفِي الْخَلَاءِ صِنْتَهُ مِنْ قِرَاءِ الْقُرْآنِ عَلَى حَرْبِ الدِّقِّ وَالْقَضِيبِ مَتَّ ذَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى وَبَغْتِ الْمَصِطَفَى وَكَذَلِكَ التَّصْفِيقِ عَلَى الذِّكْرِ انْتَى۔ یعنی خلاصہ میں ہے کہ جس شخص نے قرآن شریف کو ضرب و قَضِيب پر پڑھا۔ اُس نے کفر کیا۔ میں کہتا ہوں! اور کفر کے قریب کرتا ہے! اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ! اور حضور پر نور کی لغت کے ساتھ! و قَضِيب کا بجانا۔ اور اسی طرح ذکر پر تالیاں بجانا۔ ہذا ما ذکر العلماء اکابرہم وَالصُّوفِيَّةُ الْكِبَرُ وَاللَّهُ اعْلَمُ وَعِلْمُهُ رَاسِمٌ وَاحْكُمُ۔

مرزائی اعتقادات کی تردید

متعلقہ صفحہ

مرزا لئی۔ قادیانی۔ اور احمدی۔ ان تینوں ناموں یا ان میں سے کسی ایک نام کے ساتھ وہ فرقہ پکارا جاتا ہے۔ جو مرزا غلام احمد ساکن قصبہ قادیان خلع گورداسپور علاقہ پنجاب کے عقائد باطلہ کا پیرو ہے۔ اس فرقہ کا گرو یعنی مرزا غلام احمد مذکور اسی کو۔ سال ہوئے۔ وفات پا چکا ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود مہاری آخر الزمان ہوں۔ اس نے اپنے زمانہ حیات میں قسم قسم کے دعاوی فاسدہ شائع کیے جو باہم تضاد اور جمع بین التناقض کی طرح محال اور سراپا لغو تھے۔ پہلے اُس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر کہا کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ اور میں نبوت کے خلعت سے سرفراز کیا گیا ہوں۔ پھر اُس سے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ میں ہی وہ موعود و مہدی ہوں۔ جس کی آمد کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ اور قرآن پاک میں وہ بشارت بدیں الفاظ موجود ہے۔ **وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ الْبُحُورَاتِ وَمُبَشِّرًا بِسُوءٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ أَسْمَعِيلَ**۔ یعنی اور جب عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں۔ تو ریت کی تصدیق کرتا اور ایک سو اکیس بشارت دیتا ہوں۔ جو میرے بعد آئیں گے۔ اور اُس کا نام احمد ہے۔

مرزا بیوں کا پیشوا کہتا ہے کہ وہ احمد مہشریں ہی ہوں پھر اُس نے کہا
جھوٹ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ **هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ فِي قَادِيَانِ** یعنی خدا نے
اپنا رسول قادیان میں بھیجا۔ اور یہ آیت **اِنَّا نَزَّلْنَاهُ بِالْقَادِيَانِ** وبالحق
نزل یعنی ہم نے قادیان میں ایک رسول اتارا۔ اور حق پر اتارا۔ پھر کہا قرآن کریم
کی یہ آیت میری ہی شان میں نازل ہوئی ہے۔ **هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ**
بِالْحَقِّ وَدِينِ الْحَقِّ يَبْطِغُ فِي عَيْنِنَا لَمَّا كُنَّا فِي قَدِ
راستہ ہے جس نے اپنے رسول کو آیت **اِنَّا نَزَّلْنَاهُ بِالْقَادِيَانِ** کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس کو

تمام ادیان پر غالب کرے۔ پھر اُس نے نبوت کا دعویٰ کر کے اور سچ موعود بن کر اکثر انبیاء پر اپنی فضیلت ظاہر کی۔ اور کہا میں ہی کلمۃ اللہ روح اللہ اور عیسیٰ مہدی ہوں بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر۔ چنانچہ اُس کا خود قول ہے ۵

ابن مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو

اُس سے بہتر سلام احمد ہے

اور جب اُس سے کہا گیا کہ تو مثل عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ چہ حال ہو تو میں میں وہ آیاتِ بامیرہ اور معجزاتِ ظاہرہ موجود نہیں۔ جو قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت مذکور ہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے۔ اور مٹی کا پرندہ مینا کر اُس میں روح پھونکتے۔ اور وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ اور وہ بیماروں کو شفا دیتا۔ اور جزامیوں کو چنگا کرتے ؟

اُس نے جواب میں کہا کہ عیسیٰؑ یہ تمام کام مسمریزم کے ذریعہ کرتے تھے اور میں ایسی باتوں کو مکروہ جانتا ہوں۔ ورنہ میں بھی کر دکھاتا۔ اُس نے بہت سی پیشین گوئیاں کیں۔ اور جب وہ انہیں چھوٹا ثابت ہوا تو کہنے لگا۔ مجھ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی پیشین گوئیاں چھوٹی ثابت ہو چکی ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کو اُس نے چھوٹا کہا۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس پیشین گوئی کو جو واقعہ حدیبیہ کے متعلق تھی۔ اُس نے چھوٹی پیشین گوئیوں میں گٹا دیا

۱۔ دیکھو ازالہ الادام ص ۳۲۲ جہاں لکھا ہے۔ غرض یا اعتقاد غلط اور فاسد اور شرک کا نہ خیال ہے پھر لکھا۔ بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا۔ اور وہ مٹی و حقیقت ایک مٹی کی مٹی تھی۔ اور ازالہ الادام صفحہ ۹۰ میں کہتے ہیں۔ برعکس کی یہ ترقی کار نمایاں (مسمریزم) زمانہ کے مناسب طبع بلور قلم صحت کے قفس۔ مگر یاد رکھنا کہ یہ لایا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اُس کو خیال کیسے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو کردہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجیبہ نمائشوں میں حضرت ابن مریمؑ سے کم نہ رہتا۔ الخ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جن معجزوں کو بطور فخر بیان فرماتا ہے۔ اور وہ درحقیقت معجزات ہیں۔ مرزا غلام احمد ان کو کھیل اور قابل نفرت اور کردہ کہتا ہے۔ دیکھو ازالہ الادام صفحہ ۳۲۲ جہاں دیکھو صفحہ ۳۲۲

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَذٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ اُس نے حضرت عیسیٰ کی نبوت میں غیب نکالا۔ اور کہا کہ اُن کا نبی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت نہیں ہوتا صرف قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر کہا: قرآن سے بھی یہ تکلف اور مشکل ثابت ہوتا ہے۔ اُس نے حضرت مریم علیہا السلام میں غیب نکالا۔ اور کہا بے شوہر کے اُس نے کس طرح عیسائی کو جنا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ بھی کہا کہ میرا مرتبہ اکثر انبیاء سے افضل ہے۔ اور میرے تابعین کا مرتبہ اکثر صحابہؓ سے فاضل ہے۔ اُس نے اپنے اپنے ملاعین کے قتل کو حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کی شہادت سے زیادہ قابلِ تدار اور افسوس ناک واقعہ بتایا۔ اور حضرت امام حسینؑ کے صبر و استقلال سے اُس نے اپنے مقتولین کے صبر و استقلال کو زیادہ مرتبہ دیا۔

پھر اس نے لامحدی الا عیسیٰ ابن مریم کی حدیث کے غلط معنی کر کے یہ

حدیث اہل ائمہ کی بابت معالم التنزیل اور کتب احادیث میں صرف اتنا لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام الحدیث میں ایک خواب دیکھا۔ کہ میں اور میرے اصحاب مکہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ پس ان خواب کی بنا پر آپؐ کے مکہ کی طرف وقت مقررہ کے پہلے جانے میں جلدی کی۔ مشرکوں نے آپؐ کو روک دیا اور آپؐ مکہ کی طرف نہ جاسکے۔ اور مدینہ کی طرف پلٹ آئے۔ صرف اتنی بات متعین ملا یحیٰ بن یزید کے لئے آگاہ اور آزمائش ہو گئی۔ اور وہ آپؐ کے روایتِ صادقہ کی تکذیب کرنے لگے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد نے منافقین کی تقلید کرتے ہوئے اس پیشین گوئی کو جھوٹا کہا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی دیا اور کوئی پیشین گوئی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی۔ اور نہ یہ پیشین گوئی جھوٹی تھی چنانچہ جب آئندہ سال حذرِ ربیبہؑ ہذا مکہ کی طرف گئے۔ تو چونکہ روایا کے ظہور کا وقت آگیا تھا۔ لہذا آپؐ خانقاہِ مکہ میں داخل ہوئے۔ اور خانقاہ کے اپنے پیغمبر کی روایا کے پیچھے ہوئے کو اس آیت میں بیان فرمایا: لَقَدْ جَاءَكَ اَدْنٰی اَدْنٰی رَسُوْلُكَ قُلْ اِلٰہُ الْاٰلِہِ اِنَّمَا ہُوَ اَحَدٌ۔ اس آیت میں کہیں نہ ہیں کہ میں نے آنحضرت کی اس پیشین گوئی کو اور نیز کسی دوسری پیشین گوئی کو جھوٹا کہا۔ تحقیق اُس نے نہ تھا اور رسولؐ کی تکذیب کی۔ پھر خدا اور رسولؐ کا مذہب بیشک کہ غریب ہے ۱۱ منہ ملک اس حدیث کے اس معنی کتاب عقیدہ شیعہ ۱۲۲ میں مذکور ہے۔ ممدی کا لفظ اہل اطلاق حضرت عیسیٰ ہیں۔ اور ان کا مرتبہ بسبب ہی مرس ہونے کے اہم محض ہے۔ یہ رہتا زیادہ ہے۔ یہ آپؐ نے اس واسطے فرمایا تاکہ کوئی حضرت عیسیٰ کی بابت ایسی بات نہ کہے جس سے اُن کے مراتب عالیہ کی تقییس اور محلی کی ان پر ترجیح و تفصیل ہو۔ کیونکہ جب آخر زمانہ میں امام مہدیؑ کا ظہور اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا۔ ان جماعتِ مسلمین کی امامت کے باب میں یہ دونوں بزرگوار متدافع کریں گے۔ ممدی کہیں گے کہ عیسیٰؑ امامت کریں اور عیسیٰؑ ممدی کو امامت کی ذمہ داری دیں گے۔ آخر امام مہدیؑ امام ہونگے۔ بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۵

۱۱ منہ ملک اس حدیث کے اس معنی کتاب عقیدہ شیعہ ۱۲۲ میں مذکور ہے۔

۱۲۲ میں مذکور ہے۔ ممدی کا لفظ اہل اطلاق حضرت عیسیٰ ہیں۔

بڑاری کہ مہڈی اور عیسے دونوں حقیقت میں ایک ہی شخص ہے۔ جو مختلف ناموں سے
پکارا گیا ہے۔ اور کہا کہ میں ہی مہڈی اور عیسے ہوں۔ پھر خود ہی کرشن ماراج ہونے
کا بھننے لگا۔ اور خلوت حسیناں کے مرے اڑاتا رہا۔ جب چاروں طرف سے
لعن طعن ہونے لگی۔ تو اُس کی پرواہ نہ کرتا ہوا اُس نے کہا کہ مجھے لوگوں کی تکذیب
کی پرواہ نہیں۔ ہمیشہ سے انبیاء کی تکذیب ہوتی آئی ہے۔ اُس نے مجدد امام اور
مبشر ہونے کا بھی دعوے کیا ہے۔ غرض کہاں تک اُس فرخرفات کو نقل کر کے قارئین
کے دماغ کو پریشان کیا جائے۔ اُس کے دعوای میں ایسا تناقض ہے کہ ایک کم علم

(بقایا حاشیہ صفحہ ۴۰۴) یہ اور حضرت عیسے علیہ السلام اُن کی اقتدار کرینگے۔ اُس سے عوام کے
خیال میں حضرت عیسیٰ کا حضرت مہڈی سے مفصول ہونا ثابت تھا۔ لہذا نبی کریم نے فرمایا کہ مہڈی
ضمیمات میں عیسے کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے! اور وہ نبی مرسل ہیں! درحقیقت میں مہڈی دہریت کر نیوالے،
کا اعلیٰ الاطلاق عیسے ہی ہیں۔ یہ اُس صورت میں ہے جب حدیث صحیح اور مدست ہو۔ مگر اکثر محدثین کے نزدیک
یہ حدیث معلول اور ضعیف ہے۔ پس مرزا صاحب اس حدیث سے مہڈی اور مسیح کے ایک ہونیکو ثابت کرنا غلط
ہے۔ دوسری حدیث جب مرزا غلام احمد مہڈی اور مسیح کے ایک ہونے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی کو بخاری
کا مذہب بتاتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے۔ ان اباءہم برکۃ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کیف انزل فیکم امین مر یجوز انما مکرمہ مذکر یعنی اُس
وقت تم کیسے خوش ہو گے۔ جب ابن مریم تم میں نازل ہوئے۔ اور اہل یہ کہ تمام امام تمہیں میں سے ہونگے
(یعنی حضرت مسیح) یہ حدیث کتب حدیث میں انہیں الفاظ سے مرئی ہے۔ مگر مرزا صاحب نے اس حدیث میں
لفظی ترکیب کی ہے۔ اور لکھا ہے بل هو اما مکرمہ مذکر اس تحریف فاحش سے ان کی
اہل غرض یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب ثابت ہو جائے کہ ابن مریم ۲ اور مہڈی حقیقت میں ایک ہی شخص
ہے۔ جس کا خود مرزا دعویٰ کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ان کے پیروں نے جن میں بعض ذی علم بھی ہیں۔ اس
تحریف کو نہ دیکھا۔ اور مرزا کی کوراء تقلید کرنے لگے۔ سو اس کے کتب حدیث میں یہ صراحت موجود ہے
کہ عیسے علیہ السلام نبی مرسل ہیں۔ جو قریب قیامت کے آسمان سے نازل کریں گے۔ اور مہڈی البیت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اولاد حسن رضی اللہ عنہ سے فاطمی نسل سے ہیں۔ جن کا نام آنحضرت
کے نام کی طرح اور جن کے باپ کا نام آنحضرت کے باپ کے نام کی طرح ہو گا۔ پھر مسیح و مہڈی ایک
کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب صرف یہی ہے کہ آخر وقت میں حضرت عیسے بطور تابع شریعت
اسلامیہ کے نازل کریں گے۔ اور اُس وقت حضرت مہڈی ہی امامت کریں گے! اور حضرت عیسے اُن کی اقتداء
فرمائیں گے۔ کذا ص ۱۰۰ فی کتاب الحدیث وغیرہ ۱۲

بچہ بھی اُس کے کذب بطلان اور محال و ناممکن ہونے کی گواہی دے سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اکثر پڑھے لکھے لوگ فریب میں آ گئے۔ اور اُس کی طرح دینی و دنیوی خسران کا سامان جمع کیا۔ سچ ہے وَمَنْ يَضِلْ لَدُنْهُ فَلَا رَافِعَ لَهُ اُس نے اُن مسلمانوں کو جو اُس کی جھوٹی نبوت کے منکر ہوئے کافر کہا۔ اور اُن کی مسجدوں میں نماز پڑھتے۔ اور اُن کی اقتدار کرنے سے اپنے پیروں کو منع کیا۔ وہ بہ ظاہر یہ بھی کہتا رہا کہ میں مسلمان ہوں اور عام مسلمانوں کی طرح آنحضرتؐ کو اپنا امام و پیشوا مانتا ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمانوں کو سید باغ دکھا کر گمراہ اور بے دین بناتا تھا۔ چنانچہ جب کوئی سیدھا سادھا مسلمان اُس کے فرقہ میں داخل ہوتا۔ اور وہ سمجھ لیتا کہ اب یہ پورے طور پر میرا مطیع ہو گیا ہے۔ تو وہ اُس کے سامنے اپنے عقائد باطلہ کی کتاب پیش کرتا۔ جس کی رو سے اُسے جزا مذکور کو نبی اور مسیح موعود وغیرہ وغیرہ مانتا پڑتا۔ وہ اپنے پیروں سے یہ بھی منوا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر نہیں اٹھائے گئے ہیں۔ بلکہ قتل و مصلوب ہوئے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کی طرح دفن کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اُس کی تردید علیحدہ کی ہے دیکھو صفحہ کتاب ہذا۔

اُس کے مرنے کے بعد نور الدین مامی ایک شخص اُس کا جانشین ہوا جس کو وہ اپنی زندگی میں بھی بڑا عزیز اور موقر رکھتا تھا۔ اور جس سے اُس کو اپنے مشن کے کامیاب بنانے میں بڑی مدد ملی تھی۔ اُس نے مرزا اثیوں کے مشن کو اپنی زندگی میں خوب نبھایا۔ مگر اُس میں مرزا اثیوں کا سادہ منہ نہ تھا۔ اور نہ وہ مرزا کی طرح رُہا کو اور بد زبان تھا۔ کہ خواہ مخواہ متقابل کرتا۔ اور غیب جڑا جاتا۔ تو مہذب شدوں کی سچی لیاں بولنے لگتا۔ اُس نے نہ مرزا کی مانند کسی کو بد عادی۔ اور نہ کوس کوس کر اپنے دل کا سُخار نکالا۔ وہ گریہ مسکین کی عروج خاموشی سے اپنا شکرا آنکھیں بند کئے ہوئے تار تار رہتا۔ اور جب کوئی قسمت کا مارا اُس کی زد میں آ جاتا تو جھٹ چلا نکار کر اُس کو دبوچ لیتا۔ مگر اُس کی گرفت سست تھی۔ اکثر دبوچے ہوئے

۱۔ دیکھو صفحہ ۱۲۸ بعین نمبر ۳ میں لکھا ہے۔ یاد رکھو۔ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی کفری اور کذاب اور متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔

شکار اُس کے پنجے سے نکل جاتے۔ امد وہ پنجے چھاؤ تارہ جاتا۔ غرض حیات یا موت
کسی طرح بھی اُس نے اس کے مشن کو چھلایا۔ اور چند سال کے بعد اپنے پیش رو کے
پاس چلتا ہوتا ہے۔

نور الدین مذکور کی وفات کے بعد مرزا بیوں کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک
فرقہ اس بات کا قائل ہوا کہ مرزا غلام احمد میں حقیقی یا پروری یا ظلی کوئی نبوت نہ تھی
اور عیسیٰ مسیح تھا۔ ہاں وہ ایک مبشر اور مجدد کی شان میں ظاہر ہوا تھا۔ اور اسی مجدد
کی جانب لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارا یہ قول مرزا کی نبی
سے ثابت ہے۔ اور خود مرزا اس حدیث کو کہ یبقی من الذبقت الا المبشرات
پیش کر کے کہا کرتا تھا۔ کہ نبوت کسی قسم کی بھی ہو۔ آنحضرتؐ کے آنے سے ختم ہو گئی
ہاں مبشرات باقی ہیں۔ پس وہ مبشر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اور رائے حاضرہ کا
مجدد ہونے کا بھی۔ یہ فرقہ عام مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتا۔ اور اُس کے پیچھا
لوگ ہر ایک مسلمان کے پیچھا پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ مرزا مذکور حقیقی نبی تھا۔ اور وہی مسیح موعود اور
معدی منتظر اور کرشن ہمارا ج تھا۔ وہ اپنے منکروں کو کافر سمجھتا تھا۔ اور
کسی غیر مرزائی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ اور نہ پڑھنے دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ
خاتم النبیین میں الف لام متغراتی نہیں ہے۔ وہ آنحضرتؐ کے بعد انبیاء کے آنے کا
قائل تھا۔ اور خود کو دیا ہی نہیں سمجھتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کے پہلے دوسرے
انبیاء ہو گئے ہیں۔

یہ فرقہ کہتا ہے کہ مرزا مذکور نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو عام
مسلمانوں نے اُس کی تکفیر کی۔ اور ہاتھ دھو کر اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئے
پس مرزا نبی تھا۔ اور اُس کی کتابوں سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

یہ ہیں مرزا مذکور کے حالات اور اُس کے مذہب کے نشوونما کے
واقعات۔ ہم نے اُن کو اور اس گروہ کی تعریف و تقسیم کو مختصر الفاظ میں ناظرین
کی آغوش طبع کی خاطر درج کر دیا ہے۔ اور اُس کی تردید کی جانب التفات نہیں کی۔
وہ وجہ ہے کہ ایک سے زیادہ اُس کی وفاداری اور عقائد سے اُس کا لغو اور بیہودہ

ہوتا ظاہر ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ علمائے عرش عجم اور فضلاء ہند اس کے خیالات و اہمیت اور دعاوی یا طالع کی تردید میں سینکڑوں رسائل و کتب تصنیف و تالیف فرما چکے ہیں۔ اور اس کو اور اس کے فرقے کو بے طرح لا جواب عاجز کر چکے ہیں۔ اب ہمیں ضرورت کیا ہے کہ اس کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اتنا بتا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ مرزا کے تمام تردعوئی بیہودہ اور ناقابل قبول ہیں۔ مہدی وہ اس لئے نہیں ہو سکتے کہ حدیث میں حضرت مہدی کا حضرت امام حسنؑ کی اولاد سے ہونا وارد ہے۔ اور مرزا صاحب قوم کے مغل ہیں۔ سید نہیں۔ دوسرے مہدی کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے **یَوَاحِی اِسْمُہِ** اسمی یعنی مہدی کا نام میرے نام پر ہوگا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو میرا نام ہے۔ وہی مہدی کا نام ہوگا۔ اور جو میرے باپ کا نام ہے یعنی عبد اللہ وہی مہدی کے باپ کا نام ہوگا۔ اور ایک حدیث ہے۔ دنیا کی مدت تمام نہ ہوگی جب تک میرے اہلبیت سے ایک شخص ظاہر ہو کر تمام دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھر دے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ مرزا صاحب کا نام تو غلام احمد ہے۔ اور ان کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ تو وہ کس طرح مہدی ہو سکتے ہیں۔ پھر مہدی کی تعریف ہے **یَمْلَأُ الارضَ قسطاً وعدلاً** تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا مرزا نے کون سے عدل و انصاف سے زمین کو بھرا۔ پھر اسی حدیث کا باقی ٹکڑا ہے۔ **کَمَا مَلَأَتْ ظُلُمًا وجوراً** یعنی جس طرح وہ پہلے اُس کے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ تو مرزا صاحب کے زمانہ میں کون سے ظلم و جور سے زمین بھری ہے اُس کی تشریح ضرور ہے۔ غرض مہدویت کا دعوئی کسی طرح مرزا پر صادق نہیں آتا۔

راعیسی یا پیش علیہ ہونے کا دعویٰ۔ تو وہ اس سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ حضرت علیؑ علیہ السلام ایک ہی مرسل صاحب کتاب و شریعت ہیں۔ مرزا ایک معمولی شخص جس کی علمیت بھی چنداں قابل توجہ نہیں۔ وہ صرف تشبیہ استعارہ کے زنگ میں باتیں بنانا اور جھلا سے اُن کو متوانا جانتا تھا۔ دوسرے حضرت علیؑ مقتول و مصلوب نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ بحمدہ الشریف آسمان پر گئے

تے ہیں۔ چنانچہ یہ بات باتفاق مفسرین و علما سے حدیث کمالی طور پر ثابت
 ہے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرب سراج میں حضرت عیسیٰ
 سے مصافحات کی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عنقریب عیسیٰ تم میں نازل ہونے والے
 ہیں۔ پس اُن کو اس علامت سے پہچان لیتا کہ وہ ایک شخص جس میں مربع نالی اخروہ
 والی بیانی ہے یعنی دربیانی قزو الہی ہے۔ شریح و سنیہ رنگ کی طرف مائل
 مرزا صاحب کے قد و قامت اور رنگ روپ میں یہ نسبت عیناً ملتی ہے۔
 تقی بہر نے دیکھنے والوں سے تحقیق یہ بات سنی ہے۔ اور ان کی تصدیق
 جو پندرہ فوراً لی گئی تھی۔ اور جس کو مرزا کے حین حیات میں ہی ہم نے دیکھا تھا
 یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ وہ دراز قد سپاہ نام ما آدمی تھا۔ اور اس
 دعوے کے حامل اور سردار یہودوں اور قابل مضحکہ ہونا ایک اس بات سے
 بھی ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک علیحدہ شخص ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ ایک
 دوسرے شخص۔ چنانچہ یہ امر اس حدیث صاف واضح ہے۔ فیئ نزاع
 عیسیٰ عندا صلوٰۃ الخیر فیقول لہ اعبین الناس تقدیم یا زور
 اللہ فصل بنا فیقول انکرم عنہ ہذا الامۃ امس و بعد منکم
 علی بعض تقدیم انت فصل بنا فیقول ام فیصلی لہم و منہ
 شریہ حدیث انہیں الفاظ سے مروی ہے۔ اور دوسری کتب حدیث میں
 دوسرے الفاظ سے مگر مطلب واحد ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز کے وقت آسمان سے نازل
 ہونے۔ تو لوگوں کا امیر (مہدی) اُن سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھے
 اور میں نماز پڑھاؤں۔ تو حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ تم کروہ اس امت کے
 بعض بعض پر امیر (مہدی) تو ای آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھاؤ چنانچہ
 وہ (امام مہدی) نماز پڑھائیں گے۔ اس سے وہ اس قسم کی بات ہی
 حدیثوں سے صاف طور پر عیاں ہے کہ مہدی اور عیسیٰ الگ الگ دو
 شخص ہیں اور مرزا صاحب خود ہی مہدی اور خود ہی مسیح ہونے کا دعویٰ
 کرتے ہیں۔ پس اُن کا دعویٰ غلط اور سہ تاپا نلدا ہے۔

مرزا صاحب کرشن مہاراج ہونے کا بھی ادعا کرتے ہیں۔ تو ہمیں ان کے اس دعوے سے کوئی بحث نہیں۔ ہندو صاحب چاہیں۔ ان کے اس دعوے کو تسلیم کریں۔ اور چاہے اپنے طور پر اس کی تردید کریں۔ اس کے متعلق ہم تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں۔ کہ کرشن مہاراج ہونے کا دعویٰ کرنے سے پہلے مرزا صاحب کو مسلمانوں کی ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے تھا۔ جو ہندوؤں کے کرشن جی کے سمائات و صفات و عادات کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ پھر اگر وہ اپنی ذات میں ان عادات و صفات کو پاتے۔ تو انہیں اس دعوے کا حق تھا۔ پھر بھی یہ سلسلہ حل طلب ہے جاتا ہے۔ کہ ایک ہندو نے مسلمان کے گھر کیونکر جہنم لیا۔ اور آیا مسلمانوں کے مذہب میں تنازع کوئی چیز بھی ہے۔ سچ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس لیے حاصل دعویٰ سے بجائے اس کے کہ ان کی کچھ وقعت ہوتی عقلمندوں کے نزدیک رہی ہوتی پت بھی کھودی حضرت شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

خیالات نادان خلوت نشین
بہم برکت عاقبت کفر و دیں

حضرت عیسیٰ کا آسمان مانٹل ہونا

اور

مرزا فی عقیدہ کی تردید

گذشتہ جہد میں ایک بار بھائی کی طرف سے جامع مسجد تبراہان پور کے ستون پر اس مضمون کا ایک تہہ تا چسپاں کیا گیا تھا کہ ایک شخص حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے کہ وہ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔ بلکہ اپنی موت سے مرے ہیں۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنے اس قول کی تائید میں آیات قرآنی اور حدیث بخاری سے سنار لاتے ہیں۔ اس کے بعد

علمائے کرام سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اس کے متعلق اپنی تحقیق سے اہل اسلام کو مستفید کریں۔ اگرچہ ہمارے عزیز علماء کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنا چندان ضروری نہ تھا۔ کیونکہ سوائے چند نادانوں کے تمام اہل اسلام حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے وقت آسمان سے اُن کے نازل ہونے کے قائل اور معتقد ہیں۔ اور یہ عقیدہ اُن کے ایمانیات میں داخل ہے لیکن اس امر کے ذیل اس امر کے داعی ہوئے :

(۱) عامہ مسلمین کے دلوں میں اس مستفہات کے دیکھنے سے شکوک۔

وشبہات پیدا نہ ہوں :

(۲) قائل یہ خیال نہ کرے کہ اُس کے مخرقات کا جواب دینے والا

اس شہر میں نہیں ہے :

(۳) امر متکر کی تردید و تنبیہ از کثرت حدیث صحیح علماء پر واجب ہے :

(۴) حضرت عیسیٰ کا آسمان پر اٹھایا جانا اور وقت موعودہ پر نازل

ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور اُس سے انکار حقیقت میں قرآن و حدیث

سے انکار ہے پس اس شبہ اوردہ کا دفع کرنا اُن حضرات پر جن کو خدا نے اپنے

پاک علوم سے ممتاز کیا ہے۔ واجبات سے ہے :

فَاقُولْ مَا تَوْفِيقُكَ بِاللّٰهِ

واضح ہو کہ یہ اعتقاد قادیانی فرقہ کا ہے۔ جو ابھی چند سال سے حادث

ہوا ہے۔ اس کا بانی مرزا غلام احمد آنجنابی ہے۔ جو قادیان ضلع گورداسپور

کا رہنے والا تھا۔ یہ فرقہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود۔ مہدی مسعود۔ اور کرشن

ہماراج مانتا ہے جس کا خود مرزا نے اپنے ذات کے لئے جھوٹا دعویٰ کیا

اُس نے اپنا اُتو سیدھا کرنے اور لوگوں کو گمراہ کنشال بننے کے لئے قرآن شریف

اور احادیث شریفہ کی کتب مبارکہ میں معنوی تحریف کی۔ اُس نے قرآن

حکیم کے سابق و سابق اور ربط الحق و سابق کی رعایت نہ کر کے اور سلف صالحین

کے معنوں سے آنکھوں پر پٹی باندھ کر قرآن و حدیث کی ایسی ناروا تفسیر

و کتابی کی جو اس کے دھنکے کے ثبت ہو سکے۔ مگر علما اعلام سے یہ باتیں آج بھی
پہنچ سکتی ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سن ہر کش بغیر تازیانہ علم کے سبب سے
ہوئے والا نہیں۔ سن پھر کیا تھا۔ ہزاروں کتابیں اس کی تردید و تکفیر میں بہ تحقیق
شائستہ و شائش بالستہ تعریف کر کے اطراف و اکناف عالم میں پھیلادیں تاکہ
اہل اسلام پر ظاہر ہو جائے کہ اس سے تمام دعاوی جھوٹے ہیں۔

بت کریں آرزو حوائی کی

شان ہے تیری کبریائی کی

مگر وہ اسے بہانت باوجود اس کے بھی کچھ لوگ اس کے ہتے چڑھ گئے۔ انہیں اس
کے پھر بوشیہ نو جوان جا بجا مختلف لباسوں میں مختلف طریقوں میں اپنے مشن
کو کامیاب بنانے کے لئے پھرتے ہیں۔ اور انہیں اگرچہ کچھ نہ آتا ہو۔ مگر خود و زنا
کے قذیفے لگتے ہوئے اردو رسالے طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں۔ اور گویا بولیاں
بولتے پھرتے ہیں۔ اس سے کہ کوئی عقل کا اندھا ملے۔ اور ان کی دیریں چہ شکب پر
فریفتہ ہو کر ایک شنیہ کی طرح ان کا معتقد ہو جائے۔ آدم پر مرسلہ سب۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک الوالعزم پناہ اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ
رسولوں سے ہیں۔ ان کی پیدائش ایک معجزہ اور قدرت خداوندی کا ایک بترین
نمونہ ہے۔ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ وہ اس وقت
پیدا ہوئے۔ جب مریم کنواری تھیں۔ اور انہیں کسی بشر نے نہیں پیدا کیا تھا۔
جبریل علیہ السلام کی نصارت پر وہ خود حیران تھیں کہ ایسی حالت میں انہیں
اس طرح بچہ ہو گا۔ لیکن ان کی حیرانی کو یہ کہہ کر دور کر دیا گیا۔ کہ کذا الذی
الذی یذہب ما یشاء ما غرض حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ ان کی خاطر کچھ
کے خشک ٹھنڈے کوہرا اور بارور کیا گیا۔ اس نے تازہ تازہ کھجوریں گرا دیں
جو مریم نے کھا لیں۔ اور اپنے پیٹ کو بھی چٹائی۔ اس مولود مسخود سے اس
وقت بچ کہ وہ چھوٹا گداہ میں پڑا تھا۔ لوگوں سے اپنی رسالت کے
متعلق بڑا بیان نہیں کریں۔ وہ روح اللہ اور حکمت اللہ کے خطاب سے سرفراز
ہوا۔ وہ تیرہ برس کی عمر کو پہنچا تھا کہ اس کو باقاعدہ پیغمبری کا نام بتا دیا

گیا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوا۔ وہ چاندی کوڑیوں کو چنگا کرنا اور اللہ کے حکم سے مڑوں کو چٹانا۔ وہ مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اس میں پھونکاتا۔ تو وہ پرندہ حکم الہی زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ اُس نے بنی اسرائیل کی ہتھی ہوئی بیڑوں کے راہ پر لانے اُن کی بدعتوں کو مٹنے اور اُن میں توحید الہی کی اشاعت کرنے کے متعلق نرسن بڑی مستعدی اور دل سوڑی سے ادا کیا۔ وہ ہر ایک حکم میں پہنچا۔ اور ہر ایک خطرہ میں جاتسا۔ اس کو تبلیغ رسالت میں کوئی خطرہ مانع نہیں ہوا جس نے اُس کے الہی احکام پر تسلیم ختم کیا۔ تاجی ہوا۔ اور آسمانی بادشاہت کا مالک بنا۔ اور جس نے نہ مانا۔ وہ ابدی ذلیل و ناری ہوا۔

اُس نے ٹمکے کی چٹ کہہ دیا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تو بیت کی تعمیر بن کرنا۔ اور اپنے بعد ایک بہت بڑے رسول کریم علیہ التبیۃ و آتہ کے آنے کی بشارت دیتا ہوں۔ جس کا نام پاک احمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا۔ جب وہ آئے۔ تو ہم سب اُس کی اطاعت پر جبک جانا۔ وہ شریعت کا کمال کرنے والا۔ اور ایک ہی کمال شریعت کا مالک ہے۔ وہ تمام انبیاء و مرسلین کا سردار ہے۔ اور کسی فرد بشر کو اُس کی اطاعت سے پارہ نہیں۔ وہ تشریفاً تنقیس بریں کا تھا۔ کہ جب وہ اہل بیت سے اس پر ایک بہت بڑا داد چلانا چاہا۔ اور بدعتوں سے اُس کے قتل کی ٹھان لی۔ خالموں نے ایسا کیا کہ بین اشاعت حق کے وقت اُس کو چالیا اور پھر ایک کو کٹری میں بند کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے کرتے عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا۔ اور اُن سے بھری عواطف کو مسلوب کیا کہ بغیر موت کے اُن کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اور عالم قدس میں اُن کی آرامت اور قرار گاہ ملا کہ میں جگہ عطا فرمائی۔ یہاں وہ وقت مشرہ تاکہ زندہ و سادہ رہے۔

اور جب بنی اسرائیل کا سردار یہودا نام کو کٹری کے اندر گیا۔ تاکہ انہیں سولی چڑھا دے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا۔ گھبراتا ہوا باہر آیا اور کہا کہ عیسیٰ تو مکان میں نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا۔ تو ہی تو عیسیٰ ہے کیا تمہیں

دھوکا دیتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے عیسیٰ کی شبیہ بنا دیا تھا) ہر چند وہ کتنا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں۔ پر لوگوں نے نہ مانا۔ اور شوبلی پر لٹکا دیا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب اُسے شوبلی پر لٹکا چکے۔ اور اپنے سردار کو نہ پایا۔ تو فرط حیرت سے کہنے لگے اِنْ كَانَ هَذَا عِيسَىٰ فَاَيْنَ صَاحِبِنَا یعنی اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا صاحب کہاں ہے۔ غرض اس طرح اُن کا مکر اُن پر مارا گیا۔ اور وہ جس حربہ سے عیسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ اُسی حربہ سے اُن کے سردار کو ہلاک کر دیا گیا یہی معنی ہیں اس آیت کے وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرٌ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

نعت کوتاہ حضرت عیسیٰؑ پر آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اور وہ قرب قیامت تک وہیں رہیں گے۔ جب وقت وصال اور ولایت خروج کریگا۔ تو حضرت عیسیٰؑ بحکم الہی آسمان سے نازل ہونگے۔ اور وہ اس پر بیعت حضرت محمدؐ کی ہوگی۔ چڑھائی کریں گے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی ایسا پھسل جائیگا۔ جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ پھر اُن کے زمین پر صرف ایک دین اسلام ہی رہ جائے گا۔ باقی سب فنا ہو جائیں گے۔ اس طرح حضرت عیسیٰؑ چالیس برس زمین پر قیام کریں گے۔ پھر فوت ہونگے۔ اور مسلمان اُن کی تازہ جنازہ پر حاضر ہوں گے۔ یاد رکھو کہ عیسیٰؑ علیہ السلام کوئی اور ید شریعت کے نہیں آئیں گے۔ اسی شریعت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع اور اسی شریعت کے قرار دینے والے اور مجدد ہونگے۔ کیونکہ یہ شریعت کامل اور آخرت راثع ہے۔ اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر رسل ہیں۔ تو وہ ایک حکم اور قسط کی شان میں نازل کریں گے۔ اُن کا نہ وہ مسلمانوں کے سلطان ہونگے۔ نہ امام نہ قاضی اور نہ مفتی وغیرہ۔ وہ اُس وقت نازل ہونگے جب حکم دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ اور لوگ علم سے خالی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ اور شریعت محمدؐ کی حکم قبل نزل کے آسمان پر عطا کریگا۔ پس اُسی حکم کے ذریعے وہ لوگوں میں حکم کریں گے۔ اور خود اُس کا رسل اُسی حکم پر ہوگا۔ تمام مومنین اُس کی طرف رجوع لائیں گے۔ کیونکہ اُس وقت صرف وہ

ایک ہی مسئلہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ کے تابع شریعت محمدی ہوگا اس حدیث سے ثابت ہے۔ لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الارض اتباعی توجب عینی غایہ ہام زندہ ہیں تو ان کو شریعت محمدی کے سوا گنجائش نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت سطور بالا میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے۔ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا ترجمہ اور نہایت مستند کتب لغات و عقائد کا لب لباب ہے جس کو ہم بوقت ضرورت اصل عبارت کے ساتھ مع نشان صفحات وغیرہ پیش کر سکتے ہیں۔ اختصار کے لحاظ سے اس وقت ہم نے اصل عبارت کو محفوظ رکھا ہے۔ خدا کے ایک پیغمبر ہیں اس سے دشمنی حاصل کریں۔ اور مرزا یوں کے اغواء و افتراء سے بچنا چاہیں۔ جو کرم شب تاب کی سحر رات کی اندھیری میں ٹامک ٹوبیاں مارتے پھرتے ہیں۔ اور ان کو یہ نہیں معلوم کہ آفتاب و ستارے کی بجلی ریز شعاعیں ہر وقت رات کی تاریکی کو پھارنے اور جگنو کی دھبی روشنی کا پول کھینچنے کو موجود ہیں۔ مرزا کی سمجھ میں ہے کہ ان کی تحقیقات ہی سب کچھ ہے۔ بقول شخصہ ہے

ہر آن کرے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمان او ہماں است

هذا والآن اشرع في المقصود

شرع مقصود کے پہلے یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ چونکہ قرآن شریف کے لطائف معانی بوجہ احسن و اکمل سمجھنے سے عام فہم میں اور سطحی اور اکات قاصر ہیں۔ اس لئے علماء کرام کا یہ نہایت مضبوط قائم کردہ کئیہ ہے کہ ان کے حقائق و معارف کو خود آیات سے اور اگر ان میں نہ ملیں تو احادیث نبوی سے تحقیق کرو۔ اس کے بعد کشف منہج و راہبناح ہدایت کے لئے صحابہ کرام ائمہ مجتہدین اور علمائے ملت صالحین کے معتبر اقوال کو صرف جمع لاؤ۔ اور یہ اس لئے کہ خیر القرون کا زمانہ میں تحقیق کے اعتبار سے مابعد کے زمانہ سے زیادہ راجح و اہم ہے۔ کیونکہ مابعد کا زمانہ حسب اخبار مجرب صادق علیہ الثبوت و التمسد انشاء کذب و زور کا زمانہ ہے۔ پھر اگر اعیان باطن کو فی عقل سے خالی مان لیں تو یہ کہے کہ موجود

زمانہ تحقیق کا ہے۔ اور غیر القرون تاریخی کا زمانہ تھا۔ تو جان لو کہ وہ حیک مارتا۔
 اور جس وقت کہتا ہے اس مقدمہ کے بعد ہم مستفتی کے جواب کی طرف توجہ کرتے
 ہیں۔ گو ہمیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ قائل کس آیت اور کس حدیث بخاری کو اپنا
 مطلب ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا۔ تاہم غالب گمان یہ ہے کہ قائل کو
 لفظ متوفی کے اور لفظ توفیق کے سے حضرت عیسیٰ کی موت کا وہم ہوا ہے
 رہی حدیث تو اگرچہ قائل نے اس کو پیش نہیں کیا ہے لیکن ہم نظریہ فہم قائل کہ
 سکتے ہیں کہ کسی اس قسم کی مبہم حدیث سے قائل کو یہ گمان ہوا ہوگا۔ لہذا
 ہم لفظ متوفی اور اس کے مشتقات کے جو قرآن حکیم میں قریباً ۲۷ جگہ آئے
 ہیں۔ ضروری اقتیاسات نقل کر کے بتاتے ہیں کہ لغت عرب میں اس لفظ کے
 متعدد معنی آئے ہیں۔ جو سیاق و سباق کے لحاظ سے سمجھے جاسکتے ہیں متوفی
 اسم فاعل ہے۔ باب تفضل سے۔ اور اس کا مادہ یعنی دفی لقیف مفروق ہے۔
 توفی کے معنی۔ اٹھانا۔ سنانا۔ قبض کرنا۔ جان نکالنا۔ پھیر لینا۔ اور پورا دینا۔
 وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ہر ایک کی مثالیں دیکھو آیات ذیل :-

اٹھانے کی مثال۔ قولہ تعالیٰ :- حتی یتوفین الموت یمان تکسر
 اٹھائے ان کو موت ۞

سنانے کی مثال۔ قولہ تعالیٰ :- هو الذی یتوفکم باللیل اور وہی
 ہے جو قبض کرتا ہے تم کو رات میں (یعنی سلاتا ہے) ۞

قبض کرنا۔ عرب کہتا ہے۔ توفیت مالی۔ میں نے اپنے مال پر قبضہ کیا ۞
 جان نکالنا۔ قولہ تعالیٰ :- توفتہ رسلنا۔ جان نکالتے ہیں ان کی رسول کا
 (یعنی ملک الموت اور اس کے ہمراہی) ۞

پھیر لینا۔ قولہ تعالیٰ :- فلما توفیتہ۔ اور جب تو نے پت پھیر دیا۔ یعنی
 اٹھا لیا ۞

پورا دینا۔ قولہ تعالیٰ :- ووفیت کل نفس ما کسبت اور پورا دیا جائیگا
 ہر حق جو کچھ کما یا ہے ۞

اب ہم مذکور سب سمجھتے ہیں کہ اپنی تا ئید مزید میں معتبر تصانیف کی عبارت

نقل کر دیں۔ اور قولہ تعالیٰ :- وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ارْقُطْ إِلَى الْإِخْلَاقِ مَعْنَى بیان کر دیں۔ جو متفق علیہ علمائے اعلام ہیں۔ تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۱۷ مصری میں ہے۔ یا عیسیٰ ابْنِ مَرْيَمَ ارْقُطْ إِلَى الْإِخْلَاقِ مَعْنَى ارْقُطْ إِلَى الْإِخْلَاقِ الْمَسْحُوعِ عَاصِمًا إِيَّاكَ مِنْ قَتْلِهِمْ وَأَقْبَضَكَ مِنْ الْأَرْضِ مِنْ تَوْفِيتِ مَالِي أَوْ مَمِيتِكَ مِنَ الشَّهَوَاتِ الْعَائِقَةِ عَنِ الْخُرُوجِ إِلَى عَالَمِ الْمَلَكُوتِ وَرَافَعَكَ إِلَى الْحُلِّ كَرَامَتِي وَمَقَرِّ مَلَأْتُكَ تَفْسِيرُ جَلَالِیْنِ کے صفحہ مذکور میں ہے مَتَوَفِيكَ اِی قَابِضَكَ وَرَافَعَكَ اِی مِنْ غَیْرِ مَوْتِ۔ یہی معنی تفسیر ہارک میں ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی یہی معنی کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ توفی کے معنے موت کے اس آیت کی تفسیر میں کسی نے نہیں کئے۔ اور سب اس امر پر متفق ہیں کہ یہاں مَتَوَفِيكَ کے معنی پھیر لینے والے اور نگاہ رکھنے والے اور تاخیر اجل مسمیٰ وغیرہ کے ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد کے لفظ رَافَعَكَ اِی نے اس کو صاف کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو قتل اور صلیب سے محفوظ رکھ کر اپنی طرف بغیر موت کے زندہ ہی جسٹ اٹھالیا۔ اور فلما تَوَفَّيْتَنِي کے معنی بھی اسی طرح کئے ہیں۔ چنانچہ بیضاوی صفحہ ۲۱۲ میں ہے۔ فلما تَوَفَّيْتَنِي قَبَضْتَنِي بِالرَّفْعِ إِلَى السَّمَاءِ یہاں تَوَفَّيْتَنِي کا ترجمہ بھی صاف ہو گیا۔ اس جگہ ہم نے عربی عبارت کا ترجمہ قصداً چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ وہ لوگ جو من اور عن میں فرق تک نہیں کر سکتے۔ اور باوجود اس کے مرزائی عقیدہ کے پیرو بن کر دعوے ہمہ دانی کا کرتے ہیں۔ آپ ہی معنی سمجھ لیں۔ ورنہ عند الضرورت ہم تعلیم دینے کے لئے موجود ہیں۔ یتوفیق اللہ تعالیٰ ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا ایک اور دلیل سے بھی ثابت ہے۔ جو اس سے بھی زیادہ روشن ہے۔ اور وہ بھی قرآنی بیان سے اخذ ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت وَإِنْ قَرَّبْنَاهُ إِلَّا لَكَيْوَمَلَّتْ بِهِ قَبْلُ مَوْتٍ یعنی تمام اہل کتاب عیسیٰ کی موت کے پہلے ان پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ بیضاوی اور جد بین میں ہم اور

موتہم کی ضمیریں حضرت عیسیٰ کی طرف پھیری ہیں *

بیشادی میں ہے - وان من اهل الكتاب الا ليومن به قبل

موتہم والمصدق انه اذا نزل من السماء امن به اهل الملل جميعاً *

اور جلالین میں ہے - قبل موت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قریب الساعة

کما روى في الحديث وعن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال

رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم والاني نفسي بيده

ليوشك ان ينزل فيكم ابن مريم حكماً عادلاً فيكسر الصليب

ويقتل الخنزير ويفيض المال حتى لا يقبله احد تكون

السجدة الواحدة خبي من الدنيا وما فيها ثم يمتدح

ابو هريرة فاقرؤ ان شئتم وان من اهل الكتاب الا ليومن

به قبل موتہم الاية رواه خمسة الا النسائي سوا اس کے اور

بہت سی حدیثیں حضرت کے رفع الی السماء اور نزول من السماء کی تائید میں

موجود ہیں۔ مگر فی الحال اختصار کی مناسب جانا۔ اگر خدائے مستہ مخالفین کی

ریختنا چاہا۔ تو ان کے لئے ہر وقت موجود و مستعد ہیں۔ ہذا ما اعلم فی

ربی و استدیہدی من یشاء الی صراط المستقیم و آخر دعوانا

ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوة والسلام علی سید

المسلمین وآلہ و اصحابہ اجمعین *

امامت کی بحث

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۱۷

مباحث امامت اگرچہ موضوع علم کرام سے نہیں ہے۔ جیسا کہ اس

کتاب کے مقدمہ سے ظاہر ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ اہل بدعت و غلامت اپنے

عقائد فاسدہ اور عقائد باطلہ کی اشاعت کر کے عقائد حقہ و بین اسلام میں

خرابی ڈالنے لگے۔ اور حضرت علی کریم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلا فصل اور خلفائے

ثُمَّ لَمْ يَنْبَغِ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَكُونَ غَايِبًا عَنْ عَالَمِهِ
 قَالَهُ تَحَكُّمٌ كُنْ لَكِ تَوْعَامُ لَيْسَ اسْلَامُ نِي اسْ جَانِبِ تَوْجِهْ فَرَايَانِي اَوْ اسْلَم
 کلام کی کتابوں میں مباحث امامت کو دیکھ فرمایا تاکہ اہل اسلام فرقہ ہائے
 شیعہ کے عقائد بد سے محفوظ رہیں۔ اور اپنے عقائد حقہ کو سلامت اور امان
 رکھیں اس طرح مباحث امامت منہیات بلکہ موضوع علمہ کلام سے ہو گئے۔
 چنانچہ بعض علمائے علم کلام کی تعریف میں امامت کی بحث کو بھی داخل کر دیا ہے
 اور فرمایا ہے۔ هُوَ الْبَحْثُ عَنْ اَلْاَحْوَالِ اَلْمُتَّابَةِ لِقَوْلِ تَعَالٰی وَ اَلْبَسُوْا
 اَلْاِمَامَةَ وَ اَلْمَعَادِ وَ مَا يَتَّصِلُ بِذٰلِكَ۔ یعنی علم کلام وہ ہے جس
 میں احوال صانع تعالیٰ اور نبوت اور امامت اور معاد وغیرہ کے متعلق
 بحث ہوتی ہے۔ ایک جہاد خال بحث امامت کی یہ بھی ہے کہ ایک طرف سے
 مسائل امامت اعتقادی ہیں۔ نہ کہ علمی۔ چنانچہ اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ خلیفہ
 برحق بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابو بکر ہیں۔ پھر سیدنا پیر عثمان بن
 پھر علی رضی اللہ عنہم اور یہ کہ ان خلفائے راشدین کی فضیلت ہی اسی ترتیب سے
 ہے۔ امامت کے معنی اہل اسلام پر استحقاق تصرف علم کے ہیں۔ چنانچہ المسائل
 میں ہے هِيَ اَسْتِحْقَاقُ تَصَرُّفٍ عَامٍ عَلَى الْمُسْلِمِينَ۔

اور شرح موقتہ میں ہے۔ اَلْاِمَامَةُ خِلَافَةُ الرَّسُولِ فِي
 اَتَامَةِ الدِّينِ وَ حِفْظِ حَوَازِةِ الْمِلَّةِ بِحَيْثُ يَجِبُ اِتِّبَاعُهُ بِكُلِّ
 كَافَّةٍ اَلْمَقَرَّةِ بِعِنِّي اِمَامَتِ كَمَعْنٰی بِنَايَ سُوْلٍ خِدَاكِي خِلَافَتِ كَمَعْنٰی
 دین کے قائم کرنے اور ملت اسلام کی محافظت کرنے میں اس طرح کہ اس کی
 اتباع تمام امت پر واجب ہوتی ہے۔

اور اسی طرح مقاصد میں ہے کہ امامت نبوی و نبوی ریاست عامہ کو
 کہتے ہیں۔ جو حقیقت میں آنحضرت کی نیابت ہے۔ پس امام اس کو کہا جائیگا۔
 جس کو مذکورہ نیابت و ریاست اور تصرف عام حاصل ہو۔

اور واضح ہو کہ اہل سنت امامت کا اطلاق چند منوں پر کرتے ہیں
 ایک معنی تو وہی ہے۔ جو اوپر بیان ہوا۔ یعنی خلافت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ آلم وسلم جس میں ملک میں تصرف ہونا یا وصف استحقاق اور غلبہ شوکت کے اور جاری ہونا سکھ کا ضروری ہے۔ اور یہ امامت محدود و منحصر ہے۔ خلفاء اربعہ اور حضرت امام حسن و امام محمدی میں کہ سوا ان کے کوئی امام مستحق ان صفات کا نہیں ہو سکتا۔ دوسرے بمعنی پیشوائے دین کے۔ چنانچہ امام عظیم و امام شافعی کہ امام قنہ کے تھے۔ اور امام غزالی و امام رازمی کہ امام عقائد و کلام کے ہوئے ہیں۔ اور شافعی و امام قنہ کہ قنہ کے امام تھے۔ غرض جس علم میں کسی شخص کو کامل دستگاہ ملتی ہے۔ جس علم کا امام کہلاتا ہے۔ حتیٰ کہ نماز کے امام کو بھی امام کہتے ہیں اور اتنی طرح امیر الحج کو کہ یہ سب امور دین میں سے کسی امر کے امام ہیں۔ اور آئمہ اظہار اس دوسرے معنی کے لحاظ سے تمام باتوں میں امام و پیشوا ہوئے ہیں۔

تیسرے امام کے معنی مطابق رئیس و بادشاہ کے لیتے ہیں۔ کہ وہ ہر چند خوش سیر نہ ہو۔ لیکن امور دین میں جیسے چاہا اور غنیمت کا بانٹتا۔ اور جمعہ و عیدین کا قائم کرنا یہ بھی پیشوائی کی بات ہے۔ حال کلام یہ کہ امامت بمعنی خلافت کے یہ تو سوا اپنی شخصوں مذکورہ اور مہدی موعود کے کسی کی ذات میں ممکن نہیں۔

مگر امامت دوسرے معنی کے لحاظ سے عام ہے۔ ہر قابل و کامل کے لئے یہ سب معنی قرآن شریف سے ماخوذ ہیں۔ امام کے لئے تصرف کا ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ وہ لوگ جو ابلاہر تصرف نہیں رکھتے تھے۔ قرآن حکیم میں ان کو لفظ آئمہ سے یاد فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَا هُمْ اٰمَةً يَهْدُوْنَ يٰۤاٰمَنَّا بِعَنِيٍّ اور کیا ہم نے اُن کو امام کہ راہ بتانے ہیں۔ ہمارے حکم کی بلکہ ہر کسی کو یہ دعا تلقین فرمائی۔ وَجَعَلْنَا الْمُتَّقِينَ اِمَامًا۔ یعنی اور کہ ہم کو متقیوں کے لئے امام اور خلافت میں ہر گز ارش کی قید بڑھائی ہے لَيْسَ لَكَ لِيْلَتُهُمْ فِي الْاَرْضِ اور

فَجَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ

عقائد کی کتابوں میں جہاں کہیں امامت کے وجوب ذکر آیا ہے۔

اس سے مراد پہلے معنی ہیں یعنی مسلمانوں پر تصرف عامہ کا استحقاق جس کے دوسرے معنی حاکم یا بادشاہ کے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اہل سنت کے نزدیک مسلمانوں پر واجب ہے۔ کہ وہ واسطے حفاظت امور دین و

حدیث ابو ہریرہؓ جس کی تخریج ابو داؤد طیالسی اور احمد بن حنبل اور ابو العلی نے اپنی مسانید میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں کی ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ **الْإِمَامَةُ مِنْ قَرِيشٍ مَا حَكَمُوا فَعَدَلُوا وَخَفُوا وَارْتَضُوا وَاسْتَرْجَعُوا** علاوہ اس کے اور حدیثیں بھی مختلف طریق سے مسانید و صحاح میں مروی ہیں جن میں یہ مفاد یہ ہے کہ قریش جیت تک عدل کریں گے۔ اور وعدہ پورا کریں گے۔ اور رحم کریں گے۔ اور دین کو قائم کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اُس وقت تک امامت و سلطنت انہیں میں ہیگی۔ ورنہ ان میں امامت و سلطنت کا ہونا ضروری نہیں۔ اور قریشی باوصاف مذکورہ کے مقابلہ میں اگر غیر قریشی کھڑا ہوگا۔ تو ذلیل و خوار ہوگا۔ اور اگر ان اوصاف کا قریشی نہ ہوگا۔ تو قریشیت شرط امامت نہ رہے گی۔ چنانچہ اسلام میں بہت سے امام ایسے ہوئے ہیں۔ جو قریشی نہیں تھے۔ اور ان کی امامت کو تمام علمائے تسلیم کیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ کہ امام کے مقرر کرنے کے لئے چالیس مردوں ذمی علم اور اصحاب الائمہ کا اتفاق ضروری ہے اس سے کم کے اتفاق سے امامت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور شرط امامت سے ہے۔ امام کا ظاہر ہونا۔ تاکہ جو ضرورتیں امام کے قائم کرنے کی داعی ہوئی ہیں۔ وہ پوری ہوں۔ اور امام کا خطائے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ امر قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَائِفًا مِّنْكَ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے طاووت کو بادشاہ بنا کر مبعوث کیا۔ پس طاووت موافق نص اللہ کے امام تھا۔ اور اُس کی اطاعت فرض تھی۔ اور حالانکہ بالاجماع وہ معصوم نہ تھا۔ اور امام کو لازم نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے اُس کے واسطے نص ہو۔ یہ تو مکلفین پر واجب ہے کہ وہ اپنی حاجت اور ضرورت کے لئے حسب مصلحت اپنے میں سے ایک شخص کو اپنا امام اور حاکم مقرر کریں۔ تاکہ دینی و دنیوی امور ان کا انصرام اُس کی ذات سے متعلق ہو۔ اور امام کو لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خدا کے نزدیک افضل ہو۔ اس واسطے کہ طاووت کو خدا نے حاکم مقرر کیا۔ حالانکہ اُس کے وقت حضرت شیثؓ اور حضرت داؤدؓ موجود

تھے۔ اور وہ طاوت سے فاضل تھے۔

خلافت راشدہ کی مدت

جاننا چاہئے کہ امام بعد رسول خدا علیہ السلام کے بلا فاصلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ۔ پھر حضرت عثمان ذی النورینؓ اور پھر حضرت علی مرتضیٰؓ ان کے بعد حضرت امام حسن رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہ پانچ بزرگوار ہیں۔ جنہوں نے موافق حدیث الخلفاء من بعدی ثلاثون سنة کے خلافت کا مکملہ کے تیس سال پورے کئے۔ اس طرح کہ حضرت ابوبکرؓ نے دو سال چار ماہ خلافت کی۔ اور حضرت عمرؓ نے دس سال چھ ماہ۔ اور حضرت عثمانؓ نے بارہ سال چند روز کم۔ اور حضرت علیؓ نے چار سال نو ماہ۔ اور حضرت حسن المجتبیٰؓ نے پانچ ماہ۔ اس حساب سے خلافت خلفائے اربعہ کی انتیس برس اور سات مہینہ میں تمام ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینہ جو باقی رہے۔ ان میں حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہے۔ پس یہ بھی خاندان میں سے ہوئے۔ اس کے بعد امام حسنؓ نے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ اور امیر معاویہ فقط بادشاہ و حاکم ہے نہ خلیفہ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ خلافت بعد تیس سال ہے۔ پھر ملک ارضی اور امیر ہوتا نہ خلافت۔

یہاں ایک شبہ وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اکثر علمائے خلفائے عباسیہ اور بعض خلفائے مروانیہ مثل عمر بن عبد العزیز کو خلیفہ مانا ہے۔ جواب یہ ہے کہ مراد خلافت منحصرہ درسی سال سے خلافت کاملہ ہے کہ اس میں مخالفت کو باطل و قتل نہیں۔ اور وہ سببیں متابعت جاری رہی۔ لیکن بعد تیس برس کے یہ طریق لازم نہیں رہا۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ بارہ اماموں میں سے صرف اوّل کے دو امام یعنی علی مرتضیٰؓ اور حسن مجتبیٰؓ اہل سنت کے نزدیک اہل تعریف امام معطل ہیں۔ اور باقی نو کو اہل سنت مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ اور اسی معنی سے ان کو امام کہتے ہیں۔ چونکہ وہ بادشاہ وقت نہیں تھے۔ اور مسلمانوں کے انتظامی امور میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس واسطے اہل سنت ان کو امام معطل

نہیں کہتے۔ اور نہ کوئی عاقل ایسے شخص کو جس نے ایک سنت بھی حکومت نہ کی ہو
بادشاہ یا امام کہہ سکتا ہے۔ اور نہ کسی صحیح حدیث میں اُن کی امامت و سلطنت کی
خبر دی گئی ہے۔ یہ اعتقاد صرف شیعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام مہدی مبشریہ
کے امام ہونے کے اہل سنت ضرور قائل ہیں۔ لیکن جن کو شیعہ نے امام فرض
کیا ہے۔ اور وہ حسن عسکری کے بیٹے بتائے جاتے ہیں۔ جن کی ولادت وجود کے
نہ اکثر اہل سنت معتقد ہیں۔ اور نہ اُن کو امام مہدی مبشریہ جانتے ہیں۔ اہل سنت
کے امام مہدی قریب قیامت میں پیدا ہونگے۔ اور چالیس برس کی عمر میں اُن کا
ظہور ہوگا۔ چونکہ قیامت کا حال معلوم نہیں کہ کب آئے گی۔ اس واسطے یہ نہیں
کہہ سکتے کہ امام مہدی کب پیدا ہونگے۔

دو خلیفوں کا نصب مانے جائز نہیں

یاد رہے کہ عصر واحد میں دو اماموں کا نصب کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ
اس سے منازعات اور جھگڑوں کے پیدا ہونے کا خوف ہے۔ اور نیز امور دین
دُنیا میں اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بعض علماء جو نصبِ امامین کو زمانہ
واحِد میں جائز رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فاصلہ بعید ہونے کی بات میں درگت
ہے۔ تو اُن کی تردید اس حدیث مسلم سے ہوتی ہے۔ اِذَا بَرِيعَ الْخَلِيفَتَيْنِ
فَاَقْتُلُوا لِأَخِي مِنْهَا يَمْنِي جَبِ دُو خَلِيفَتَيْنِ سَبِيْتِ كِي جَاءَ۔ تو اُس خلیفہ
کو قتل کر ڈالو۔ جس کی صحبت آخر میں ہوئی ہے۔ رواد ابی سعید الخدری۔ اور
چاہئے کہ امام ظاہر ہو نہ مخفی خوف اعدائے تاکہ ہجرتِ امویہ لائق اس کی صورت
رجوع ہوں۔

شیعوں کے اماموں کے نام

شیعہ کہتے ہیں کہ امام کا خوف اعدائے چھپنا درست ہے۔ چنانچہ
اُن کے نزدیک ترتیبِ خلافت اس طرح ہے۔ جو سراسر غلط ہے کہ امامِ حق بعد
رسول اللہ کے علی ہیں۔ پھر اُن کے بیٹے حسن۔ پھر اُن کے بیٹے حسین۔ پھر اُن

کے بیٹے زین العابدین۔ پھر اُن کے بیٹے محمد باقر۔ پھر اُن کے بیٹے جعفر صادق۔
پھر اُن کے بیٹے موسیٰ کاظم۔ پھر اُن کے بیٹے رضا۔ پھر اُن کے بیٹے محمد تقی۔ پھر
اُن کے بیٹے علی نقی۔ پھر اُن کے بیٹے حسن عسکری۔ پھر اُن کے بیٹے محمد القائم
مہدی منتظر۔

اور واضح ہو کہ یہ عقیدہ فرقہ امامیہ کا ہے۔ اُن کے دوسرے فرقے امامت کی
ترتیب اس طرح نہیں مانتے۔ خصوصاً اسماعیلیہ کے امام دوسرے ہیں۔ اور اسی طرح
دوسرے فرقوں کے دوسرے۔ غرض اُن کے اختلاف کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔
شیعہ لوگوں نے دین حق میں اور مسئلہ امامت میں عجیب طرح کے فسادات و تخریبات
پیدا کی ہیں۔ جو ہمارے موضوع سے خارج اور ستار پاواہی ہیں۔

اولیاء اللہ کی کرامات کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اولیاء اللہ کی کرامت
خبر ہے۔ اور صلاح میں اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو ذات و صفات خدا کا عکس
شرعی نبوی کا بوجہ کمال تابع۔ طاعات و عبادت پر موانع اور معاصی و کبائر سے
محنت ہو۔ اگر ایسے شخص سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو۔ تو وہ کرامت ہے۔
بشرطیکہ نبوت کا دعویٰ اُس میں شامل نہ ہو۔ بلکہ وہ امر متعارف یا بیان و عمل صالح
ہو۔ اور اگر کسی ایسے شخص سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو۔ جو عمل صالح اور ایمان
بجدا و روز آخرت، و انبیاء علیہم السلام سے عاری ہے۔ تو اُس کے فعل کو استدراج
کہتے ہیں۔ چنانچہ فرعون بے عون کہ اگر وہ پانی کو پہاڑ پر چڑھانا چاہتا۔ تو چڑھ جاتا
اور دریائے نیل اُس کے تابع تھا۔ اُس کے کہنے کے موافق گڑتا بڑھتا تھا۔ اور
اُس کے ساتھ رواں ہوتا تھا۔ پس فرعون کا یہ فعل استدراج اور کفر اللہ ہے۔ کہ
غرض خداوندی اس سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مومنین صادقین کی ہر بات
کرے۔ اور کفار کو اُن کے کفر میں زیادہ سخت اور دلیہ کرے۔
حکایت اعدام رجہم اللہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص پانی پر مصلیٰ کھینچ کر

دربار پار کرے یا ہوا پر اڑے۔ لیکن اس کے اعمال و اخلاق خلاف شریعت
محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوں۔ تو اس کو دلی نہ کہو۔ اور نہ اس کے
فعل کو۔ اگرچہ خارق عادت ہو۔ کرامت کہو۔ کیونکہ امر قاطع عادت جو مخالف طریقہ
محمدی کے ہے۔ اس کو کرامت نہیں۔ بلکہ مستدرج کہتے ہیں۔

کرامت کا ظہور ولی تابع شریعت حقہ سے تھی صورت سے ہوتا ہے۔
ایک یہ کہ مسافت بعیدہ کو مدت قلیل میں قطع کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے
قرآن مجید میں آصف بن برخیا وزیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرامت سے تعبیر
دی ہے۔ کہ وہ تخت بلقیس کو اتنی جلدی ایک مہینہ کی مسافت سے لے آئے۔
کہ سلیمان علیہ السلام پاک نہ ہار سکے۔ اور نیز اصحاب کف کا حال خدا نے بیان فرمایا
ہے کہ وہ کر ڈیں لیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کرامتیں ہیں۔ کیونکہ مقارن عملے
بنوت نہیں۔ اور نیک لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں۔

تین مردانِ خدا کی ایک لچسپ حکایت

ارشادِ مسلمین میں بحوالہ حدیث صحیح لکھا ہے کہ ایک روز صحابہ کرامؓ
نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم ماضیہ کے عجائبات سے ہمیں مطلع فرمائیے۔ تاکہ اس کے
سننے سے ہمارے دل کو اطمینان اور ذوقِ سلیم حاصل ہو۔ آپؐ نے فرمایا تم سے
قبل تین آدمی کسی جگر جا رہے تھے۔ جب بات ہوئی۔ تو ایک غار میں آرام لینے کو
گھس گئے۔ اتفاقاً غار کا پنجرہ گر پڑا۔ اور اس سے غار کا منہ ڈھک گیا۔ پنجرہ بڑا
وزنی تھا۔ وہ ان سے سرک نہ سکا۔ ناچار ہو کر انہوں نے باہم کہا۔ کہ اب کوئی
چارہ کار نہیں بچہ اس سے کہ ہم باری تعالیٰ سے اپنے ان اعمال کا اعادہ کریں۔
جو بے ریا ہم سے طور میں آئے ہیں۔ اور انہیں اعمالِ صالحہ کو ہم خدا کی جناب
میں اس ملک سے رہائی پانے کے لئے شفعہ لاویں۔ ان میں سے ایک شخص نے
خدا کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ یا رب! یا شفیعی معلوم ہے کہ میری ایک ماں اور
ایک باپ تھا۔ اور وہ بیوی والے ست بیٹے پاس چھ نہ تھا۔ سوائے ایک بکری کے

کہ میں اُس کے دودھ سے اُن کی اور اپنی اوقات بسر کرتا تھا۔ میں ہر روز دودھ لے کر بازار جاتا۔ اور اُس کو فروخت کر کے صبح و شام کا کھانا مہیا کرتا۔ ایک شیکل ذکر ہے کہ میں دودھ کو بیچ کر اور اُس سے کھانا حاصل کر کے مکان کو آیا۔ اور رات کا کھانا والدین کی خدمت میں لے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سو رہے ہیں۔ میں اس انتظار میں کہ اب جاؤں گے۔ تمام رات لئے کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئے۔ اور مجھے اس حالت میں دیکھا۔ تو خوش ہوئے۔ میں بھی بھوکا تھا۔ اُن کے پاس کھانا لے گیا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ تو اُن کے بعد میں نے کھانا کھایا۔

اے خدا اگر میں اس قول میں سچا ہوں۔ تو یحییٰ اُس رستہ کوئی کے میرے لئے کشادگی فرما۔ اور اس مسئلہ سے نجات دے۔ اُس کی اس گفتگو سے پتھر اس قدر سرک گیا کہ کچھ کچھ شکاف غار نظر آنے لگے۔

دوسرے نے کہا۔ بارالہا تجھے معلوم ہے کہ میں ایک پری جمال نہایت حسین لڑکی پر فریفتہ تھا۔ ہر چند میں چاہتا تھا۔ مگر وہ کسی طرح قبضہ میں نہیں آتی تھی۔ مجبوراً ایک سو دینار دے کر میں نے صرف اُس کو اس بات پر راضی کیا۔ کہ ایک شب میرے ساتھ خلوت کرے۔ جب وہ میرے پاس آئی۔ تو میرے دل میں نرس اور خوف خداوندی غالب ہو گیا۔ اور میں نے اُس کو بدوں خلوت کو رخصت کر دیا۔

خداوند! اگر میرا واقعہ درست ہے۔ تو ہمارے اس طرح کشائش بھیج۔ اور سامان ہماری رٹائی کا پیدا کر۔ فی الحال پتھر اتنا اور سرک گیا کہ غار کا منہ کھل گیا۔ مگر ابھی اتنا نہیں ہٹا تھا کہ باہر آ سکیں۔

تیسرے نے کہا النبی تو جانتا ہے۔ کہ میرے جہاں مزدور کام کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ تمام مزدور اپنی اپنی مزدوری لے کر چلے گئے۔ مگر ایک شخص یونہی بغیر مزدوری لئے چلا گیا۔ میں نے اُس کی اجرت سے ایک بکری خرید لی۔ اور وہ چالیس برس تک نہیں آیا۔ اس بکری سے بہت بچے پیدا ہوئے، اور اُس کی نسل خوب بڑھ گئی۔ ایک روز وہ مزدور آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔ اے

عزیز تجھے یاد ہو گا۔ میں نے ایک ن تیرے یہاں مزدوری کی تھی۔ اور بغیر اجرت لئے چلا گیا تھا۔ اب مجھے اپنی اجرت کی ضرورت ہے۔ اگر اس وقت مل جائے تو نہایت خوب ہے۔ میں نے کہا۔ فلاں جگہ جا۔ اور وہاں قننی بکریاں کھڑی ہیں سب لے جا کہ وہ تیری ملک ہیں۔ اُس نے کہا اے عزیز میرے ساتھ تسخیر کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ میں راست کہتا ہوں۔ اور تمام قصہ بیان کیا۔ چنانچہ وہ شخص بکریاں لے گیا۔

اے اللہ اگر میں اپنے کام میں راست گو ہوں۔ تو اپنی جناب سے وسعت و فرح عنایت کرنی الحال پتھر مذکور اس قدر ہٹ گیا کہ وہ تینوں شخص باطمینان اُس سے باہر نکل آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کرامت ہے۔ معجزہ نہیں۔ اور کرامت حق ہے۔

حریج راہب کی حکایت

ایک دوسرا قصہ حریج راہب کا ہے۔ اور وہ بھی بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا حریج نام نہایت مترائس و مجاہد کہ عبادت و ریاضت میں اپنا اُسے زمان سے گئے سیقت لے گیا تھا۔ اُس کی ایک ماں تھی مستورہ و عنیفہ کہ علالت و دگرگاری سے شمار ہوتی تھی۔ ایک روز وہ اپنے فرزند حریج کے دیکھنے کو معبد میں آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ حریج اندر سے عبودہ کا دروازہ بند کئے ہوئے عبادت الہی میں مشغول ہے۔ ناچار وہ عنیفہ محروم لوٹ گئی۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی دیدار فرزند سے محروم پھر گئی۔ اب تو اُس سے نہ رہا گیا۔ اور دل مشتاق و بیدار پسر سے مجبور ہو کر خدا کی جناب میں دعا کی۔ انہی صریح نے مجھ کو اپنی ملاقات سے محروم رکھا۔ اور میں تین مرتبہ آئی اور پلٹ گئی۔ خداوند اُس کو پکڑا اور سوا کہ۔ ان عنیفہ کا تیر دعا ہدف اجابت پر پہنچا۔ اور ایسا ہوا کہ اُس وقت ایک عورت تھی بدکار و فاسقہ اُس نے عزم بالجزم کیا کہ میں صریح کو بے راہ روں گی۔ اس ارادہ سے اُس کے پاس آئی

مگر حریج نے اس کی جانب التفات نہیں کی۔ فاحشہ وہاں سے روانہ ہو کر رستہ میں ایک مردِ آوارہ بد معاشرے سے ملائی ہوئی۔ اتفاقاً اس سے مل رہا گیا۔ جب پیدا ہوا۔ تو مشہور کیا کہ یہ فرزندِ حریجِ راہب کا ہے۔ لوگوں نے حریج کو پکڑا۔ ائمہ سلطان وقت کے پاس لے گئے۔ حریج نے عورتِ مذکورہ کی خلوت وغیرہ سے انکار کیا۔ لوگوں کو یقین نہیں آیا۔ حریج نے کہا۔ اگر تم کو یاد نہیں۔ تو بچہ سے دریافت کرو۔ سب نے کہا۔ بچہ کیونکر بول سکتا ہے۔ آخر حریج بچہ کی جانب مخاطب ہو کر بولا۔ اے کوہک بحق خدائے عزوجل سچ کہو کہ تیرا باپ کون ہے۔ اس نے کہا۔ میرا باپ نذاں شخص ہے۔ میری ماں جھوٹا کہتی ہے۔ اور بچہ پر ناحق تہمت لگاتی ہے۔

ہماری غرض ان حکایات کے بیان کرنے سے اثباتِ کراماتِ اولیاء ہے تاکہ متکبرانِ دین کرامتِ اولیاء اللہ سے انکار نہ کریں کہ کرامت کا انکار حقیقت میں معجزہ نبی کا انکار ہے۔ آج کل عوامِ لوگ اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ اصحاب کرامت اور معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کو خلافِ عقل بتاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں۔ اور آپ کی تمام باتوں کو سچا اور متجانب اللہ سمجھتے اور قرآنِ کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ ہرگز کرامت کا انکار نہیں کر سکتے۔ پھر ان کے سوا اگر کوئی ہے وہی شخص ایشیاء الحاد کے سیدِ معجزات و کرامات کا منکر ہو۔ تو یہاں ہم کو ان سے بحث نہیں۔ معجزہ اور کرامت امورِ ذاتِ جبہِ قطعیہ سے ہیں۔ لہذا کوئی ذی عقل آدمی اس سے ہرگز ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ قرآنی آیات سے آصف بن برخیا حضرت مریم اور اصحاب کھف وغیرہم کی کرامت ظاہر ہے۔

واقعات صحابہؓ سے اثباتِ کرامت

کرامت کی دوسری قسم

اب ہم واقعات صحابہؓ اور تابعینؓ سے مسئلہ کرامت پر روشنی ڈالتے

ہیں۔ دوسری قسم کرامت کی یہ ہے کہ ولی تابع شریعت ہو اور پراگھانا۔ اور پانی پر چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت زید علم بردار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب جنگ موتہ میں آپ کو علم برداری کی خدمت سپرد ہوئی۔ تو آپ اس قدر مشغول یہ جنگ ہوئے کہ آپ کے دونوں ہاتھ کٹ کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ اپنے بازوؤں سے اپنے ہاتھ لٹکائے شہید ہوئے۔ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ پر اطلاع پائی۔ فرمایا کہ جعفر طیار شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دارِ بہشت میں جگہ کرامت فرمائی۔ اُن کے دونوں ہاتھوں کے عوض اللہ تعالیٰ نے اُن کو باقوت سرخ کے دو بارہ عنایت فرمائے تا وہ جہاں چاہیں۔ ریاض و روضات جہاں ہیں پرواز کرتے پھریں۔

کرامت کی تیسری قسم

تیسری قسم کرامت کی یہ ہے کہ جمادات و حیوانات ولی تابع شریعت سے کلام کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت فاطمہؑ سے منقول ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب پہلی شب کو جناب علیؑ کرم اللہ وجہہ میرے بستر پر آئے۔ تو میں نے زمین کو آپ کے ساتھ کلام کرتے سنا۔ میں ڈری۔ اور صبح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کو ذکر کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ فاطمہؑ ڈرو نہیں۔ زمین تمہارے شوہر سے راز کہتی ہے۔

چوتھی اور پانچویں قسم

چوتھی قسم یہ ہے کہ ولی آتی ہوئی بلا و مصیبت دفع کر دیتا ہے۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ وہ دشمنانِ دین سے اپنے ادنیٰ اشارے کے ساتھ بے آگاہی۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز جب کہ آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اپنے لشکر کو تہا وند میں دیکھا۔ جو قریباً ایک عینہ کی مسافت ہے۔ اور اس وقت آپ نے

حضرت ساریہؓ کو جو شکر مذکور کے امیر تھے۔ فرمایا یا ساریہؓ الجبل الجبل آپ نے خطبہ کے درمیان تین دفعہ ایسا ہی کہا۔ یعنی اے ساریہؓ پہاڑ کی جانب سے آگاہ ہو۔ یہ کہہ کر پھر خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ لوگ کہنے لگے کہ شاید عمرؓ پر جنوں طاری ہو گیا ہے۔ جب حضرت ساریہؓ نے اُس لشکر سے مدینہ کی جانب مراجعت کی۔ تو اُٹھائے سخن میں کہنے لگے جمعہ کے روز صبح سے ہم جدال و قتال میں مصروف تھے۔ کہ ناگاہ وقت نماز جمعہ میں نے ایک آواز سنی کہ متادی ندا کرتا ہے۔ یا ساریہؓ الجبل الجبل۔ یہ سن کر ہم نے دشمن کا پتہ لگا لیا۔ جو گھات لگائے۔ پہاڑ کی آڑ میں بیٹھے تھے۔ پھر تو ہم نے اتنا قتل و غارت کیا کہ دشمن کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ ساریہؓ کی زبانی اس واقعہ کے سننے سے جن لوگوں کو حضرت عمرؓ پر جنوں کا گمان ہوا تھا۔ وہ ایک زبان بول اُٹھے کہ حقیقت میں حضرت عمرؓ ایسے ہی کامیاب کے لئے منتخب ہوئے ہیں۔ جو ہماری فہم سے بالاتر ہیں۔ دوستو اُن کے حال سے تشریف نہ کرو۔

نیز حضرت عمرؓ کی جملہ کرامات سے ایک یہ ہے کہ شواہد النبوت میں مذکور ہے کہ جب ملک مصر کو اہل اسلام نے فتح کر لیا۔ تو اُس وقت امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی جانب سے حضرت عمر بن العاصؓ دماں کے حاکم تھے ایک شخص اہالیان مصر سے عمر العاصؓ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ رود نیل جب خشک ہو جاتا ہے۔ اور بارہ روز اسی طرح گذر جاتے ہیں۔ تو یہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک سین خوب صورت ردا کی کو تلاش کرتے ہیں۔ پھر اُس کے ماں باپ کو بڑت سا مال و متاع دے کر ردا کی کو حاصل کرتے ہیں۔ اور زرد و جاہر پہنا کر اُس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے دریائے نیل اپنی معمولی رفتار کے موافق بہنے لگتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے۔ اور ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

عمر و العاصؓ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا آئیں سلامی میں یہ مگر کسی نوع جائز نہیں۔ اور نہ ہم لوگ ان توہمات کے قائل ہیں۔ پھر دہیں امیر المؤمنین سے دریافت کرتا ہوں۔ وہاں سے جو حکم ہو گا۔ کیا جائیگا۔ الغرض جب عمر و العاصؓ کی کتابت امیر المؤمنین کی خدمت میں پہنچی۔ تو آپؐ نے ایک پرچہ کاغذ پر دریائے

نیل کو یہ عبارت مکتبی میں عبد اللہ امیر المؤمنین الی سرود النیل آتا
 بعد فا نالاً فاشقت بر سوع الحاحلیة و کن سر یا ذن اللہ
 یعنی خدا کے بندے امیر المؤمنین کی جانب سے دو نیل کو معلوم ہو کہ ہم جاہلیت
 کی رسموں کو بالکل نہیں اتے۔ تجھے چاہئے کہ حسب معمول خدا سے حکم سے جاری
 ہے۔ اور عمرو العاص کو لکھ دیا کہ اس مکتوب کا غلہ کو دریائے نیل میں ڈال دو۔
 چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اس سے آج تک دو نیل حسب معمول بتاتا ہے۔

حضرت خالد کی کرامت

ایک واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھی اس بات میں قابل ذکر ہے۔
 کہ جب آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان خلافت میں خیبر کی
 جانب بھیجا۔ تو اہل خیبر نے ایک شخص عبد المسیح نامی کو تھوڑا زہر شے کہ حضرت خالد
 کے پاس روانہ کیا حضرت خالد نے دریافت کیا۔ یہ کیا ہے؟ وہ گھبرا کر بول اٹھا
 یہ زہر ساعہ ہے۔ اہل خیبر نے ہدیہ کے طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ وہ زہر
 ہے جس کے کھانے سے اگر ساتویں انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ آپ نے
 اس سے زہر لے لیا۔ اور یہ کہہ کر پی گئے۔ یسوع اللہ و یا اللہ رب الارض
 و السماء یسوع اللہ الذی لا یضر مسم اسمہ شیئ ولا داء عبد المسیح
 یہ دیکھ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ گیا۔ اور کہنے لگا۔ ان لوگوں سے صلح کر لو۔ یہ
 ایسے مقبول ہیں کہ سمساعہ لے بھی ان پر کچھ اثر نہیں کیا۔

اسی طرح تابعین تبع تابعین اور اکثر اولیاء امت سے ہوا زلا تعدا و

کرامتیں منقول ہیں۔ جن میں بیان موجب قبول کلام ہے۔ غرض کرامت کا مسئلہ
 ایک مسئلہ ہے۔ اس سے مواضع اور بے دین لوگوں کے کسی کو انکار نہیں ہو
 ہم اتنا بھی بیان نہیں کرتے۔ کیونکہ شیخ شهاب الدین اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو بخوبی
 لکھ چکے ہیں۔ لیکن خیال اس امر کے کہ ان کا بیان وحید و مختصر ہے۔ ہم نے اس

لے الشریعہ لکھنے نام پاک سے (امیر کو پتہ ہو) اللہ کریم کے مبارک نام سے جو زمین اور آسمان کا
 پروردگار ہے۔ جو ذات پاک جس کی برکت سے کوئی شے اور کوئی جیہ ضرر نہیں کرتی۔

مسئلہ پر پوری روشنی ڈالنا مناسب یا نا۔

معجزہ کرامت اور سحر میں فرق ایک نہایت لکھنے والا ہے

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر معجزہ کرامت اور سحر کے درمیان فرق بھی بتا دیں۔ اور اس باب میں صرف مولانا بصر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے اسی بیان پر اکتفا کریں۔ جو انہوں نے مثنوی شریف حضرت مولوی رومی قدس سرہ کی شرح شریف میں فتوحات مکیہ سے تحریر فرمایا ہے۔ دیکھو شرح مثنوی مولانا دوم ص ۵۴۹ و ۵۵۰ و فقرہ سوم یہ بیان نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اکثر دلیہ را در گتہ رخ لوگ جو حقائق الہیہ سے واقف نہیں ہوتے۔ اس موقع پر کھدیا کرتے ہیں کہ نبی کی رسالت اور ولی کی ولایت کی دلیل میں ان کے معجزات اور کرامات پیش کرتے ہو۔ مگر ہم وہی عجائبات سحر ساحر میں بھی پاتے ہیں۔ پھر نبی و ولی کو ساحر سے کس طرح تمیز کیا جاسکے۔ اور معجزہ کرامت اور سحر میں کیونکر فرق ہو سکے۔

جاننا چاہئے کہ حضرت مولوی رومی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں لکھا ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے تمام ٹالاک و جادوگر جمع کئے تو انہیں وہ مشہور نوجوان جادوگروں کو پیغام طلب بھیجا وہ دونوں اپنی ماں کے پاس آئے۔ اور کہا ہمیں بابا کی قبر بتا دے۔ تاکہ ہم اس سے ضروری باتیں استفسار کریں۔ ماں ان کو ان کے باپ کی قبر پر لے گئی۔ دونوں نے جو ان بچوں نے اپنے باپ سے دریافت کیا۔ اے بابا ہماری طلبی میں فرعون کا پیغام آیا ہے کہ وہاں جا کر دو درویشوں یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے مقابلہ کریں۔ ان کے پاس سوا عصا کے کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ پس اے بابا ہم کو اس سے آگاہ کر کہ وہ درویش کیسے ہیں۔ اور ہمارا جانا سود بخش ہو گا۔ یا نہیں؟ باپ نے جواب دیا۔ میں اس کام کی اصل حقیقت سے پورا آگاہ ہوں۔ مگر ظاہر طور پر کہنے کی اجازت نہیں۔ اے عادت مند فرزندو! میں تم کو ایک بات کتا ہوں۔ اسی ہے، اصل حقیقت کا پتہ لگا لینا۔ وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ۔ اور درویشان مذکور کی خواب گاہ تماشاں کرو۔ جب موسیٰ کو سوتا پایا تو اس کی عصا چرائے کا ارادہ کرنا پس اگر

تو عصا کے چلنے میں کامیاب ہو گئے۔ تو سمجھ لیتا کہ وہ یعنی مومن اور کافروں دونوں
 ساحر ہیں۔ تو تم کو - حرکات و سکنات کے طور پر بتاتا ہے۔ تم اس میں ہر طرح کا لہو لہو
 اگر تم ان کے عصا پرانہ سکے تو یہ یقین جاتا کہ وہ ساحر نہیں۔ بلکہ وہ عسکر اور اللہ
 تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ دونوں بیٹے باب یہ حکم سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
 تلاش میں گئے معلوم ہوا کہ آپ ایک تخت کے تلے سو رہے ہیں۔ اور عصا قریب
 ہی رکھا ہے۔ دونوں نے اس تخت کو غنیمت دیا۔ اور عصا پر لانے کے لئے آگے
 بڑھتے چاہتے تھے کہ عصا کو اٹھائیں۔ اتنے میں عصا نے حرکت کی۔ اور ایسا کرنے
 میں آیا کہ دونوں ساحر بچے اس کو دیکھ کر خوف کے لئے خشک ہوتے گئے۔ اس
 کے بعد عصا نے اڑدے ہوئے خود بخود اس ساحر بچوں پر حملہ کیا۔ یہ دیکھ کر دونوں
 بھاگ گئے الخ *

حضرت مولانا محمد علی صاحب دہلوی کہتے ہیں کہ مولانا ابن ابی شیبہ حنفی
 کے درمیان فرق بتایا ہے اس میں کہ ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا
 بتلاف مجزہ کے کہ وہ غفلت رسول کی حالت میں باقی رہتا ہے۔ اس کا سبب
 یہ ہے کہ مجزہ ایک ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ رسول کے ماتھے پر پیدا کرتا ہے
 تاکہ اس سے رسول کے دشمن کی صداقت ہو۔ اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز غلطی
 نہیں ہوتی۔ جب یہ کہ ارادہ اٹھائی اس کو قائم و باقی رکھنا چاہیے۔ وہ قائم و
 باقی رہتی ہے۔ پس رسول کی غفلت اور عدم غفلت کو بتایا کہ مجزہ اور عدم غفلت
 مجزہ میں خلل نہیں ہے۔ اور ساحر ایک ایسا امر ہے جو بصیر یا دیگر قوتی پر واقع ہوتا
 ہے۔ اور حقیقت اس میں کوئی واقعیت نہیں ہوتی۔ مسطور اس کو خلافت
 ماکھو ملک اور کربا ہے۔ پناہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَإِذَا أَحْبَبَ اللَّهُ
 وَعَبْدَهُ خَلِّصَ إِلَيْكَ مِنْ سِحْرِ هَيْمَةَ أَنْبَا لَمْ تَحْضُرْ
 کی رسمیاں اور لاطیباں دیکھنے والے کے خیال میں دوڑتی دکھائی دیتی ہیں۔
 یہ سحر قوت بشریہ کے قوت میں خلل ہے۔ اور اس کی وہ قسمیں ہیں۔ ایک قسم
 وہ ہے جو خاص اسرار یعنی سحر و جادو سے متعلق ہے۔ جیسا کہ متروک
 کا لفظ کرتا ہے۔ تو ان کے ذریعہ بصیر یا دوسری قوتوں پر ایسی چیزیں ظاہر

ہو جاتی ہیں۔ جو نفس الامری میں مشغولیات میں موجود نہیں ہیں۔ دیکھئے والا صرف منتر کے زور سے غیر واقعی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر وہ بعد عزت سے ہیں یا ان کی آواز سناتا ہے۔ اگر وہ مسموعات سے ہیں۔ یہ ساحروں کا فعل ہے اس قسم میں ساحر خود جانتا ہے کہ حقیقت میں وہ مرنے اور وہ مسموع نہیں ہے۔ مگر ابصار یا اسماع میں *۔

دوسری قسم کو جب اور صرف قوت نفسیہ سے متعلق ہے یعنی صرف ساحر کی توجہ اور قوت نفسیہ کے صرف کرنے سے بصیر یا دیگر قوتوں پر غور و غیرہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس قسم میں بھی تو ساحر کو خود معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت ان کا وجود نہیں۔ اور بھی وہ اپنے جمل مرکب سے سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں سچ کوئی وجود رکھتی ہیں۔ غرض ان دونوں قسم تحریریں یہ ضرور ہے کہ ساحر سحر کی بات سے غفلت نہ کرے۔ نہ سحر کا اثر جاتا رہیگا۔ اور خود سحر بھی باقی نہیں رہیگا۔ لیکن معجزہ امر فارق عادت کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدعی رسالت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے تاکہ وہ اس کے صدق کے لئے آیہ قطعیہ ہو اس میں رسول کے صرف ہمت اور صرف قوت نفسیہ غیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ جب رسول امر فارق عادت کے ظہور کے لئے ہمت یا توجہ کو صرف کرے۔ اُس وقت وہ امر فارق عادت ظاہر ہو۔ وہ تو فعل الہی ہے۔ رسول کی صرف ہمت اور عدم صرف ہمت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ معجزہ کا رجوع ایسے امور کی جانب ہے۔ جو خدا کی جانب سے ہیں۔ حتیٰ کہ رسول کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ معجزہ خارق عادت ہے کہ طاقت بشریہ اُس سے عاجز ہے۔ اگر ہمت سے ہوتا۔ تو طاقت بشریہ اُس سے عاجز نہ ہوتی۔ اور یہ خارق عادت واقع میں حیلہ انبیائے واقفہ کی مانند موجود ہے۔ رسول کو کبھی تو اُس کا علم ہوتا ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جب خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرفی کیا میرے ہاتھ میں عصا ہے کہ میں اُس سے کار چوپائے وغیرہ میں نفع اور درد لیتا ہوں۔ فرمایا۔ ہاتھ سے ڈال دو۔ جب ڈال دیا۔ تو عصا سانپ بن گیا جسے

عادت بشری کے موافق سناٹے سے ڈرے۔ غرائز فرمایا۔ خوف نہ کرو۔ ہم
اُس کو پہلی حالت پر لے آتے ہیں۔ چنانچہ وہ پھر عدا ہو گیا۔ پھر خدا نے فرمایا۔
موسیٰ یہ عدا اور بیداری دونوں ہماری آیات ہیں۔ تم انہیں بیکر فرعون کو پاس
جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ ۛ

پس معلوم ہوا کہ اگر عدا کا سناٹا ہوتا تو اسے علیہ السلام کی صرف ہمت
سے ہوتا۔ تو اس سے ڈرتے ہی کیوں۔ اور اکثر قرآنی نسخوں اس امر کی شاہد ہیں۔
کہ معجزات انبیاء کی قدرت سے بالاتر ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرت سے معجزات
پیدا کرتا ہے۔ اس لئے کہ ان سے رسول کی صداقت اور اس کی نبوت و رسالت
کی سچائی ظاہر ہو۔ معجزات کو رسول کی صرف ہمت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔
اور جو کچھ صرف ہمت سے واقع ہوتا ہے۔ پس وہ ولی کی کرامت ہے۔ اور
اس کو معجزہ صرفہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جو ہمت دلی سے ہوا۔ تو صرف اس سبب
سے وہ اس سے شرف ہوا کہ اس میں رسول کی اتباع بوجہ کمال پائی جاتی تھی۔ تو یہ
کرامت تابع کی دلیل ہے۔ رسالت متنبوع کی اور ولی جو کچھ اپنی ہمت سے کرتا
ہے۔ اگرچہ وہ امر واقعی اور خارج صس ہوتا ہے۔ لیکن طاقت بشریہ کی تحت
سے خارج نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ہمت سے ظاہر کرتا ہے۔ اور معجزہ کا صدور
وجود طاقت بشری سے خارج ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَإِنَّمَا
أُفَاتِكَ عَنْكَ اللَّهُ كَيْدٌ وَلَئِنْ كُنْتُمْ عَلَی الشَّرَافِیَّةِ آلَہِ وَسَلَّمِ كَآیَاتِ بَیِّنَاتٍ
اللہ کے نزدیک ہیں۔ ہم کو ان کے پیدا کرنے اور ظاہر کرنے پر قدرت نہیں ہے
ایک بات یہ بھی ہے کہ جو چیز ہمت سے مخلوق اور ظاہر ہوتی ہے۔
اُس کے لئے یہ شرط ہے کہ صاحب ہمت اُس چیز کی طرف سے غافل نہ ہو۔ ورنہ
وہ چیز نیست و معدوم ہو جائے گی۔ اور معجزہ کے باقی رہنے میں صاحب معجزہ
کی عدم غفلت شرط نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ معجزہ صرف ہمت سے نہیں ہوتا۔
بلکہ اُس کا ایجاد و ایجاد عالم کی طرح قدرت الہیہ کے ماتحت ہے۔ پس فرق درمیان
معجزہ، کرامت اور معجزہ کے یہ ہے کہ معجزہ بدول صرف ہمت رسول کے محض قدرت
حق سے ہوتا ہے۔ اور معجزہ نفس الامر میں موجود ہوتا ہے۔ اور کرامت ولی کے تصرف

سے ہوتی ہے۔ اور اُس کی ہمت سے متعلق ہے۔ اور یہ امر جو تصرف کی اور اُس کی ہمت سے واقع ہوا۔ یہ بھی نفس الامر میں موجود ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی کرامت صرف ہمت و بل سے واقع ہو۔ تو اُس میں بھی وہی کا عالم ہوتا اس امر سے ضرور ہے۔ بخلاف معجزہ کے کہ نہ اُس میں بھی کسی مرتبہ ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ پہلے سے اُس کا علم ہوتا ہے۔ وہ قدرت الہیہ میں اُل ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اور جس وقت چاہتا ہے۔ رسول کے ہاتھ پر کھڑا ہو کر دیتا ہے۔ اور سحر ساحر کا تصرف ہوتا ہے۔ خواہ وہ تصرف اُس کی قوت نفسانیہ سے متعلق ہو۔ خواہ منسوخ وغیرہ کے پرستے سے۔ یہ تصرف دیکھنے والوں کے حواس میں ہوتا ہے۔ اور نفس الامر میں موجود نہیں ہوتا۔

ایک اور طریق سے معجزہ اور سحر میں فرق

امرار الشریعۃ الظاہرہ صفحہ ۶۶ میں ہے۔ و معترفۃ المعجزۃ لا تعتبر بالامنیۃ الاول صلاۃ الرسول فی نفسہ و فاضلہ و علی غیرہ و سمتہ من الذنوب والمعاصی والثانی التحدی بالمعجزۃ و ادعاء ان الخلق علی کثرۃ ہم و معارفہم و علوہم التي اشمعوا علیہا لن یا تو ابی مثل ما ہو یاقی بہ و یوقفت الخلق العجز الضروی عن اتیان بدئل معجزۃ الرسول فلما لک وجب اتباعہ و حُصرت مستحیبتہ اور معجزہ کی معرفت دو باتوں پر موقوف و معتبر ہے۔ اول یہ کہ فی نفسہ صالح اور اپنے غیر پر ظالم ہوتا۔ اور اُس کا مقصود ہونا جھوٹ اور گناہوں سے۔ دوسرے معجزہ کے ساتھ مخالفین کو چیلنج دینا۔ اور یہ دیکھنے کے لئے کہ مخلوق باوجود کثرت و وسعت مدلولات کے بھی کہ معجزہ کے مثل لانے سے عاجز ہے۔ اور کبھی غیر ضروری مخلوق کو بھی کہ معجزہ کی مثل لانے سے روک دیتی ہے۔ اسی واسطے بھی کہ متابعت واجب ہوئی۔ اور اُس کی نافرمانی حرام۔

اس کے بعد معجزہ اور سحر میں فرق بتاتے ہیں۔ اور اُس کو دو طرح سے

ثابت کرتے ہیں۔ اول یہ کہ جادو ہمیشہ بدکار نیکے آدمی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے
دوسرے یہ کہ نیکے اور شقی پیدا کرنے سے جادو پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور
وہ حق کے تصور کے تحت باطل ہو جاتا ہے۔ اور بائیں باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ
نظر بندی اور تخیل ہے۔ اور خیالی حقیقت سے ظاہر ہونے پر تاپید ہو جاتا ہے
اور کرامت اور حق کے مابین دو طرح فرق ہے۔ اول یہ کہ کرامت دلی خدائے ہاتھ
پر ظاہر ہوتی ہے۔ دشمن خدا کے ہاتھ پر کسی ظاہر نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ دلی
اس بات کا مقر اور معترف ہوتا ہے کہ اس کی کرامت اس نبی کی پیروی اور سچی
مطابقت کی برکت سے ہے جس کا وہ تابع ہے اور جس پر وہ ایمان لایا ہے۔ اور
جس کی سنت کی وہ پوری اطاعت کرتا ہے۔ اور اگر وہ با استقلال یعنی بلا توشیح
کسی نبی متبوع کے کرامت کا دعویٰ کرے۔ تو اس کی اور اس کی کرامت کی تکذیب
ہوگی۔ اور اگر اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کرے۔ تو دلی ہونا کجا۔ وہ تو فاسق اور مرتد
سمجھا جائے گا۔

عورتوں کو منع کرنے کی ضرورت کے بیان میں

علمائے اہل سنت و الجماعت کے نزدیک بالاتفاق متروک النساء یعنی عورتوں سے
مدت معین تک ایک مقررہ معاوضہ کے ساتھ فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ منته کی تفصیل
حدیث ثابت ترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ منته ابتداءً سلام میں تھا
جب کوئی شخص کسی ایسے شہر میں قیام کرتا تھا جہاں اس کا کوئی جان پہچان نہ ہوتا
تھا۔ تو وہ عورت اس کی محافظت کرتی۔ اور اس کے لئے اس کی چیز طیار کرتی
تھی۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا عَلَى الْأَنْزِلِ إِلَّا صِرَاطُ مَا مَلَكَتْ
إيمَانُهُم ابْن عباس نے کہا۔ کل فنرجع سواهما حرماً یعنی بیویوں و
لوٹڈیوں کے سوا تمام عورتیں حرام ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود منته کو حرام فرمایا۔ بعد اس کے جوہین دن کی اجازت
نے دی تھی۔ اور اس تحریر کو مؤید کیا۔ یا یٰ کَافِرِ الْقُرْآنِ لَعَنَ الْآبَاءُ

فرمایا۔ منفعہ قیامت تک حرام ہے۔ اور یہ اجازت تین دن کی اوطاس کی لڑائی میں تھا
اس کے بعد سے منفعہ قیامت تک حرام کیا گیا۔ اور شریعہ منفعہ کی حدیث بروایت
حضرت امیر علیہ السلام ان قدر شہرت و تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ حضرت امام حسن کی اولاد
اور محمد بن حنفیہ کی اولاد نے روایت کیا ہے۔ اور موطا و بخاری و مسند و غیرہ میں
متعدد طریق سے یہ روایات ثابت ہیں۔ وَقَدْ رَوَى ابُو نَصِيرٍ فِي الصَّحِيحِ
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصَّدَاقِ أَنَّهُ سَمِعَ عَنِ الْمُتَعَنِّهِ هِيَ مِنَ الْأَرْبَعِ
قَالَ لَا وَكَأَنَّ السَّبْعِينَ اور تحقیق روایت کی ابو نصیر نے اپنی صحیح میں۔
حضرت عبداللہ صدیقؑ سے کہ پوچھا اُن سے منفعہ کے معاملے میں کیا وہ چار میں
داخل ہے۔ فرمایا نہیں۔ اور نہ ستر میں داخل ہے۔ یہ روایت صحیح دلالت کرتی ہے
کہ عورت منفعہ کی زوجہ نہیں ہے۔ ورنہ وہ چار میں محسوب ہوتی۔ اور یہی سبب ہے
کہ جو احکام زوجہ کے ہیں۔ اُس میں سبب منتفی ہیں۔ جیسے عدت اور طلاق اور ایلا
اور ظہار اور احصان حاصل ہونا کسی کی مباشرت سے اور امکان لعان اور ارث
خود شیعہ کے نزدیک بھی ۛ

اور خود جناب امیرؑ سے مروی ہے۔ اِنَّهُ قَالَ اَمْرٌ فِي رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَزَادَ يَتَخَسَّرُ لِيَوْمِ الْمُنْعَةِ
یعنی جناب علیؑ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا
ہے کہ میں منفعہ کو حرام کرنے کی منادی کروں ۛ

غرض منفعہ کے حرام نہ کرنے کی حدیثیں اہل سنت کی کتابوں میں بڑا اہم
صاحب و نیز حضرت امیرؑ اس درجہ تواتر و شہرت کو پہنچی ہیں کہ اُن میں شبہ کی مطلق
گنجائش نہیں۔ اور نیز شیعہ کی روایت سے بھی منفعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے
جیسا اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا۔ اسی واسطے شیعان علیؑ میں بعض فرقہ ایسے
بھی ہیں۔ جو منفعہ کو حرام جانتے ہیں۔ اور اُن کو زنا سمجھتے ہیں۔ مثلاً فرقہ اسماعیلیہ
وغیرہ کہ فقیر مسترحم کو خود اُن کے ملاؤں کی زانیہ معلوم ہوا ہے کہ منفعہ اُن
کے نزدیک حرام ہے۔ ہاں یہ یہاں صرف اثنا عشریہ کا فرقہ تھا ہر ایسا ہے کہ
وہ عورتوں سے منفعہ کو جائز بلکہ موجب ثواب سمجھتے ہیں۔ اور عوام اہل اہل سنت کو

نہیں دینے کے لئے کہتا ہے کہ منہ کی عورت کے حقوق و شروط بالکل منکوحہ عورت کے سے ہیں۔ صرف اس میں دست معین کرنے کی قید ہے۔ اور نکاح میں قید نہیں۔ ان کا یہ بیان سراسر غلط ہے۔ منہ النسا قرآن شریف کی آیات اور احادیث نبوی سے حرام ثابت ہو چکا ہے منہ کی عورت کے حقوق وغیرہ بھی منکوحہ عورت کے سے خود مشبہہ کے نزدیک بھی ہرگز نہیں ہیں۔ چنانچہ بیان ہوا۔ اور خود مشبہہ بھی اس کو سبب احصان نہیں جانتے۔ اور حد سنگساری کی متمنع غیر منکوحہ پر جاری نہیں کرتے۔ اور نہ اس کو اور اس کی اولاد کو ارث پہنچاتا ہے۔ منہ سے نہر آپ منی کا بہانا۔ اور برتن منی کا خالی کرنا غرض ہوتی ہے۔

اب سنئے کہ باوجود اس قدر دلائل ظاہرہ کے! اور باوجود خود ان کے بعض فرقوں کے منہ کو حرام جاننے کے فرقہ امامیہ کیوں منہ کو جائز بلکہ موجب ثواب جانتا ہے اس کا سبب فقط جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عناد رکھنا ہے کہ ان کے خیال باطل میں یہ بات سمجھ گئی ہے کہ منہ کو جناب عمرؓ سے حرام فرمایا ہے۔ ورنہ منہ شریعت نبوی میں جائز تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ منہ کی حرمت خود جناب امیرؓ کی روایت سے ثابت ہے۔ اور نیز جناب امیرؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپؐ نے منہ کے باب میں حضرت ابن عباسؓ پر رد کیا۔ اور ان کو الزام دیتے ہوئے فرمایا۔ تو دیوانہ آدمی ہے اور خود جناب ابن عباسؓ اس علم کے بعد منہ کو خوک مردار اور خون کے کھانے کے برابر سمجھتے تھے کہ یہ چیزیں درحقیقت حرام ہیں۔ مگر غائر غلط ارکی حالت میں ان کا کھانا بھجوری رد اسے۔ یہی حال منہ کا ہے۔

بات یہ ہے کہ منہ کو خود جنگ طاؤس کے بعد سے جناب سول خدا نے حرام فرمادیا تھا۔ اور حکم ہو گیا تھا کہ منہ قیامت تک حرام ہے (بعض شیعہوں کا یہ کہنا کہ جنگ خیبر میں منہ پھر حلال ہو گیا۔ بالکل غلط ہے) مگر بعض لوگوں کو اس کی حرمت معلوم تھی۔ اور بعض کو معلوم نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ سے زمانہ خلافت تک یہی حال رہا۔ کہ نادانف لوگ منہ کرتے رہے۔ آپؐ نے بالکل اس کے انسداد کے واسطے فرمایا کہ منہ حرام ہے۔ قیامت تک۔ اس کے بعد

جو شخص متعہ کرے گا۔ اُس پر حد جاری کی جائیگی۔ ہمیں متعہ کی بحث کو طوا وینا منظور نہیں۔ اور نہ یہاں ہماری یہ غرض ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ شیعہ لوگ اہل سنت کو دھوکا دینے کے لئے بہت کچھ باتیں بناتے رہتے ہیں۔ چنانچہ متعہ کی بابت بھی کہتے ہیں کہ متعہ حلال تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو حرام کر دیا ہے۔

ہمارے اس مختصر بیان میں ان کی غلطی معلوم ہو جائے گی۔ اور اہل السنۃ
سب سے اہم یہ ہے کہ متعہ حرام ہے۔ اور اس کی حرمت ائمہ اہل بیت سے بھی ثابت ہے۔
شیعہ صرف حضرت عمرؓ کی مخالفت کے سبب اس کی جیسے فعل کے مرتکب ہو سکتے ہیں
اور یہ ان کا عام رویہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اکثر امور ان کے یہاں بھی بالاتفاق ممنوع
ہیں۔ مگر اہل السنۃ کی مخالفت ان کے ارتکاب پر انہیں مجبور کرتی ہے۔ اسی طرح
متعہ آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے حرام ہے۔ لیکن صرف حضرت عمرؓ کی مخالفت
کے سبب یہ اس کو حلال اور باعث ثواب جانتے ہیں۔ اور مثل اور آیات کے متعہ
کی حرمت کی آیات میں بھی ایسی تحریف کرتے ہیں کہ معاذ اللہ! چنانچہ اسی متعہ کے
باب میں نمونہ کے طور پر میں ایک قرآنی آیت پیش کرتا ہوں جس میں انہوں نے
غضب کی تحریف کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ
أَمْوَالَهُنَّ فَرِيضَةً مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُدْرِيكَ لَئِنْ عَوَدْتُمْ لَتَعَذَّبَنَّاهُنَّ
وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ اول تو شیعہ اس آیت سے متعہ کی حلت ثابت کرتے
ہیں۔ مگر حیل میں کامیاب نہیں ہوتے۔ اور جب جواب میں کہا جاتا ہے کہ مراد
استمتاع سے فائدہ پانا ہے۔ یعنی صحبت اور دخول بدلیل کلمہ فاکہ واسطے تنقیب کے
ہے۔ تو وہ اس آیت کو اس طرح تحریف کرتے ہیں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ مِنْهُنَّ
إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى تَرْجُمَہُ آپس یہ کہ فائدہ پکڑو تم ان عورتوں سے مدت مقررہ تک
اور کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ نے دپردہ الی آیت کو
اسی طرح پڑھا ہے شیعہ کا یہ مزاج بہتان اور افتراء ہے۔ کسی قرآن میں یہ آیت اس
طرح نہیں۔ پس یہ ان کی فریب ہی اور دھوکا بازی ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْہَا۔

تقیہ کی بحث

تقیہ کے باب میں مصنف علامہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اگرچہ طالب تحقیق کے لئے وہ کافی و کافی ہے۔ اور منکر کے لئے مسکت تاہم ہم نے مناسب جانا کہ اس موقع پر فرق مخالف کی آیات معتبرہ نقل کر کے یہ ثابت کر دیں کہ تقیہ حقیقت اُن کے نزدیک بھی نہایت مذہب اور ناقضہ فعل ہے۔ اور اس سے ضرورتاً ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم تمام و مآل بیزار و متنفر تھے۔ اہل شیعہ جو اُن بزرگوں کی نسبت و امانت تقیہ اختیار کرنے اور اُس کو اپنے اور اپنے تابعین کے حق میں مفید سمجھنے کی طرف کرتے ہیں حقیقت میں یہ اُن بزرگوں کے ساتھ انتہا درجہ کی گستاخی اور اظہار کینہی ہے۔ یہ تو مخالفین کو معاوم ہے کہ اہل اہانت تقیہ سے بیزار اور اُس کی مذمت کرنے والے ہیں۔ اور اگر کسی شیعہ نے اُس کی نسبت کسی سنی عالم کی طرف کی ہے۔ تو اُس نے خود اپنا منہ محک اڑایا ہے۔ اس لئے کوئی عقلمند یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ ہر شخص تقیہ کو برا سمجھنے والوں سے ہو۔ وہ خود اپنی تیسف میں تقیہ کی مدح کرے۔ اور اُس کو کسی سنی کے حق میں باز سمجھے۔ لہذا ہم اقوال اہل تسنن سے جو اس بات میں ارد ہیں قطع نظر کرتے ہیں۔ اور اس بل فضول سے بچ کر صرف علمائے شیعہ کی کتابوں سے بالاختصار تقیہ کا مذہب ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ شاید کسی گمراہ کا ہاتھ پکڑ کے صراحتاً مستقیم اہل حق و یقین پر لا ڈالے۔ وہ ہوا الما مول *

نہج البلاغہ سے تقیہ کی تردید

کتاب نہج البلاغہ میں حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی نصرت تقیہ کی مذمت میں موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپؑ نے فرمایا علامہ الايمان ايثارک المبدأ في حديث الحسن بن علي الكذاب حديث يتفعل ایمان کی عدمیت یہ ہے کہ تو سنی ہو لے کو متفق کرے ایسے مقام پر جہاں تیرا حق منصوص ہو۔ چھوٹا بولے پر ایسے مقام پر جہاں تجھ کو قاتل پہنچنے

کی امید ہو۔ یہ قصص صاف ظاہر کرتی ہے کہ تقیہ کرنے والے کا ایمان نہیں۔ ورنہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ نقصان پہنچنے کے مقام پر بھی تقیہ نہ کرے۔ اور بیچ بولے۔

نیز رنجی نج البلاغت میں حضرت امیر غفر سے ایک روایت لایا ہے جو تقیہ کو بالکل باطل کرتی ہے۔ رد و هذا، قال امیر المؤمنین انی والله لو قیتہ واحد و هم طلوع الارض کلھا ما بالیت ولا استکو حشمت و انی من ضلوا لتھم التی هو فیہا والھدی الذی انا علیہ لعالی بصیرتہ من نفسی و یقین من ربی و انی الی لقاء اللہ و حسن ثوابہ لمنظر سراچہ امیر المؤمنین نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر میں اکیلا مقابل ہوں۔ اور وہ روئے زمین بھر کر ہوں۔ تو میں ہرگز پرواہ اور خوف نہ کر ڈنگا۔ اور میں بے شک اُن کی گمراہی پر جس پر وہ ہیں۔ اور اپنی ہدایت پر جس پر میں ہوں۔ پورا خیر دار ہوں۔ اپنی نفس سے اور یقین سے اپنے پروردگار کے اوپر۔ اور میں بے شک اللہ کی ملاقات اور اُس کے حسن ثواب کا منتظر اور امیدوار ہوں۔

پس جو شخص تمام روئے زمین کے دشمنوں سے تنہا جنگ کر سکتا ہو اور بالکل نہ ڈرے وہ کیونکر تقیہ کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب امیر بھی تقیہ کو باطل سمجھتے تھے۔ اور آپ نے کبھی اور کسی وقت تقیہ نہیں کیا۔ نہ زمانہ خلافت خلفائے ثلاثہ میں۔ اور نہ اُس کے بعد اور نہ کبھی آپ کی اولاد احماد علیہم السلام نے تقیہ کیا سراسر صریح اور ثبت می روایتیں بطلان تقیہ میں جناب امیر سے وارد ہیں۔ جو شیعہ کی معتبر کتابوں مثل نج البلاغت اور کافی وغیرہ میں منقول ہیں اُن میں سے کچھ روایات بطور نمونہ کتب لمئے اہل سنت مثل صواعق محرقة اور تحفہ اثنا عشریہ اور آیات بیانات وغیرہم میں اتمام حجت کے طریق پر درج ہیں۔ غلبہ طلب ثمرہ، اور سُنئے جناب امیر کے تقیہ کے باب میں بھی اہل تشیع میں باہم اختلاف ہے۔ جمہور شیعہ کہتے ہیں کہ قبل حاکم ہونے کے تقیہ جناب امیر

پر واجب تھا۔ اُس کے بعد نہیں اور سید مرتضیٰ کہ جملہ امامیہ سے ہیں۔ وہ قائل ہیں کہ بعد حاکم ہونے کے بھی جناب امیر پر تقیہ واجب ہے۔ ہم تو ان کی دونوں باتوں کو گورِ شتر سمجھتے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ جناب علیؑ نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور آپ تقیہ کو نہایت مذموم سمجھتے تھے۔ اُن کی ذات اس سے ارفع تھی کہ دین کے مفاد میں ضمیر کے خلاف ظاہر کرتے۔ آپؑ نے بخوشی تمام اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کو تسلیم کیا۔ ہر امر میں اُن کے شریک معاون اور مددگار رہے۔ اگر اُن کی کوئی بات آپ کے خیال و رائے میں خلاف معلوم ہوئی۔ تو آپؑ نے فوراً اُس سے مخالفت کی اور اپنا خلاف ظاہر کر دیا۔ پھر جب ظاہر ہوا کہ آپؑ خلاف حقیقت میں آپؑ کی رائے کی غلطی سے تھا۔ تو اُسی وقت علیؑ اس الٹا شہادہ آپؑ نے اُس سے رجوع کیا۔ پھر اگر تقیہ جائز ہوتا۔ تو سب سے زیادہ موقع حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو تقیہ کرنے کا حاصل تھا۔ کہ آپ کے ہمراہ سفر میں صرف ستر بہتر آدمی تھے۔ اور ناموس اہل و عیال کا بھی خیال تھا۔ ادھر بڑے پلید کا لشکر تیس ہزار کی تعداد میں تھا۔ جو آپ سے لڑنے کو بھیجا گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اتنی افواج کثیرہ کے مقابلہ میں صرف ستر یا بہتر آدمیوں کی کیا گنتی تھی۔ مگر آپؑ نے ایسا نہیں کیا۔ اور جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ بڑے قاسق فاجر مخالف شریعت ہے۔ تو آپؑ بلا دھڑک آمادہ جنگ ہوئے۔ حتیٰ کہ درجہ شہادت پایا۔ اور آپ کے ہمراہی بھی شہید ہو گئے۔

یزید صرف آپ سے یہی چاہتا تھا کہ آپ اُس کی بیعت قبول کر لیں۔ فقط اتنی بات کے ماننے سے آپ کی جان و مال کی حفاظت ہوتی تھی۔ چونکہ آپ تقیہ کے جائز ہونے کے معتقد نہ تھے۔ لہذا آپؑ نے سرِ اُدھر آئینہ کی لہجہ کی۔ اور اپنے خویش و اقارب اور جان و مال سب کو راہِ حق میں نثار کر دیا۔ فرضی اللہ عنہم و عن احبابہ۔

تقیہ کے متعلق ایک واقعہ

فرقہ سنیوں کے ایک شیخ نے میری ملاقات تھی۔ اور کہیں کہیں وہ میرے

پاس آنا جانا تھا۔ ایک دفعہ اثنائے گفتگو میں علمی مذہبی بحث ہو پڑی۔ اس بحث کے شروع ہوتے ہی پہلا جملہ جو اس کی زبان سے نکلا یہ تھا۔ التقیہ تہمت دینی و دین ایاتی یعنی تقیہ کرتا میرا اور میرے بزرگوں کا دین ہے۔ میں نے کہا جب آپ اس بحث میں تقیہ کو استعمال فرمائیں گے یعنی حقیقت الامر کو چھپا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں کریں گے۔ تو اوّل تو بحث کا خاتمہ مشکل ہے۔ دوسرے فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ اور آپ تقیہ کے طور پر ہی ماراں میں آئے گے۔ دیکھئے تقیہ کیسی بُری چیز ہے۔ کہ انسان کہ اظہار حق سے سکتا و نہایت کرتا۔ اور شیروں کو بزدل اور ڈرپوک بناتا۔ اور ہر ایک مترکہ میں ہرا دیتا ہے۔ انہوں کہ آپ ایسے مذموم فعل کو واجب سمجھتے ہیں۔ اور اس کی نسبت ائمہ کرام خصوصاً جناب امیر فرما اور جعفر صادقؑ کی طرف کرتے ہیں۔

شیعی ملانے جو ابا کہا۔ تقیہ تو ہمارے ہاں واجب ہے خواہ وہ ہمارے یا جتنا ہے۔ ہم اُس کا ثبوت صرف جناب امیرؑ وغیرہ کی تصریح سے نہیں کرتے ہیں کیونکہ آپ لوگ اُنہیں کی کتابوں سے اس کی تردید کر دیتے ہیں۔ بلکہ ہم قرآن کی آیت سے تقیہ ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰى كُمْ ہمارے شیعی علماء نے اس آیت کے یہی کئے ہیں کہ مومنین میں خدا کے نزدیک اُسی کی کرامت اور بزرگی زیادہ ہے۔ جو زیادہ تقیہ کرتا ہے۔ میں نے کہا اگر اس کے یہی معنی ہوں۔ تو لازم آتا ہے کہ حضرت زکریاؑ حضرت یحییٰؑ اور حضرت امام حسینؑ علیہم السلام جنہوں نے بالا جماع تقیہ نہیں کیا۔ ہرگز خدا کے نزدیک بزرگ اور مکرم نہ ہوں۔ اور جمیع منافقین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ خدا کے نزدیک اُن سے زیادہ بزرگ و مکرم ہوں۔ یہ سن کر شیعی ملا ایسا خاموش ہوا کہ پھر اُسے گفتگو کا پار نہ رہا۔

غرض تقیہ کے بطلان اور تہمتیں ہزاروں بدیہی دلیل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ باطل و امیانت اور تباہی خیز فعل ہے۔ انبیاء اور بزرگانِ خدا نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور نہ اُس کو پائے بنا۔ یہ شیعوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔

ایمان کی حقیقت اور اُس کے مقام کی بیان

تفسیر عزیزی میں تحت آیہ کہ یہ لَوْ مَدَّوْا بِالْغَيْبِ کے مترادف ہے کہ ایمان عرف شرع میں تصدیق کو کہتے ہیں۔ یعنی اُن تمام باتوں کو سچا جاننا جو یقینی طور پر ہم کو دین محمدی صلی اللہ علیہ آلم وسلم سے ہونے کا علم ہے۔ اِس سلسلے کے قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے کہ ایمان دل کا فعل ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ اور كُتِبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانُ اور لَمَّا يَدْخُلُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ اور ظاہر ہے کہ دل کا کام سوائے تصدیق کے کچھ نہیں۔ پھر قرآن میں کہیں تو ایمان کو عمل صالح سے مقرون کیا ہے جیسے اس آیت میں۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور کہیں ان اعمال سے جو ماضی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا أَوْ دَانَ بَيْنَهُمَا شِيعَةٌ أَوْ كَانُوا فَجُورًا تو اس سے معلوم ہوا کہ نفس ایمان میں کسی قسم کے عمل کو خواہ وہ نیک ہو یا بد کوئی دخل نہیں۔ اور اگر نرا اقرار ہو۔ تصدیق اُس کے ہمراہ نہ ہو۔ تو قرآن شریف میں ایسے اقرار کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ اور درحقیقت وہ یقیناً نہیں ہیں۔ (یعنی زبانی اقرار کرتے ہیں۔ ولی تصدیق اُس کے ہمراہ نہیں ہے) تو ثابت ہوا کہ اقرار محض ایک حکایت ہے۔ پس ایمان سے اُس کو تعلق نہیں ہاں اگر اقرار زبانی محلی عنہ یعنی تصدیق کے ہمراہ ہو۔ تو قابلِ پذیرائی ہے۔ ورنہ کفر و حنوع اور زور و فریب ہے۔

ایمان کے جو دو حصے ہیں

وجودِ حقیقی

اور یاد رکھو کہ جس طرح ہر چیز کے لئے تین قسم کے وجود ہوتے ہیں

عینی۔ ذہنی۔ اور لفظی۔ اسی طرح ایمان کے لئے بھی تین وجود ہیں۔ پھر جس طرح ہر چیز کا وجود عینی اُس کی اصل ہوتا ہے۔ باقی وجودات اُس کی فرع اور تابع اُسی طرح ایمان شرعی کا بھی وجود عینی اصل ہے۔ باقی ہر ذرہ وجود و فروعات و توابعات۔ پس ایمان کا وجود عینی وہ نور ہے۔ جو دل میں پیدا ہوتا ہے سبب رفع ہونے اُن حجابات کے جو ایمان و حلق کے مابین حائل ہوتے ہیں۔ یہی نور ہے۔ جس کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک لطیف پیرایہ میں کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا
مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكُورَةٍ فَيَبْسُغُهُمْ مِمَّا يَنْفَجُرُ مِنْهُ نُورُ اللَّهِ وَلَهُ الَّذِينَ
آمَنُوا يَخْشَوْنَ الظُّلُمَاتِ يَخْشَوْنَ الظُّلُمَاتِ يَخْشَوْنَ الظُّلُمَاتِ يَخْشَوْنَ الظُّلُمَاتِ
فرمادیا ہے

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ نور ایمان بھی دوسرے تمام اوزار محسوسہ کی مانند۔ قوت و ضعف۔ اشتداد و انتفاص قبول کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذَا تَلَّيْتُمْ عَلٰى حُرَايَا نُوْرٍ زَادَ شَهَادَتُهُ اِيْمَانًا یعنی جب اُن پر خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تو اُن کے ایمان میں زیادت ہو جاتی ہے یعنی اُن کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ اور دلی نور میں ترقی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ اصل ایمان یعنی تصدیق قلبی میں زیادتی و نقص متصور نہیں۔ (کما سیاقی) حتیٰ کہ نور ایمان اوج کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ اور غلبہ و فرسخ ہو کر تمام قوی اور اعضا کو احاطہ کر لیتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اس کو انشراح صدر ہوتا اور حقائق اشیا پر پوری آگاہی ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے قوت بدر کہ پر غیوب الغیب کی تجلی ہونے لگتی ہے۔ اُس وقت وہ ہر چیز کو اپنے موضع و مقام پر ملاحظہ کرنے لگتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور اُن کے خیار کی تصدیق اُس کے لئے وجدانی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے تمام کام عین مطابق امر الہی کے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر مخطوطہ شرعی سے ڈور بھاگتا ہے۔ اس حالت میں حقائق فاضلہ اند ملکات حمیدہ اور اعمال صالحہ متبرکہ کے انوار نور معرفت سے آمیزش پا کر اور ایک جگہ جمع ہو کر اُس کے شبستان ظلمت ہمیشہ شہوت میں طرفہ چراغاں روشن کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں اسی جانب اشارہ ہے،

نور ایمان سے حقائق اشیا پر آگاہی

نُورٌ هُمْ لِيْسِي بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ أَنْ كَانُوا مِنْ كُفَرٍ
اور سیدھے بازو دوڑتا پھرتا ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا۔ نُورٌ عَلَى الْقُرْآنِ كَمَا
اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَقْرِبُ اللَّهُ الْإِيمَانُ رُشْدٌ وَرُشْدٌ رُشْدٌ
ہدایت کرتا ہے اللہ اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے۔ اور ایمان کرتا ہے۔ مثالوں
کو۔

۲۔ وجود ذہنی اور اس کے دو مرتبے

اور ایمان کا وجود ذہنی دو مرتبے رکھتا ہے۔ اول یہ کہ معارف متجلیہ
اور غیوب منکشفہ کا کلی طور پر ملاحظہ اجمالی ہوتا۔ چنانچہ مفاد حکم طیبہ لا الہ
إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ کا یہی ہے۔ اس ملاحظہ کا نام تصدیق اجمالی
ہے۔ دوسرے یہ کہ افراد غیوب متجلیہ اور معارف و حقائق منکشفہ کے ہر فرد
کا تفصیلی ملاحظہ حاصل ہو۔ مع اس کے تمام روابط متعلقہ کے اس کا نام تصدیق
تفصیلی ہے۔

۳۔ وجود لفظی

رہا وجود لفظی ایمان کا تو اس کو اصطلاح شرعی میں شہادۂ تین کہتے
ہیں۔ اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ کسی چیز کا وجود لفظی بدون تحقیق اس کی شہادت
کے کچھ فائدہ بخش نہیں ہوتا۔ ورنہ پانی کا نام لینا پیاسے کو سیراب اور روٹی کا
نام لینا بھوکے کو شکم سیر کر دیتا ہے۔ لیکن ایمان میں جو لفظی یعنی شہادۂ تین کا
اس سبب سے نتیجہ عظیم اور مدخل حسیم ہے کہ اٹھارہ مافی الضمیر یعنی تصدیق قلبی کے
ظاہر کرنے کی بدولت اس کے کوئی معنویت ماحول بشریت میں امکان نہیں رکھتی۔
یہی باعث ہے کہ تلفظ بہ کلمہ شہادت سے بظاہر آدمی کے ایمان پر حکم لگایا
جاتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اَمِنْتُ اَنْ
اَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُوْا اِلَیَّ اَللّٰهُ فَاِذَا قَدْ لُوْهُمَا عَصِيْمُوْا
مَنْی دِمَاءَ هُمٌّ وَاَمْوَالُہُمْ اِلَّا بِحَقِّہَا وَحَسَابِہُمْ عَلَی اللّٰہِ

تجربہ حکم ہوا ہے کہ لوگوں میں قتال برپا رکھوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ پس جب یہ کلمہ مذکورہ پڑھ لیں۔ تو بچا لیں مجھ سے جانوں اور مالوں کو ساتھ حق اُس کے اور حساب اُن کا اور پر اللہ کے ہے۔ جل جلالہ ۛ

ایمان میں یادت اور نقصان

اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ایمان کے زیادت و نقصان کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ کہ قوت و ضعف ایمانی کس کو کہتے ہیں۔ اور نیز واضح ہو گیا۔ کہ حدیث میں جو وارد ہے۔ لا یزنی الزانی حین یزنی و دُومون۔ اور الحیاء من الایمان اور ولا یومن احدکم حتی یامن حاسرہ یا انقصہ یہ اور اس قسم کی تمام حدیثیں کمال ایمان پر محمول ہیں۔ اپنے وجود یعنی میں۔ جو لوگ زیادت و نقصان کی نفی کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک مراد ایمان سے وجود یعنی ایمان کا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نور ہے۔ اور اُس میں ضعف و قوت اور کمال و نقصان متصور و متحقق ہے۔ بلکہ مراد اُن کی وجود ذہنی کا مرتبہ خستہ یعنی یعنی ملاحظہ اجمالی غیوب متجددہ اور معارف مشکفہ کا۔ اور ظاہر ہے کہ اس تصدیق اجمالی میں زیادت و نقصان نہیں۔ کیونکہ نفس تصدیق میں زیادت و نقصان غیر ممکن ہے۔ اس صورت میں کوئی نزاع اور خلافت۔ مابین فریقین کے نہیں رہتا۔ ۛ

ایمان کے تمام منقسم

اور ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ تقلیدی، اور تحقیقی، پھر تحقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ استدلالی و کشفی۔ پھر ان میں سے ہر ایک قسم منقسم بہ دو قسم ہے۔ ایک وہ جو انجام رکھتا یعنی اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا ہے۔ دوسرے وہ جو انجام

لے شدہ کوئی شخص کسی کو بار دُائے یا زاکرے حکم شرع اُس پر قصاص اور حد وارد ہوگی۔ یا اگر کسی کمال لے لیا۔ دیوایا جاتا ہوگا۔ اور حساب ان کا اللہ پر یعنی ہم حکم علی ہر سلام پر کریں گے اگر دل میں کفر و غیہ رکھتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں سبھی لیگا۔ مظاہر حق صفت ۛ

نہیں رکھتا۔ اول کو علم یقین کہتے ہیں۔ اور دوسرا وقتہ سبب ایک روز جو
مشاہدہ سے متعلق ہے۔ اُس کو عین یقین کہتے ہیں۔ دوسرا جو شہود ذاتی جو
تعلق رکھتا ہے۔ اُس کو حق یقین کہتے ہیں۔ لیکن دو قسم اخیر یعنی عینی اور
حقّی ایمان بالغیب میں داخل نہیں ہیں۔

ایمان بالغیب

اور جانتا چاہئے کہ ایمان بالغیب ہی قبولِ پسندیدہ و کار آمد ہوتا
ہے۔ اور جمہور ذی عقل اسی ایمان کے ساتھ مکلف ہیں۔ اور خدا نے متقین کی
پہلی صفت یہی بیان فرمائی ہے کہ یومنون بالغیب یعنی متقی وہ لوگ
ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور غیب اُس چیز کو کہتے ہیں جس کی دریافت
اور ادراک حقیقت سے جو اس ظاہرہ و باطنہ دونوں عاجز ہوں۔ جیسے ذات
وصفات پروردگار عالم اور حقیقت فرشتگان و روزِ آخرت اور نیز وہ چیزیں
جو قیامت اور اُس کے بعد ہونے والی ہیں۔ مثل حشر اجماد۔ وزن اعمال۔ مرد
صراطِ مہجّت و دوزخ و غیرہ اور قلمائے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایمان بالغیب
کو دوسرے معنوں پر عمل فرمایا ہے۔

ایمان بالغیب کی فضیلت پر ایک قصہ صحیحہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت احمد اور بروایت حاکم اور
دیگر محدثین کے شایع ہے کہ حارث ابن قیس نے ایک دن اُن کو کہا کہ میں لعین
ان باتوں کا جو ہم سے فوت ہوئیں۔ اور تم کو حاصل ہوئیں۔ بہت افسوس اور
حسرت ہے۔ اے یارانِ محمد! تم آنحضرت کے دیدارِ فرحت آثار سے مشرف
ہوئے۔ اور ہمیں یہ شرف تحسین نہیں ہوا۔ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا۔ ہم
بھی اُس چیز پر حسرت افسوس کرتے ہیں۔ جو ہم سے فوت ہوئیں۔ اور تم کو حاصل
ہو گئیں۔ وہ یہ کہ تم ناویدہ آنحضرت پر ایمان لائے۔ بخدا اگر نبوت آنحضرت کی
اُس شخص کے نزدیک جس نے آپ کو دیکھ لیا۔ آفتاب سے ظاہر تر ہے ایمان

حقیقت میں تمہارا ایمان ہے۔ پھر انہوں نے سورۃ بقرہ کو مفلحان تک تلاوت فرمایا۔ اور یہ مضمون یہ تلاوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھ سے بیان کرو کہ کن لوگوں کا ایمان افضل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ فرشتوں کا ایمان۔ آپؐ نے فرمایا فرشتوں کے ایمان کو کون چیز مانع ہے۔ (وہ خدا تعالیٰ کا مرتبہ پورے طور پر جانتے ہیں) اور تم فرشتوں کے مرتبہ کو جانتے ہو کہ خدا کے نزدیک ان کا کیا مرتبہ ہے۔ پھر عرض کیا۔ اسے حضور پیغمبروں کا ایمان افضل ہے۔ فرمایا کہ پیغمبروں کے ایمان میں کیا عجب ہے خدا نے تو ان کو تو اپنی رسالت و نبوت سے ممتاز بھی کیا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ان بزرگوں کا ایمان افضل ہے۔ جو انبیاء کی خدمت میں حاضر رہ کر اپنی جان کو دین پر نثار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ فائز بہ مرتبہ شہادت ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس میں بھی کوئی عجب نہیں۔ وہ انبیاء کی صحبت سے مشرف تھے۔ اور اس طرح انہوں نے انبیاء کے اوصاف و اطوار کو دیکھ کر پورا یقین حاصل کر لیا۔ پھر صحابہؓ عرش کیا۔ یا رسول اللہ آپؐ ہی فرماتے کہ کن لوگوں کا ایمان زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ان لوگوں کا ایمان جو ابھی باپوں کی سلب میں ہیں۔ اور پیرے بعد پیدا ہونگے۔ اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ حالانکہ انہوں نے حجہ کو نہیں دیکھا ہے۔ صرف چند سیاہ کردہ اوراق ان کو نظر پڑ گئے۔ پس یہ سبب ثبوت ایمان کے انہوں نے اس نوشتہ پر عمل کیا۔ اُس گروہ کا ایمان افضل ہے دوسروں سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے

پانی نکلتا

اسی قصہ کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں صبح کو

اٹھے۔ اور فرمایا۔ پانی ہے۔ تاکہ وضو کروں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ پانی نہیں ہے۔ فرمایا۔ کسی کے پاس پینے کا پانی بھی ہے۔ لوگوں نے ایک آنخورہ پانی سے بھرا ہوا لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اُس آنخورہ میں انگلیاں ڈالیں۔ اور حضرت بلالؓ کو فرمایا کہ لشکر میں تدا کر دو کہ لوگ آکر وضو کریں۔ لوگ آتے تھے۔ اور حضورؐ کی انگلیوں کے درمیان سے وضو کرتے تھے۔ پانی آپ کی انگلیوں سے قوارہ کی مانند جوش مارتا تھا۔ ابن مسعودؓ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے پانی کے پینے میں مشغول تھے۔ اور بار بار پیتے تھے۔

جب تمام لشکر وضو سے فارغ ہو گیا۔ آنحضرتؐ اٹھے۔ اور صبح کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! بندگانِ خدا میں کون سا ایسا فرقہ ہے جس کا ایمان فضیلت و عروجی رکھتا ہے۔ عرض کیا۔ فرشتوں کا ایمان، فرمایا۔ وہ تو امر و نہی خدا کا پہنچاتے ہیں۔ وہ خود کیوں نہیں ایمان لائیں گے پس اُن کے ایمان میں کیا عجب ہے۔ عرض کیا پیغمبروں کا ایمان۔ فرمایا۔ کہ پیغمبروں پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ وہ کیونکر ایمان نہ لائیں گے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے یاروں یعنی صحابہؓ کا ایمان۔ فرمایا۔ میرے یار کیوں نہیں ایمان لائیں گے۔ میں تو خود اُن کے ہمراہ موجو ہوں۔ اور وہ ہر لحظہ و ہر لمحہ مجھ سے جو کچھ دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ اُن لوگوں کا ایمان عروجی و فضیلت رکھتا ہے کہ جو میرے بعد آئیں گے۔ اور نادیدہ مجھ پر ایمان لائیں گے۔ اور میری تصدیق کریں گے۔ وہی لوگ میرے بھائی ہیں اور تم میرے یار ہو۔

داؤد طرابلسی نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ اور کہا۔ یا ابا عبد الرحمن تم نے اپنی آنکھوں سے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار مبارک دیکھا ہے۔ جواب دیا۔ ہاں اُس نے کہا۔ تم اپنی اس زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کلام بھی ہوئے ہو۔ جواب دیا۔ ہاں۔ پھر کہا۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے بیعت بھی کی ہے۔ جواب دیا۔ ہاں۔ یہ سن کر اُس شخص پر وجد کا عالم ہو گیا۔ اور کہا۔ آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں سنا ہوں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے۔ وہ شخص خوش حال ہے جو مجھے دیکھ کر ایمان لایا۔ اور خوش حال ہے پھر خوش حال ہے۔ پھر خوش حال ہے وہ شخص کہ نابیدہ مجھ پر ایمان لایا۔ اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک جماعت میری امت میرے بعد پیدا ہوگی۔ کہ میری محبت میں اس قدر فریفتہ ہوگی کہ اگر ممکن ہو تو میرے بیدار کو مال و مہیاں اور اہل شہرے خرید لیں۔ غرض ایمان بالغیب کا خواہ کسی قسم کا ہو۔ بڑا مرتبہ و فضیلت ہے۔ اور علمائے امت کا قول ہے کہ ایمان ہی مقبول ہے۔ چون دیکھو۔ اور بندہ کے اختیار اور قصد سے ہو۔ اور اس لئے ہے کہ اس کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقیم رہے گا۔ اور طاعات الہی پورے طور پر بجالائے گا۔

ایمان باس مقبول نہیں

عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے۔ وَ اَيُّدَانِ الْبَاسِ غَيْرَ مَقْبُولٍ یعنی اُس وقت کا ایمان لانا غیر مقبول ہوگا جب سکرانہ موت میں مبتلا۔ اور احوالِ آخرت کا معائنہ کرتا ہو۔ کیونکہ لغت میں باس کے معنی شدت و مذاکے ہیں۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ بندہ موت کے وقت اپنا مقام دیکھ لیتا ہے کہ اُس کی جگہ بہشت ہے یا دوزخ۔ اس حالت میں ایمان لانا غیر معتبر ہے کہ یہ ایمان بغیب اور باختیار نہیں ہے۔ بلکہ ایمان اضطراری ہے۔ چنانچہ قیامت میں تمام کفار پکار اٹھیں گے۔ رَبَّنَا ابصرنا وسمعنا فارجنا فعمل صالحا انا موقنون الہی ہماری آنکھیں بنیا اور کان شنوا ہمیں اب ہم نے یہ یقین جان لیا کہ تیرے مقررہ پیغمبروں نے تیری طرف سے جو خبر دی تھی۔ اور تیری کتاب میں جو کچھ لکھا تھا۔ وہ حق ہے۔ پس ہمیں دنیا

میں پھر بھیج دے کہ ہم عمال صالحہ کریں۔ بے شک ہم یقین لائے والے ہیں۔

اُس وقت کفار کا یہ ہستار و اعتراف مفید نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ ان الله يقبل توبته العبد ما لم يغرغر بشك الله تعالى بندہ کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ جب تک اُس پر حارت موت اور شدتِ سکرات طاری نہ ہو،

اور قرآن حکیم میں ہے ذلک یلک ینفعہم ایمانہم لما رآوا یا معنا نہیں فائدہ دیکھا اُن کو اُن کا ایمان جب دیکھ لیا اُنہوں نے ہمارے عذاب کو۔ اس آیت میں مراد رویتِ باس سے علاماتِ قیامت کا ملاحظہ کرنا ہے۔ جیسے طلوعِ شمس از جانب مغرب اور بیانِ اُس کا یہ تفصیل عقائد توحیدی میں گزرا ہے۔ دیکھو صاف۔

لیکن ذیل کی آیت صریح اس امر پر دال ہے کہ اختصار یعنی حضورِ موت کے وقت ایمان غیر مقبول ہے۔ لَیْسَتْ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُونَ السَّیِّئَاتِ حَتّٰی اِذَا حَفَرَ اَحَدًا هُمُ الْمَمُوتُ مَتٰلِ اِنَّ تَدِیْتُ الْاَلَانَ نہیں ہے توبہ اُن لوگوں کے لئے جو گناہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اُن میں سے کسی ایک کے پاس موت آکھڑی ہوئی۔ تو دگھیرا کہنے لگا بے شک میں اب توبہ کرتا ہوں۔ غرض حالتِ باس میں ایمان لانا۔ اور گناہوں سے توبہ کرنا غیر مقبول ہے۔ اور اسی طرح حالتِ غرغره میں۔ یہی ہے مذہبِ تمام فقہاء اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان باس مقبول ہے لیکن اُن کا قول معتبر نہیں۔

ایمانِ فرعون غیر مقبول ہے

اسی بنا پر تمام علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ ایمانِ فرعون کا غیر مقبول ہے۔ کیونکہ حیات سے نا اُمید ہونے اور وقتِ ادراکِ غرق۔ اور رویتِ عذابِ دیاس کے احطاراً وقوع میں آیا۔ لہذا جا بجا قرآن حکیم میں فرعون کی مذمت

کی گئی ہے۔ اور یہ کہ اُس کے واسطے دنیا و آخرت میں سخت عذاب خوار ہے۔

ایک جگہ فرمایا: وَاتَّبَعْنَا هُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ یعنی ہم نے اس دنیا میں فرعون اور اُس کے لشکر پر لعنت کی۔ اور قیامت کے دن وہ مذمت کے ہوؤں میں سے ہوں گے۔

اور فرمایا: فَآخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى یعنی اُس کو دنیا و آخرت میں خوار کیا۔

پس ان آیات اور ان کے سوا دوسری متعدد آیات سے ثابت ہے کہ فرعون سے ایمان مرا۔ اور حضور موت کے وقت اُس کا ایمان لانا کوئی مقید نہیں ہوا۔ اور اگر جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ایمان فرعون مقبول ہوتا اور وہ دنیا سے ظاہر و مظهر جاتا۔ تو قرآن شریف میں متعدد جگہ اُس کی مذمت کیوں کی جاتی۔ غرض ایمان باس اور ایمان فرعون کا غیر مقبول ہونا اور فرعون اور اُس کے احوال و وجود کا حالت کفر میں مرنا آیات و احادیث اور اجماع صحابہ و تابعین و مجتہدین سے ثابت ہے۔

اس باب میں کسی مخالف کا قول خواہ وہ کسی یا یہ کا ہو۔ قابلِ اعتبار نہیں۔ وہ خلاف جوابانِ فرعون کے باب میں شیخ نعمی الدین ابن عربی سے قصودِ محکم میں منقول ہے۔ تو اُس کی تردید عاسا سے ثابت اور ایمانِ فرعون کے باب میں اُن کا قول غیر مقبول ہے۔ اُن کی یہ خطائے اجتہادی سے بے جس سے سوائے انبیاء کے کوئی معصوم نہیں۔ توضیح کے لئے دیکھو تکمیل الایمان از صفحہ ۲ تا صفحہ ۳۳۔

۱۔ مولانا سید العلام نے شرح تفسیر مولانا روم میں باتباع قدوس حق تعالیٰ شیخ نعمی الدین ابن عربی ایمانِ فرعون پر بڑی زبردست بحث کی ہے۔ اور مخالفین کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مولانا سید العلام فرماتے ہیں کہ فرعون کفر پر مرنا اجماع سے ثابت ہے۔ لیکن اثباتِ اجماع خیلے دشوار است۔

اُن مسائل کے بیان میں جن سے فرقہ اہل سنت

والجماعت کی فرقہ باطلہ و تمیز ہوتی ہے

اس فائدہ کے تحت میں ہم عمدۃ الفسفی سے یہ مسائل نقل کرتے ہیں۔ جن سے اہل سنت والجماعت کی دوسرے فرقوں سے تمیز ہوتی ہے ان میں بعض مسائل اصول علم کلام یعنی مباحث ذات و صفات و افعال و معاد و نبوت و امامت سے متعلق نہیں ہیں۔ تاہم بہ تتبع و تقلید علما مہمراشی اور نیز برائے تمیز و تفریق و شناخت فرقہ حقہ اہل سنت والجماعت کے اُن کا بیان کرنا ضرور ہے۔ امید ہے کہ نیک دل اصحاب اس بیان سے مستفید ہونگے۔ اُن میں سے جن مسائل کو صاحب کتاب عقائد تورشتی نے تحریر فرما دیا ہے۔ اُن کو ہم باختصار لکھ دیں گے۔ اور مزید تحقیق کے لئے کتاب کا حوالہ دے دیں گے۔ لیکن جو مسائل نقل و بیان سے رہ گئے ہیں۔ اُن پر تفصیلی بحث کریں گے۔ تاکہ قائدہ تام ہو۔ مگر اطمینان ہے کہ یہ تفصیل بقدر ضرورت ہوگی اور موضوع کتاب سے خارج نہ ہوگی۔ **وَاللّٰهُ التَّوَفِیْقُ۔**

فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے

وَتَجِزُّ الصَّلَاةُ خَلْفَ بَیْتِ فَاسِقٍ اور روا ہے نماز پڑھنا پیچھے ہر ایک کا اور بدکار کے اگرچہ بدکار و فاسق اور اہل بدعت کی اقتدا شرعاً مکروہ ہے۔ اور اسی سبب سے علمائے سلف نے اُن کی اقتدا سے ممانعت کی ہے۔ لیکن اصل مسئلہ نزدیک اہل سنت والجماعت کے یہ ہے کہ فاسق و مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر اُس کی بدعت اور بدکاری منجر بکفر نہ ہو۔ فرقہ متزلزلہ اگرچہ فاسق کو غیر مومن نہ سمجھے۔ لیکن فسق کی اقتدا اُن کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اور روا نقل فاسق کی امامت ناجائز سمجھتے ہیں۔ وہ اس امامت صغریٰ کے لئے بھی مثیل امامت کبریٰ

کے عصمت کی قید لگاتے ہیں۔ ان کا یہ قول فاسد اور جہالت پر مبنی ہے
چنانچہ ہم عصمت کی تعریف میں کچھ بدلائل بیان کر چکے ہیں۔ دیکھو عقائد توحیدی
صفحہ

متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت

ادنیٰ حدیث صحیح میں ہے۔ سَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَا حِرَّ نَازِ
پڑھو پیچھے ہر نیک کار اور بدکار کے۔ متقی کی اقتدا کرنے کی
فضیلت بہت بڑی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی پرہیزگار
کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اُس کو کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب
مِلتا ہے۔ اور جو شخص کسی فقیہ متقی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اُس کو اتنا ثواب
مِلتا ہے۔ گویا اُس نے آنحضرت علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

کن لوگوں کی اقتدا نا جائز ہے۔

اور بعض کتب میں ہے کہ دس قسم کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا
روایت نہیں ہے۔ مرد کا عورت اور کودک یعنی نابالغ لڑکے کے پیچھے نماز کا
پڑھنا۔ اور جائزہ دار کا بے جا مہ۔ کے پیچھے۔ اور غیر متعذر کا معذور
کے پیچھے۔ اور عالم کا امی کے پیچھے۔ اور راکع و ساجد کا اشارہ سے مت ز
پڑھنے والے کے پیچھے۔ آگے یا کانگوں کے پیچھے۔ اور ایسے شخص کی اقتدا
بھی روا نہیں ہے۔ جو ادائے حروف پر قادر نہ ہو۔ یا قادر تو ہو۔ مگر غیر صحیح
پڑھتا ہو۔ اور تمیز مستفید میں ہے کہ پندرہ شخصوں کی امامت مکروہ ہے
مبذہ۔ مدبر۔ مکاتب۔ اعرابی۔ فاسق۔ حرام زادہ۔ دیوانہ۔ منقہ۔ نابینا۔
دامنی بے خرد۔ ماسک یعنی جو پیشاب یا نجانہ کی حاجت کو باوجود غلبہ کے
روک کر نماز پڑھتا ہے۔ شرابی۔ شطرنج باز۔ چوس باز۔ اور امرد۔

امام ہیں دس صفتوں کا ہونا ضرور ہے

فقیر ابو انیسیت تینیہ میں لکھتے ہیں کہ امام میں دس صفیوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ اُس کی اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز درست اور کامل ہو۔ ادا قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھے آواز نہ کرے۔ دوسرے تکبیرات کو پورے آواز سے ادا کرے۔ تاکہ مقتدی صاف طور پر سن لیں۔ تیسرے رکوع و سجدہ کو اطمینان سے ادا کرے۔ چوتھے اپنے کو حرام شہیت سے نگاہ رکھے پانچویں اپنے بدن اور جامہ کو نجاست خبیثہ اور غلیظہ سے نگاہ رکھے چھٹے قرأت دراز نہ پڑھے۔ مگر اُس وقت کہ قوم کی خواہش ہو اور وہ راضی ہو۔ ساتویں عجب تکبیر نہ کرے۔ آٹھویں نماز سے باہر نہ ہو۔ جب تک مومنین کے لئے طلب آمرزش نہ کرے۔ نویں نماز کے بعد کی دعا میں اپنی ذات کو حق و ص نہ کرے بلکہ سب کے واسطے دعا مانگے۔ دسویں جب کوئی مسافر یا مسکین اُس کی مسجد میں پہنچے تو اُس سے کوئی چیز طلب نہ کرے۔ اس کے سوا امام کے لئے اذیت سے خصائص مطولات میں منقول ہیں۔ وہاں تلاش کرنا چاہئے۔

وَتَجُوزُ الصَّلَاةَ عَلَى مَنْ يَرَدُّ قَاجِرٍ اور یہ اس کے نماز پڑھتا

ادب پر ہر نیک کار و بد کنار کے۔ جب اس کی موت ایمان پر ہوتی ہو۔ اسی پر اجازت ہے۔ اور اسی کا مویہ قول آنحضرت کا ہے۔ لَا تَدْعُوا الصَّلَاةَ عَلَى مَنْ

مَاتَ مِنْ أَهْلِ الْقَيْلَةِ بَيْنَ اِثْنَيْنِ قَبْلَهُ جَو كُونِي بِسْمِ اللَّهِ أَلَمْ يَكُنْ لَهُ جَنَّةٌ

پر مہو۔ اور ترک نہ کرو۔ وَتَكْفُ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ الْأَخْيَارِ اور ہم گروہ اہل

السنن والجماعت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر نیکی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ انھوں نے قرآنی باب و جمہ صحابہ کرام کی ثنا و صفت

میں تازل ہوئی ہیں۔ اور نیز احادیث صحیحہ اُن کی صفت میں اور اُن کی بارگاہی سے باز رہنے کے وجوب میں بہ کثرت وارد ہیں۔ ایک حدیث میں ہے خَيْرُ الْقُرُونِ

تَمَّ فِي شَعْرِ الَّذِينَ يَكُونُونَ مَعَهُ ثُمَّ الَّذِينَ يَكُونُونَ مَعَهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ صَحَابَهُ يَحْيَىٰ بْنُ يَحْيَىٰ - پھر
مَعَ النَّبِيِّينَ كَمَا - اور فرمایا لَا تَسْبُوا أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ فَإِنَّ أَحَدَهُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ

مَحَدٍ وَهَبًا مَا بَلَغَ مَدَّ لَهُمْ وَلَا نَصِيفَةً بَدَّوْنِي كَرِيمٍ صحابہ کی
پس اگر تم خدا کی راہ میں اُحد بپاٹ کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالو۔ جب بھی میرے
کسی ایک صحابی کے ایک دیا نصف کے برابر بھی پہنچو گے۔ اور فرمایا۔ اَلْكَرْمُ مَوْفَا
اَصْحَابِي قَاتِلُهُمْ خِيَارُ كَرَمِ مِيرے بعد صحابہ کا اکرام کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے خیار
ہیں۔ اور فرمایا۔ اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَخْذُلُوْهُمْ عَنْ صُلَاةٍ مِنْ بَعْدِي
مَنْ اَحْبَبَهُمْ خَيْرٌ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ يَبْغِهُمْ فَبَعْضُيْ اَبْغَضَهُمْ
وَمَنْ اَذَاَّهُمْ فَتَدَاذَنِيْ وَمَنْ اَذَانِيْ فَقَدْ اَذَى لِّلّٰهِ وَمَنْ اَذَى
لِّلّٰهِ تَعَالٰى فَيُؤْثِرْكَ اَنَا يَأْخُذُكُمْ لَعْنَةُ مِيرے صحابہ کے باب میں
خدا سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے غرض نہ بناؤ
پس جو شخص ان کو محبت کرتا ہے۔ وہ میری محبت سے ان کو دوست رکھتا ہے
اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے۔ تو میری دشمنی سے ان کو دشمن رکھتا ہے۔
یعنی ان کی محبت میری محبت ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا
ہے۔ اور جو شخص صحابہ کو اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے۔ اور جو
مجھے اذیت دیتا ہے وہ خدا کو اذیت دیتا ہے۔ اور جو خداوند تعالیٰ کو اذیت دیتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو عنقریب پکڑ لے گا۔

تمام صحابہٴ عدول ہیں

اسی بنا پر تمام علماء کا مذہب ہے کہ جمہ صحابہ کرام قبل فتنہ علی و عثمان
سے اور نیز اُس کے بعد عدول ہیں۔ ان میں سے کسی کی بدگوئی نہ کرنی چاہئے۔
اُس کا موید قول آنحضرتؐ ہے۔ اَصْحَابِيْ كَالْبُخْتِمْ يَأْتِيهِمْ اَذْتَدَّ يَتَمُّ
اَهْتَدَّ يَتَمُّ میرے صحابہ تماروں کی مثل ہیں جس کے پیچھے چلے گئے۔ رستہ پر
پہنچ جاؤ گے۔ رواہ الدارقمی اور ابن دقیق العید اپنے عقیدہ میں کہتے ہیں۔ کہ
صحابہ کرام میں باہم جو تنازعات واقع ہوئے ہیں۔ اور ان میں بکثرت اختلاف
بیانات و روایات پایا جاتا ہے۔ تو یاد رکھو۔ کہ اُس بیان میں باطل و کذب بہت
ہے۔ پس اُن کی جانب التفات نہ کرو۔ اور ان منازعات میں درایت کو ذریعہ

جتنی صحت و ثبوت کو پہنچا ہو اُس کی بھی ایسی ریسے تبادیل کرو۔ چونیک اور اُن بزرگوں کے مراتب علیہ کے موافق ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمام صحابہؓ کی تفریق و تراز سے پہلے ہی طرح فرمائی ہے۔ تو اُس کے بعد کا کلام اکثر و افضل کا تراشا ہوا ہے وہ مشکوک و مہوم اور محتمل تاویلات کا ہے۔ لہذا مشکوک و مہوم حق اور راست کو نہیں جھٹلا سکتا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں **هَذَا إِذْ مَاءٌ طَهَّرَ اللَّهُ** **أَيُّدِنَا عَنْهَا فَلَا نُكْوِتُ أَسِنَّتَكَ بِهَا** یعنی خالصانے ان حوں یزیوں سے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ تو ہم اُن کی (صحابہ کی) بدگوئی سے اپنی زبانوں کو ملبوث و آلودہ نہ کریں گے۔ حضرت امام احمدؒ سے کسی نے جناب علیؓ کو عائشہؓ کی مشاجرات کی بابت استفسار کیا۔ تو آپؓ نے فرمایا **تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَيْتُمْ وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ** یعنی وہ ایک گروہ تھا کہ اُن کا کسب اُن کے ساتھ کیا۔ اور تمہارا کسب تمہارے لئے ہے۔ تم اُن کے کسب سے سوال نہیں کئے جاؤ گے۔ حضرت امام عظیمؒ فرماتے ہیں۔ **لَوْلَا عَلَى لَحْدِ يُحْسِرَتِ السَّيْرَةُ فِي الْخَوَارِجِ** یعنی اگر جناب علیؓ نہ ہوتے تو فرقہ خوارج کی تفسیر سے آگاہی نہ ہوتی۔ دو فرقہ ہیں۔ جو صحابہ کی بدگوئی سے اپنے لئے عذاب آخرت جمع کرتے ہیں۔ ایک و افضل جو اصحابِ ثلاثہ اور مخالفین علیؓ کو برا کہتے ہیں۔ دوسرے خوارج جو جناب علیؓ کی اور اُن کے دوستوں کی بدگوئی کرتے ہیں۔ عقلاً و نقلاً دونوں ہی ایک نہایت جدید فعل کے مرتکب ہیں۔ لیکن فرقہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کو بلا استثناء عدول یقین کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض صحابہؓ کے باہم جو تنازعات مروی ہیں۔ اُن کو اُن کی اجتہادی غلطی پر معمول کرتے ہیں۔ فساد و اصرار کی وجہ سے گمان نہیں کرتے۔ غرض سب کے ساتھ حسن ظن کرتے ہیں۔ موافق نصوص قرآنیہ و احادیث صحیحہ کے۔ اس صورت میں خود ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو برا کہنا اور اُن پر طعن کرنا اگر مخالف دلائل قطعیہ کے ہو تو کفر ہے۔ جیسا **قَدْ فَعَّلَ اللَّهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا**۔ ورنہ اُس کے بدعت اور فسق ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ حال کا اہم یہ ہے کہ سلف مجتہدین اور علمائے عظام مجتہدین سے معادینہ اور اُن کے احزاب پر لعن کرنا غیر منقول ہے۔

یزید اور اہل قبلہ پر لعنت کی تحقیق

اور یزید پر لعنت کرنے میں علما کا اختلاف ہے خلاصہ میں ہے کہ یزید اور حجاج پر لعنت کرنا ہمیں نہ بیا نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اہل قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام غزالی امیر العالموں میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یزید پر لعنت کرنے کے جواز کے باب میں سوال کرے کہ اُس پر لعنت جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ قاتل حسین علیہ السلام ہے۔ یا حکم ازکم اُس نے حسین کے قتل کا حکم کیا ہے۔ تو اُس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔ یہ مطلق ثابت نہیں کہ اُس نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ یا اُن کے قتل کا حکم دیا۔ اور اس طرح کتنا بھی جائز نہیں۔ پھر لعنت کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ یزید تحقیق کے تو مسلمان کو کبیرہ گناہ کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن ہشام نے علی بن ابی طالب کو قتل کیا یا ابولولہ نے عمر کو قتل کیا۔ کیونکہ یہ واقعات بتواتر اخبارات ثابت ہیں۔

الفصل لوگوں پر لعنت کرنے میں خطر ہے اور سکوت میں کوئی خطر نہیں۔ اگر وہ سکوت لعن الیس سے کیوں نہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ بعض اہل قبلہ پر لعنت کرنا خود آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ آنحضرت احوال خلق سے پرہیز فرماتے تھے۔ کوئی دوسرا آپ جیسا واقف نہیں ہو سکتا۔ سعد ابن تفسارانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ یزید پر لعنت کرنے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض تو لعنت کو جائز نہیں کہتے۔ اور بعض اس خیال سے جائز کہتے ہیں کہ اُن کے نزدیک یزید نے حسین کے قتل کا حکم کیا۔ اور وہ آپ کے قتل سے راضی ہو کر پھر ہوا۔ لیکن اہل یا امر اور مجیز قتل حسین پر لعنت کرنے سے کسی کو انکار نہیں۔ پھر لکھا ہے۔ اگر جیسا کہ ہمیں روایات متواتر بالمعنی سے ثابت ہوئے۔ یزید نے قاتل حسین کا حکم کیا ہے۔ یا اُس پر راضی ہوا یا اجازت دی ہے تو ہم اس صورت میں کبھی سکوت نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمیں اُس کے موافق ہونے سے بھی انکار ہے۔ خدا اُس پر اور اُس کے انصار و اعوان پر لعنت کرے۔

عشرہ مبشرہ

وَنَشِيْدًا بِالْجَنَّةِ الْعَشْرَةِ الذِّينَ بَشَّرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْفَاهُمْ وَأَهَى دِيْتَهُمْ هِيْنَ أَنْ دَسْ آدَمِيُوْنَ كَيْ جَنَّتِيْ هُوْنِيْ كِي جَنِّ كِي بَابِيْ
آنحضرتؐ نے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ فرمایا۔ ابوبکرؓ فی الجنة و
عمرؓ فی الجنة و عثمانؓ فی الجنة و طلحةؓ فی الجنة و زبیرؓ فی الجنة و عبد
الرحمنؓ فی الجنة و سعدؓ ابن ابی وقاصؓ فی الجنة و سعیدؓ ابن زیدؓ فی الجنة
و ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ فی الجنة اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ و حسنؓ کے
جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث صحیحہ میں وارد ہے ان فاطمہ
سیدۃ النساء اهل الجنة والحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة
یعنی بیشک فاطمہ عتبت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور حسن و حسین جو انان جنت کے
سردار ہیں۔ اور ہم تمام صحابہ کا ذکر خیر سے کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کو
معین رکے جنتی یا دوزخی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں خدا سے امید ہے کہ صحابہ کرام کے
مراتب غیر صحابہ سے ضرور برتر اور بالا تر ہونگے۔ بلکہ اس بات کی علی العموم گواہی
دیتے ہیں کہ مومنین جنتی ہیں۔ اور کفار دوزخی کسی شاعر نے عشرہ مبشرہ کے سوائے
گرامی کو نظم کیا ہے جو بغرض یادداشت یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

انہا کہ بشارت از بهشت آمدشان بو بکر و عمر و فوان و علی و عثمانؓ
پس سعد و سعید پس از ان طلحة و زبیرؓ آنگاہ ابو عبیدہؓ و عبد الرحمنؓ

موزوں پر مسح کرنا

وتروی المسح علی الخفین فی السفر والحضر اور ہمارا اعتقاد
ہے کہ دونوں موزوں پر مسح کرنا سفر میں درست و روا ہے۔ اگرچہ یہ امر کتاب
الہی پر زیادہ ہے۔ لیکن خبر مشہور ہے۔ اسی واسطے امام کریمی فرماتے ہیں کہ
جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو روانہ نہیں رہتا اس پر کفر کا خوف ہے یعنی قریب
یہ کفر ہو جاتا ہے۔ مسح علی الخفین کے بابت میں کسی نے جناب علیؓ سے سوال کیا

تو آپ فرمایا کہ آنحضرتؐ نے تین رات دن تک مسافر کو موزوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔ اور ایک شب باندہ روز تک مقیم کو بشرطیکہ موزوں کو طہارت کامل پر پہنا ہو اسی طرح حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ میں نے ستر صحابہؓ کو پایا۔ جو موزوں پر مسح کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ بعض علمائے راویان احادیث مسح علی الخفین کے اسلئے گرامی کو جمع بھی کیا ہے۔ چنانچہ شرح العقائد پر حضرت مولانا بحر العلومؒ کی کتاب ارکان اربعہ سے ایک بسیط حاشیہ صفحہ ۱۱۸ پر لکھا ہے جس میں ان صحابہ کرامؓ کے نام بالتفصیل درج ہیں جن سے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث منقول ہے۔ غرض اس باب میں ایسے آثار آئے ہیں جو حیرت و اتریش نال ہیں۔ کسی نے حضرت انس بن مالکؓ سے سوال کیا کہ اہل السنۃ و الجماعت کی علامت کیا ہے۔ آپ فرمایا تحب الشیخین ولا تطعن فی الخفین و تمسح علی الخفین یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کو دوست رکھنا۔ اور حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ کے باپ میں طعن نہ کرنا۔ اور موزوں پر مسح کرنا۔ یہ تین علامتیں اہل السنۃ و الجماعت کی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کا منکر اہل السنۃ سے خارج ہے۔ ولا غرم نبینا التمر اور ہم حرام نہیں جانتے ہیں۔ شیرہ خرما کو تاؤ قتیقہ وہ حد سک کو نہ پہنچا ہو۔ اور اگر حد سک کو پہنچ گیا ہو۔ تو اس کے حرام ہونے میں کسی کو تامل نہیں۔

ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا

درجۃ ولایۃ انبیاء اور ولی انبیاء کے درجہ کو نہیں پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء معصوم ہیں اور خوف خاتمہ سے ایمن وحی الہی اور مشاہدہ ملائک سے مشرف اور تبلیغ احکام الہی پر مامور اور یہ خصوصیات کسی نبیؐ کو کسی حالت میں میسر نہیں ہو سکتے پس ولی کیونکر انبیاء کا درجہ پاسکتا ہے۔ بعض کرامہ کا یہ کہنا کہ نبیؐ ولی کے درجہ کو پہنچا سکتا ہے کفر ہے۔

اس میں علما کا اختلاف ہے کہ مرتبہ ولایت افضل ہے یا مرتبہ نبوت۔ پھر بعد تحقیق دلائل فریقین کے تمام علما اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ نبیؐ کو مرتبہ کو ولی ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اور مرتبہ نبوت حقیقت میں ولایت سے افضل ہے۔

واریس العبد الی حدیث یسقط عندہ الامور الذی ما دامہ ساقطت
بالذات اور انسان جب تک عاقل بالغ ہے۔ اُس سے خدا کے امر و نہی میں ساقط نہیں
ہوتے۔ جب تک وہ عاقل اور بالغ ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعی میں بڑا مستثنیٰ کسی
ایک کے سب کی جانب بالعموم خطا ہے۔ اور اسی پر مجتہدین کا اجماع ہے۔ یعنی اہل
لاحیت کا قول ہے کہ بندہ جب غایت درجہ عبادت و مجاہدہ کر کے عقل تہاسب
حاصل کر لیتا ہے۔ تو عبادات ظاہری اُس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت اُس کی
عبادت صرف تفکر و مراقبہ تک محدود ہوتی ہے۔ یہ قول محض کفر و ضلال ہے اِس
واسطے کہ دنیا کے پردہ میں بنی نوع انسان میں کامل تر آنحضرت علیہ السلام کی ذات
پاک تھی۔ یا وجود اِس کے آپ کے تکالیف ساقط نہیں ہوئیں۔ لیکن یہ جو حدیث میں
وارد ہے۔ اذا احب الله عبدا لا یضرب ذنب جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو
دوست رکھتا ہے تو اُس کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا اِس کے معنی یہ ہیں کہ
خدا اُس بندہ کو گناہ سے نگاہ و محفوظ رکھتا ہے۔ اُس کو گناہ کرنے ہی نہیں دیتا۔
جس سے اُس کو نقصان پہنچے۔ والنصوص تشمل علی ظواہرہا اور نصوص یعنی
آیات و احادیث معمول ہیں اپنے ظاہر پر جب تک ظاہر سے اُن کی تاویل پر کوئی دلیل
قطعی نہ ہو۔ والحدول عنہا الی معانید جہا اهل الباطن الحاد اور پھر تا
ظاہر آیات و احادیث سے اُن معنوں کی طرف کہ دعویٰ کرتے ہیں ان معنوں کا
اہل باطن الحاد کا اور متصل یہ کفر ہے باطنیہ۔ ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ آیات و احادیث
معمول پر ظاہر نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے باطنی معنی ہیں۔ جن کو خدا۔ رسول اور ولی بھی
سمجھ سکتا ہے۔ ایسی باتیں کرنے سے اُن کا یہ قصد ہے کہ شریعت نبوت کی کئی
نفی کر دیں۔ اور کوئی شخص عبادت شرعی کا پابند نہ رہے۔ ورد النصوص کفر
اور رد و انکار کرنا اُن احکام کا جن کے متعلق صریح آیات و احادیث وارد ہیں
اور قطعی دلائل سے ثابت ہیں۔ کفر ہے۔ جیسے انکار حشر اجداد اور وزن اعمال
اور صراط وغیرہ کا کیونکہ اِس سے تکذیب خدا و رسول کی ثابت ہوتی ہے۔ اسی
طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی قہمت لگانا کفر ہے۔ کیونکہ آپ
کی عصمت صریح آیات و احادیث اور دلائل قطعی سے ثابت ہے۔ واستلزل

المحصیۃ تم فیہا کانت او کیبتہ کفر اور حلال جاننا گناہ کو خواہ وہ گناہ
صغیر ہو یا کبیر و کفر ہے۔ بشرطیکہ اُس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہوا ہو
و الا ستہانتہا کفر بعد گناہ کو نہ جاننا کفر ہے۔ و الا ستہانتہا علی
الشک لیستہ کفر اور شک و یقین پر ہنسنا کفر ہے۔ اور نیز حلال اتفاقی کو حرام جاننا
اور حرام اتفاقی کو حلال جاننا کفر ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی
حائضہ عورت سے وطن کرنے کو حلال جانے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور امام محمد
لو اذ میں لکھتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی اپنی عورت سے بواطت کرنے
کو حلال جانے تو بعض کے نزدیک کافر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلمی الہی او۔
او امر خدا و تدبیر کے ساتھ ہزل کرنا کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کلمہ کفر کہے۔
اور دوسرا بر سبیل رضا حق کرے۔ تو دونوں کافر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص عطلین
کی طرح منبر پر چڑھے۔ اور ایک جماعت اُس کے گرد اگر بیٹھ کر مزاح کے طور پر
اُس سے مختلف مسائل پوچھے۔ اور اُس کی ہنسی اڑا دے۔ تو سب کافر ہو جاتے
ہیں۔

توضیحات المسائل میں ہے کہ اگر کوئی شخص اہانت کے طور پر عالم کی کفش کو
کفش کہے تو کافر ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی عالم کی طرف تیز نظر سے دیکھے۔
تو کافر ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ سراجی میں ہے کہ اگر خطیب خطبہ پڑھنے کے وقت
کسی ایسے بادشاہ کو جو ظالم ہو۔ عداوت کے تو کافر ہو جاتا ہے۔ امام منصور مازیدی
فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسے بادشاہوں کو عادل کہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ
امام زاہد میں ہے کہ حیاہ شرعی کا منکر کافر ہے۔ اگر کوئی کسی کو کفر کا حکم کرے یا اُس کا
عازم ہو۔ یا کسی عورت کو فتویٰ دے کہ کافر ہو نا شوہر سے جدا ہوئے یا شرب
پینے اور بیابح کھانے کے وقت بسم اللہ کہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی قسداً
غیر قبلہ کی طرف یا بے نماز پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کلمہ کفر
کو خفیہ جاننا کفر ہے۔ اگرچہ اُس پر اعتقاد نہ ہو۔ الی غیر ذالک من
الفروع

ایک عابد جو ہر قسم کے کفر سے پاک کرتی ہے

چونکہ کلمات کفر کا احصاء ممکن نہیں۔ اور اگرچہ بعض علماء مثل ملا علی قاری اور مولانا فتح محمد برہان پوری اور مولانا قطب الدین رحمہم اللہ نے اپنی معتبر کتب میں بقدر امکان ان کا احصاء کیا ہے۔ تاہم وہ کلمات کفر کا شمار و احصاء نہیں کر سکے۔ اس واسطے ہم تمام قسام کفر سے پاک ہونے کے لئے یہاں ایک نیا ميث نقل کرتے ہیں۔ جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ حضور نے فرمایا کہ ہر روز صبح کے وقت اندشام کے وقت ایک ایک مرتبہ ان کلمات کو پڑھ لیا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا لَا اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ یعنی اے اللہ میرے میں تحقیق تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس مرے۔ کہ میں تیرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کروں۔ اور میں اس کو جانتا ہوں۔ اور میں تجھ سے اے اللہ مغفرت چاہتا ہوں اس چیز سے کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ یہ شک تو بہت جاننے والا غیب کی باتوں کا ہے۔ جب کوئی مسلمان ان کلمات کو پڑھ لیا (نو اگرچہ اس سے کلمہ کفر سرزد ہوا ہوتا ہے) وہ از سر نو مسلمان ہو جائیگا۔ اور چاہئے کہ بندہ جتنی مرتبہ کلمہ شہادت پڑھے تو یہ نیت کرے کہ اگر مجھ سے دانستہ کوئی کفر ظہور میں آیا ہو۔ تو میں کلمہ پڑھتا ہوں۔ تاکہ از سر نو مسلمان ہو جاؤں۔ والیاس من اللہ تعالیٰ کفر اور نا امید ہونا حق سبحانہ تم سے کفر ہے کہ قرآن میں وارد ہے اَلَا یَا بَیْسُ مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ اَلَا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ نا امید نہیں ہوتے رحمت الہی سے مگر کافروں کی قوم والا من اللہ تعالیٰ کفر اور اہلین ہونا اللہ تعالیٰ سے کفر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَا یَا مَنْ مِّنْ مَّنْکُمْ اَللّٰهُ اَلَا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ اہلین نہیں ہوتے اللہ کے عذاب سے مگر خسار و پائے والے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے نا امید ہوں۔

عدم تکفیر اہل قبلہ کے معنی

اگر کہا جائے کہ تم یا اس اور امن وغیرہما کو کفر کہتے ہو۔ حالانکہ اہل قبلہ کو کافر نہ چاہئے کہ ان کی تکفیر خود کفر ہے۔ جواب یہ ہے کہ کفر سے ہماری مراد یہاں کفر حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ مجازاً ان لوگوں پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ ان سے وہ چیز صادر ہوتی ہے۔ جو کفر پر دلالت کرتی ہے۔ اور کفر حقیقی کہتے ہیں۔ انکار قلابی کو۔ جو تصدیق کے مقابل ہے۔ اور عدم تکفیر اہل قبلہ کے یہ معنی ہیں کہ جب تک کسی اہل قبلہ سے ایسی بات سرزد نہ ہو۔ جو کفر حقیقی پر دلالت کرتی ہے یا جو موجب کفر ہے۔ مثلاً انکار شہادہات و غیرہ تب تک اس کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے غرض جو شخص ضروریات دین کا منکر ہو۔ اگرچہ وہ اہل قبلہ سے ہو۔ اس کی تکفیر اہل سنت والجماعت کے نزدیک واجب ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور مراد اہل قبلہ سے وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین مثل حدود عالم حشر اجماد اور تعالیٰ کے عالم کلمات و جزئیات ہونے پر متفق ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص تمام عمر مشغول یہ طاعات الہی ہے۔ مگر قوم عالم اور عدم حشر اجماد وغیرہ کا قائل ہو۔ تو وہ ہرگز اہل قبلہ سے نہیں ہو سکتا اس کلیہ کے موافق ہر ایک فرقہ اور شخص کی حالت کو دیکھ لینا چاہئے۔ اس کے بعد اس کی تکفیر پر حکم لگانا چاہئے۔

کاہن کو سچا جاننا کفر ہے

والتصدیق کاہن بیا یخبر عن الغیب کفر اور کاہن کو سچا جاننا غیب کی خبر دینے میں کفر ہے۔ اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من اتى کاہنا فصدق بما یقول فقد کفر بیا انزل اللہ علی محمد یعنی جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس نے اس کے کہنے کو سچا جانا تو تحقیق اس نے کفر کیا۔ ان احکام کا جو خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے ہیں۔ اور کاہن اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو آئندہ زمانے کے حالات کے علم کا دعوے کرے۔ اور معرفت اسرار اور مطالعہ علم غیب کا مدعی ہو۔ عرب میں مختلف قسم

کے کاہن تھے۔ بعض تو یہ دعویٰ کرتے کہ جن اُن کو غیب کی خبریں آگیتے ہیں اور بعض کہتے تھے کہ ہم اپنی خداداد فہم سے امورِ آئندہ کی معرفت کر لیتے ہیں۔ اور علمِ نجوم جاننے والا جب دعویٰ کرے امورِ آئندہ کی معرفت کا تو وہ مثل کاہن کے ہے۔ اور یہی حال ہے ہر ایسے شخص کا جو علمِ غیب کا مدعی ہو یا بت دیتا ہے کہ علمِ غیب ایک ایسا امر ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے۔ کسی بشر کو اُس پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور انبیاء جو امورِ غیبیہ سے واقف تھے۔ وہ اس طرح تھا کہ خدا تعالیٰ وحی اور الہام کے ذریعہ اُن امورات پر اُن کو مطلع فرما دیتا۔ اور پھر وہ بشرطِ اجازت مخلوق پر اُن امورات کو ظاہر کرتے۔ اسی طرح اولیا۔ اور خاصانِ خدا بعض غیبی باتوں پر باعلامِ خدا سے عزوجل اطلاع رکھتے ہیں۔

مردہ کو ثواب پہنچتا ہے

والمعدوم لیس بشیئ اور اہل سنت و الجماعت کے نزدیک معدوم کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شے کو وجود و ثبوت کے معنی میں اطلاق کرتے ہیں اور معدوم کے معنی منفی و غیر موجود کرتے ہیں۔ اور نفی و اثبات میں تضاد ہے۔ وَ دَعَاءُ الْأَحْيَاءِ لِلْمَيِّتِ وَ صَدَقَاتُهُمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَهُمْ اور زندوں کے دعا کرنے میں میت اور مردوں کے لئے اور اُن کے صدقہ دینے میں میت کی طرف سے نفع ہے۔ واسطے میت کے یعنی اگر زندہ میت کے لئے دعا کرے یا اُس کی طرف سے کوئی صدقہ کرے تو اُس دعا و صدقہ سے نزدیک اہل سنت و الجماعت کے میت کو نفع پہنچتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے واسطے دعا واقع ہوئی ہے۔ اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس میت پر سو اور ایک حدیث میں آیا ہے۔ چالیس مسلمان نماز باجماعت ادا کرتے اور اُس کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ اُس کی دعا و شفا کو میت کے حق میں قبول فرماتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دعا بلا کو رفع کرتی ہے۔ اور صدقہ خدا کے غضب کو بٹھاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ الصالح والمتعلم اذا را علی شریۃ فان اللہ تعالیٰ یرفع

العذاب عن مقبرة تلك القرية اربعين يوماً یعنی عالم اور متعصم جب کسی گاؤں پر گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے قبرستان سے عذاب اٹھا لیتا ہے چالیس دن تک اور اس باب میں آیات و احادیث بہت ہیں۔
یہاں اُن سب نقل کرنا ضروری نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی یَجِیْبُ الدَّعَوَاتِ وَیَقْضِی الْحَاجَاتِ اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا۔ اور حاجتوں کو بر لاتا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا
اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ مَجْمُوعاً کہ میں تمہاری دعا کو قبول کروں۔ اور رسول
علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ جب تک کہ کسی گناہ یا قطع رحم کے لئے دعا نہ کرے۔ اور چاہئے کہ دعا میں جلدی نہ کرے کہ یہ بات اجابت سے محرومی کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اے مومنو! تمہارا پروردگار با حیا اور با کرم ہے۔ اُس کو اپنے کرم سے شرم آتی ہے کہ بندہ اُس سے دعا کرے۔ اور خدا اُس کو بدوں قبول کے پٹلا دے۔ اور دعا میں اصل بات نیت حضور قلب ہے۔ اس واسطے کہ بے حضور دل کی دعا مقرون باجابت نہیں ہوتی۔
بعض علماء کہتے ہیں کہ کفار کی دعا بھی مقبول ہوتی ہے۔ بدلیل اس آیت کے رَبِّ انْظُرْنِیْ اِلَیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ اس آیت سے ثابت ہے کہ خدا نے ابلیس کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور اُسے قیامت تک مدت عطا فرمائی۔ لیکن یہ اور اس کے خلاف ہیں۔ بدلیل اس آیت کے وَمَا دَعَا الْكَافِرُ مِنْ اِلٰہٍ فِیْ ضَلٰلٍ اَوْ حِدَیْثٍ میں جو آیا ہے دعا المظلوم مُسْتَجَابٌ وَاِنْ كَانَ کَافِرًا یعنی مظلوم کی دعا مقبول ہے۔ اگرچہ وہ کافر ہو۔ گو عراد کافر سے یہاں کفران نعمت کرنے والا ہے نہ وہ کافر جو مظلومین کی دعا ہے۔

وَمَا اخْبَرَهُ النَّبِیُّ سَلٰی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَمٌ مِّنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِّنْ خُرُوجِ الدَّجَالِ وَدَابَّةِ الْاَرْضِ وَیَا یٰجُوجَ وَیَا یُجُوجَ وَتَزْوِیْلِ عِلَیْسَی عَلَیْہِ السَّلَامُ مِّنَ السَّمَاءِ وَدُلُوْغِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِہَا وَخُرُوجِ النُّجُومِ اور آنحضرت ﷺ کی علامتوں کے گورنگی یا پختہ ہونے سے

جیسے دجال کا خروج کرنا اور دابۃ الارض کا اور یاجوج ماجوج کا نکلنا۔
 اور نبی علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا۔ اور مغرب سے شریح کا نکلنا
 یہ سب حق ہے تفصیل کے لئے دیکھو عقائد توحیدیہ ص ۱۰۰
 وَالْمُجْتَهِدُ قَدْ يَخْطِئُ وَقَدْ يَصِيبُ اور مجتہد کی رائے
 مسائل فرعیہ شہ عینیہ میں کبھی خطا کرتی ہے۔ اور کبھی صواب اور مجتہد کو
 خطا پر بھی اجر ہے ۰

اس مسئلہ میں علمائے امت یعنی بعض اشاعہ اور معتزلہ کا اختلاف
 ہے مگر ہم بخیال اختصار اس کے ذکر کو قلم انداز کرتے ہیں۔ اور مجتہد کے
 اجتہاد کے غلطی اور مصیبت ہونے کے باب میں جو احادیث و آثار وارد ہیں
 صرف انہیں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا۔ اِنْ اَصْبَحْتَ
 فَلَاكَ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَاِنْ اَخْطَاكَ فَلَاكَ حَسَنَةٌ وَاحِدَةٌ یعنی اگر
 تو نے اپنے اجتہاد میں پوری کامیابی موافق کتاب و سنت و اجماع امت کے
 حاصل کی۔ تو تیرے لئے دس نیکیاں ہیں۔ اور اگر تو نے سو اہل تقاضا کے
 بشریت خطا کی تو تیرے لئے ایک نیکی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جَعَلَ
 لِلْمُصِيبِ اَجْرَيْنِ وَبِالْغَطْلِ اَجْرًا وَاحِدًا اجتہاد میں مصیبت کے لئے دو اجر
 ہیں۔ اور خطا کرنے والوں کے لئے ایک اجر ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے ہے کہ
 اِنْ اَصْبَحْتَ فَمِنْ اِلٰهٍ وَاِلٰهٍ فَمِنْ اِلٰهٍ وَاِلٰهٍ فَمِنْ اِلٰهٍ یعنی اجتہاد میں میرا
 مصیبت ہونا خدا کی جانب سے ہے اور میرا غلطی ہونا خود میرے سوا اور
 شیطان و سوسہ سے ہے ۰

ان احادیث منقولہ سے ظاہر ہے کہ مجتہد اجتہاد میں کبھی صواب
 پر ہوتا ہے۔ اور کبھی غلطی پر لیکن چونکہ اس سے عذر اور دانستہ غلطی
 سرزد نہیں ہوتی۔ اور اس کی تمام ہمت و فہم صواب کی تلاش میں مشغول
 و متوجہ ہوتی ہے اس لئے اس کو غلطی پر بھی اجر ملتا ہے۔ ہذا
 ما امر دنا ان تختصر فی المطالب وان شئت تفصلاً فعلیاً
 بالمطوالت ۰

در سبیل المبتدیان فصل من در سبیل المبتدیان فصل من
در سبیل المبتدیان فصل من عامۃ المبتدیان و عامۃ المبتدیان
افضل من عامۃ المبتدیان فصل من عامۃ المبتدیان فصل من
رسولوں سے افضل ہیں۔ اور ملائکہ کے رسول عام انسانوں سے افضل
ہیں۔ اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ بیان اجمال
سے ہے۔ اور دلائل اس کے کتاب عقائد توریت میں مرقوم ہیں۔ ملاحظہ
ملاحظہ فرمائیے۔

مہربان خیر

اطلاع عام

خاکسار مصنف کتاب ہذا نے اس کتاب کے تمام حق حقوق موقوف بہ حبیب
ایک طاہر سید کے دوست بغرض طبع ملک چپنن الدین
خلف الرشید ملک فضل الدین کے زوی۔ تاہم کتب قزوینی
مالک اندرون کی قزوینی دکان، پتہ ارشد بیری کلاہن
کو ہمیشہ کے لئے دے دی ہے۔ لہذا کوئی صاحب غیر ان
مالک صاحب موصوف قصد طبع نہ فرمائیے۔ اس لئے یہ چند
سطور بطور اطلاع عام لکھ دیں ہیں۔ فقط

المنشور

اختر محمد خاں ام پوری

رکن الدین

یہ رسالہ مسائل فقہ میں بھی نہایت جامع بڑے دلچسپ پیرایہ میں بطور سوال جواب تصنیف ہوا ہے۔ یہ رسالہ اس قدر مقبول خلافت ہوا ہے کہ اس کی تعریف فضول ہے بغیر اشتہار کے ہی اس کی اس قدر بکری ہے کہ دکان میں کتاب آتے ہی فروخت ہو جاتی ہے۔ خدا نے عجیب قبولیت عطا فرمائی ہے مصنفہ حضرت مولانا مولوی حاجی شاکر محمد رکن الدین صاحب نقشبندی مجددی الوری۔ آج تک اردو زبان میں مسائل فقہ کا ایسا جامع اور دلچسپ رسالہ تصنیف نہیں ہوا ہے قابل دید اعلیٰ اور خوشخط کتاب ہے۔ قیمت صرف ۱۲/

اردو ترجمہ کتاب ربیعین فی اصول الدین

از تصنیف لطیف ابو حامد حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو بلحاظ اپنے اعلیٰ مضامین کے نہایت نادر اور ہمیشہ عربی سے اردو زبان میں با محاورہ ترجمہ کر اگر طبع کی گئی ہے اس میں امام صاحب نے انسان کو جھٹول اللہ کے طریق بتائے ہیں۔ اور دیباچہ میں اس کی مفصل تشریح کر دی ہے۔ نیز آپ نے بالفاظ صریح اعلان کیا ہے کہ دنیا دار اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ صرف ذات الہی کا طالب فائدہ اٹھائے گا۔ نہایت خوشخط چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ قیمت ۱۲/

اردو ترجمہ کتاب جواهر القرآن

یہ کتاب ربیعین کا دوسرا حصہ ہے تصنیف حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس میں کتاب میں امام صاحب نے قرآن کریم سے جو آیات چُن چُن کر لکھی ہیں۔ ان کی نسبت فرمایا ہے کہ جو ہر بے باہر مسلمان اس کے مطالعہ اور ورد سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اور جو شخص اربعین فی اصول الدین کا مطالعہ کرے اس کے لئے اس کا پڑھنا نہایت ضروری ہے۔ درحقیقت امام صاحب نے جس خوش اسلوبی سے انتخاب جو اہرات کیا ہے۔ وہ نہایت بے مثل طریقہ ہے۔ اہل ذوق و شوق دونوں کو خرید کر حُر جاں بنائیں۔ نہایت خوش قلم اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر چھپ کر تیار ہے۔ قیمت صرف ۸/

عربی سے اردو ترجمہ کتاب

الشفاعون المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ایک بہت بڑی مشہور کتاب عربی میں حضرت قاضی ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے
جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناقب و محاسن میں تصنیف فرمائی ہے۔
اس کتاب کی خوبی اور مقبولیت احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی کیونکہ ذات باری
جس محبوب کی صفت و ثنا قرآن کریم میں اپنی زبان مبارک سے فرمائی اور جملہ
فرشتگان کو اس پیارے نام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے حکم دے تو دوسرا کون
بشر یا جن مگر کہ وہ اس ثنا کو پورے طور پر ادا کر سکے حضرت مصطفیٰ نے
اس مبارک کتاب کو جس خوبی اور حسن اعتقاد سے لکھ کر اپنے ایمان و محبت مصطفوی
کا ثبوت دیا ہے یہ اسی مبارک سستی کا کام تھا چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث
دہلویؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب جناب رسول
مقبول کی شان میں نہ اب تک لکھی گئی ہے اور نہ آئندہ کوئی لکھیگا۔ یہاں تک
حضرتؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب الشفا ہوگی۔ وہاں تبصدق
رسول پاکؐ بھی کوئی بیماری نہ ہوگی۔ اس میں حضرتؒ نے وہ باریک سبائل بیان
فرمائے ہیں جو آج تک بعض علما کرام کی زبان سے کم سننے میں آئے ہیں۔ ہر ایک
سچے مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور وہ برکات الہی سے بہرہ یاب ہو کر جناب
رسول مقبولؐ کے فیضان سے فیضیاب ہوتا ہے۔ غرض کتاب قابل دیدنیہ قیمت ہے

مولانا قاسم علی خان صاحب دارالعلوم دیوبند
تاج کتب قومی منزل نقشبندیہ بازار کشمیری لاہور

